تالیف: ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی

مترجم: مولانا آصف نسیم

ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ باد　　　　　　عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈمن "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈمن کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریموو کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریموو کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈمن سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی وذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریموو کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈمن سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریموو کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد　　　　　　پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو

سلسلۃ السیرۃ ۸
سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ
شخصیت اور کارنامے
www.KitaboSunnat.com
تالیف: ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی
مترجم: مولانا آصف نسیم
MAKTABA
AL-FURQAN
مکتبہ الفرقان | خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، پاکستان

نام کتاب

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

شخصیت اور کارنامے

تالیف: ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی

مترجم: مولانا آصف نسیم

سعودی عرب

دار الوعین للنشر والتوزیع

س ت: ۱۰۱۰۲۰٤۸۷٦

فرع: مرکز الجامع التجاری شارع باخشب جدہ

معرض: ۰۲٦۳۳٦٦٤۰ فاکس: ۰۲٦۸۷٤٥٥۷

المکتب الرئیسی الریاض، حی الفیصلة

هاتف: ۰۱۲٤۲۳۱۲٦

مکتبہ دار الفرقان، الریاض

هاتف: ۰۱-٤۳٥۸٦٤٦، ۰٥٦۳۰٦٤۷۳٦، ۰٥۰۷٤۱۹۹۲۱

مکتبہ بیت السلام، الریاض

هاتف: ۰۱-٤٤٦۰۱۲۹، ۰٥۰٥٤٤۰۱٤۷، ۰٥۰۲۰۳۳۲٦۰

مکتبۃ الفرقان | خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ پاکستان

فہرست مضامین

تیسری فصل ......سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور عقائد اہل سنت کا اہتمام

چوتھی فصل ...... سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا خوارج، روافض، قدریہ، مرجئہ اور جہمیہ کے بارے میں موقف

پانچویں فصل ...... سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی معاشرتی علمی اور دعوتی زندگی

چھٹی فصل ...... عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور کی مالی اصلاحات

ساتویں فصل......سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور خلافت میں عدالتی محکمہ اور آپ کے بعض فقہی اجتہادات کا بیان

آٹھویں فصل...... سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی انتظامی فقہ
آخری ایام اور وفات حسرت آیات

زندگی کے آخری ایام اور وفات

عرضِ ناشر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ ، اَمَّا بَعْدُ!

تمام تعریفات رب العالمین، رب کائنات، خالق کل، مالک الملک کے لیے اور درود وسلام محسن اُمت، ہادی اُمت، آمنہ کے لختِ جگر محمد رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس پر۔

رسول اللہ ﷺ جس ماحول میں مبعوث ہوئے بلاشبہ بڑا کٹھن اور آزما کن تھا۔ اپنے اور بیگانے بنا کسی تفریق کے آپ کی رسالت کو ماننے کو تیار نہ تھے، بلکہ آپ کو بیگانوں نے گلے لگا کر اپنا بنایا جب کہ اپنوں نے مخالفت میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ بڑی طویل داستان ہے جس سے نتائج کے اوراق بھرے پڑے ہیں، اس کا ہر لمحہ اور ہر لحظہ یاد آتے ہی خون کو گرما دیتا ہے اور دل سے آپ کی ذاتِ گرامی پر بے شمار دُرود اور پیار بھرے محبت کے الفاظ نکلتا ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

بہر حال آپ نے جو ماحول اور تربیت فراہم کی اس کے عوض ایسے گوہر نایاب وجود میں آئے جنھیں تاریخ بھولنے سے قاصر ہے۔ ان میں بالخصوص خلفائے راشدین اور بالعموم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور پھر تابعین اور تبع تابعین........... سب نے اپنی زندگی کا محور اسی ذات عظیم کی پیروی کو سمجھا...... اور پھر اسی کے دیے احکامات کے مطابق ساری زندگی گزار دی......

امام عبداللہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جو قوم اپنے اسلاف کے صحیح اور سچے حالات سے بے خبر ہے اور اسے علم نہیں کہ اس کے راہبروں اور بزرگوں نے دین وملت کی کیا خدمت کی ...... ان کے شب و روز کیسے تھے...... ان کے اعمال کیسے تھے...... اور وہ کیسے زندگی گزارتے تھے...... تو وہ قوم تاریکی میں بھٹک رہی ہے اور یہ تاریکی اسے گمراہی میں مبتلا کر رہی ہے۔ اس لیے ان ہستیوں کے حالات و واقعات سے شناسائی ضروری ہے تاکہ زندگی کو راہِ راست پر گزار کر کامیاب بنایا جا سکے۔“

خلفائے راشدین کی سیرت کا تذکرہ ضخیم جلدوں میں ”مکتبہ الفرقان“ کی طرف سے شائع ہو کر قارئین کے سینوں کی ٹھنڈک کا سامان بن چکا ہے۔ یہ ”سلسلہ تاریخ اسلام“ تا ہنوز جاری وساری ہے۔ الحمد للہ

یہ اسی سلسلہ کی کتاب، اسلام کے جس عظیم سپوت کی زندگی اور خلافت پر مشتمل ہے، انھیں لوگ خلیفہ خامس یعنی پانچویں خلیفہ جناب عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے نام سے جانتے ہیں۔

آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں کیونکہ آپ کا تعلق خاندانِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے تھا اور آپ کی خلافت ''خلافت اُمویہ'' کا اہم حصہ تھی۔ آپ مصلح کبیر، مجدد شہیر، خوفِ الٰہی سے آراستہ، تواضع، زہد و ورع، حلم و بردباری، عفو و درگزر، صبر و برداشت، حزم و احتیاط، عدل و انصاف کے خوگر اور پیکر تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ مستجاب الدعوات بھی تھے۔

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے ڈھائی سالہ دورِ خلافت میں مسلمانوں اور بالخصوص غریبوں، لاچار و بے کس انسانوں کی خدمت کی۔ جس کی بنا پر آپ کی رعایا آپ سے بے حد خوش تھے اور آپ کی لمبی زندگی کی دُعا کیا کرتے تھے۔ آپ نے رفاہِ عامہ کے اُمور اور درس و تدریس کی خودنگرانی کی۔ قضا اور بیت المال جیسے شعبوں کی دیکھ بھال کی، جس کا مشاہدہ آپ کتاب کے مطالعہ سے بخوبی کرسکیں گے۔ ان شاء اللہ

یہ کتاب بھی الحمد للہ **''مکتبہ الفرقان''** کی طرف سے عوام الناس کے لیے بیش قیمت سرمایہ اور یقیناً کسی تحفہ سے کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام اراکین ادارہ اور معاونین کو جزائے خیر سے نوازے اور اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشے اور سب کے لیے توشہ آخرت بنائے۔ آمین

دعاؤں کا طلب گار
عبدالجلیل ابوساریہ
ریاض، سعودی عرب

مقدمہ

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

سب تعریفیں اللہ ہی کو لائق ہیں۔ ہم رب تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں، اس سے مدد کے طلب گار ہیں، اس سے معافی مانگتے ہیں اور ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے رب تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی بہکانے والا نہیں اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی سیدھی راہ دکھانے والا نہیں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ ﴾

(آل عمران: ۱۰۲)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم ہرگز نہ مرو، مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔“

اور فرمایا:

﴿ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ﴿۱﴾ ﴾ (النساء: ۱)

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی پیدا کی اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتوں سے بھی، بے شک اللہ ہمیشہ تم پر پورا نگہبان ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

(الاحزاب : ۷۰ ـ ۷۱)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور بالکل سیدھی بات کہو۔ وہ تمھارے لیے تمھارے اعمال درست کر دے گا اور تمھارے لیے تمھارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے تو یقیناً اس نے کامیابی حاصل کر لی، بہت بڑی کامیابی۔''

اے میرے پروردگار!

سب تعریفوں کے لائق تو ہی ہے جو تیرے چہرے کے جلال اور تیری عظیم سلطنت کے شایان شان ہوں۔ اور حمد تیرے ہی لیے ہے یہاں تک کہ تو راضی ہوجائے اور جب تو راضی ہو جائے تب بھی حمد تیرے لیے ہے اور تیرے راضی ہوجانے کے بعد بھی حمد تیرے ہی لیے ہے۔

امابعد!

قارئین کرام! جو کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے دراصل یہ ''خلافت امویہ'' کا ایک جز ہے۔ جو خلافت امویہ کے اصلاحی عہد کے بارے میں ہے۔ میں نے اس کتاب میں مصلح کبیر، مجدد شہیر، سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی حیات، سیرت طلب علم اور ان کی مبارک زندگی کے اہم اعمال کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ ولید اور سلیمان کے ادوار پر قدرے روشنی ڈالنے کے بعد سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت و بیعت، اور خلافت امویہ کے نظم کو چلانے کی بابت ان کے منہج، شوریٰ کے اہتمام، عدل، رد مظالم کی بابت ان کی سیاست، سب ظالم والیوں کے معزول کرنے، موالی اور اہل ذمہ پر سے ظلم ہٹانے، اہل سمرقند کو انصاف دالونے اور خلافت میں آزادیوں کے فراہم کرنے کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کی ہے، جیسے نظریے کی آزادی، عقیدے کی آزادی، سیاست و شخصیت کی آزادی، کسب تجارت کی آزادی وغیرہ۔ اس کتاب میں میں نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اہم صفات پر بھی روشنی ڈالی ہے، جیسے خوف الٰہی کی شدت، تواضع، زہد وورع، حلم وبردباری، عفوودرگزر، صبر و برداشت، حزم واحتیاط، عدل وانصاف، دعا والحاح اور مستجاب الدعاء ہونا وغیرہ۔

جناب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جو تجدیدی واصلاحی کام کیے ان کے آثار پر بھی گفتگو کی ہے جیسے شوریٰ قائم کرنا، حکومت میں عدل کرنا، امانت دار افسران کو امور خلافت تفویض کرنا وغیرہ۔ اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مبدأ اور عدل کے مبدأ کا احیاء اور سیّدنا عمر رحمہ اللہ کے مجدد ہونے کی شرائط پر

بھی کلام کیا ہے جیسے جناب کا صحیح العقیدہ ہونا، سلامت منہج کا مالک ہونا، عالم ومجتہد ہونا وغیرہ۔ اس کے ساتھ ساتھ جناب کے فکر وسلوک کے میدان میں تجدیدی کارناموں اور اپنے دور کے لوگوں کو عمومی نفع پہنچانے وغیرہ جیسی صفات کو بھی ذکر کیا ہے۔

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اہل سنت والجماعت کے عقائد کا بے حد اہتمام کرتے تھے۔ چنانچہ توحید الوہیت، رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا، آخرت پر ایمان کا صحیح مفہوم، امور غیبیہ جیسے عذاب قبر اور اس کی نعمتیں، یوم آخرت، میزان عدل، حوض کوثر، پل صراط، جنت، دوزخ، جنت میں مومنوں کا رب تعالیٰ کی زیارت کرنا وغیرہ کہ ان سب باتوں پر پختہ اعتقاد کی بابت جناب سیّدنا کا وہی عقیدہ تھا جو جمہور اہل سنت والجماعت کا تھا۔ سیّدنا عمر رحمۃ اللہ علیہ کتاب وسنت اور سنت خلفائے راشدین کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کی بھرپور دعوت دیتے تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ان کے باہمی مشاجرات اور اہل بیت کے بارے میں ان کا موقف اہل سنت والجماعت کے مطابق تھا۔

میں نے اس کتاب میں اس موضوع پر بھی گفتگو کی ہے کہ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا خوارج، شیعہ اور قدریہ کے بارے میں کیا نظریہ تھا، آپ کی معاشرتی زندگی، اولاد اور اہل خانہ کے ساتھ معاملات اور معاشرت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ آپ کا اپنی اولاد کی تربیت کے بارے میں کیا منہج تھا اس کو بھی بیان کیا ہے، چنانچہ آپ نے اپنی اولاد کی تربیت کے لیے ماہر معلمین اور صالح مؤدبین کا انتخاب کیا۔ منہج علمی، تعلیم وتادیب کے طریقہ، اوقات اور اولویات تعلیم کی بابت آں جناب کی تحدید پر بھی گفتگو کی ہے۔ اس کے علاوہ موثرات تعلیمیہ، اس منہج کے نتائج اور آپ کے بیٹے عبدالملک کے متاثر ہونے کو بھی بیان کیا ہے۔ میں نے ان موضوعات پر بھی گفتگو کی ہے کہ لوگوں کے ساتھ آپ کا کیا معاملہ تھا۔ ان کی اصلاح وتربیت کے لیے آپ نے کیا طریقہ کار اختیار کیا، لوگوں کو آخرت یاد دلانے، ان کے غلط نظریات کی تصحیح کرنے اور ان سے ہر قسم کی عصبیت کو نکال باہر کرنے کے لیے کیا کیا اقدامات کیے حتی کہ ان کے دلوں سے پہلے اسلام لانے کی عصبیت کو بھی جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ آپ اہل علم وفضل کا احترام کرتے، مقروضوں کا قرض ادا کرتے، مسلمان قیدیوں کو چھڑواتے، حاجت مندوں کی حاجت رفع کرتے اور تنگدستوں کے مہر بیت المال سے ادا کرتے۔ آپ نے معاشرے کے مختلف طبقات کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کے لیے بے پناہ کوششیں کیں، شعراء کے ساتھ آپ کا معاملہ بے حد کریمانہ تھا۔ علمائے کرام کی بے حد توقیر کرتے، آپ اپنے اصلاحی منصوبوں کی کامیابی کے لیے اپنے ساتھ علماء کو شریک کرتے۔ چنانچہ علمائے کرام آپ کی ہدایات کے منتظر رہتے اور آپ کے تجدیدی منہج کو آسانی کے ساتھ منزل مراد تک پہنچانے کے لیے آپ کا بھرپور تعاون کرتے۔ اور علماء کو اپنی

ذمہ داریاں نبھانے کے لیے آپ انہیں جو بھی نصیحت کرتے یہ علماء اس کو پوری توجہ سے سنتے اور بسر وچشم قبول کرتے اور خلافت کے مختلف امور اور مناصب کو سنبھالنے کے لیے کمربستہ ہوجاتے۔

میں نے اس کتاب میں موصوف کے عہد کے اور خلافت امویہ کے عہد کے مدارس علمیہ کے بارے میں بھی گفتگو کی ہے جیسے شام، حجاز عراق اور مصر کے مدارس ...... وغیرہ۔ اس بابت تابعین کے تفسیری منہج، سنت نبویہ کی بابت ان کی خدمت اور حدیث کی تدوین کی بابت خود حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمات اور روشن کردار پر بھی سیر حاصل کی گفتگو کی ہے۔ میں نے حضرات تابعین کے تزکیہ وسلوک کے منہج کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور اس بابت حضرت حسن بصری کے مدرسہ کو بطور مثال کے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے مدرسہ اور اس مدرسہ کے مشہور زمانہ شاگردوں ایوب سختیانی، مالک بن دینار، اور محمد بن واسع کے حالات زندگی پر بھی گفتگو کی ہے۔ میں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جناب حسن بصری رحمہ اللہ اعتزال سے بری ہیں۔ اور بتلایا ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ کا جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ بے پناہ تعلق تھا اور ان کی سیّدنا عمر رحمہ اللہ کے ساتھ خط وکتابت بھی رہتی تھی۔ یہ خطوط بتلاتے ہیں کہ حسن بصری کی نگاہوں میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ایک عادل امام کی حیثیت رکھتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے قسطنطنیہ کا حصار کیوں رفع کیا اور اس کے کیا اسباب تھے اس بابت میں نے جناب سیّدنا عمر رحمہ اللہ کے موقف کو بھی ذکر کیا ہے۔ میں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ سیّدنا عمر رحمہ اللہ نے دعوت کا کس قدر اہتمام کیا حتی کہ آپ نے باقاعدہ یہ قانون منظور کیا کہ علماء اور مبلغین دعوت کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے اپنی مالی ذمہ داریوں سے سبکدوش رہیں گے اور ان کے گھر بار کے اخراجات خلافت کے ذمہ ہوں گے تاکہ وہ اطمینان قلب کے ساتھ علم کی نشر واشاعت اور اس کی تعلیم میں مصروف رہیں۔ اور امت مسلمہ میں علم کی اہمیت کو اجاگر کریں۔ آپ نے شمالی افریقہ اور دوسری اقالیم میں ان علماء کو بھیجا تاکہ وہ لوگوں کی قرآن وسنت کے مطابق تعلیم وتربیت کرسکیں۔

آپ نے ہند کے حکمرانوں کو دعوتی خطوط لکھ بھیجے۔ آپ لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے کی بھرپور ترغیب دیتے تھے۔ میں نے ایک الگ فصل میں اس موضوع پر بھی گفتگو کی ہے کہ کس طرح آپ نے مالی اصلاحات کیں اور اس بابت کس قدر حکیمانہ سیاست کو اپنایا۔ آپ نے عدل کا پرچم بلند کیا، ظلم وعدوان کو ختم کیا۔ آپ کے اقتصادی اہداف کیا تھے ان کو بھی بیان کیا ہے۔ آپ نے سرکاری آمدنی اور سرکاری خزانے کی منصفانہ تقسیم کی تنظیم نو کی۔ اقتصادی استحکام وترقی اور معاشرتی خوشحالی کی منظم اصلاحات کیں۔

میں نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ آپ نے خلافت میں ترقی کی مناسب فضا پیدا کی۔ حق

والوں کو ان کے حقوق دلوائے اور مخصوص شرائط کے ساتھ سب کو اقتصادی آزادی دلوائی۔ زرعی ترقی کے لیے نئی اقتصادی پالیسیاں اپنائیں جن میں خراجی زمینوں کی فروختگی کی ممانعت سرفہرست تھی۔ مزارعین کے ساتھ حسن سلوک کی انتہا کر دی ان کے متعدد ٹیکس معاف کر دیئے۔ اور لوگوں کو اس بات کی بھرپور ترغیب دی کہ وہ بنجر زمینوں کو کسی نہ کسی طرح آباد کریں۔ ان میں کاشت کریں، عمارتیں تعمیر کریں اور آبادیاں قائم کریں۔ ذیلی تعمیری منصوبوں کے مواقع فراہم کیے۔

میں نے سیّدنا عمر رحمہ اللہ کے انفاق عام کی بابت سیاست پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ چنانچہ آپ نے رعایا پر خرچ بھی کیا اور خود سلطنت کے اخراجات کا قبلہ بھی درست کیا۔ چنانچہ آپ نے اموی خلفاء و امراء کی بے جا مراعات کے سلسلہ کو ختم کیا اور ادارتی اور جنگی اخراجات کا نظم وضبط بنایا۔

میں نے اس کتاب میں آپ کے عہد کے شعبہ قضاء اور آپ کے بعض فقہی اجتہادات پر بھی گفتگو کی ہے۔ جن میں والیوں کو ملنے والے تحفوں اور خلاف شرع فیصلوں کو کالعدم قرار دینے کی بابت آپ کی رائے کو آپ کے اجتہادات میں ایک نمایا خصوصیت حاصل ہے۔

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ادارتی سیاست بھی لائق گفتگو تھی۔ چنانچہ میں نے خاص اس موضوع پر اور آپ کے مشہور والیوں پر قرار واقعی گفتگو کی ہے۔ اور بتلایا ہے کہ سیّدنا عمر رحمہ اللہ اہل خیر و صلاح میں سے اپنے والیوں کا انتخاب کرنے کے کس قدر حریص تھے۔ آپ امور خلافت کی نگرانی خود کرتے، آپ میں تنظیم وتنسیق اور منصوبہ بندی کی زبردست صلاحیت تھی۔ آپ کے حکیمانہ اسلوب نے خلافت کے اداروں کو تباہ ہونے سے بچالیا۔ چنانچہ آپ نے ملازمین کی تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ کیا جس سے ان کی محض حصول زر کے لیے دروغ گوئی کی بد عادت ختم ہوگئی، ساتھ ہی انہیں کام چوری کی خوئے بد سے بھی نجات مل گئی۔ آپ نے والیوں کو ہدیے لینے سے روکا، ان کی فضول خرچی کی عادت پر قابو پایا، عمال و امراء کو تجارت میں مشغول ہونے سے روکا، والی اور رعایا کے خفیہ مراسم کے سب دروازوں کو بند کیا اور گزشتہ والیوں سے بیت المال کی رقوم کا سخت محاسبہ کیا۔

میں نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی حکومت کی مرکزیت اور لامرکزیت کے مفاہیم پر بھی تحقیقی بحث کی ہے اور بتلایا ہے کہ آپ بے حد نرم وملائم طبیعت کے مالک تھے۔ آپ کے جملہ اوقات خلافت و رعیت کی خدمت کے لیے وقف تھے۔ آپ تقسیم کار کے اصول پر کاربند تھے۔ میں نے ان اسباب و محرکات اور دواعی وعوامل کو بھی اہتمام سے ذکر کیا ہے جن کی بنا پر آپ نے خلافت کی ہر قسم کی تجدید و اصلاح کی۔ چنانچہ خلافت کی سیاسی، اقتصادی، مالی اور ادارتی تجدید و اصلاح کی۔

آپ خلافت میں شریعت نبوی کی تنفیذ کی شدید خواہش رکھتے تھے، چنانچہ آپ نے افراد واشخاص سے لے کر معاشرے تک اور عوام سے لے کر حکومت تک سب اداروں کوسنت نبویہ کا پابند بنایا۔ آپ امور خلافت کو چلانے میں قرآن کریم، سنت نبویہ اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سیرت کو سامنے رکھتے تھے۔ اور یہی آپ کے سامنے تمکین فی الارض، امن واستقرار، فتح ونصرت، عزت وشرافت اور برکت کے حصول کا مدار ومعیار تھا۔

پھر میں نے اس مرد مومن خلیفہ راشد اور مصلح کبیر کی وفات تک کے زندگی کے آخری ایام کو بھی اہتمام سے بیان کیا ہے۔ بے شک جناب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ امت کی تاریخ کے نازک ترین مرحلے میں ظاہر ہوئے۔ آپ نے امت کے عمومی مزاج کو شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے بے پناہ اور عظیم کاوشیں کیں، آپ نے خلافت راشدہ کے نظام کو ملک کے کونے کونے میں پھیلایا جو نام ہی قرآن وسنت کے التزام کا تھا۔ بہرحال آپ کا ظہور ایک منفرد حیثیت کا مالک تھا جو صرف ایک قائد کی بے مثال جرأت وبہادری کی داستان ہی نہ سناتا تھا بلکہ یہ بھی بتلاتا تھا کہ آپ کا اسلام کے بارے میں یہ پختہ ایمان تھا کہ اسلام ہی سیاسی، تشریعی اور تہذیبی زندگی کی قیادت کی صلاحیت رکھتا ہے، اور خود آپ میں بھی سیاسی، تشریعی اور تہذیبی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی بے پناہ صلاحیت تھی۔ آپ نے زندگی کے بہاؤ کو اسلام کے اساسی اصولوں کے ہم آہنگ کیا۔ [1]

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت ان لوگوں کے خلاف ایک تاریخ حجت ہے جن کی زبانیں یہ خلاف حقیقت نعرے لگاتی نہیں تھکتیں کہ ''خالص اسلامی احکام اور دینی تشریعات پر مبنی اسلامی حکومت ہمیشہ مصائب ومشکلات اور بحرانوں کا شکار اور وہ ہر لحہ روبہ زوال رہتی ہے۔ ایسی حکومت کا قیام کسی خواب سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن تاریخ ان لوگوں کو ہمیشہ چیلنج کرتی رہے گی اور ان سے یہ سوال کرتی رہے گی کہ:

﴿ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴾ (البقرہ: ۱۱۱)

''کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔''

نورالدین زنگی (متوفی ۵۸۸ ہجری) نے بھی سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے منہج کو اپنایا اور ان کی ذات ستودہ صفات کو اپنا آئیڈیل اور اپنے سامنے ایک مثال، اسوہ نمونہ اور قدوہ بنایا۔ پھر دنیا نے ان کی اصلاحی کوششوں کا ثمرہ بھی دیکھ لیا جس سے امت مسلمہ مستفید ہوئی۔ نورالدین زنگی کی ان کاوشوں نے امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ اور عظمت رفتہ کی بحالی میں زبردست کردار ادا کیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے امت مسلمہ اپنے

[1] فی التاصل اسلامی للتاریخ، ص: ٦٢ دکتور عماد الدین خلیل.

صلیبی دشمنوں پر غالب آ گئی۔ اور نور الدین کے شاگرد رشید عظیم جرنیل اور بہادر جنگجو صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے ہاتھوں بیت المقدس صلیبیوں کے ناپاک ہاتھوں سے پاک ہوگیا۔ رب تعالیٰ امت میں ایسے بے مثال بہادروں کو کثرت کے ساتھ پیدا فرمائے۔

اصلاح کا صحیح مفہوم جو سچے مسلمانوں نے سمجھا ہے نا کہ وہ جو دشمنان اسلام نے سمجھا ہے، یہ ہے کہ ہم اس مقصد کو پالیں جس کی خاطر رب تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو لوگوں کی طرف بھیجا تھا۔ چنانچہ شعیب علیہ السلام اپنی اس قوم کو جو کفر وضلالت اور عقیدہ وسلوک کے بگاڑ میں مبتلا تھی خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ رَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَ مَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَ مَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ﴾ (هود: ٨٨)

''اس نے کہا اے میری قوم! کیا تم نے دیکھا اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے اچھا رزق عطا کیا ہو۔ اور میں نہیں چاہتا کہ تمھاری بجائے میں (خود) اس کا ارتکاب کروں جس سے تمھیں منع کرتا ہوں، میں تو اصلاح کے سوا کچھ نہیں چاہتا، جتنی کرسکوں اور میری توفیق اللہ کے سوا کسی سے نہیں، میں نے اسی پر بھروسا کیا اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے سب سے بڑے مصلح تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفائے راشدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسے اکابر علماء امت نے منہج نبوت کو اپنایا، آج امت مسلمہ ان جیسے مصلحین کی پہلے سے کہیں زیادہ محتاج ہے۔ آج امت پس ماندگی، گراوٹ، تشتت وانتشار، کمزوری، بزدلی اور گم گشتگی کا شکار ہے۔ تاریخ اسلامی کی تحریک کی فقہ ہمیں یہ بتلاتی ہے کہ امت مسلمہ کی ترقی اور نصرت کے متعدد اسباب وعوامل ہیں جیسے عقیدہ کی پاکیزگی، منہج کی وضع اور طرز، حکومت میں رب تعالیٰ کی شریعت کو فیصل بنانا، اس قیادت ربانیہ کا وجود جو رب کے نور سے دیکھتی ہے اور اس میں امتوں کی تربیت اور حکومتوں اور قوموں کے عروج وزوال کی بابت رب تعالیٰ کی سنن کے ساتھ چلنے کی صلاحیت ہوتی ہے، اسے معاشروں کی روحانی اور اخلاقی امراض کی معرفت حاصل ہوتی ہے، وہ قوموں کے چال چلن، تاریخ کے اسرار ورموز اور صلیبی یہودی، ملحد زندیق باطنی اور بدعتی دشمنوں کی چالوں سے پوری طرح آگاہ ہوتی ہے۔ اس قیادت میں ہر ایک کے ساتھ اس کے لائق معاملہ کرنے کا ملکہ ہوتا ہے۔ پس ترقی کی فقہ کے قضایا اور طویل المدتی ترقیاتی منصوبے باہم ملے جلے ہوتے ہیں جن کا استیعاب فقط وہی کرسکتا ہے جسے قرآن وسنت کا فہم نصیب

ہوا اور وہ ہمارے عظیم اسلاف کے رشد وہدایت پر مبنی فقہ کے ساتھ وابستہ ہو۔ چنانچہ وہ ترقی کے اسباب وعوامل، خصائص وعلامات اور اسباب سقوط وزوال سے آشنا ہوتا ہے۔ وہ تاریخ اسلامی اور ترقی ونشاۃ کے تجربات سے مستفید ہوتا ہے اور اس کا اس بات پر پختہ یقین ہوتا ہے کہ جب تک یہ امت اپنے خالق ومالک اور پروردگار کی وفادار اور اس کے پیغمبر ﷺ کی فرمانبردار ہے کوئی شخص بھی اس سے سیادت وصدارت کا منصب نہیں چھین سکتا اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ عسکری شکستیں محض عارضی ہوتی ہیں اور ثقافتی اور تہذیبی شکستیں ایک جان لیوا زخم ہوتی ہیں جبکہ صحیح ثقافت ایک مسلم انسان، ایک مسلم خاندان اور ایک مسلم معاشرہ کی کتاب وسنت، سیرت خلفائے راشدین اور ان کے مبارک منہج پر چلنے والوں کی سیرت کی مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر تعمیر کرتی ہے۔ صحیح تہذیبی تعمیر نے ہی تو رب تعالیٰ کی توفیق اور حفاظت کے بعد اسلام کے قلعہ کو آج تک باقی رکھا ہوا ہے۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مبارک سیرت ہمیں اصلاح کے اس صحیح مفہوم کو سمجھنے میں مدد دے گی جو قرآن کے اس بنیادی اور اصلی مفہوم کے عین مطابق ہے جسے ہمارے مصلح علماء نے بجا طور پر سمجھا اور امت مسلمہ پر اس کو صحیح طریقہ سے منطبق کیا۔ نہ کہ اس لفظ کا وہ مفہوم صحیح ہے جو یورپ سے درآمد شدہ ہے اور ہمارے بعض ان بدنصیب سیاسی مفکرین کے دل ودماغ پر پتھر پر لکیر کی طرح نقش ہوگیا ہے جو یورپ کی ہر ایک حق وباطل میں اندھی تقلید کرنا ہی اپنا اصلی فرض منصبی سمجھتے ہیں حتی کہ ہمارے آج کے بعض مسلمانوں کے نزدیک یہ بات ایک مسلمہ حقیقت کی طرح تسلیم کی جا چکی ہے کہ ''انقلاب'' یہ اس اصلاح سے کہیں بڑھ کر گہرا، وسیع اور جامع لفظ ہے جو اہل یورپ کے نزدیک اس معمولی تبدیلی کے مترادف ہے جو بتدریج اور کسی قسم کی شدت کے بغیر واقع ہوتی ہے جبکہ ان کے نزدیک انقلاب وہ بنیادی تبدیلی ہے جس میں تدریج کے لفظ کی گنجائش نہیں اور انقلاب یہ شدت اور اچانک یلغار کے معنی کو شامل ہے۔ مگر افسوس کہ عقل کے ان اندھوں کو قرآنی فہم کا شعور نہیں۔

وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ صحیح قرآنی مفہوم کے مطابق اصلاح کا معنی انقلاب سے کہیں زیادہ وسیع، عظیم اور عمیق ہے۔ جو ہمیشہ خوب سے خوب تر اور کامل سے کامل تر کی طرف ہوتا ہے۔ جبکہ انقلاب بسااوقات صالح سے فاسد کی طرف کے سفر کا نام ہوتا ہے جس کی تکمیل محض کسی حکومت یا حاکم کی تبدیلی تک ہی محدود ہوتی ہے۔ [1]

بے شک سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ذات اس شخص کے لیے ایک اصلاحی نمونہ ہے جو منہاج نبوت

[1] آثار الامام محمد بشیر الابراهیمی: ٢/ ٦

اور سیرت خلفائے راشدین کو اپنانا چاہتا ہے۔ آپ نے خالص رب تعالیٰ کی کریم ذات کے لیے سب اصلاحی کام کیے تو پھر رب تعالیٰ نے بھی انہیں اپنی توفیق سے نوازا۔

لوگوں کی زبان پر آپ کی حمد وثنا کو جاری کر دیا۔

لیبیا کا مشہور شاعر احمد رفیق مہدوی اپنے اشعار میں اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

فـإذا أحـب الـلّٰـه بـاطـن عبـده
ظهـرت عـلـيـه مـواهـب الـفتـاح
وإذا صـفـت لـلّٰـه نية مـصـلـح
مـال الـعبـاد عـلـيـه بـالأرواح

"رب تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کے باطن کو پسند فرماتے ہیں تو اس پر رب تعالیٰ کی عنایات کی علامات عین ہونے لگتی ہیں۔ اور جب کوئی مصلح اللہ کے لیے اپنی نیت صاف کر لیتا ہے تو رب تعالیٰ کے بندے اپنی روحوں کے ساتھ اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔"

میں رب کے حضور دست سوال دراز کرتا ہوں کہ وہ میری اس کاوش کو خالص اپنی کریم ذات کے لیے بنا لے اور اس کو اپنے بندوں کے لیے نافع بنائے۔ اور اپنے فضل وکرم سے مجھ سمیت ان سب لوگوں کو اجر وثواب سے نوازے جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں حصہ لیا۔ اور میں اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے ہر مسلمان سے اس بات کا امید وار ہوں کہ وہ رب تعالیٰ کی بخشش ومغفرت اور رحمت ورضوان کے محتاج اس بندے کو اپنی دعاؤں میں نہ بھولے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ (النمل: ۱۹)

"اس نے کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں، جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی ہے اور یہ کہ میں نیک عمل کروں، جسے تو پسند کرے اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔"

اور فرمایا:

﴿مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَ مَا یُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ (فاطر: ۲)

''جو کچھ اللہ لوگوں کے لیے رحمت میں سے کھول دے تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جو بند کر دے تو اس کے بعد اسے کوئی کھولنے والا نہیں اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ

سبحانك اللهم وبحمدك اشهدان لا اله الا انت استغفرك واتوب اليك

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين .

الفقير إلى عفو ربه ومغفرته

علی محمد محمد الصلابی

پہلی فصل:

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا دور

(ولادت سے خلافت تک)

ا...... نام ونسب، کنیت ولقب اور خاندان

آپ کا نام ونسب عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہے۔ آپ امام، حافظ، علامہ، مجتہد، عابد وزاہد، سید اور امیر المومنین کے القاب کے ساتھ یاد کیے جاتے ہیں۔ ابو حفص کنیت اور اموی قرشی مدنی ثم مصری نسبتیں ہیں۔ خلیفہ راشد، زاہد اور اشج بنی امیہ [1] (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) کے القاب کے ساتھ بھی مشہور ہیں۔ آپ کا شمار ائمہ مجتہدین اور خلفائے راشدین میں ہوتا ہے۔ [2] سیرت وصورت دونوں پر عنایات ربانی کے آثار نظر آتے تھے۔ حسن اخلاق سے آراستہ، کامل العقل خوش عادات نیک اطوار، حسن صورت کا پیکر اور عمدہ سیاست کے مالک تھے۔ عدل کے حریص، بے پناہ علم سے مزین، فقیہ نفس اور نیک عقل وفہم کا مظہر تھے۔ گریہ وزاری، دعاوالحاح، قنوت ورجاء اور زہد وعبادت فطرت ثانیہ تھے۔ مسند خلافت پر براجمان ہونے کے باوجود بے حد قناعت پسند تھے۔ باوجودیکہ آپ کے اعوان وانصار اور دوست یار کم تھے۔ جبکہ ان ظالم امراء اور والیوں کی کثرت تھی جو آپ کو تنگ کرتے تھے اور انہیں آپ کی حق پسندی، اور ان پر عطیات کی پابندی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی بلکہ آپ نے ان سے بے شمار مال جو انہوں نے ناجائز ہتھکنڈوں سے اکٹھا کیا تھا بحق سرکار ضبط بھی کر لیا تھا جو اور بھی زیادہ ناگواری کا سبب تھا، لیکن پھر بھی آپ حق گوئی سے باز نہ آتے۔ یہ لوگ آپ کی حق گوئی سے نالاں رہے حتی کہ آپ کو شہادت کی سعادت سے نواز کر ہی دم لیا۔ علماء نے آپ کو خلفائے راشدین اور علماء عاملین میں شمار کیا ہے۔ [3]

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بے حد فصیح و بلیغ اور قادر الکلام تھے۔ [4]

والد ماجد: ...... آپ کے والد ماجد عبدالعزیز بن مروان بن حکم ہیں۔ آپ بنی امیہ کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے۔ بے حد بہادر اور کریم النفس تھے۔ بیس سال سے زائد عرصہ تک والی مصر رہے۔ آپ کے تقویٰ اور نیکی کے کمال میں سے یہ بات ہے کہ جب آپ نے شادی کا ارادہ کیا تو اپنے منتظم امور کو بلوا کر یہ کہا کہ میرے مال میں سے چار سو حلال دینار جمع کرو کہ میں ایک نیک خاندان میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ [5]

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ٥/ ١١٤۔ [2] سیر اعلام النبلاء: ٥/ ١١٤۔

[3] سیر اعلام النبلاء: ٥/ ١٢٠۔ [4] سیر اعلام النبلاء: ٥/ ١٣٦۔ [5] الطبقات الکبریٰ: ٥/ ٣٣١۔

چنانچہ آپ کی شادی خلیفہ راشد امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نواسی ام عاصم بنت عاصم بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔

ایک قول ان کے نام کے لیلیٰ ❶ ہونے کا بھی ہے۔ یہاں پر یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ جب تک خود آل خطاب کو آپ کے جملہ احوال، حسن سیرت، اور اخلاق وعادات کا پوری طرح علم نہ ہوگیا تھا، یہ رشتہ طے نہ ہوا تھا۔ عنفوان شباب سے ہی دینداری کے آثار نمایاں تھے۔ تحصیل علم کا شوق اور سنت نبوی اور احادیث کا اہتمام ہر وقت دامن گیر رہتا تھا۔ اسی شوق نے آپ کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ مجالس علمیہ کا غلام بنا کر رکھ دیا تھا۔ آپ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی۔ حدیث نبوی اور علوم دینیہ کا یہ اہتمام مصر کی ولایت سنبھالنے کے بعد بھی جاری رہا۔ چنانچہ آپ نے شام کے محدث اعظم کثیر بن مرہ کو یہ لکھ بھیجا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بھی احادیث سنی ہیں وہ انہیں لکھ بھیجیں کیونکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہر وقت دربار رسالت میں حاضر باش رہتے تھے۔ ❷

جناب عبدالعزیز بڑے بلند ہمت انسان تھے، بلند پایہ امور کے حصول کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ آپ کا یہ حال والی مصر بننے سے پہلے اور بعد میں ایک جیسا ہی تھا۔ چنانچہ جب عین شباب میں آپ نے سرزمین مصر پر قدم رکھا تو مصر کی ولایت حاصل کرنے کا جذبہ دل میں پیدا ہوا اور بالآخر مصر کی ولایت حاصل کر کے رہے۔ ❸

جود وسخا اور عطا کی طرف مائل ہوئے تو بنی امیہ کے سب سے بڑے سخی کہلائے۔ ❹ آپ کے گھر کے باہر بلا ناغہ ایک ہزار کھانے کے پیالے رکھے جاتے تھے۔

جبکہ سو پیالوں کو گاڑیوں پر لاد کر قبائل تک پہنچایا جاتا تھا۔ ❺ آپ کی سخاوت کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ یہ کہا کرتے تھے کہ ''اگر کوئی آدمی مجھے اپنے اوپر اس بات کی قدرت دے دے کہ میں اپنی نیکی بھی اس کے پاس رکھ سکوں تو اس کا مجھ پر یہ احسان میرے اس پر احسان سے کہیں بڑھ کر ہے۔'' ❻

مؤرخین نے آپ کے جود وکرم اور سخاوت کے بے حد تعریف کی ہے۔ آپ کی یہ سخاوت اس یقین کے ساتھ ملی ہوئی تھی کہ آدمی جو بھی خرچ کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اس کا بدل ضرور دیتا ہے۔ چنانچہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کہا

---

❶ عبدالعزیز بن مروان وسیرته واثره فی احداث العصر الاموی، ص: ۵۸.

❷ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٤٧.　❸ الولاة وكتاب القضاء، ص: ٥٤ از کندی.

❹ معجز الاسلام، ص: ٥٥ از خالد محمد خالد.　❺ الخطط: ١/ ٢١ از مقریزی.

❻ عبدالعزیز بن مروان، ص: ٥٥.

کرتے تھے:

''اس مومن پر حیرت ہے جو اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ اسے رزق دیتا ہے اور خرچ کرنے پر اس کا بدل بھی دیتا ہے، پھر بھی وہ مال کو روک روک کر رکھتا ہے اور اجر عظیم اور حسن ثناء سے خود کو محروم رکھتا ہے۔''

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ رب تعالیٰ سے بے پناہ ڈرنے والے تھے۔ اس بات کا اندازہ موت کے وقت ان کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے:

''میری تمنا تھی کہ کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا، کاش میں کوئی بہتا پانی یا سرزمین حجاز کی گھاس ہوتا۔'' ❶

والدہ ماجدہ:..... سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ جناب امیر المومنین سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی پوتی ام عاصم بنت عاصم بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھیں جن کے والد ماجد سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بیٹے عاصم تھے۔ عاصم کو ایام نبوت میں پیدا ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ کنیت ابو عمرو تھی۔ بڑے فقیہ تھے۔ قرشی اور عدوی نسبتیں تھیں۔ والد امیر المومنین سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی۔ حضرت عاصم کی والدہ جمیلہ بنت ثابت بن ابی الاقلح انصاریہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ عاصم دراز قد، مضبوط بدن، دیندار، سراپا خیر، صالح اور سر برآوردہ لوگوں میں سے تھے۔ فصاحت و بلاغت کے مالک اور شعر گوئی کا ملکہ رکھتے تھے۔ یہی سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نانا ہیں۔ ۷۰ ھ میں جوار رحمت الٰہی میں تشریف لے گئے تو آپ کے بھائی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے غم میں یہ شعر کہا:

''کاش موت کے پیام اپنے پیچھے عاصم کا بدل چھوڑ جاتے تو پھر ہم اکٹھے جیتے یا پھر اکٹھے ہی اس دنیا سے رخصت ہوتے۔'' ❷

آپ کی نانی کا سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک نہایت ایمان افروز واقعہ ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر بن اسلم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو مدینہ کی گلیوں کا گشت لگا رہے تھے۔ دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کو اہل مدینہ کی حفاظت کے لیے گشت لگاتے اور مشتبہ لوگوں کا سراغ لگایا کرتے تھے۔ اچانک آپ ایک گھر کی دیوار کی طرف جھکے اور کان لگا کر سننے لگے۔ آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنی بیٹی سے کہہ رہی ہے:

''بیٹی! اٹھ کر دودھ میں پانی ملا دے۔''

بیٹی جواب میں بولی: ''ماں! کیا تو نہیں جانتی کہ امیر المومنین نے کیا اعلان کیا ہے؟''

ماں بولی: ''بیٹی! انہوں نے کس بات کا ارادہ کیا ہے؟''

❶ عبدالعزیز بن مروان، ص: ٥٦ . ❷ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٩٧

بیٹی بولی: ''آج انہوں نے ایک منادی کو حکم دیا اور اس نے لوگوں میں یہ اعلان کیا کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے۔''

اس پر ماں نے کہا: ''بیٹی! اٹھ اور دودھ میں پانی ملا دے، تو تو ایسی جگہ بیٹھی ہے جہاں عمر اور ان کا منادی تمہیں نہیں دیکھ سکتا۔''

بیٹی بولی: ''ماں! اللہ کی قسم! مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا کہ جلوت میں تو عمر کی اطاعت کروں اور خلوت میں نافرمانی۔''

جناب عمر رضی اللہ عنہ ماں بیٹی میں ہونے والی یہ ساری گفتگو سن رہے تھے۔ آپ نے اسلم سے کہا: ''اسلم! اس دروازے پر نشانی لگا دو اور یہ جگہ پہچان لو' اس کے بعد آپ نے معمول کے مطابق گشت پورا کیا، صبح ہونے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اسلم! اس جگہ چلو اور چل کر دیکھتے ہیں کہ وہ بات کرنے والی عورت اور جواب دینے والی لڑکی کون تھی اور کیا اس عورت کا خاوند زندہ ہے؟ (روای کہتے ہیں) پس میں چل کر اس جگہ پہنچا۔ میں نے جا کر معلوم کیا کہ وہ لڑکی غیر شادی شدہ تھی۔ وہ عورت بھی گھر میں موجود تھی۔ گھر میں کوئی مرد نہیں تھا۔ میں نے جا کر یہ سب کچھ جناب عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گوش گزار کر دیا۔ ساری کارگزاری سن کر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سب بیٹوں کو اکٹھا کر کے ان سے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی کو شادی کی ضرورت ہے۔ اس پر عاصم نے عرض کیا: اباجان! میری اب تک شادی نہیں ہوئی میری شادی کر دیجیے۔ چنانچہ آپ نے پیغام بھیجا اور اس لڑکی کی شادی اپنے بیٹے عاصم سے کر دی۔ رب تعالیٰ نے عاصم کو اس لڑکی سے ایک بیٹی عطا فرمائی۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس نیک بخت بیٹی کے بیٹے ہیں۔ [1]

کہتے ہیں کہ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک رات ایک خواب دیکھا۔ آپ خواب میں یہ کہہ رہے تھے کہ کاش مجھے اپنے بیٹوں میں سے اس ''علامت والے'' بیٹے کی خبر ہو جاتی جو اس زمین کو اسی طرح عدل سے بھر دے گا جس طرح وہ اس سے قبل ظلم و جور سے بھری تھی۔ [2]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ آل خطاب کا خیال تھا کہ جس نوجوان کی بشارت دی گئی تھی وہ بلال بن عبداللہ ہے کیونکہ اس کے چہرے پر مسا (بڑا تل) تھا۔ یہاں تک کہ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ پیدا ہوئے۔ [3] (تب سب کو معلوم ہوا کہ اس بشارت کا مصداق تو وہ ہیں)

ولادت اور جائے ولادت: ...... آپ کے سن ولادت میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ راجح قول ٦١ ھ کا ہے اور یہی اکثر مؤرخین کا قول ہے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کا انتقال ٤٠ سال کی عمر

---

[1] سیرة عمر، ص: ٢٠ از ابن حکم۔
[2] سیر اعلام النبلاء: ٥/ ١٢٢۔
[3] سیر اعلام النبلاء: ٥/ ١٢٢

میں بتلایا جاتا ہے۔ اور یہ ۱۰۱ھ کا واقعہ ہے۔ ❶ (یوں آپ کا سن ولادت ۶۱ھ بنتا ہے)۔

بعض مصادر بتلاتے ہیں کہ آپ مصر میں پیدا ہوئے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ آپ کے والد ماجد جناب عبدالعزیز بن مروان حکم ۵۶ھ میں اس وقت مصر کے والی بنے تھے جب مروان بن حکم نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے عامل سے مصر کی ولایت چھین کر اس پر قبضہ کرلیا۔ اور اپنے بیٹے عبدالعزیز کو مصر کا والی بنا دیا تھا۔ اور تاریخی مصادر میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ مصر کی ولایت سنبھالنے سے پہلے عبدالعزیز کبھی مصر گئے ہوں۔ آپ اور بنی مروان تو مدینہ میں رہتے تھے۔ ❷ علامہ ذہبی نے ذکر کیا ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ یزید کے دور میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے تھے۔

اشج بنی امیہ: ...... (اشج کا معنی ہے زخمی۔ یعنی وہ شخص جس کے سر، چہرے یا پیشانی پر زخم آیا ہو اور اب اس کا نشان باقی ہو) ❸ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا لقب اشج تھا۔ آپ ''اشج بنی امیہ'' کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ دراصل اس کا قصہ یہ ہے کہ آپ بچپن میں ایک دفعہ والد کے اصطبل میں گھوڑے دیکھنے کے لیے داخل ہوئے جب وہ مصر کے والی تھے کہ اچانک ایک گھوڑے نے لات مار کر آپ کا چہرہ زخمی کر دیا۔ آپ کے والد آپ کے چہرے سے خون صاف کرتے ہوئے یہ کہتے جاتے تھے کہ ''اگر تم اشج بنی امیہ ہو تو تم یقیناً نیک بخت ہو۔'' ❹

جب آپ کے بھائی اصبغ نے آپ کے زخم کا نشان دیکھا تو بے اختیار نعرہ تکبیر لگایا اور کہا: یہی وہ اشج بنی امیہ ہے جو بادشاہ بنے گا۔'' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''میری اولاد میں ایک شخص ہوگا جس کے چہرے پر زخم کا نشان ہوگا۔ وہ زمین کو عدل سے بھر دے گا۔'' ❺

دراصل جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا تھا جس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ پھر یہ خواب اوروں نے بھی دیکھا حتی کہ یہ بات زبان زد خلائق ہوگئی جس کی دلیل خود آپ کے والد عبدالعزیز کا وہ قول ہے جو انہوں نے آپ کے چہرے کا زخم صاف کرتے ہوئے کہا تھا جس کا ذکر اوپر ہوچکا۔ جبکہ یہی بات آپ کے بھائی اصبغ نے بھی کہی تھی۔ یہ دونوں اقوال نیک فالی کے طور پر تھے کہ شاید یہی وہ اشج ہو جو آگے چل کر زمین کو عدل سے بھر دے گا۔ ❻

---

❶ البداية والنهاية: ۱۲/ ٦٧٦ ❷ الآثار الواردة عن عمر بن عبدالعزيز فى العقيدة: ۱/ ٥٤

❸ دیکھیں: القاموس الوحيد، ص: ٨٤٢۔ (مترجم)

❹ البداية والنهاية نقلا عن فقه عمربن عبدالعزيز: ۱/ ۲۰

❺ المعارف، ص: ٣٦٢ از ابن قتيبه

❻ فقه عمر بن عبدالعزيز، ص: ۲۰ ج ۱ از محمد شقير

برادران: ...... جناب عبدالعزیز بن مروان بن حکم کے دس بچے تھے جن کے نام یہ ہیں:

عمر، ابوبکر، محمد، عاصم، یہ چاروں بھائی ایک ماں ''لیلیٰ بنت عاصم بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ'' کی اولاد ہیں۔ جبکہ عبدالعزیز کے دوسری بیوی سے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں: زبان اصبغ، سہل و سہیل، ام حکم اور زبان ام البنین۔ [1]

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی والدہ نے اپنے بیٹے عاصم کے نام پر اپنی کنیت ام عاصم رکھی ہوئی تھی۔ [2]

اولاد: ......سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے چودہ بیٹے تھے۔ جن میں سے تیرہ کے نام یہ ہیں:

عبدالملک، عبدالعزیز، عبداللہ، ابراہیم، اسحاق، یعقوب، بکر، ولید، موسیٰ، عاصم، یزید، زبّان اور عبداللہ [3]

جبکہ امینہ، ام عمار اور ام عبداللہ تین بیٹیاں بھی تھیں۔ آپ کے کتنے بیٹے اور بیٹیاں تھیں، اس بابت روایات میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں آپ کے بیٹوں کی تعداد چودہ ذکر نہیں جیسا کہ ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے۔ جبکہ بعض روایات میں بیٹوں کی تعداد بارہ اور بیٹیوں کے تعداد چھ مذکورہ ہے جیسا کہ ابن جوزی نے ذکر کیا ہے۔ [4]

البتہ بیٹوں کی متفق علیہ تعداد بارہ ہے۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ؤفات کے وقت ترکہ میں بہت معمولی مال چھوڑ گئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے ہر بیٹے کو ترکہ میں صرف ۱۹ درہم ملے۔ جبکہ ہشام ابن عبدالملک کے ہر بیٹے کو ترکہ میں ایک ملین درہم ملے تھے۔ پھر چند سال بھی نہ گزرے تھے کہ ایسا وقت آیا کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ایک بیٹے نے ایک دن میں سو گھوڑوں کو ساز و سامان سے لاد کر اللہ کے رستے میں وقف کیا۔ جبکہ بعض لوگوں نے اسی ہشام کو اولاد میں سے ایک کو دیکھا جسے لوگ مارے تنگدستی کے صدقہ اور خیرات دے رہے تھے۔ [5] بے شک پاک ہے رب العالمین کی ذات......!!

بیویاں: ......سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مدینہ منورہ کی پاکیزہ فضاؤں میں پرورش پائی، اہل مدینہ کے اخلاق و عادات کے اثرات آپ کے رگ و ریشہ میں پیوست ہو گئے تھے۔ آپ علمائے مدینہ کے علم و عمل سے بے حد متاثر تھے، چنانچہ آپ ان مشائخ سے حصول علم کے لیے پوری تن دہی کے ساتھ مصروف عمل ہو گئے۔ آپ قریش کے مشائخ کی مجلس میں بیٹھتے جبکہ ان کے نوجوانوں سے زیادہ میل جول نہ رکھتے۔ حتی کہ

---

[1] المعارف، ص: ۳۶۲ از ابن قتیبہ

[2] فقہ عمر بن عبدالعزیز: ۱/ ۲۲

[3] فقہ عمربن عبدالعزیز: ۱/ ۲۳

[4] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، ص: ۳۳۸ از بن جوزی

[5] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ، ص: ۳۳۸ از ابن جوزی

آپ کی اسی عادت کا مدینہ کے گھر گھر میں چرچا ہونے لگا۔ والد ماجد کی وفات کے بعد آپ کے چچا امیر المومنین عبدالملک بن مروان نے آپ کی تربیت کی ذمہ داری اٹھائی۔ اور آپ کو اپنی اولاد کی طرح پالا، بلکہ متعدد امور میں آپ کو اپنی اولاد پر مقدم رکھتے حتیٰ کہ اپنی بیٹی فاطمہ کی شادی بھی آپ سے کر دی۔ ❶ موصوفہ بے حد نیک اور خدا ترس خاتون تھیں۔ وہ آپ کی نیکی اور دینداری سے بے حد متاثر تھی۔ حتیٰ کہ موصوفہ نے جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے کہنے پر دنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔ انہی کہ بارے میں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

''وہ خلیفہ کی بیٹی، خلیفہ کی پوتی، خلفاء کی بہن اور خلیفہ کی بیوی ہے۔''

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ موصوفہ امیر المومنین عبدالملک بن مروان کی بیٹی تھی۔ آپ کا دادا مروان بن حکم بھی خلیفہ تھا۔ اور خلفاء کی بہن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، یزید بن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک سب آپ کے بھائی اور خلفاء تھے۔ اور آپ کے شوہر سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تو خلیفہ راشد تھے، حتیٰ کہ یہ تک کہا جاتا ہے کہ ایسی عورت فاطمہ کے بعد آج تک پیدا نہیں ہوئی جس کا دادا، بھائی اور خاوند سب حکمران اور خلفاء ہوں۔ ❷

انہی فاطمہ کے بطن سے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو اللہ نے اسحاق، یعقوب اور موسیٰ عطا کیے۔

آپ کی دوسری بیوی کا نام لمیس بنت علی بن حارث ہے۔ اللہ نے ان کو عبداللہ، بکر اور امام عمار عطا کیے۔ آپ کی تیسری بیوی کا نام ام عثمان بنت شعیب بن زیان ہے، اللہ نے ان کے بطن سے ابراہیم کو پیدا کیا۔ جبکہ عبدالملک، ولید، عاصم، یزید، عبداللہ، عبدالعزیز، زیان، امینہ اور ام عبداللہ ایک باندی کی اولاد تھے۔ ❸

نین نقش اور خدوخال: ......سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ گندم گوں، نحیف البدن اور پتلے چہرے کے مالک تھے۔ نین نقش اور خدوخال پرکشش اور خوبصورت تھے۔ خوبصورت گنجان داڑھی چہرہ کی رونق کو دوبالا کرتی تھی۔ آنکھیں قدرے دھنسی ہوئی تھیں۔ ماتھے پر گھوڑے کے کھر کی ضرب کا نشان تھا بالوں میں ایک سفید لکیر بھی تھی۔ ❹ جبکہ بعض نے آپ کا رنگ سفید بھی ذکر کیا ہے۔ ❺

---

❶ البدایة والنهایة: ۱۲/ ۶۸۰

❷ ایضًا

❸ سیرة عمر بن عبدالعزیز، ص: ۳۱۴۔ ۳۱۵ از ابن جوزی

❹ الآثار الواردة عن عمر بن عبدالعزیز فی العقیدة: ۱/ ۵۸

❺ الکتاب الجامع لسیرة عمر بن عبدالعزیز: ۱/ ۱۱

۲......سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی شخصیت کی تکوین و تشکیل پر اثر انداز ہونے والے اسباب وعوامل

خاندانی اثرات:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مدینہ رسول کی معطر فضاؤں میں ہوش کی آنکھ کھولی۔ ذرا ہوش سنبھالا تو بچپن سے ہی سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں آنے جانے لگے تھے کیونکہ آپ کی والدہ ماجدہ کا جناب سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہوں میں ایک خاص مقام تھا۔ مجلس سے لوٹ کر آپ اپنی والدہ ماجدہ سے عرض کرتے، اماں جان! میں اپنے نانا جیسا بننا چاہتا ہوں۔ آپ کی مراد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تھے جو رشتہ میں آپ کے نانا عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ والدہ یہ سن کر ڈانٹ کر کہتیں، ارے پرے ہٹ! تو چلا ان جیسا بننے، اور بار بار انہیں یہ کہتیں۔ پھر جب آپ کے والد ماجد عبدالعزیز بن مروان مصر کے والی بن کر مصر چلے گئے تو انہوں نے وہاں سے اپنی اہلیہ ام عاصم کو خط لکھا کہ وہ بچے کو لے کر مصر چلی آئیں۔ ام عاصم خط لے کر اپنے چچا سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور خاوند کے خط کا ذکر کیا۔ سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بھتیجی! وہ تیرا خاوند ہے۔ تمہیں ان کے پاس جانا چاہیے۔ پھر جب وہ عازم سفر ہوئیں تو سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا "اے بھتیجی! یہ لڑکا ہمارے پاس چھوڑ جاؤ۔ آپ کی مراد جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تھے کہ یہ ہمارے اہل بیت کے تم سب سے زیادہ مشابہ ہے۔" انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا اور آپ کو سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چھوڑ کر چلی گئیں۔ مصر پہنچنے پر جب والد ماجد جناب عبدالعزیز نے اپنے بیٹے کو ساتھ نہ پایا تو پوچھا "عمر کہاں ہے؟" اس پر ام عاصم نے سفر پر نکلتے وقت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہونے والی ساری گفتگو خاوند کے گوش گزار کردی۔ عبدالعزیز یہ بات سن کر بے حد مسرور ہوئے۔ اور اس بات کی خبر اپنے بھائی عبدالملک کو لکھ بھیجی۔ عبدالملک نے اسی وقت جناب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے لیے ایک ہزار دینار ماہانہ کا خرچ مقرر کردیا۔ یوں اب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ مدینہ منورہ میں سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی آغوش میں اپنے ننھیال آل خطاب میں پرورش پانے لگے۔ بے شک آپ مدینہ منورہ کے معاشرہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار اعمال سے بے حد متاثر ہوئے۔ [1] اور جب اپنے والد کے پاس مصر تشریف لے گئے تو ہر طرح کی تربیت سے آراستہ تھے۔ [2]

---

[1] الآثار الواردہ عن عمربن عبدالعزیز فی العقیدۃ: ۱/ ۵۶

[2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ، ص:۲۴۔۲۵ از ابن عبدالحکم.

بچپن سے ہی حفظ قرآن اور حصول علم کی طرف توجہ:

رب تعالیٰ نے نہایت کم سنی میں حصول علم کی لگن سے نواز دیا تھا۔ اس لیے ہر وقت علماء کی مجالس میں حاضر باش رہتے، بالخصوص علماء مدینہ کی صحبت کسی حال میں ترک نہ کرتے۔ کیونکہ اس وقت مدینہ منورہ علوم کا گہوارہ، صلاح وفلاح کا منارہ، اور علماء، فقہاء اور صلحاء کا بحرز خار تھا۔ حصولِ ادب وعلم کے شوق کے آثار بچپن سے ہی نمایاں تھے۔ [1] نہایت کم سنی میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔ اور یہ آپ کے نفس کی پاکیزگی اور حفظ قرآن کے لیے کامل انہماک اور پوری توجہ کا نتیجہ تھا۔ آپ نے قرآن کریم کے مضامین کا پوری گہرائی کے ساتھ مطالعہ اس لیے آپ رب تعالیٰ کی ذات، حیات، کون، جنت، دوزخ، قضاء وقدر اور موت کی حقیقت سے بے حد متاثر تھے اور عنفوان شباب میں ہی موت کے ذکر سے رونے لگتے تھے۔ جب آپ کی والدہ ماجدہ کو آپ کے اس حال کی خبر ہوئی تو والدہ ماجدہ نے پیغام بھیج کر رونے کا سبب دریافت کیا۔ جب آپ نے بتلایا کہ میں موت کو یاد کر کے روتا ہوں تو والدہ بھی یہ سن کر رو پڑیں۔ [2]

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنی ساری زندگی قرآن کریم میں غور وتدبر کرنے اور قرآن کریم کے احکامات کی تنفیذ میں گزار دی۔ ذیل میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قرآن کریم کے ساتھ عقیدت وتاثر کے چند واقعات کو نقل کیا جاتا ہے:

- ابن ابی ذئب سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے بیان کیا جس نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو اس وقت دیکھا تھا جب وہ امیر مدینہ تھے۔ وہ شخص کہتا ہے کہ ایک آدمی نے آپ کے پاس قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَإِذَآ أُلْقُوا۟ مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا۟ هُنَالِكَ ثُبُورًا﴾ (الفرقان: ۱۳)

''اور جب وہ اس کی کسی تنگ جگہ میں آپس میں جکڑے ہوئے ڈالے جائیں گے تو وہاں کسی نہ کسی ہلاکت کو پکاریں گے۔''

تو رو پڑے اور اتنا روئے کہ سسکیوں کی آواز بلند ہونے لگی۔ پھر آپ مجلس سے اٹھ کر دولت کدہ تشریف لے گئے جس پر حاضرین مجلس متفرق ہو گئے۔ [3]

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب ان قیامت کا انکار کرنے والوں کو دوزخ کی ایک تنگ جگہ میں ڈالا جائے گا تو ان کے ہاتھوں کو ان کی گردنوں کے ساتھ زنجیروں سے جکڑ دیا جائے گا۔ اس وقت یہ لوگ موت کو پکاریں گے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس تنگ جگہ میں یہ لوگ دنیا میں کی گئی اپنی نافرمانیوں پر ندامت کا اظہار

---

[1] البداية والنهاية: ۱۲/ ٦٧٩ [2] البداية والنهاية: ۱۲/ ٦٧٨

[3] الرقة والبكاء، رقم: ۸۳ از ابن ابی الدنیا

کریں گے کہ انہوں نے کیوں اللہ کی نافرمانی کی اس کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی تعلیمات پر کیوں نہ ایمان لائے جس کی پاداش میں آج اس عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ [1]

✿ ابوموودود سے روایت، وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک دن سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا﴾ (یونس: ٦١)

''اور تو نہ کسی حال میں ہوتا ہے اور نہ اس کی طرف سے (آنے والے) قرآن میں سے کچھ پڑھتا ہے اور نہ تم کوئی عمل کرتے ہو، مگر ہم تم پر شاہد ہوتے ہیں۔''

تو اس قدر بلند آواز کے ساتھ روئے کہ آپ کی آہ وبکا اور گریہ کی آواز گھر والوں نے بھی سن لی۔ آپ کی اہلیہ فاطمہ دوڑی آئیں۔ آپ کو روتے دیکھ کر وہ بھی رو پڑیں۔ جس پر باقی گھر والے بھی اشکبار ہوگئے۔ اتنے میں آپ کے برخوردار عبدالملک گھر آ پہنچے۔ ان لوگوں کا یہ حال دیکھ کر پوچھنے لگے: ابا جان! کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے کہا:

''اے بیٹے! خیر کی بات ہی ہے (کوئی پریشانی کی بات نہیں) تیرا باپ چاہتا ہے کہ نہ اسے دنیا سے کوئی آشنائی ہو اور نہ دنیا کو اس سے کوئی شناسائی ہو۔ اے بیٹے، اللہ کی قسم! مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ میں ہلاک نہ ہو جاؤں، اے بیٹے، اللہ کی قسم! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں دوزخ والوں میں سے نہ ہوں۔'' [2]

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کی امت کے سب احوال اور ساری مخلوقات کے جملہ احوال کو ہر لحظہ، ہر آن اور ہر گھڑی جانتا ہے، اور یہ کہ رب تعالیٰ کے علم وبصر سے ذرّہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں، خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو، اور چاہے وہ زمین وآسمان میں کسی بھی جگہ ہو۔ غرض ہر چھوٹی بڑی چیز کو رب تعالیٰ نے ایک روشن کتاب میں لکھ رکھا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ (الانعام: ٥٩)

---

[1] دموع القراء، ص: ۱۰۷ از محمد شوّمان۔

[2] الرقة والبكاء، رقم: ۹۱ از ابن ابی الدنیا

''اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ کوئی تر ہے اور نہ خشک مگر وہ ایک واضح کتاب میں ہے۔''

رب تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ پتوں اور جمادات تک کی ہر ہر حرکت سے باخبر ہے اسی طرح چلنے پھرنے والے سب جانوروں کی حرکات بھی جانتا ہے۔

اور فرمایا:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَٰئِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ﴾

(الانعام: ۳۸)

''اور زمین میں نہ کوئی چلنے والا ہے اور نہ کوئی اڑنے والا، جو اپنے دو پروں سے اڑتا ہے مگر تمھاری طرح امتیں ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾ (ھود: ٦)

''اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔''

جب رب تعالیٰ کے علم کی عظمت و وسعت اور احاطہ کا یہ عالم ہے کہ وہ ہر چیز کی تمام حرکات سے باخبر ہے تو بھلا وہ مکلفین اور عبادت پر مامور بندوں کی سب حرکات سے کیونکر واقف نہ ہوگا۔ جیسا کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ○ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ○ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ﴾ (الشعراء: ۲۱۷ تا ۲۱۹)

''اور اس سب پر غالب، نہایت رحم والے پر بھروسا کر۔ جو تجھے دیکھتا ہے، جب تو کھڑا ہوتا ہے۔ اور سجدہ کرنے والوں میں تیرے پھرنے کو بھی۔''

اس لیے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم یہ سب کام کر رہے ہوتے ہو ہم تمہارا مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں، اور تمھیں دیکھتے اور سنتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

❀ عبدالاعلیٰ بن ابوعبداللہ العنزی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو دیکھا کہ آپ میلے کپڑوں میں ہی جمعہ ادا کرنے چلے جا رہے تھے اور ایک حبشی غلام پیچھے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ جب آپ لوگوں کے پاس پہنچے تو وہ حبشی لوٹ گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جب دو آدمیوں کے پاس پہنچتے تو فرماتے، اللہ تم دونوں پر رحم فرمائے (یوں بیٹھتے ہیں) یہاں تک کہ آپ منبر

پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر خطبہ دیا اور یہ آیت پڑھی:

﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ (التکویر: ۱)

''جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔''

پھر فرمایا: سورج کا معاملہ کیا ہے؟ (پھر اگلی آیت پڑھی)

﴿وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ﴾ (التکویر: ۲)

''اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے۔''

پھر آپ تلاوت کرتے کرتے اس آیت پر پہنچے:

﴿وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ﴾ (التکویر: ۱۲۔۱۳)

''اور جب دوزخ (کی آگ) بھڑکائی جائے گی۔ اور جب بہشت قریب لائی جائے گی۔''

تو رو پڑے جس پر حاضرین مجلس بھی رو پڑے۔ اور مسجد لوگوں کی گریہ وزاری سے گونجنے لگی۔ یہاں تک کہ مجھے لگا کہ مسجد کی دیواریں بھی آپ کے ساتھ رو رہی ہیں۔ [1]

ان آیات میں روز قیامت کے ہولناک مناظر کو ذکر کیا گیا ہے جن کو سن اور پڑھ کر دل شدت خوف سے پھٹے جاتے ہیں۔ دل کے بے چینیاں اور غم بڑھ جاتے ہیں، اس منظر کی ہیبت ناکی کا تصور کر کے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، رواں رواں سراپا خوف بن جاتا ہے۔ اور یہ آیات عقل والوں کو اس دن کی تیاری پر ابھارتی ہیں اور انہیں ہر قابل ملامت کام سے روکتی ہیں۔ اسی لیے بعض اسلاف کا قول ہے: جو روز قیامت کو گویا آنکھوں دیکھے منظر کی طرح دیکھنا چاہتا ہے وہ سورۂ تکویر کی ان آیات میں نگاہ غور وتدبر ڈالے۔ [2] بلکہ ایک مرفوع حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو اس بات سے خوشی ہو کہ وہ روز قیامت کو یوں دیکھے جیسے عیاناً دیکھ رہا ہے تو وہ ان سورتوں کی قراءت کر لے۔

﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ (التکویر)

﴿إِذَا السَّمَاءُ انفَطَرَتْ﴾ (الانفطار)

﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ﴾ (الانشقاق) [3]

❁ میمون بن مہران سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ''أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ'' (التکاثر: ۱) ([لوگو!] تم کو (مال کی) بہت سی طلب نے غافل کر دیا) کی تلاوت کی اور

---

[1] دموع القراء، ص: ۱۱۱۔ ۱۱۲ [2] تفسیر السعدی، ص: ۹۱۲

[3] اخرجه الترمذی، رقم الحدیث: ۳۳۳۳

روپڑے پھر یہ آیت پڑھی "حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ" (التکاثر: ۲) (یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں)۔ پھر فرمایا "ہم قبریں دیکھ کر رہیں گے اور جو بھی قبریں دیکھے گا وہ جنت یا دوزخ میں سے کسی نہ کسی ایک جگہ ضرور لوٹے گا۔" ❶

معاشرتی اثرات:

کسی بھی معاشرے کا لوگوں کے کردار کی تعمیر و تشکیل میں بنیادی اور اہم کردار ہوتا ہے۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جس دور میں حیات مستعار گزاری تھی اس پر صلاح و تقویٰ، طلب علم اور کتاب و سنت پر عمل کا راج تھا۔ اور ابھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک معتدبہ تعداد مدینہ منورہ میں باقی تھی۔ چنانچہ آپ نے حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب، حضرت سائب بن یزید اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہم سے حدیث روایت کی۔ اور آپ نے جناب سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے وہ پیالہ ہدیہ میں مانگ لیا جس میں سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا تھا اور آپ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی امامت کروانے کا شرف بھی حاصل کیا۔ اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اس نوجوان سے بڑھ کر کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ ❷ مدینہ کے قیام نے آپ پر نفسیاتی اثرات اور ایمانی معانی کے مفاہیم کو مرتب کیا۔ آپ کا رب تعالیٰ سے روحانی تعلق بے حد مضبوط ہوگیا۔ بہرحال مدینہ منورہ کے پاکیزہ ماحول نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کی تشکیل و تکمیل میں بے حد اہم کردار ادا کیا۔ ❸

مدینہ منورہ کے اکابر علماء فقہاء کے ہاتھوں تربیت:

آپ کے والد ماجد نے آپ کی تربیت کے لیے صالح بن کیسان جیسے نابغۂ روزگار شخص کا انتخاب کیا۔ صالح نے آپ کی صالح تعلیم و تربیت اور اصلاح و تادیب کا بیڑا اٹھایا، آپ نماز پنجگانہ اہتمام کے ساتھ مسجد میں ادا کرتے تھے، ایک دن آپ کو باجماعت نماز سے تاخیر ہوگئی جناب صالح نے تاخیر کی وجہ دریافت کی تو عرض کیا کہ بالوں کو سنوارنے میں تاخیر ہوئی۔ صالح نے یہ سنتے ہی کہا "تو اب بالوں کا سنوارنا تمہیں باجماعت نماز سے زیادہ محبوب ہونے لگا۔ اور یہ بات آپ کے والد ماجد کو اسی وقت لکھ بھیجی۔ والد ماجد نے بروقت تادیب کے لیے فوراً ایک قاصد روانہ کیا جس نے آپ کے ساتھ اس وقت تک بات نہ کی جب تک کہ آپ نے سر نہ منڈوا لیا۔ ❹

آپ کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز ادا کرنے کا بے حد شوق تھا۔ اس لیے آپ قیام اور قعدہ

---

❶ الرقة والبكاء لابن ابى الدنيا، رقم الحديث: ٤٢٥

❷ سير اعلام النبلاء: ٥/ ١١٤

❸ الجوانب التربوية فى حياة عمر بن عبدالعزيز، ص: ٢٣

❹ البداية والنهاية: ١٢/ ٦٧٨

میں تو تخفیف کرتے البتہ رکوع سجدہ خوب مکمل اور طویل ادا کرتے تھے۔ اور ایک صحیح روایت میں وارد ہے کہ آپ رکوع اور سجود میں دس دس مرتبہ تسبیح کرتے تھے۔ ❶ آپ کے والد ماجد جب سفر حج کے دوران مدینہ سے گزرے تو صالح سے اپنے بیٹے کی صالحیت کے بارے میں دریافت کیا۔ تو صالح نے یہ ایمان افروز جواب دیا کہ ''میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس کے سینے میں رب کی عظمت اس نوجوان سے زیادہ ہو۔ ❷ آپ کے وہ مشائخ جن سے آپ بے حد متاثر ہوئے ان میں ایک ممتاز نام: عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کا بھی ہے، آپ ان کا بے حد احترام فرماتے، ان کے علوم سے خوب سیراب ہوتے، ان کے اخلاق و آداب اپناتے، امیر مدینہ بن جانے کے بعد بھی کثرت کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ موصوف سے اپنے بے حد متاثر ہونے اور بار بار خدمت میں حاضری کی وجہ خود بیان کرتے ہوئے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ''حضرت عبیداللہ کی مجلس میں بیٹھنا مجھے ایک ہزار دینار سے زیادہ عزیز ہے۔'' ❸

آپ اپنے ایام خلافت میں اپنے شیخ کی غزارت علمی پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کرتے تھے ''آج اگر عبیداللہ زندہ ہوتے تو میں انہی کی رائے تسلیم کیا کرتا اور میں اتنے اتنے مال کے بدلے بھی عبیداللہ کے ساتھ گزارے ایک دن کو زیادہ محبوب رکھوں۔'' ❹

عبیداللہ اپنے زمانہ کے مفتی مدینہ تھے، ان کا شمار مدینہ کے فقہائے سبعہ میں ہوتا تھا۔ ❺ زہری عبیداللہ کے بارے میں کہتے ہیں: ''عبیداللہ علم کا ایک سمندر تھے۔'' ❻ عبیداللہ شعر گوئی پر بھی مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو یہ اشعار لکھ بھیجے:

بسم الذي أنزلت من عنده السور
والحمد لله أمّا بعد يا عمر
إن كنت تعلم ما تأتي وما تذر
فكن على حذر قد ينفع الحذر
واصبر على القدر المحتوم وارض به
وإن أتاك بما لا تشتهي القدر

---

❶ البداية والنهاية: ١٢/ ٦٧٨
❷ البداية والنهاية: ١٢/ ٦٨٢
❸ عمر بن عبدالعزيز، ص: ٥٩ از عبدالستار شيخ
❹ عمر بن عبدالعزيز، ص: ٥٩ از عبدالستار شيخ
❺ سير اعلام النبلاء: ٤/ ٤٧٥
❻ سير اعلام النبلاء: ٤/ ٤٧٧

فما صفا لامرئ عيش يسرّ به

إلا سيتبع يومًا صفوه كدر

''اس ذات کے نام سے شروع جس کے پاس سے قرآن کریم کی سورتیں اتریں اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں......امابعد!

اے عمر! اگر تم جانتے ہو کہ تم کیا کرتے ہو اور کیا نہیں تو پھر تم احتیاط کرو اور بچو کہ بچنا نفع دیتا ہے۔ اور رب تعالیٰ کی حتمی لکھی تقدیر پر صبر کرو اور اس پر راضی رہو اگر چہ تمہیں تقدیر سے ناگوار باتوں کو ہی کیوں نہ دیکھنا پڑے۔ آدمی زندگی کا ایک دن بھی ایسا نہیں گزارتا جس میں وہ خوش ہو اور وہ دن خوش گوار ہو مگر اگلے ہی دن اسے مصائب آپڑتے ہیں جو اس دن کی خوشیوں کو مکدر کر دیتے ہیں۔''[1]

عبیداللہ ۹۸ھ یا ۹۹ھ میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔[2]

آپ کے دوسرے مایہ ناز شیخ سید التابعین جناب حضرت سعید بن میسّب رحمہ اللہ تھے۔ آپ سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے کسی امیر یا خلیفہ کے دربار میں تشریف نہ لے جاتے تھے۔[3]

سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رحمہ اللہ بھی آپ کے مشائخ میں سے تھے جن کے بارے میں سعید بن میسّب رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ان کے سب سے زیادہ مشابہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تھے جبکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ان کے سب سے زیادہ مشابہ حضرت سالم تھے۔[4] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اس بیٹے سے بے حد محبت تھی جس کا لوگ انہیں طعنہ بھی دیا کرتے تھے مگر آپ ان کے جواب میں یہ شعر پڑھ دیتے تھے: ''لوگ مجھے سالم کے بارے میں ملامت کرتے ہیں مگر میں انہیں ملامت کرتا ہوں۔ سالم (میری) آنکھ اور ناک کی درمیان کی کھال ہے۔''[5]

حضرت سالم رضی اللہ عنہ ایک باندی کی اولاد تھے۔ ابن ابی زناد آپ کے بارے میں کہتے ہیں: اہل مدینہ ام ولد بنانے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان میں ان عظیم شخصیات نے جنم لیا اور پرورش پائی علی بن حسین، قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ کہ یہ سب ام ولد کی اولاد تھے۔ یہ لوگ علم وتقوی اور عبادت و ورع میں سب اہل مدینہ پر سبقت لے گئے۔ تب لوگ باندیوں میں رغبت کرنے لگے۔[6]

---

[1] سير اعلام النبلاء: ٤/ ٤٧٧
[2] سير اعلام النبلاء: ٤/ ٤٧٨
[3] الجوانب التربوية في حياة الخلفيةعمر، ص: ٢٥
[4] سير اعلام النبلاء: ٤/ ٤٥٩
[5] سير اعلام النبلاء: ٤/ ٤٦٠
[6] سير اعلام النبلاء: ٤/ ٤٦٠ .

امام مالک رحمہ اللہ حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''سالم کے زمانہ میں سالم سے بڑھ کر کوئی بھی اسلاف صلحاء کے زہد وفضل اور طرز حیات کے مشابہ نہ تھا۔ سالم دو درہموں کا لباس پہنتے تھے اور کھجوروں کی تھیلی خرید کر خود اٹھاتے تھے۔'' ❶

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''جب سلیمان بن عبدالملک نے سالم کا رنگ روپ اور حسن وجمال دیکھا تو ان سے پوچھا، کیا کھاتے ہو؟ (جو ایسی عمدہ صحت اور ایسا دلفریب رنگ روپ ہے)؟ سالم بولے: بس روٹی اور تیل۔ البتہ گوشت ملے تو وہ بھی کھالیتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا آپ کو گوشت کی اشتہا ہوتی ہے۔؟ تو بولے جب مجھے گوشت کی اشتہا نہیں ہوتی تو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں یہاں تک کہ اسکی اشتہا ہونے لگتی ہے۔'' ❷

ایک دن سالم موٹے جھوٹے لباس میں سلیمان بن عبدالملک کے دربار میں چلے گئے تو اس نے بے حد احترام کیا اور اپنے ساتھ بٹھایا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی مجلس میں بیٹھے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں پیچھے بیٹھے لوگوں میں سے ایک بولا کیا تمہارے ماموں...... مراد حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں...... اس سے عمدہ لباس نہ پہن سکتے تھے جس کو زیب تن کر کے خلیفہ کے پاس آتے؟ یہ بات کہنے والے نے نہایت قیمتی لباس پہنا ہوا تھا۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان صاحب کو جواب دیتے ہوئے کہا، میں نہیں دیکھ رہا کہ ان کے معمولی لباس نے ان کا مرتبہ تم سے گھٹا دیا ہو اور تمہارے قیمتی لباس نے تیرا مرتبہ ان سے بڑھا دیا ہو۔'' ❸

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ایسے ہی علماء صلحاء مشائخ اور فقہاء سے تربیت حاصل کرتے رہے حتی کہ آپ کے مشائخ کی تعداد تینتیس بتلائی جاتی ہے جن میں آٹھ صحابہ اور پچیس تابعین ہیں۔ ❹ آپ ان کے علوم سے سیراب ہوئے ان کے آداب واخلاق اپنائے ان کی مجالس کے کھونٹے بن گئے۔ یہاں تک کہ آپ کے اخلاق وعادات میں ان حضرات کی مضبوط ومستحکم تربیت کے نیک آثار ظاہر ہونے لگے۔ ❺

چنانچہ مضبوط شخصیت، سنجیدگی ومتانت، معاملات کے حل، حزم واحتیاط، دقت نظر، غور وفکر، قرآن کریم میں تدبر، قوی ارادہ اور ہنسی مذاق اور ٹھٹھہ مخول سے اجتناب کرنے میں اپنے سب معاصرین پر سبقت لے گئے۔ ❻

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٤٦٠ ❷ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٤٦٠.

❸ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٤٦١

❹ مسند امیر المؤمنین عمر، ص: ٣٣

❺ الجوانب التربویة فی حیاۃ عمر بن عبدالعزیز: ١/ ٦٧

❻ عمربن عبدالعزیز، ص: ٣٠ از زحیلی

یہ ہیں وہ اہم اسباب وعوامل جنھوں نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی شخصیت کی تکوین وتشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ اور ہمیں ان عوامل کے تناظر میں یہ عبرت آمیز سبق ملتا ہے کہ علمائے ربانی کے کندھوں پر ایک عظیم ذمہ داری ہے اور وہ ہے حکام و امراء اور اصحاب جاہ ومال کی اولادوں کی تعلیم وتربیت کی طرف بھرپور توجہ دینا کیونکہ ان کی اصلاح میں امت اسلامیہ کی عظیم خیر پنہاں ہے۔

۳......علمی مقام ومرتبہ

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سوانح نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے امام تھے حتی کہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ دونوں نے آپ کو امام کے لفظ سے پکارا ہے۔ [1] مجاہد فرماتے ہیں: ہم آئے تو انہیں تعلیم دینے تھے مگر تھوڑا عرصہ بھی نہ گزرا کہ خود ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے لگے۔ [2]

میمون بن مہران کہتے ہیں: عمر علماء کے تربیت یافتہ تھے۔ [3]

امام ذہبی رحمہ اللہ کا قول ہے: ''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ امام فقیہ مجتہد، سنن کے عارف، بڑی شان والے، حافظ، اللہ سے ڈرنے والے، گریہ وزاری کرنے والے اور رب کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ حسن سیرت اور قیام عدل میں انہیں اپنے نانا امیر المومنین سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ، جبکہ زہد میں حسن بصری اور علم میں زہری رحمہ اللہ کے ساتھ شمار کیا جاتا تھا۔ [4] علماء اور فقہاء ان کے قول وفعل سے استدلال کیا کرتے تھے۔ انہی میں سے وہ مشہور زمانہ خط ہے جو امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا۔ جس میں وہ جابجا اپنے بعض مسائل میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز کے قول سے استدلال کر کے امام مالک رحمہ اللہ پر اپنے قول کی صحت کو حجت بناتے ہیں۔ [5]

حتی کہ مذاہب اربعہ کی کتب فقہیہ میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ذکر ان کے مذہب سے استدلال کے طور پر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ متعدد مسائل میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایسا ہی کیا ہے۔ حتی کہ حضرات فقہاء نے جناب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ایسا لقب ذکر کیا ہے جس سے وہ اپنے نانا امیر المومنین سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے جدا نظر آتے ہیں، چنانچہ قرشی ''الجواهر المضيئة'' میں کہتے ہیں:

فائدہ:...... ہمارے اصحاب مسائل اختلافیہ میں اپنی کتب میں کہتے ہیں: یہ عمر صغیر کا قول ہے۔ اور اس

---

[1] الآثار الواردة عن عمر بن عبدالعزيز: ۱/ ۶۷
[2] تهذيب التهذيب: ۷/ ۴۰۵
[3] تاريخ ابو زرعة ، ص: ۲۲۵
[4] تذكرة الحفاظ ، ص: ۱۱۸ ـ ۱۱۹
[5] الآثار الواردة عن عمر بن عبدالعزيز فى العقيدة: ۱/ ۷۰

سے ان کی مراد مشہور خلیفہ اور امام عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہوتے ہیں۔ [1] شوافع نے اپنے کتابوں میں سیّدنا عمر ابن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا ہے۔ اسی لیے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے "تهذيب الاسماء واللغات" میں آپ کا بھرپور ترجمہ ذکر کیا ہے جس کے آغاز میں وہ یہ کہتے ہیں "جناب موصوف کا ترجمہ میں نے "المختصر والمهذب" میں بھی ذکر کیا ہے۔ [2]

یہی حال مالکیہ کا بھی ہے ان کی کتابیں بھی سیّدنا عمر کے ذکر سے معمور ہیں۔ چنانچہ مذہب مالکیہ کے امام، امام مالک رحمہ اللہ "المؤطا" میں متعدد مقامات پر سیّدنا عمر رحمہ اللہ کے قول وفتویٰ سے استدلال کرتے نظر آتے ہیں۔ [3] حنابلہ بھی اس دوڑ میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ چنانچہ مذہب حنبلیہ کے امام، امام احمد رحمہ اللہ آپ کے بارے میں کہتے ہیں: تابعین میں سے جس کا قول حجت ہو، اس بابت میں سوائے عمر بن عبدالعزیز کے کسی کو نہیں جانتا اور ان کا قول کافی ہے۔ [4] جبکہ خود ہمارے لیے امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول کافی ہے: جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے محبت رکھتا ہے اور ان کی خوبیوں کو ذکر کرتا اور ان کو پھیلاتا ہے تو جان لو کہ ان شاء اللہ اس کے پیچھے خیر ہی ہوگی۔ [5]

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے تبحر علمی کا اندازہ کرنے کے لیے ان کی کتابوں کا مطالعہ بے حد مفید ہے، جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) الآثار الواردة عن عمر بن عبدالعزيز فی العقيدة (۲ جلد) از استاذ حیات محمد جبر۔ یہ ایک بے حد علمی کتاب ہے۔

(۲) فقه عمر بن عبدالعزيز (۲ جلد) از دکتور محمد سعد شقیر۔ یہ بے حد مفید علمی کتاب ہے۔ مؤلف موصوف نے اس کتاب پر دکتور کی سند حاصل کی تھی۔

(۳) موسوعة فقه عمر بن عبدالعزيز از محمد رواس قلعجی۔ ان شاء اللہ آگے چل کر ہم عقائد وعبادات، سیاست شرعیہ، نظام حکومت، مالیات کا انتظام، دعوت وقضاء کا نظم اور اپنی پوری زندگی میں کتاب وسنت اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کرنے کی بابت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی فقہ پر سیر حاصل گفتگو کریں گے۔

---

[1] الجواهر المضيئة: ٤/ ٥٥٢

[2] المختصر والمهذب یہ مشہور کتاب مذہب شافعیہ پر ہے۔

[3] المؤطا، ارقام: ٣٠٥، ٥٩٢، ٥٩٤، ٦١٤

[4] البداية والنهاية: ١/ ٧٢

[5] سيرة عمر بن عبدالعزيز لابن الجوزی، ص: ٦١

۴......سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ولید بن عبدالملک کے دَور میں

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جنہیں خلفاء کا قرب حاصل رہا تھا۔ اور انھوں نے خلفاء و امراء کو نصیحت کرنے اور انہیں رائے اور مشورہ کی سیاست اپنانے کی طرف متوجہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اموی خاندان میں عظیم مقام تھا۔ عبدالملک آپ کا بے حد احترام کرتا تھا۔ وہ نوجوانی میں ہی آپ کی اس قدر ذہانت سے بے حد متاثر تھا۔ اسی لیے وہ آپ کو اپنی اولاد پر مقدم رکھتا تھا۔ حتیٰ کہ اپنی بیٹی سے آپ کی شادی بھی کردی۔ البتہ کم سنی اور حصول علم میں اشتغال کی وجہ سے آپ عبدالملک کے ساتھ امور دولت میں شریک نہ ہوسکے۔ اس کے باوجود آپ نے اپنے ایک خط میں جو آپ نے عبدالملک بن مروان کو لکھا تھا، ان کو اس ذمہ داری کا شدید احساس دلایا جو ان کندھوں پر ڈالی گئی تھی۔ ابن جوزی نے یہ خط نقل کیا ہے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اس خط میں لکھتے ہیں:

"امـابـعد! بے شک آپ نگہبان و نگران ہیں اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔" [1]

اور اس کے بعد یہ آیت لکھی:

﴿اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا﴾ (النساء: ۸۷)

"اللہ (وہ ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہر صورت تمھیں قیامت کے دن کی طرف (لے جا کر) جمع کرے گا، جس میں کوئی شک نہیں اور اللہ سے زیادہ بات میں کون سچا ہے۔"

کہتے ہیں کہ آپ کے چچا عبدالملک نے آپ کو اپنے خواص میں شامل کرلیا تھا تاکہ ابتداء ہی سے آپ امور قیادت کو سیکھ لیں۔ [2] ایک قول یہ ہے کہ آپ کو سلیمان بن عبدالملک نے اپنے خواص میں شامل کیا تھا۔ آپ کو اپنے چچا عبدالملک کی وفات کا بے حد دکھ تھا۔ اور اس کا آپ پر بے حد اثر ہوا۔ آپ نے چچا کی وفات پر اپنے چچا زاد مسلمہ سے کہا "اے مسلمہ! میں تیرے والد کے جنازہ پر دفن کے بعد پہنچا تھا۔ ان کی قبر کے پاس میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ اللہ کے ایک امر تک جا پہنچے۔ جس سے میں بے حد خوفزدہ ہوگیا اور میں نے اللہ سے اس بات کا عہد کرلیا کہ اگر امر ولایت مجھے ملا تو میں ان جیسے کام نہ کروں گا۔ اور میں نے پھر اس کی بھرپور کوشش بھی کی۔ [3]

---

[1] اثر الحياة السياسية، ص: ۱۵۹ [2] الآثار الواردة فى عمر بن عبدالعزيز: ۱/ ۹۳.

[3] السياسة الاقتصادية والمالية لعمر بن عبدالعزيز، ص: ۱۰ از بشير كمال عابدين.

مدینہ کی ولایت

۸۷ھ میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے آپ کو مدینہ منورہ کا والی بنادیا۔ جبکہ ۹۱ھ میں طائف کی امارت و ولایت بھی آپ کے سپرد کردی جس سے آپ سارے حجاز کے والی بن گئے۔ آپ نے امارت قبول کرتے وقت تین باتوں کی شرط لگائی تھی جو یہ ہیں:

پہلی شرط :......وہ لوگوں میں عدل سے کام لیں گے کسی پر ظلم نہ کریں گے بیت المال سے وابستہ کسی کے حق کو غصب نہ کریں گے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدینہ منورہ سے خلیفہ کے لیے جانے والا مال کم پڑ گیا۔

دوسری شرط:...... مجھے پہلے سال ہی حج کی اجازت ہوگی۔ کیونکہ آپ نے ابھی تک حج نہ کیا تھا۔

تیسری شرط:...... مجھے اہل مدینہ پر خرچ کرنے کی اجازات ہوگی۔

ولید نے یہ تینوں شرطیں مان لیں۔ تب آپ نے مدینہ کی ولایت قبول کی جس سے اہل مدینہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ❶

آپ کی مجلس شوریٰ اور مدینہ کے فقہائے عشرہ

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے مدینہ منورہ میں ایک مجلس شوریٰ قائم کی۔ جب لوگ مدینہ منورہ کے نئے امیر کی خدمت میں سلام پیش کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تو آپ نے مدینہ کے دس فقہاء کو طلب کیا جن کے نام یہ ہیں:

عروہ بن زبیر، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، ابوبکر بن سلیمان بن ابی خیثمہ، سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ بن عمر، سالم کے بھائی عبداللہ بن عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اور خارجہ بن زید بن ثابت۔

یہ لوگ تشریف لائے، بیٹھے آپ نے گفتگو کا آغاز رب تعالیٰ کی حمد وثنا سے کیا، پھر فرمایا: ''میں نے آپ حضرات کو ایک ایسی بات کے لیے بلوایا ہے جس پر آپ کو اجر ملے گا۔ جس میں آپ حق کے معاون بنیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں کوئی بھی فیصلہ آپ لوگوں کی رائے یا جو تم لوگوں میں سے حاضر ہو اس کی رائے کے بغیر نہ کروں۔ لہٰذا اگر تم کسی کو حد سے تجاوز کرتے دیکھو یا آپ کو میرے کسی عامل کی ستم کیشی کی اطلاع ملے تو میں اس شخص کو اللہ سے ڈراتا ہوں کہ اسے یہ بات پہنچے تو مجھ تک بھی ضرور پہنچائے۔'' ❷

آپ جانتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کسی پیش آمدہ بات پر مجلس منعقد کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر پیش آمدہ مسئلہ میں شوریٰ کی ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے تھے۔ اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی تو آخر آپ کے پوتے تھے۔ چنانچہ آپ نے بھی مجلس شوریٰ قائم کی اور آپ نے ارکان شوریٰ کے

❶ فقه عمر بن عبدالعزیز: ۱/ ۶۳

❷ موسوعة فقه عمر، ص: ۵۴۸ از قلعجی

اختیارات کو دو باتوں میں محدود کیا:

الف: ارکان شوریٰ رائے پیش کرنے کی بابت اہل حق ہیں۔ ہر بات ان کے رائے سے کی جائے گی۔ اس بنا پر بعض دفعہ امیر بھی اس مجلس کے اختیارات کے حق میں دست بردار ہو جائے گا۔ اس مجلس کا نام ''مجلس عشرۃ'' تھا۔

ب: آپ نے انہیں عمال پر مفتش (تحقیقی افسر) مقرر کیا تھا۔ جو ان کے معاملات کے نگران تھے۔ چنانچہ آپ نے یہ طے کیا کہ جب بھی کسی عامل کی ستم کیشی ان میں سے کسی کے بھی علم میں آئے گی وہ اس کی اطلاع امیر کو ضرور دے گا، وگرنہ امیر ''کاتم حق'' (حق چھپانے والے) کے خلاف اللہ سے مدد مانگے گا۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سیّدنا عمر رحمہ اللہ کی یہ تدبیر بھی دو امور کو متضمن ہے:

(۱) آپ نے ''مجلس عشرۃ'' کے کسی رکن کے لیے کوئی معاوضہ مقرر نہ کیا تھا، کیونکہ یہ لوگ ''اصحاب عطا'' تھے، دوسرے یہ لوگ فقہاء تھے اس لیے آپ ان کے کسی اختصاص میں دخل نہ دینا چاہتے تھے

(۲) اگر کسی عذر کی بنا پر کوئی حاضر نہ ہو سکتا تھا تو آپ نے اسے اس بات کی رخصت دی تھی۔ اسی لیے آپ نے کسی مسئلہ کے طے کرنے کے لیے ان سب کی حاضری کو لازم نہ قرار دیا تھا۔ اس لیے آپ نے مجلس کے قیام کے وقت ان کے سامنے یہ بات بھی رکھی تھی کہ یا تو میں سب کی موجودگی میں فیصلہ کروں گا یا جو حاضر ہوگا اس کی موجودگی میں فیصلہ کروں گا۔ ❶

اس مجلس میں بلا استثناء سب امور کے بارے میں مشورہ کیا جاتا تھا۔ ❷ اس قصہ سے ہم علماء ربانی کی اہمیت اور ان کے بلند مرتبے کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اور یہ کہ والیان امور کے ذمہ ہے کہ وہ علمائے ربانی سے مشاورت کیا کریں۔ انہیں اپنے قریب کیا کریں۔ جیسا کہ خود ان علماء کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نیکوکار والیوں کے قریب ہو کر ممکن حد تک ان مصالحہ عامہ کو حاصل کریں جن سے عوام و رعایا کی دنیا و آخرت کا بھلا ہو اور حتی الامکان مفاسد کا سد باب یا ان کی تقلیل کریں۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے نظام شوریٰ کو فقط ان فقہاء تک ہی محدود نہ رکھا ہوا تھا بلکہ آپ ان کے علاوہ دوسرے علماء مدینہ سے بھی مستقل مشاورت رکھتے تھے۔ جن میں سعید بن میتب اور زہری وغیرہ حضرات کے نام سرفہرست ہیں چنانچہ آپ ہر فیصلہ میں سعید بن میتب کی رائے ضرور لیتے تھے۔ آپ نے مدینہ منورہ کے مقام و مرتبہ کو بلند کیا۔ اس کا اندازہ صرف اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ آپ نے کسی مسئلہ کو

❶ نظام الحکم فی الشریعة والتاریخ الاسلامی: ۱/ ۵۶۱۔ ۵۶۲

❷ نظام الحکم فی الاسلام بین النظریة والتطبیق، ص: ۳۹۱

دریافت کرنے کے لیے اپنا پیامبر جناب سعید بن مسیب کے پاس بھیجا۔ اس نے غلطی سے یہ کہہ دیا کہ امیر آپ کو یاد کرتے ہیں۔ سعید بن مسیب کی عادت تھی کہ وہ امراء کے پاس جانے سے گریز کیا کرتے تھے۔ لیکن قاصد کا پیغام سنتے ہی جوتیاں لیں اور ساتھ چل پڑے۔ حضرت سعید کو دیکھتے ہی آپ نے کہا۔ اے ابو محمد! میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ اپنی جگہ لوٹ جایئے۔ یہاں تک کہ ہمارا قاصد آپ کے پاس آ کر آپ سے ہماری حاجت کے بارے دریافت کرے۔ کیونکہ ہم نے اسے آپکو بلوانے نہ بھیجا تھا مگر اس نے غلطی کی۔ ہم نے تو اسے آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ [1]

آپ نے اپنے دور امارت میں ولید کی اجازت سے مسجد نبوی میں توسیع کا کام کیا جس سے مسجد کا رقبہ چار سو مربع گز ہوگیا۔ اور باوجود یہ کہ آپ مساجد کی آرائش کو پسند نہ فرماتے تھے لیکن پھر بھی آپ نے ولید کے حکم سے مسجد نبوی کی تزیین و آرائش کا کام بھی کیا۔ [2] آپ کے اس رویہ سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ کبھی کبھی والی کو اپنے سے بڑے حاکم کے فیصلے بھی ماننے پڑتے ہیں چاہے آدمی ان فیصلوں پر مطمئن نہ بھی ہو البتہ آدمی کو اس بات کی تسلی ہونا ضروری ہے کہ بعض دوسری وجوہ کی بنا پر اس سے بڑی کوئی مصلحت سامنے ہو۔ ۹۱ھ میں خلیفہ ولید اپنے سفر حج کے دوران مدینہ آیا تو آپ نے آگے بڑھ کر اس کا شاندار استقبال کیا۔ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ولید نے ان اصلاحات کا مشاہدہ خود اپنی آنکھوں سے کیا جو آپ نے اپنی امارت میں مدینہ منورہ میں نافذ کی تھیں۔ [3]

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور ولایت کا ایک افسوس ناک واقعہ:

علماء سیر و تاریخ نے لکھا ہے کہ خبیب بن عبداللہ بن زبیر یہ حدیث بیان کیا کرتا تھا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "جب بنو ابی العاص [4] تیس افراد ہو جائیں گے تو وہ اللہ کے بندوں کو غلام اور اللہ کے مال کو اپنے درمیان ہی دائر و سائر کر لیں گے۔" [5]

یہ حدیث ضعیف ہے۔ جب ولید کو اس حدیث کی اطلاع ملی تو اس نے والی مدینہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو حکم بھیجا کہ وہ خبیب کو سو کوڑے بھی ماریں اور قید میں بھی ڈال دیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا

---

[1] سيرة عمربن عبدالعزيز ومناقبه، ص:۲۳ از ابن عبدالحكم

[2] تفسير القرطبي: ۱۲/ ۲۶۷

[3] موسوعة فقه عمربن عبدالعزيز، ص:۲۰

[4] ابوالعاص سے مراد بنو العاص ہیں جو بنی امیہ ہیں۔ "عاص" ولید اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ میں سے ہر ایک کے تیسری پشت کے دادا ہیں۔

[5] یہ حدیث بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے دلائل النبوۃ: ۶/ ۵۰۷ میں روایت کی ہے۔ امام ابن کثیر اس حدیث کو متعدد طرق سے روایت کرنے کے بعد کہتے ہیں: یہ طرق ضعیف ہیں: دیکھیں: البداية والنهاية نقلا عن الآثار الواردة عن عمر بن عبدالعزيز في العقيدة: ۱/ ۹۸

ہی کیا اور خبیب کو سو کوڑے مروائے، پھر ایک گھڑے میں پانی ٹھنڈا کر کے ایک ٹھنڈی صبح اس پر انڈیلا جس سے خبیب کو جوڑوں کی اینٹھن نکل آئی۔ بالآخر یہی دردیں ان کی موت کا باعث بن گئیں۔ آپ نے خبیب کو اس وقت قید سے نکال دیا جب اس کی بیماری شدت پکڑ چکی تھی۔ آپ کو اپنے کیے پر بے حد ندامت ہوئی اور آپ خبیب کی موت سے بے حد مغموم ہوئے۔

مصعب بن عبداللہ نے مصعب بن عثمان سے روایت کیا ہے کہ لوگ خبیب کو ''بقیع زبیر'' میں واقع دار عمر بن مصعب بن زبیر لے گئے اور ان کے وفات پا جانے تک ان کے گرد جمع رہے۔ یہ لوگ بیٹھے تھے کہ ماجشون آ گئے۔ انہوں نے داخل ہونے کی اجازت مانگی۔ اس وقت خبیب کی لاش پر چادر ڈال دی گئی تھی۔ ماجشون سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مدینہ کی امارت کے زمانہ میں ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ عبداللہ بن عروہ نے کہا ''انہیں آنے دو'' ماجشون اندر داخل ہوئے اور کہا'' لگتا ہے کہ تمھیں اپنے ساتھی کی موت میں شک ہے ذرا اس کا منہ تو کھولو۔'' لوگوں نے ان کا منہ کھولا۔ ماجشون انہیں ایک نظر دیکھ کر لوٹ گئے۔ ماجشون کہتے ہیں کہ میں نے سیدھا جا کر دارِ مروان کے دروازے کو کھٹکھٹایا۔ اندر داخل ہوا تو عمر کو دردِ زہ میں مبتلا عورت کی طرح بے چینی سے کبھی اٹھتے اور کبھی بیٹھتے دیکھا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے پوچھا: پیچھے کیا ہوا؟ میں نے کہا: وہ مر گیا۔ یہ سنتے ہی مارے خوف کے عمر زمین پر گر گئے۔ پھر انا للہ پڑھتے ہوئے سر اوپر اٹھایا۔ پھر موت تک ان پر غم و اندوہ کی یہ کیفیت طاری رہی۔

اس واقعہ کے بعد آپ نے مدینہ کی ولایت سے استعفاء دے دیا اور پھر ولایت کو قبول نہ کیا۔ جب بھی آپ کو یہ کہا جاتا کہ آپ نے فلاں فلاں نیکی کی ہے، اس کی بشارت لیجئے تو آپ فوراً کہتے کہ ''خبیب کا کیا بنے گا۔'' [1] غرض خبیب کی موت کا یہ واقعہ مرتے دم تک آپ کو یاد رہا۔ اور گویا کہ آنکھوں سامنے رہا۔ [2]

اس کے علاوہ اور بھی متعدد واقعات ہیں جو بتلاتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی ولایت سنبھالتے وقت آپ میں صلاح اور تقویٰ کے واضح آثار نمایاں ہو چکے تھے۔ چنانچہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ابو عمر بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اس مجلس میں حاضر ہوا جس میں وہ نماز فجر ادا کیا کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی گود میں قرآن کریم کا نسخہ ہے اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں جو داڑھی کو تر کر رہے تھے۔ [3]

ابن ابی زناد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جب والی مدینہ تھے اور کوئی چیز خرچ کرنا چاہتے تو کہتے کہ کسی ضرورت مند گھرانے کو تلاش کرو۔'' (تاکہ یہ چیز ان پر خرچ

---

[1] سيرة عمر بن عبدالعزيز لابن الجوزي، ص: ۴۳۔۴۴

[2] سيرة عمر بن عبدالعزيز، ص: ۴۲

[3] سيرة عمر بن عبدالعزيز، ص: ۴۲

کردی جائے)[1]

آپ کے آزاد کردہ غلام مزاحم کی نصیحت:

ایک دفعہ آپ نے مدینہ میں ایک شخص کو قید میں ڈال دیا، لیکن آپ نے اس کو مقررہ مدت سے زیادہ تک قید میں ڈالے رکھا۔ جس پر مزاحم نے آپ سے بات کی کہ اس شخص کو آزاد کر دیجیے۔ آپ نے مزاحم سے کہا: ''میں اس کو چھوڑنے والا نہیں یہاں تک کہ جتنی مدت یہ قید میں پڑا رہا ہے اس سے زیادہ مدت نہ گزر جائے۔'' اس پر مزاحم نے غصہ سے کہا: ''اے عمر بن عبدالعزیز! میں تمہیں اس رات سے ڈراتا ہوں جس کی کوکھ سے قیامت نکلے گی اور جس کی صبح کو قیامت قائم ہوگی۔ اے عمر! میں یہ بات کہ: ''امیر نے کہا، امیر نے کہا'' اتنی سنوں گا کہ آپ کا نام تک بھول جاؤں گا۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اس بات پر مجھے سب سے پہلے مزاحم نے متنبہ کیا۔ خدا کی قسم! پھر وہی ہوا جو اس نے کہا تھا۔ گویا کہ میرے چہرے پر سے پردہ ہٹا دیا گیا۔''[2]

یہ قصہ ہمیں ایسے نیک اور مخلص ساتھی کی ضرورت واہمیت کو بتلاتا ہے جو غفلت کے وقت خدا یاد دلائے۔

خلافت ولید کے عہد میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا حجاج کے ساتھ معاملہ:

ابن جوزی کے بقول آپ نے مدینہ کی امارت سے استعفاء دے دیا تھا، لیکن بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کو معزول کیا گیا تھا۔ چنانچہ ۹۲ھ میں ولید نے حجاج کو حج کا امیر بنا کر روانہ کیا۔ یہ خبر سنتے ہی آپ نے ولید کو خط لکھا اور اس بات کی معذرت کی کہ حجاج مدینہ منورہ سے نہ گزرے۔ کیونکہ آپ حجاج کو بے حد ناپسند کرتے تھے۔ اور اسکے مظالم کی بنا پر اسے دیکھنا تک گوارا نہ کرتے تھے۔ ولید نے آپ کی خواہش کے احترام میں حجاج کو خط لکھ بھیجا کہ ''عمر نے تمہارے مدینہ سے گزرنے کی معذرت لکھ بھیجی ہے۔ کیا حرج ہے کہ اگر تم اس آدمی کے پاس سے نہ گزرو جو تمھیں پسند نہیں کرتا۔ اس لیے تم حج کو جاتے ہوئے مدینہ کے رستے سے ہٹ کر گزرنا۔''[3]

آپ نے مدینہ کی امارت کے دوران ولید کے ان تمام مظالم کی تفصیل لکھ بھیجی تھی جو حجاج نے اہل عراق پر ڈھائے تھے۔ اور بتلایا کہ اہل عراق حجاج کے ظلم وستم جبر واستبداد وحشت وبربریت اور سفا کی سے کس قدر تنگ ہیں۔ ان باتوں کی بنا پر حجاج آپ سے بے حد خار کھاتا تھا۔ اور اس نے اپنے دل میں آپ کے خلاف کینہ اور انتقام پال رکھا تھا۔ چنانچہ وہ ہر وقت آپ سے بدلہ کی ٹوہ میں رہنے لگا۔ اور اس وقت اس کا جوش انتقام اور بھی زیادہ ہوگیا جب اس کے مظالم سے تنگ آجانے والے بھاگ بھاگ کر حجاز میں پناہ لینے لگے

---

[1] سيرة عمر بن عبدالعزيز، ص: ٤٢
[2] سيرة عمر بن عبدالعزيز بن الجوزي، ص: ١٤٠
[3] سيرة عمر بن عبدالعزيز ومناقبه، ص: ٢٤ از ابن حكم

اور حجاز ان مظلوموں کے لیے محفوظ پناہ گاہ بن گیا۔ آخر کار حجاج نے اپنی سازشوں کا آغاز کر دیا۔ اور ولید کو گمراہ کرنے کے لیے یہ خط لکھا کہ ''مجھ سے پہلے عراق کے بے دین اور باغی باشندے عراق چھوڑ کر مکہ اور مدینہ میں جا کر آباد ہو چکے تھے۔ بے شک یہ کمزوری اور بزدلی ہے (کہ ان بے دینوں کو یوں کھلے بندوں بے لگام چھوڑ دیا جائے بلکہ ان کا کوئی سدباب ہونا چاہیے جو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو کرنا چاہیے تھا مگر انہوں نے بزدلی اور کمزوری کا مظاہرہ کر کے ان باغیوں کو مدینہ میں پناہ دے رکھی ہے۔) ولید نے جواب لکھ بھیجا کہ تم عثمان بن حبان اور خالد بن عبداللہ قسری کو مکہ اور مدینہ ولایت سپرد کر دو۔ اور ساتھ ہی عمر بن عبدالعزیز کی معزولی کے احکام بھی لکھ بھیجے۔'' [1]

ولید صاف طور پر حجاج کی سیاست کی طرف مائل تھا۔ ولید کا گمان تھا کہ شدت اور انتہا پسندی کی سیاست ہی حکومت کو مستحکم کرنے کا واحد رستہ ہے۔ ولید کا یہی خیال اور میلان اس کے اور جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے درمیان دوریاں پیدا کرنے کا سبب بن گیا اور اس نے آپ کی آراء ونصائح کو قبول کرنا چھوڑ دیا۔ لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ آپ کی رائے ولید کے رائے سے بہتر تھی۔ جس کے واضح آثار جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے خلیفہ بننے اور آپ کی آراء کے منطبق ہونے کے بعد ظاہر ہوئے۔ [2]

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی دمشق واپسی:

معزول ہو جانے کے بعد آپ اپنے خادم کے ساتھ مدینہ منورہ سے روتے ہوئے نکلے۔ اور مزاحم کی طرف متوجہ ہو کر کہا: اے مزاحم! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ہم ان لوگوں میں سے نہ ہوں جن کو مدینہ نکال باہر کرے گا۔ [3] آپ کا اشارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کی طرف تھا کہ ''خبردار! مدینہ کی مثال (لوہار کی) دھونکنی کی طرح ہے جو (لوہے کی) میل کچیل کو نکال دیتی ہے۔ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ مدینہ اپنے سے برے لوگوں کو (مدینہ سے یوں) نکال باہر (نہ) کر دے جیسا کہ لوہار کی دھونکنی لوہے کی میل کچیل کو نکال دیتی ہے۔ [4]

مزاحم کہتے ہیں: جب سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ مدینہ منورہ سے نکلے تو میں نے دیکھا کہ چاند ''دبران'' [5]

---

[1] تاریخ الطبری: ۷/ ۳۸۸ [2] اثر العلماء فی الحیاۃ السیاسیۃ، ص: ۱۶۵

[3] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ومناقبہ لابن الحکم، ص: ۲۷

[4] مسلم: کتاب الحج باب: المدینۃ تنفی شرارھا۔

[5] دبران، علم الفلک میں برج ثور کے پانچ ستارے جو چاند کی منزلوں میں سے ہیں۔ بعض کے نزدیک ثریا اور جوزاء کے درمیان کے ستارے کو دبران کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید، ص: ۴۹۹) (مترجم)

دبران برج ثریا اور جوزاء کے درمیان کے ستارے کو کہتے ہیں جس کا نام تابع اور تویبع ہے۔ یہ چاند کی ایک منزل ہے اور اس کا نام دبران رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ثریا کے پیچھے آتا ہے۔

میں آیا ہوا ہے۔ گویا کہ مزاحم نے بدفال لی۔ مزاحم کہتے ہیں کہ میں نے آپ سے یہ بات ذکر کرنا گوارا نہ کیا۔ چنانچہ میں نے یہ بات یوں کہی جناب ذرا دیکھیے تو آج کی رات چاند کس قدر سیدھا ہے۔ اس پر آپ نے نگاہ اٹھا کر چاند کی طرف دیکھا تو اسے ''دبران'' میں پایا۔ آپ کہنے لگے: گویا کہ تم مجھے یہ بتلانا چاہتے ہو کہ آج کی رات چاند ''دبران'' میں ہے۔ اے مزاحم! ہم نہ تو سورج کی وجہ سے نکالے گئے ہیں اور نہ چاند کی وجہ سے ہم تو اللہ واحد قہار کی وجہ سے نکالے گئے ہیں۔ [1] آپ چلتے ہوئے سویداء پہنچے۔ وہاں آپ کا ایک گھر اور ایک کھیتی تھی۔ آپ وہاں فروکش ہو گئے۔ اور بعد کے حالات کا رخ دیکھنے لگے کہ کس کروٹ بیٹھتے ہیں۔ پھر آپ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی مصلحت اس میں ہے کہ آپ خلیفہ کے پڑوس میں دمشق جا رہیں، شاید یوں آپ مظالم کو روکنے میں کامیاب ہو سکیں یا حق گوئی کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ چنانچہ آپ نے چل کر دمشق میں اقامت اختیار کر لی۔ [2]

آپ ولید کے پوری طرح ہم نوا نہ تھے بلکہ آپ کو متعدد امور میں ولید کے ساتھ اختلاف تھا۔ اسی لیے خلیفہ ولید کے پڑوس میں دمشق میں رہنا مشکلات سے خالی نہ تھا۔ ولید اپنی خلافت کا استحکام اسی بات میں پنہاں دیکھتا تھا کہ نہایت سنگدل اور سخت گیر امراء کو لوگوں پر مقرر رکھا جائے جو تلوار کے زور پر لوگوں کی گردنیں جھکائے رکھیں۔ چاہے اس کے لیے انہیں مظالم کے پہاڑ ہی کیوں نہ توڑنے پڑیں۔ جبکہ سیّدنا عمر ابن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی رائے اور سیاست یہ تھی کہ حکومت عدل سے قائم ہوتی ہے۔ جبکہ رعایا بادشاہ اور سلطان کے امر کی اطاعت بھی کرے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ ''اللہ کی قسم! شام میں ولید، عراق میں حجاج، یمن میں حجاج کے بھائی محمد بن یوسف، حجاز میں عثمان بن حیان اور مصر میں قرہ بن شریک نے رب کی دھرتی کو ظلم وجور سے بھر دیا ہے۔ [3]

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ولید بن عبدالملک کو اس بات کی نصیحت کرنا کہ وہ قتل کے باب میں اپنے عمال کے اختیارات کو محدود کرے:

آپ نے اس سفاکانہ رویے کی اصلاح کے لیے کئی طریقے اپنائے۔ جیسے آپ نے ولید کو اس بات کی وصیت کی کہ وہ لوگوں کو قتل کرنے کے باب میں اپنے عمال کے اختیارات محدود کرے۔ چنانچہ اپنی ابتدائی کوششوں میں آپ کو کامیابی حاصل ہوئی اور ایک قرارداد جاری کی گئی کہ جب تک خلیفہ کے علم میں نہیں آجاتا اور اس کی موافقت بھی حاصل نہیں ہو جاتی، کسی بھی والی کو کسی کو قتل کرنے کا اختیار نہیں۔ ابن عبدالحکم نے اپنی تالیف میں ذکر کیا ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس گئے اور کہا:

---

[1] سیرة عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم، ص: ۲۷ [2] البدایة والنهایة: ۱۲/ ۶۸۳

[3] سیرة عمربن عبدالعزیز لابن عبدالحکم، ص: ۱٤٦

''اے امیر المومنین! میں ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں، پس جب آپ دل و دماغ کے ساتھ فارغ ہو جائیں اور آپ کی فہم بھی جمع ہو تو مجھ سے اس کے بارے میں پوچھ لیجئے گا۔ ولید بولا'' بھلا اس وقت وہ نصیحت کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟'' عمر بولے (اس کی وجہ) آپ جانتے ہیں اس لیے جب آپ میری بات پوری توجہ سے سننے کے لیے تیار ہو جائیں گے تو خوب سمجھیں گے۔ چند دن بعد خلیفہ کے دروازے پر لوگوں کا ایک مجمع اکٹھا ہو گیا۔ خلیفہ نے خادم سے پوچھا کہ دروازے پر کون لوگ ہیں؟ بتلایا گیا کہ کچھ لوگ ہیں جن میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی ہیں۔ خلیفہ نے آپ کو اندر بلوایا آپ اندر آئے تو خلیفہ بولا: ابو حفص! یاد رہے تم نے مجھے ایک نصیحت کرنے کا وعدہ کیا تھا آج میں اسے پوری توجہ سے سننے کو تیار ہوں'' اس پر آپ نے یہ کہا: اللہ کے نزدیک شرک بعد کسی بے گناہ کی جان لینے سے بڑا کوئی جرم نہیں۔ یہ آپ کے عمال ہیں جو پہلے لوگوں کو قتل کرتے ہیں پھر یہ اعلامیہ جاری کرتے ہیں کہ انہیں فلاں فلاں جرم کی پاداش میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے، آپ سے اس بابت ضرور پرسش ہوگی اور آپ اس قتل ناحق میں ماخوذ ہوں گے۔ ان والیوں کو حکم لکھ بھیجیے کہ جب تک کسی کے خلاف جرم شہادتوں سے ثابت نہ ہو جائے اور آپ کے نزدیک بھی یہ معاملہ واضح نہ ہو جائے اور پھر آپ حکم بھی نہ دے لیں کوئی والی کسی کو قتل نہ کرے۔

یہ سن کر ولید بولا: ''اے ابو حفص! اللہ تمہیں برکت دے اور تیرے جیسے لوگ کبھی ناپید نہ ہوں۔ میرے پاس پروانہ لاؤ۔'' پھر ولید نے بلاد و امصار کے سب والیوں کو یہی حکم لکھ بھیجا۔ یہ حکم سب نے بلا تردد مان لیا سوائے حجاج کے کہ وہ اپنی روش پر باقی رہا اور اس نے سفاکی اور خون ریزی کا خون آشام اور بربریت پسند فطرت پر خلیفہ کا یہ حکم بے حد گراں گزرا تھا۔ اور دراصل اسے یہ غلطی ہوگئی کہ شاید یہ حکم خلیفہ نے صرف مجھے میری بے رحمی اور سنگدلی کو دیکھتے ہوئے لکھا ہے۔ چنانچہ اس نے قاصد سے اس بارے میں تحقیق کی کہ خلیفہ کو یہ مشورہ کس نے دیا ہے؟ قاصد نے جواب دیا: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے۔ حجاج بولا: ''پرے ہٹ! اگر تو یہ حکم عمر کی رائے سے جاری ہوا ہے تو اس کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔''

پھر حجاج نے بکر بن وائل کا ایک کٹر حروری خارجی بلوا بھیجا اور اس سے پوچھا: ''معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟'' اس پر اس خارجی نے جناب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر زبان طعن دراز کرنا شروع کر دی۔ پھر حجاج نے اس خارجی سے پوچھا کہ: یزید کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ اس پر وہ سب و شتم کرنے لگا۔ جب حجاج نے عبدالملک کے بارے میں پوچھا تو خارجی نے اسے ظالم کہا اور جب حجاج نے اس سے ولید کے بارے میں پوچھا تو خارجی بولا: وہ جانتا بھی تھا کہ تم کس قدر ظالم اور دشمن ہو پھر بھی تم کو لوگوں پر والی بنا دیا۔ بھلا اس سے بڑھ کر اس کے ظالم ہونے کی دلیل اور کیا ہوگی۔ حجاج یہ ساری گفتگو سن کر خاموش رہا اور آئندہ کے لیے خونریزی کا بازار گرم کرنے کے لیے اس خارجی کا اس کے ہاتھ خوب بہانہ آ گیا۔ چنانچہ حجاج نے یہ

خارجی ولید کے پاس بھیج دیا اور ساتھ ہی ایک خط بھی روانہ کیا جس میں لکھا کہ میں اپنے دین کی خوب حفاظت کرنے والا ہوں اور جس چیز کی نگرانی آپ نے میرے ذمے کی ہے میں اس کی خوب رعایت کرنے والا ہوں، اور میں کسی بے گناہ کے قتل سے اپنے ہاتھ رنگنے میں بے حد محتاط ہوں۔ میں آپ کے پاس ایک ایسا آدمی بھیج رہا ہوں کہ جس جیسوں کو میں قتل کرتا رہا ہوں۔ اب اس کا معاملہ آپ جانئے (اور دیکھ لیجیے کہ کیا میں ٹھیک کیا کرتا تھا۔)

وہ خارجی ولید کے دربار میں داخل ہوا۔ دربار میں شام کے اشراف بھی بیٹھے تھے جن میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی تھے۔ پھر ولید اور اس خارجی میں یہ گفتگو ہوئی:

ولید: میرے بارے میں کیا جانتے ہو؟

خارجی: ظالم وجابر

ولید: اور عبدالملک؟

خارجی: سرکش جابر

ولید: سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تیری رائے کیا ہے؟

خارجی: ظالم (معاذ اللہ)

تب ولید نے ابن ریان کو حکم دیا اور اس خارجی کا سر قلم کر دیا گیا پھر ولید اٹھ کر اندر چلا گیا اور لوگ متفرق ہو گئے تب ولید نے غلام کو حکم دیا کہ عمر کو بلا لائے۔ جب عمر آئے تو ولید نے پوچھا ''اے ابو حفص! اس بابت تیری کیا رائے ہے؟ ہم نے غلط کیا یا ٹھیک؟ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بولے۔ آپ نے اس خارجی کو قتل کر کے ٹھیک نہیں کیا۔ جبکہ دوسری بات اس سے زیادہ صحیح اور درست تھی۔ وہ یہ کہ آپ اسے قید میں ڈال دیتے یہاں تک کہ اللہ اسے توبہ کی توفیق دے دیتا یا اس کا وقت اجل آ جاتا۔

ولید بولا: اس نے مجھے گالی دی میرے باپ کو کوسا۔ وہ حروری تھا۔ تو کیا تم ان سب باتوں کو جائز سمجھتے ہو؟ عمر بولے: میری عمر کی قسم! میں ان باتوں کو حلال نہیں سمجھتا لیکن اگر آپ چاہتے تو اسے قید میں ڈال سکتے تھے یا معاف بھی کر سکتے تھے۔ اس پر ولید غصہ میں اٹھ کھڑا ہوا اور چلا گیا۔ ولید کے جانے کے بعد ابن ریان نے آپ سے کہا: اللہ تجھے معاف کرے اے ابو حفص! تم خلیفہ کو ترکی بہ ترکی جواب دے رہے تھے حتی کہ میں نے گمان کیا کہ ابھی خلیفہ مجھے تیری گردن مار دینے کا حکم دے گا۔ [1]

یوں حجاج نے ولید کو متشوش اور مبتلائے حیرت کر دیا تاکہ وہ حجاج اور اس جیسے سفاکوں کو بے مہابا خون بہانے سے روکنے کے لیے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے رائے اختیار نہ کرے۔ [2]

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم، ص: ۱۱۹۔۱۲۱

[2] اثر العلماء فی الحیاۃ السیاسیۃ، ص: ۱٦٤

خوارج کے ساتھ معاملہ کرنے کی بابت سیّدنا عمر کی رائے:

حروری کا قصہ تو آپ نے ابھی پڑھ لیا اور اس کی بابت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز کی رائے بھی آپ نے جان لی۔ چند مزید روایات بھی پڑھ لیجیے جو اس بابت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے رائے اور موقف کو خوب واضح کرتی ہیں:

ابن شہاب سے روایت ہے کہ انہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ایک دن ولید نے انہیں ظہر کے وقت بلوا بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ولید سخت غصہ میں تیوری چڑھائے بیٹھا ہے اور اس کے پاس صرف ابن ریان ننگی تلوار سونتے کھڑا ہے۔ عمر اس کے پاس بیٹھ گئے۔ ولید نے پوچھا خلفاء پر سب شتم کرنے والے کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ کیا وہ قابل گردن زدنی نہیں؟ عمر خاموش رہے۔ ولید نے ڈانٹ کر پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ عمر خاموش رہے ولید نے دوبارہ ڈانٹا تو عمر نے پوچھا امیر المومنین کیا وہ سب وشتم کرنے والا قتل کر دیا گیا؟ ولید اب بھی بولا: نہیں لیکن وہ خلفاء کو برا بھلا کہتا ہے۔ تب عمر بولے میری رائے یہ ہے کہ ایسے آدمی کو عبرت ناک سزا دی جائے۔ اس پر ولید نے سر اٹھا کر ابن ریان کی طرف دیکھا اور کہا یہ ابھی تک ان لوگوں کے بارے میں گمراہی کا شکار ہے۔

جب ولید نے سلیمان کی جگہ اپنے بیٹے کی بیعت لینا چاہی تب عمر رحمہ اللہ کا ولید کو نصیحت کرنا:

ولید کے دور خلافت کی بابت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا آخری اور اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ جب آپ نے دیکھا کہ ولید سلیمان کی جگہ اپنے بیٹے کی بیعت لینا چاہتا ہے تو آپ نے ولید کو سمجھایا اور ایسا کرنے سے روکا اور اس بابت پکا موقف اختیار کیا اور ولید کی بات ماننے سے انکار کرتے ہوئے ولید سے یہ کہا: اے امیر المومنین! ہم نے تم دونوں کی ایک عقد میں اکٹھی بیعت کی تھی تو اب ہم سلیمان کی بیعت کیسے توڑ سکتے ہیں؟ اس پر ولید آپ پر بے حد غصے ہوا اور چاہا کہ سختی کر کے آپ کو اپنا ہم نوا بنا لے۔ مگر جب آپ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے انہیں گھر میں بند کر کے دروازے پر دیوار چنوا دی۔ حتیٰ کہ گھر کی عورتوں، بہن اور بیوی کی مداخلت کے بعد وہ دیوار گروا کر آپ کو تین دن بعد باہر نکالا گیا۔ اس وقت آپ کی حالت بے حد دبلی تھی اور کمزوری کے مارے گردن بھی ایک طرف کو ڈھلکی ہوئی تھی۔ [1]

۵.....سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سلیمان بن عبدالملک کے دور خلافت میں

سلیمان کے دور میں آپ کو اصلاحات نافذ کرنے کے زبردست مواقع ملے۔ جس کے آثار مختلف

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۴۸۔ ۱۴۹

شعبوں میں نظر آنے لگے۔ چنانچہ سلیمان نے خلافت سنبھالتے ہی آپ کو اپنے قریب کیا اور آپ کو وسیع اختیارات سے نوازا اور کہا ''اے ابوحفص! آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ہمیں خلیفہ بنا دیا گیا ہے۔ ہمیں اس کی مطلق خبر نہ تھی۔ پس آپ جو بات بھی عامۃ الناس کے لیے قرین مصلحت دیکھیں اس کا حکم دے دیجیے۔ ❶

سلیمان نے آپ کو اپنا وزیر اور مشیر بنالیا۔ سفر وحضر میں آپ کو اپنے ساتھ رکھتا۔ سلیمان ہر چھوٹے بڑے امر میں خود کو آپ کی رائے اور مشاورت کا محتاج سمجھتا تھا۔ سلیمان کہا کرتا تھا یہ آدمی میرے سے جدا کیا ہوتا ہے کہ کوئی بھی میری بات سمجھ نہیں پاتا۔ ❷ ایک موقع پر کہنے لگا: ''اے ابوحفص! میں جب بھی کسی مسئلہ میں پریشان ہوتا ہوں تو میرے دل میں آپ کا خیال آجاتا ہے۔ ❸ (جس سے میرا غم ہلکا ہوجاتا ہے کہ آپ ضرور مجھے اس مسئلہ کا کوئی بہتر حل بتلا دیں گے)

سلیمان کے سیّدنا عمر رحمۃ اللہ علیہ کو قریب کرنے کے اسباب:

سلیمان نے آپ کو اپنے قریب کیوں کیا ور آپ کو اتنی گنجائش کیوں دی؟ میری نظر میں اس کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں:

الف: اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سلیمان اپنے بھائی ولید کی طرح خود پسند اور مغرور، اپنی رائے پر چلنے والا اور دوسرے ولاۃ وامراء سے متاثر نہ تھا۔ بلکہ سلیمان دوسروں کی رائے کا بھی احترام کرتا تھا جبکہ وہ کسی دوسرے والی کے قول فعل سے مطلق متاثر نہ تھا۔

ب: سلیمان صرف سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی آراء ونظریات پر ہی اکتفاء کرتا تھا۔

ج: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سلیمان کو خلافت پر متمکن کرنے کے لیے جو کوششیں کی تھیں، سلیمان انہیں بنظر تحسین دیکھتا تھا اور وہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا بے حد ممنون اور شکر گزار رہتا تھا۔ ذہبی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ وہ سلیمان کے خلیفہ بنائے جانے کے واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس لیے سلیمان سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا بے حد شکر گزار رہتا تھا۔ اور اس احسان کا بدلہ اس نے یہ دیا کہ اپنے بعد انہیں خلیفہ بنا گیا۔ ❹

اصلاحی پروگراموں میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے سلیمان کا متاثر ہونا:

بعض اصلاحی قرار دادوں کے منظور کرنے میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا سلیمان پر بے حد اثر تھا۔ جن میں بعض اہم اصلاحی فیصلے یہ ہیں:

---

❶ اثر العلماء فی الحیاۃ السیاسیۃ، ص: ۱٦۸
❷ المعرفۃ والتاریخ للغسوی: ۱/ ۵۹۸
❸ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، ص: ۲۸ از ابن عبدالحکم
❹ سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱٤۹

حجاج کے والیوں کو معزول کرنا اسی طرح مکہ کے والی خالد قسری، مدینہ کے والی عثمان بن حیان کو معزول کرنا۔ ❶

نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنے کا حکم دینا، ابن عساکر نے سعید بن عبدالعزیز سے روایت کیا ہے کہ ولید ظہر اور عصر کی نمازوں کو مؤخر کر کے ادا کرتا تھا۔ پھر جب سلیمان خلیفہ بنا تو اس نے لوگوں کو سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی رائے لکھ بھیجی کہ "نماز کو تو مار دیا گیا تھا، اسے زندہ کرو۔" ❷ علامہ ذہبی نے ان سب اصلاحی فرامین کو "دریا بہ کوزہ بند" کے بمصداق اس ایک جملہ میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے: "سلیمان نے متعدد امور جلیلہ کو نافذ کیا جو وہ عمر سے سنتا تھا۔" ❸

سیدنا عمر رحمہ اللہ کا سلیمان کے اپنے باپ کے خط کو حکم بنانے پر انکار کرنا:

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سلیمان بن عبدالملک کے ساتھ اپنے والد عبدالعزیز بن مروان بن حکم کی ان بعض بیٹیوں کی میراث کے بارے میں بات کی جو بنی عبدالملک سے تھیں۔ تو سلیمان نے کہا: "اس بابت (میرے والد) عبدالملک نے ایک تحریر چھوڑی ہے جس میں انہوں نے ان کو میراث میں سے حصہ دینے سے انکار کیا ہے۔ آپ نے چند دن تک یہ معاملہ مؤخر رکھا۔ چند دن بعد پھر سلیمان کو یاد دہانی کرائی کہ آپ کی سوتیلی بہنوں کی میراث کا کیا ہوا۔ تب سلیمان یہ سمجھا کہ شاید عمر یہ سمجھ رہا ہے ہ میں غلط بیانی سے کام لے رہا ہوں اور یہ بات اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں۔ حالانکہ اس بابت واقعی اس کے والد نے ایک تحریر چھوڑی تھی چنانچہ سلیمان نے غلام کو وہ خط لانے کا حکم دیا۔ اس پر سیدنا عمر بولے "اے امیر المومنین! آپ نے قرآن کو حکم کیوں نہ بنایا؟" اس پر ایوب بن سلیمان بولا "عنقریب تم میں سے ایک ایسی بات کرے گا جس بنا پر اس کی گردن ماردی جائے گی۔" سیدنا عمر نے اسے کہا: "جب امر تیرے ہاتھوں میں آئے گا تو جو نقصان مسلمانوں کو پہنچے گا وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو تم ذکر کر رہے ہو۔" سلیمان نے اپنے بیٹے ایوب کو ڈانٹا۔ اس پر سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا: "اگر تو یہ نادان ہے تو ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔" ❹

بے شک سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ لائق بصد تعریف بے حد جرأت مندانہ موقف تھا کہ خلیفہ سلیمان اپنے والد کی تحریر کو ایک غیر متبدل وغیر متغیر حکم سمجھ رہا تھا۔ جس پر آپ نے اسے متنبہ کیا کہ یہ مقام تو کتاب اللہ کا ہے۔ یوں یہ سرکشی اپنی بھینٹ چڑھنے والوں کو اس حد تک لے جاتی ہے کہ وہ اپنے ان آباء واجداد کی شان کو جو اپنی اولادوں کو ایک ناپائیدار اور روبہ زوال اقتدار دے کر اس دنیا سے چلے گئے تھے، اس

---

❶ اثر العلماء علی الحیاۃ السیاسیۃ، ص:۱۶۹

❷ تاریخ دمشق نقلا عن اثر العلماء فی الحیاۃ السیاسیۃ، ص:۱۷۰

❸ سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۲۵

❹ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، ص: ۳۱ از ابن عبدالحکم

حد تک بڑھا دیتے ہیں کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے فیصلوں کو شریعت نافذہ اور غیر متبدل حکم الٰہی باور کرنے لگتے ہیں اور یہ بھی غور نہیں کرتے کہ ان کے فیصلے شرعاً درست اور شریعت خداوندی کے موافق بھی ہیں یا نہیں۔

یہیں سے سلیمان بن عبدالملک کے کردار کی عظمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جب اس کے بیٹے ایوب نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز کو کلمہ حق کہنے پر برا بھلا کہا تو سلیمان نے اسے بے حد ڈانٹا۔ یہ واقعہ بتلاتا ہے کہ سلیمان کس قدر تیزی کے ساتھ حق بات کو ظاہر ہوتے ہی اس طرف آ جاتا تھا۔ [1]

خرچ کرنے کی بابت سلیمان بن عبدالملک پر سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا انکار:

ایک دفعہ سلیمان نے مدینہ منورہ آ کر بے پناہ مال خرچ کیا پھر آپ سے پوچھا کہ ''اے ابوحفص! ہمارے اس فعل کی بابت کیا کہتے ہو؟ آپ نے یہ حکیمانہ جواب دیا کہ ''میرے نزدیک آپ نے مالداروں کی ثروت میں اور فقراء کی تنگدستی میں اور اضافہ کر دیا ہے۔'' [2]

غور کیجیے کہ سیّدنا عمر نے کس حکیمانہ تدبر کے ساتھ سلیمان کے فعل کی اصلاح کی۔ دراصل سلیمان انفاق کے بارے میں احکام شرعیہ سے مطلق نابلد تھا۔ اور وہ یہ گمان کیے بیٹھا تھا کہ اس نے رعایا پر بے پناہ مال خرچ کر کے بڑا نیکی کا کام کیا ہے مگر آپ نے اسے سمجھایا کہ اس نے غیر مستحقین پر خرچ کر کے اور حقداروں کو محروم رکھ کر غلط کیا۔ [3] دراصل آپ نے خیر کے کاموں میں خرچ کرنے اور مستحقین پر صرف کرنے کے درمیان نہایت عمدہ تفریق کر کے سلیمان کے سامنے پیش کی تھی۔

سیّدنا عمر رحمہ اللہ کا سلیمان کو ترغیب دینا کہ مظلوموں کا ناحق چھینا ہوا مال انہیں لوٹا دیا جائے:

ایک دفعہ سلیمان اپنے دیہاتوں کی طرف نکل گیا۔ اتنے میں بادل چھا گئے اور چمکنے اور گرجنے لگے۔ سلیمان اور ان کے ساتھی بجلی کی گرج چمک سے ڈرنے لگے۔ اس پر آپ نے کہا: اب تو اس آواز کے ساتھ نعمت ہے (یعنی بارش ہوگی) اس وقت کیا کرو گے جب اس آواز کے ساتھ عذاب ہوگا؟ سلیمان بولا: یہ سو درہم لے کر صدقہ کر دو۔ آپ نے کہا: ''امیر المومنین! کیا اس سے بھی زیادہ خیر کا کام نہ کر لیں؟ سلیمان نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ آپ نے کہا: کچھ لوگ ہیں جن کے اموال ناحق چھین لیے گئے ہیں۔ وہ اپنی فریاد لے کر آپ تک نہیں پہنچ سکے۔ (لوٹانا ہے تو ان کا مال لوٹائیے) یہ سن کر سلیمان بیٹھ گیا اور لوگوں کے حقوق انہیں لوٹانے لگا۔ [4]

یہ واقعہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی فقاہت کو بتلاتا ہے کہ آپ خرچ کرنے کی بابت اولویات کا فہم رکھتے تھے۔ چنانچہ آپؒ کے نزدیک مظلوموں کا حق انہیں لوٹانا یہ صدقہ خیرات کرنے سے بہتر ہے۔

---

[1] التاریخ الاسلامی: ۱۵/ ۳۰، ۳۱
[2] سیرۃ عمربن عبدالعزیز، ص: ۱۳۱ از ابن عبدالحکم
[3] التاریخ الاسلامی: ۱۵/ ۲۹
[4] اثر العلماء فی الحیاۃ السیاسیۃ، ص: ۱۷۰

میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا ایک دوسرے کو کھائے جارہی ہے:

ایک دفعہ امیر المومنین سلیمان بن عبدالملک سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ ایک فوجی چھاؤنی کا دورہ کرنے گئے۔ وہاں نہایت عمدہ گھوڑے، اونٹ، خچر اور بار برداری کے جانور اور حشم وخدم تھے۔ سلیمان نے پوچھا: ''اے عمر! ان چیزوں کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' آپ نے کہا: یہ دنیا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں یہ ایک دوسرے کو کھائے جارہی ہے اور آپ اس سب کے ذمہ دار ہیں، آپ سے ان کے احوال کی بابت پوچھ گچھ ہوگی۔ جب سلیمان چھاؤنی کے قریب ہوا تو اس نے ایک کوا دیکھا جس کی چونچ میں سلیمان کے خیمہ کے دسترخوان کا ایک لقمہ تھا۔ وہ اسے منہ میں لے کر اڑ رہا تھا اور کائیں کائیں کیے جارہا تھا۔ اس پر سلیمان نے آپ سے پوچھا: ''اے عمر! آپ اس کوے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا: میں نہیں جانتا۔ سلیمان بولے: تمہارا کیا خیال ہے یہ کیا کہہ رہا ہے؟ تب آپ نے کہا: ایسا لگتا ہے کہ کوا یہ کہہ رہا ہے کہ یہ لقمہ اس نے لیا کہاں سے ہے اور اسے لے کر کہاں جارہا ہے؟ سلیمان نے کہا: کیا بات ہے تمہاری، تم نے کیسی عجیب بات کی ہے۔ اس پر آپ نے کہا: ''مجھ سے بھی زیادہ حیرت اس آدمی پر ہے جو اللہ کو جانتے ہوئے بھی اس کی نافرمانی کرتا ہے اور جو شیطان کو پہچانتے ہوئے بھی اس کی اطاعت کرتا ہے۔'' [1]

یہ قیامت کے دن تیرے حریف ہوں گے:

ایک دفعہ حج کے موقع پر جب سلیمان اور سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ عرفات کے میدان میں کھڑے تھے اور سلیمان لوگوں کی کثرت دیکھ کر خوش ہو رہے تھے تو آپ نے سلیمان سے کہا امیر المومنین! آج یہ آپ کی رعایا ہے۔ کل آپ ان کے جوابدہ ہوں گے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''کل قیامت کے دن یہ سب آپ کے حریف اور مدمقابل ہوں گے۔'' یہ سن کر سلیمان رونے لگا اور کہا: ''میں اللہ سے مدد کا خواستگار ہوں۔'' [2]

زید بن حسن بن علی اور سلیمان عبدالملک:

جب ولید نے سلیمان کو خلافت سے معزول کرنے کا ارادہ کیا تھا تو زید بن حسن نے ولید کے ڈر سے اس مسئلہ میں اس کی موافقت کی تھی اور مدینہ سے اپنی موافقت لکھ بھیجی تھی۔ خلیفہ بننے کے بعد سلیمان کو زید بن حسن بن علی کا لکھا وہ خط ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ اس نے والی مدینہ کو حکم بھیجا کہ وہ زید سے اس خط کے بارے میں دریافت کرے۔ اگر تو وہ اعتراف کرتا ہے کہ اس نے یہ خط لکھا تھا تو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو اور اگر انکار کرتا ہے تو اس سے منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بٹھلا کر قسم لو۔ زید نے صاف صاف اقرار کر لیا۔ والی مدینہ نے اس کی خبر لکھ بھیجی تو سلیمان نے قاصد کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ زید کو سو کوڑے مارے جائیں اور ننگے پیر گلی کوچوں میں پھرایا جائے۔ آپ نے یہ تدبیر کی کہ قاصد کو روک لیا اور کہا کہ جب تک میں زید کے بارے میں

[1] البداية والنهاية: ١٢/ ٦٨٥
[2] البداية والنهاية: ١٢/ ٦٨٥

خلیفہ سے بات نہ کر لوں تم نے مدینے روانہ نہیں ہونا۔ قاصد ٹھہر گیا۔ اتنے میں سلیمان بیمار پڑ گیا۔ آپ نے قاصد سے کہا: ''امیر المومنین بیمار ہو گئے ہیں اس لیے تم ابھی روانہ نہ ہونا۔ سلیمان اسی بیماری میں وفات پا گیا اور امر خلافت آپ کے سپرد کر دیا گیا۔

چنانچہ آپ نے خلافت سنبھالتے ہی وہ خط منگوا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جس میں زید بن حسن کی سزا کا حکم مذکور تھا۔ [1] غرض سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سلیمان بن عبدالملک کے پورے دور خلافت میں اس کے ساتھ رہے اور اسے قدم قدم پر خیر کی نصیحت کرتے اور اس کی ذمہ داریوں میں اس کا ہاتھ بٹاتے رہے۔ [2]

دکتور یوسف العش کے نزدیک سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیاست اور اس کے اصول ومبادی کا آغاز سلیمان کے دور خلافت میں ہوتا ہے۔ جی ہاں! سلیمان کبھی اپنی سیاست میں زیادتی سے بھی کام لیتا تھا۔ پھر وہ ایسی تدابیر بھی اختیار کرتا تھا کہ عمر اس کو روک نہ سکیں، لیکن اس کے باوجود جناب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلافت سلیمان کے دور میں ایک راجح قوت کے مالک تھے اور آپ کی سیاست غیر متغیر تھی۔ جیسے آپ مدینہ میں تھے ویسے ہی دمشق میں بھی تھے۔ البتہ دمشق میں آپ نے مدینہ سے زیادہ خیر کے کام کیے اور سیاست میں بھرپور کردار ادا کیا۔

بہرحال اہم ترین بات یہ ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیاست کا نقطہ ارتکاز ظلم وجور اور جبر واستبداد کا خاتمہ تھا۔ [3] ہم نے دیکھا کہ لوگوں کو حقوق دلوانے اور ظلم سے باز رکھنے کی بابت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے کے لیے آپ نہایت تدریج سے کام لیتے تھے اور جب آپ مسند خلافت پر رونق افروز ہو گئے تو عدل قائم کرنے اور ظلم سے جنگ کرنے کی بابت آپ کی کاوشوں میں اور تیزی آ گئی۔ کیونکہ اب آپ کے اختیارات کا دائرہ بے حد وسیع ہو گیا تھا۔

آپ نے اپنے چچا عبدالملک بن مروان کو اس کے دور اقتدار میں اس کے بے حد ظالم وجابر ہونے کے باوجود نصیحت کی اور اسے آخرت یاد دلائی۔ جبکہ اپنے چچازاد ولید کے دور میں بھی کسی قسم کی بے ہمتی اور کمزوری کا مظاہرہ نہ کیا اور اپنی پیش رفت جاری رکھی۔ جبکہ سلیمان کے دور میں حسب امکان جو بن پڑا کیا۔ اپنے دور خلافت میں اپنے اختیارات کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ دوسرے ہم یہ نہیں کہتے کہ شخصی سطح پر جو کچھ ہوا وہ انقلاب تھا۔ انقلاب تو یہ ہے کہ زندگی کے سب امور میں حکومت کو شریعت کی خدمت میں استعمال کی جائے۔ چاہے وہ احکام شرعیہ حکمران خاندان کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ جن کو کسی حکومت میں مراعات واختیارات بھی حاصل ہوں۔ جن مراعات کو سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ امت کے وہ حقوق سمجھتے تھے جن کا اہل حق کو

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم، ص: ۱۰٤

[2] اثر العلماء فی الحیاۃ السیاسیۃ، ص: ۱۷۳

[3] الدولۃ الامویۃ، ص: ۲٥٤ از یوسف العش

لوٹانا یا ان کو بیت المال میں جمع کروانا واجب تھا۔

۶......خلافت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

سلیمان بن عبدالملک مرض الوفات میں مبتلا تھا۔ اسی دوران رجاء بن حیوہ کندی نے اسے یہ نصیحت کی کہ اگر جاتے جاتے امت اور اپنی آخرت کا بھلا کرنا چاہتے ہو تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو اپنے بعد خلیفہ بنا جاؤ۔ یقیناً یہ بات سلیمان کی نیکیوں میں سے ہے کہ اس نے رجاء کی یہ بات ماننے میں ذرا تردّد سے کام نہ لیا۔ اور اس بات کی وصیت کر گیا جس میں شیطان کو اپنا حصہ نہ مل سکا۔ ❶

ابن سیرین کہتے ہیں: ''اللہ سلیمان پر رحم کرے جس نے اپنی خلافت کا آغاز نماز کے احیاء سے کیا اور اس کو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے استخلاف پر ختم کیا۔''

سلیمان نے ۹۹ھ میں وفات پائی۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس کا جنازہ پڑھایا۔ سلیمان کی انگوٹھی پر یہ الفاظ کندہ تھے: ''میں اللہ پر خالص ایمان لاتا ہوں۔'' ❷

سلیمان کے اپنے بعد سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو خلیفہ نامزد کر جانے کا قصہ متعدد روایات میں آیا ہے۔ طبقات ابن سعد میں سہل بن ابی سہل سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے رجاء بن حیوہ کو سنا وہ کہتے ہیں کہ ''جمعہ کا دن تھا۔ سلیمان نے سبز ریشم کا لباس زیب تن کیا، پھر آئینہ دیکھ کر ہم کلام ہوا کہ ''اللہ کی قسم! میں نوجوان بادشاہ ہوں'' اور جمعہ کے لیے نکلا۔ لوگوں کو جمعہ پڑھایا۔ ابھی لوٹا نہ تھا کہ بیمار پڑ گیا اور تیز بخار میں مبتلا ہو گیا۔ جب بیماری بڑھ گئی تو اپنے بیٹے ایوب کے لیے ولی عہد ہونے کا پروانہ لکھ دیا۔ حالانکہ ابھی تک وہ بالغ بھی نہ ہوا تھا۔ میں نے کہا: امیر المومنین! یہ کیا کر رہے ہیں؟ اگر کوئی خلیفہ اپنی قبر کا بھلا کرنا چاہتا ہے تو لازم ہے کہ اپنے بعد کسی نیک آدمی کو خلیفہ بنا جائے۔ سلیمان نے یہ سن کہا کہ ''میں نے ابھی لکھا ہے۔ میں اللہ سے اس بابت استخارہ کروں گا۔ ابھی میں نے اس بات کا پختہ عہد نہیں کیا۔''

پھر ایک یا دو دن بعد سلیمان نے وہ عہد نامہ پھاڑ ڈالا اور مجھے بلا کر پوچھا...... بھلا داؤد بن سلیمان کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ کی رائے سر آنکھوں پر لیکن میں ذرا ان کے بارے میں غور کر لوں۔ پھر سلیمان نے کہا: اچھا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں تو یہی جانتا ہوں کہ وہ بڑے عالم فاضل اور نیک مسلمان ہیں۔ سلیمان بولا: بات تو تمہاری ٹھیک ہے، لیکن اللہ کی قسم! اگر میں نے عبدالملک کی اولاد میں سے کسی کو والی نہ بنایا تو فتنہ برپا ہو جائے

---

❶ عصر الدولتين الاموية والعباسية، ص: ۳۷ از مؤلف موصوف

❷ سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۱۱۔۱۱۲

گا۔ وہ کسی کو اپنے اوپر والی نہ رہنے دیں گے سوائے ایک صورت کے کہ میں اس کے بعد ان میں سے کسی کو والی مقرر کردوں۔ ان دنوں یزید بن عبدالملک موسم حج کی بنا پر غیر موجود تھا۔ سلیمان کہنے لگا، میں یزید کو عمر کے بعد خلیفہ نامزد کرتا ہوں کہ ایک تو اس سے خود یزید طیش میں نہ آئے گا دوسرے باقی کی اولاد بھی عمر پر راضی رہے گی۔ میں نے کہا: جناب کی رائے بجا ہے۔ چنانچہ سلیمان نے پھر یہ عہد نامہ لکھا:

''بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

یہ پروانہ (عہد نامہ) ہے امیر المومنین سلیمان بن عبدالملک کی طرف سے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نام کہ میں نے اسے اپنے بعد خلیفہ نامزد کردیا جبکہ ان کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوگا۔ پس تم لوگ اس کی بات سنو اور مانو اور اللہ سے ڈرو اور اختلاف نہ کرو کہ دشمن تم میں طمع نہ کرنے لگیں۔''

سلیمان نے پروانہ لکھ کر پولیس افسر کعب بن حامد کو بلوا کر کہا کہ اہل بیت کو جمع کرو۔ کعب نے پیغام بھیج کر سب کو جمع کر دیا۔ ان سب کے جمع ہوجانے کے بعد سلیمان نے رجاء سے کہا: یہ میری تحریر ان کے پاس لے جاؤ اور جا کر بتلاؤ کہ یہ میرا عہد نامہ ہے اور جسے میں نے اس عہد نامہ میں خلیفہ نامزد کیا ہے اس کی بیعت کرو۔ چنانچہ رجاء ان کے پاس گئے اور پوچھا کہ کیا تم سب ایسا ہی کرو گے؟ وہ بولے ہم اس کی اطاعت کریں گے اور اس کا حکم مانیں گے اور ساتھ ہی سلیمان کے پاس جا کر سلام کرنے کی بھی اجازت مانگی۔ پھر سلیمان کے پاس جا کر اسے سلام کیا۔ سلیمان نے انہیں کہا: یہ میرا عہد نامہ ہے جو رجاء کے ہاتھوں میں ہے۔ سلیمان نے اشارہ سے بتلایا اور وہ سب دیکھنے لگے۔ پس میں نے اس میں جس کا نام ذکر کیا ہے اس کی سنو، مانو اور بیعت کرو۔'' رجاء کہتے ہیں: ان سب نے عہد میں مذکور شخص کی بیعت کی۔ ابھی تک عہد نامہ سر بمہر تھا۔ یہ کہہ کر سلیمان رجاء کے ہاتھ سے وہ عہد نامہ لے کر چلا گیا۔ اور گھر والے متفرق ہوگئے۔

اتنے میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ آ نکلے اور رجاء سے کہنے لگے:

''اے ابو المقدام! سلیمان میرا بے حد احترام کرتے تھے اور ان کو مجھ سے محبت تھی۔ وہ مجھ پر بڑے مہربان اور شفیق بھی تھے۔ مجھے ڈر ہے کہ شاید انہوں نے خلافت کا یہ بار میرے کندھوں پر نہ ڈال دیا ہو، میں آپ کو اللہ کا اور اپنی حرمت ومودت کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر کوئی بات ایسی ہے تو مجھ بتلا دیجئے تاکہ میں اس سے معذرت کرلوں قبل اس سے کہ وہ وقت آ جائے جب میں وہ کچھ نہ کر پاؤں جواب کرسکتا ہوں۔'' اس پر رجاء بولے: ''اللہ کی قسم! میں تمہیں ایک لفظ کی خبر بھی نہ دوں گا۔'' یہ سن کر عمر ناراض ہوکر چلے گئے۔

پھر میری ملاقات ہشام بن عبدالملک سے ہوگئی۔ کہنے لگا: ''اے رجاء! بے شک میرے اور تیرے درمیان قدیم دوستانہ اور محبت واحترام کا سلوک چلا آتا ہے۔ اور میں تمہارا شکر گزار بھی ہوں۔ ذرا مجھے بتلاؤ

کہ کیا امر خلافت میرے نام کیا گیا ہے؟ اگر تو یہی بات ہے تو میں اسے پہلے سے جانتا ہوں اور اگر کوئی اور بات ہے تو میں بات کروں گا۔ میرے جیسے آدمی سے امر خلافت کو دور نہیں رکھا جاتا۔ مجھے بتلا دو، میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ میں کسی کے سامنے تمہارا نام تک نہ لوں گا۔'' میں نے انکار کرتے ہوئے کہا: ''اللہ کی قسم! میں سلیمان کے راز میں ایک حرف کی خبر کی بھی تمہیں نہ دوں گا۔''

جس پر ہشام اپنے ایک ہاتھ پر دوسرے ہاتھ کو مارتے ہوئے یہ کہتے ہوئے لوٹ گیا: ''اگر مجھے خلافت نہیں دی گئی تو پھر کون ہے؟ کیا خلافت کو بنی عبدالملک سے نکال دیا جائے گا۔ خدا کی قسم! میں بنی عبدالملک کی آنکھ ہوں۔'' (یعنی بڑا سردار ہوں)

رجاء کہتے ہیں: ''پھر میں سلیمان کے پاس گیا تو وہ جان کنی کے عالم میں تھا۔ میں نے اسے قبلہ کی طرف موڑ دیا۔ سلیمان موت کی ہچکیاں لیتے ہوئے یہ کہنے لگا: اے رجاء ابھی تک وہ (یعنی موت) نہیں آئی۔ میں نے دو دفعہ سلیمان کو قبلہ رو کیا۔ جب میں نے تیسری مرتبہ ایسا کیا تو بولے''اے رجاء! اب سے (یعنی اب موت طاری ہونے لگی ہے) اب میں فقط یہی چاہتا ہوں (اور کلمہ شہادت پڑھا) اشھدان لا الہ الا اللہ واشھد انَّ محمد رسول اللہ رجاء کہتے ہیں: میں نے سلیمان کو موڑا تو وہ وفات پا چکا تھا۔ چنانچہ میں نے ان کی آنکھیں بند کیں۔ اوپر سبز چادر اوڑھا دی اور دروازہ بند کر دیا۔ سلیمان کی بیوی نے میرے پاس قاصد بھیج کر حال پوچھا کہ سلیمان نے صبح کیسے کی؟ میں نے قاصد کو بتلایا کہ چادر اوڑھے سو رہے ہیں۔'' قاصد نے انہیں چادر اوڑھے دیکھا اور جا کر بتلا دیا۔ وہ مان گئی کہ خلیفہ سو رہے ہیں۔

رجاء کہتے ہیں: ''پھر میں نے دروازہ پر ایک بھروسے مند آدمی کو بٹھلا کر اسے وصیت کی کہ میرے لوٹنے تک اس جگہ سے نہ ٹلنا اور نہ کسی کو خلیفہ کے پاس جانے دینا۔ پھر میں نے کعب بن حامد عنسی کو پیغام بھیجا کہ وہ گھر والوں کو ایک جگہ جمع کرے۔ وہ لوگ مسجد دابق میں جمع ہوئے۔ میں نے کہا کہ بیعت کرو۔ وہ بولے: ایک دفعہ تو کر چکے ہیں تو کیا اب دوبارہ کریں۔ میں نے کہا: یہ امیر المومنین کا حکم ہے کہ اس عہد نامہ کے حکم پر بیعت کرو اور اس کی بیعت کرو جس کا نام اس سر بمہر عہد نامہ میں لکھا ہے۔ چنانچہ ہر ایک نے دوبارہ بیعت کی۔''

رجاء کہتے ہیں: ''جب میں نے ان سے سلیمان کی موت کے بعد بھی بیعت لے لی تو میں نے دیکھا کہ اب میں نے معاملہ مضبوط و مستحکم کر دیا ہے۔ تو میں نے کہا: سلیمان کی طرف چلو وہ وفات پا چکے ہیں۔'' اس پر سب نے اناللہ پڑھی، پھر میں نے عہد نامہ پڑھ کر سنایا۔ جب عبارت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نام تک پہنچی تو ہشام نے پکار کر کہا ''ہم عمر کی بیعت کبھی نہیں کریں گے۔ اس پر میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں تیرا سر قلم کر دوں گا۔ اٹھ اور بیعت کر۔ وہ قدموں کو گھسیٹتا آیا۔''

رجاء کہتے ہیں: ''میں نے عمر کا بازو پکڑ کر اسے منبر پر بٹھایا جبکہ وہ اناللہ پڑھے جارہے تھے کہ یہ کیا ہوگیا۔ ادھر ہشام بھی اس بات پر اناللہ پڑھے جارہے تھا کہ خلافت اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ جب ہشام سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس پہنچا تو بولا: اس وقت پر اناللہ جب عبدالملک کی اولاد کی بجائے امر خلافت تمہیں مل گیا۔ اس پر سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا: ''اس لمحہ پر اناللہ جب یہ امر مجھے سونپا گیا کیونکہ میں امر خلافت کو پسند نہیں کرتا۔'' [1]

سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ رجاء کے اس کردار پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''رجاء نے وہ عظیم کارنامہ اور قابل تحسین کام کر دکھایا جس کو اسلام کبھی نہ بھلا پائے گا۔ میں بادشاہوں کے مقربین اور ندماء وخواص میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے بادشاہ کے قرب سے وہ نفع اٹھایا ہو جو رجاء نے سلیمان کے قرب سے اٹھایا اور اس نے موقع سے وہ فائدہ اٹھایا ہو جو رجاء نے اٹھایا اور اس نے اسلام کی وہ خدمت کر دکھائی ہو جیسی رجاء نے کر دکھائی۔'' [2]

اللہ رجاء پر رحم کرے اس نے بادشاہوں کے پاس نشست برخاست رکھنے والے علماء کے لیے ایک روشن مثال قائم کی، ایک کردار کی بنیاد رکھی اور اس منہج کی داغ بیل ڈالی کہ کیونکر اسلام کو سربلند کیا جاتا ہے۔ امراء اور خلفاء کو اللہ کیسے یاد دلایا جاتا ہے اور دین الٰہی کی خدمت کے موقعے کیسے ڈھونڈے جاتے ہیں؟

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا پہلا خطبہ اور اس کی روشنی میں حکومت چلانے کی بابت آپ کا منہج:

غرض بیعت ہوگئی، پھر آپ منبر پر چڑھے۔ خلافت سنبھالنے کے بعد یہ امت مسلمہ سے پہلی ملاقات تھی۔ چنانچہ انہیں مخاطب کر کے فرمایا:

> ''اے لوگو! مجھ سے پوچھے بغیر یہ ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈال دی گئی ہے نہ تو مجھے اس کی طلب تھی اور نہ اس بابت مسلمانوں سے مشورہ ہی لیا گیا۔ میں نے تم لوگوں کی وہ بیعت جو تم نے میرے ساتھ کی تھی ختم کی۔ تم اپنے میں سے جس کو چاہو، چن لو۔''

اس پر سب لوگوں نے بیک آواز پکار کر کہا: ''اے امیر المومنین! ہم نے آپ کو چن لیا اور ہم آپ پر راضی ہیں۔ پس آپ خیر وبرکت کے ساتھ ہمارے امر کے والی بنئے'' یہیں سے آپ سمجھ گئے کہ بار خلافت اٹھائے بغیر چارہ نہیں۔ پھر آپ نے امت مسلمہ کی سیاست کے بارے میں اپنے منہج وطریق کو واضح کرتے ہوئے کہا: [3]

---

[1] تاریخ الطبری: ۷/ ٤٤٥۔ طبقات ابن سعد: ۵/ ۳۳۵، ۳۳۸

[2] رجال الفکر والدعوۃ الندوی: ۱/ ٤٠

[3] عمر بن عبدالعزیز و سیاسۃ فی ردّ المظالم، ص: ۱۰۲ از ماجدہ فیصل.

''اما بعد! بے شک تمہارے پیغمبر کے بعد کوئی نیا پیغمبر نہیں، اور نہ ان پر اتاری جانے والی کتاب کے بعد کوئی کتاب ہے، خبردار سن لو! جو چیز رب نے حلال کر دی ہے وہ قیامت تک حلال ہے۔ سن لو! میں فیصلے کرنے والا نہیں۔ میں تو صرف نافذ کرنے والا ہوں اور میں کسی نئے طریقے کو ایجاد کرنے والا نہیں میں تو صرف تابع ہوں۔

خبردار! رب کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔ سن لو میں تم سے بہتر نہیں، بلکہ میں تمہی میں سے ایک آدمی ہوں، البتہ اللہ نے مجھ پر تم سب سے زیادہ بھاری ذمہ واری ڈالی ہے، اے لوگو! جو ہمارا ساتھی بنے وہ پانچ باتوں میں ہمارا ساتھی بنے وگرنہ ہمارے قریب نہ آئے، وہ ہمارے پاس اس شخص کی حاجت لے کر آئے جو اپنی حاجت پیش نہیں کر سکتا اور وہ اپنی ہمت کوشش کے ساتھ ہماری معاونت کرے اور ہمیں اس خیر کی طرف رستہ دکھائے جس پر ہم چلیں اور اس تک جا پہنچیں، وہ ہمارے پاس رعایا کی غیبتیں نہ کرے، لایعنی کاموں کے ساتھ ہمارے آڑے نہ آئے۔ میں تم لوگوں کو رب کے تقوی کی وصیت کرتا ہوں بے شک رب تعالیٰ کا تقوی ہر شے کا بدل ہے جبکہ اللہ کے تقوی کا بدل کوئی چیز نہیں۔ اپنی آخرت کے لیے عمل کرو۔ بے شک جو اپنی آخرت کے لیے عمل کرتا ہے اللہ اس کی دنیا میں اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے، اپنے باطنوں کی اصلاح کرو اللہ تمہارے ظاہر کی بھی اصلاح کر دے گا۔ موت کو کثرت کے ساتھ یاد کرو اور مرنے سے پہلے اس کی اچھی طرح تیاری کر لو بے شک موت لذتوں کو توڑنے والی ہے...... بیشک اس امت کا اپنے رب کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ اس کے پیغمبر کے بارے میں اور اس کی کتاب کے بارے میں...... اختلاف اگر ہے تو درہم و دینار میں ہے۔

اللہ کی قسم! میں کسی کو ناجائز نہ دوں گا اور نہ کسی کا جائز حق روکوں گا۔ پھر آپ نے باآواز بلند سب کو سنا کر کہا: ''لوگو! جو اللہ کی اطاعت کرے اس کی اطاعت واجب ہے اور جو اللہ کی نافرمانی کرے اس کی کوئی اطاعت نہیں، پس جب تک میں اللہ کا فرمانبردار رہوں میری اطاعت کرو اور جب میں اللہ کا نافرمان بن جاؤں تو تم پر میری کوئی اطاعت نہیں۔ اگر تمہارے گرد ونواح کے بلاد و امصار تمہاری طرح اطاعت کرتے ہیں تو میں تمہارا والی ہوں اور اگر وہ انتقام لیں اور عداوت کریں تو میں تمہارا والی نہیں۔''[1] یہ خطبہ دے کر آپ منبر سے اتر آئے۔

یوں بروز جمعہ ۲۰ صفر المظفر ۹۹ ھ میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو خلیفہ بنالیا گیا۔[2] اس خطبہ سے ہمارے سامنے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وہ سیاست کھل کر سامنے آجاتی ہے جو آپ نے امر خلافت میں اختیار کی تھی جو یہ ہے:

[1] سيرة عمربن عبدالعزيز لابن عبدالحكم، ص: ۳۵، ۳۶
[2] البداية والنهاية: ۱۲/ ۶۵۷

الف: کتاب وسنت کا التزام اور یہ کہ آپ مسائل شرع میں کسی اختلاف کو سننا نہیں چاہتے۔ دین یہ ایسی اساس ہے جو حاکم اور منفذ ہے اور یہ کہ شریعت اس بات کے اعتبار سے واضح ہے کہ جو رب نے حلال کیا ہے وہ حلال ہے اور جو رب نے حرام کیا ہے وہ حرام ہے اور یہ کہ آپ بدعت اور نئی نئی آراء کو پھینک مارتے ہیں۔

ب: آپ نے رعایا میں سے اس شخص کے لیے کام کرنے کی حدود بیان کر دیں جو آپ کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ آپ نے بیان کیا کہ جو ہمارے ساتھ آملنا چاہے اور مل کر کام کرنا چاہے وہ پانچ باتوں کے لیے آملے:

- وہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس اس شخص کی حاجت لے کر آئے جو خلیفہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ یعنی آپ نے اپنے مقربین کو اپنے اور ان لوگوں کے درمیان نقطہء اتصال ٹھہرایا جو آپ تک نہیں پہنچ سکتے تاکہ آپ لوگوں کی ضروریات سے باخبر ہوسکیں اور اس میں غور کر سکیں۔
- وہ شخص جہاں تک ہوسکے خیر کی طرف رہنمائی کرے۔ یعنی ان لوگوں کا آپ کے ساتھ تعلق خیر پر ابھارنے کی بنیادوں پر ہو اور وہ خیر پر خلیفہ کے معین و مددگار بنیں۔ دوسرے ہر شر کو خلیفہ سے دور رکھیں۔
- آپ نے اپنے مقربین پر یہ ذمہ داری عائد کی کہ وہ امت کی خیر وصلاح کی طرف آپ کی رہنمائی کریں اور آپ کو بہتری کا رستہ دکھائیں۔
- آپ نے اپنے مقربین کو کسی کی غیبت کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا۔
- اور یہ کہ جس بات میں عامۃ الناس کا فائدہ نہ ہو اس بابت امور مملکت میں کوئی دخل اندازی نہ کرے آپ خوب جانتے تھے کہ حکام کے مقربین اور خواص کا خود حاکم کی ذات پر اور رعایا پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے۔ بلکہ خود نظام حکومت پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں آپ اس سے بھی خوب واقف تھے۔ چنانچہ آپ نے بجائے اس کے کہ آخر کار آپ عوام وخواص کو خود سے دور کریں، اس بات کو ترجیح دی کہ انہیں متنبہ کریں تاکہ وہ آپ کو دائرہ شریعت میں رہ کر امور خلافت کو سرانجام دینے دیں۔ کیونکہ آپ نے عوام وخواص کو اس بات کی اجازت دی تھی کہ وہ آپ کی خیر کی طرف رہنمائی کرتے رہیں، اس پر معاونت کرتے رہیں اور محتاجوں کی حاجات کو آپ تک پہنچاتے رہیں۔ [1]

ج: آپ نے لوگوں کو دنیا میں برائیاں کرنے کے انجام بد سے ڈرایا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے باطنوں کی اصلاح کریں اور موت سے ڈریں اور اس سے عبرت ونصیحت پکڑیں۔

---

[1] عمر بن عبدالعزیز وسیاسته فی ردّ المظالم ، ص:۱۰۵

ح: آپ نے اس بات کا پختہ عہد کر لیا تھا کہ کسی کو کوئی ناجائز چیز نہ دیں گے اور نہ کسی کا جائز حق روکیں گے بلکہ حق دار کو اس کا حق دے کر رہیں گے۔ اور یہ کہ اگر آپ رب کے فرماں بردار ہیں تو لوگ آپ کی اطاعت کریں وگرنہ نہیں۔

یہ ہیں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیاست کے واضح خطوط جن کو آپ نے اہل حل وعقد سے مسجد میں اپنی پہلی ملاقات کے وقت بیعت ہو جانے کے بعد ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ آپ نے واضح کر دیا کہ آپ کی خلافت کتاب وسنت کے خطوط پر استوار ہوگی۔ آپ نے اس بات کو ترجیح دی کہ آپ اپنے کسی عامل کو اس کے بعد اپنے اوپر حجت کا کوئی راستہ نہ دیں۔ پھر جو باتیں آپ نے اپنے اس پہلے خطبہ میں اجمال واختصار کے ساتھ بیان کی تھیں ان کو قدرے تفصیل ووضاحت کے ساتھ اپنے ان خطوط میں بیان کیا جو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے عمال کو روانہ کیے تھے۔ یہ خطوط دو قسم کے تھے:

(۱) آپ نے اپنے عمال کو ان باتوں کی طرف متوجہ کیا جن کا شخصی اعتبار سے التزام کرنا ان کے ذمے تھا۔ جبکہ رعایا کے اعتبار سے بھی ان کا لحاظ رکھنا ان پر واجب تھا۔ ان شاء اللہ اس کو ہم آگے چل کر زیر بحث لے آئیں گے۔

(۲) آپ نے اپنے عمال کو ایسے خطوط بھی لکھے جن میں ان کی سیاست کی حدود کا بیان تھا اور یہ کہ مسلم و غیر مسلم رعایا کے ساتھ جو بلاد اسلامیہ میں سکونت پذیر تھی ان کے معاملات کی نوعیت کیا ہو۔ ان شاء اللہ آگے چل کر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا اس باب میں موقف اصول دین کے کسی متبحر فقیہ جیسا تھا۔ [1] اس پر گفتگو آپ کے اعمال کے ضمن میں آگے چل کر آ جائے گی۔

کتاب وسنت پر عمل کی شدید خواہش:

آپ کے منہج سیاست کا سب سے ممتاز پہلو یہ تھا کہ آپ کتاب وسنت پر عمل کرنے کی، رعایا میں دین پھیلانے کی اور ان میں دین کی تفہیم اور سنت کی معرفت پیدا کرنے کی شدید تمنا رکھتے تھے۔ اس بابت آپ کی بنیاد آپ کا خلافت کی ذمہ داری کو سمجھنا تھا۔ اور وہ دین کی حفاظت کرنا اور دین کے ذریعے دنیا کی سیاست چلانا ہے۔ [2] آپ کے نزدیک خلافت کی اہم ترین ذمہ داری رعایا کو ان کے دین کے مبادیات سمجھانا اور انہیں ان پر عمل کرنے پر ابھارنا تھی۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: بے شک اسلام کی کچھ حدود وشرائع اور سنن ہیں جس نے ان پر عمل کیا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا اور جس نے ان پر عمل نہیں کیا اس نے اپنا ایمان مکمل نہیں کیا، اگر میں زندہ رہا تو تمھیں ایمان کی یہ حدود وشرائع سکھلاؤں گا بھی اور تمہیں ان پر عمل کرنے کی ترغیب بھی دوں گا۔ اور اگر میں زندہ نہ رہا تو مجھے تم لوگوں کے

[1] عمر بن عبدالعزیز سیاسة فی رد المظالم: ۱۰۶
[2] الاحکام السلطانیة والولایات الدینیة، ص: ۵

ساتھ رہنے کی زیادہ تمنا نہیں۔ ❶

اور یہ بھی کہا: ''اگر میرے بدن کے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور اس کے بدلے اللہ میرے ہاتھوں پر بدعت کو فنا کرے اور ہر سنت کو زندہ کرے تو یہ سودا اللہ کے ہاں مہنگا نہیں۔''

ایک موقع پر یہ کہا ''اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں سنت کو استوار اور قائم کروں یا حق پر چلوں تو مجھے اتنا عرصہ بھی جینے کی تمنا نہ ہوتی جتنے عرصہ میں بکری کے تھن کو دودھ دوہتے وقت ایک دفعہ دبا کر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس لیے آپ نے خلافت کی اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی طرف بھرپور توجہ دی۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کی تعلیم و تربیت اور تفہیم دین کے لیے بلاد و امصار میں مختلف علماء بھیجے اور اقالیم کے عمال کو حکم لکھ بھیجا کہ وہ علماء کو اس بات کی ترغیب دیں کہ وہ علم کی نشر و اشاعت کریں۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک خط میں اپنے عمال کو لکھا کہ ''اپنے لشکروں میں موجود اہل علم و فقہ کو حکم دو کہ رب تعالیٰ نے تمہیں جس علم سے نوازا ہے اسے پھیلائیں اور اپنی مجالس میں اس کو بیان کریں۔'' ❷

ایک خط میں یہ لکھا:

''امابعد! میں اہل علم کو اس بات کا حکم دیتا ہوں کہ وہ مساجد میں علم کو پھیلائیں کہ سنت کو مردہ کر دیا گیا ہے۔'' ❸

آپ نے اپنے عاملوں کو یہ بھی لکھ بھیجا کہ وہ علماء کے وظیفے جاری کریں تاکہ وہ فراغت قلبی کے ساتھ علوم دینیہ کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو جائیں۔ ❹

آپ نے متعدد علماء کو لوگوں کی تعلیم و تربیت پر مامور کیا۔ چنانچہ آپ نے یزید بن ابی مالک دمشقی اور حارث بن یمجد اشعری کو لوگوں کی تعلیم کے لیے دیہاتوں میں بھیجا۔ ❺

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بنی نمیر کی تعلیم اور انہیں قراءت سکھانے کے لیے یزید بن ابی مالک کو بھیجا اور اہل مصر کو سنن کی تعلیم دینے کے لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام نافع کو ان کے پاس روانہ کیا۔ ❻ جبکہ اہل افریقہ میں دین کی فقاہت پیدا کرنے کے لیے دس فقہاء کو افریقہ روانہ کیا جن کے بارے میں آگے چل کر گفتگو کی جائے گی۔ پھر آپ نے ان علماء کے ذمہ صرف تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ہی عائد نہ کی تھی بلکہ آپ نے ان میں سے بعض کو ولایت بھی سونپی۔ بعض کو

❶ سیرۃ عمربن عبدالعزیز، ص: ٦٠ لابن عبدالحکم

❷ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، ص: ٧٣ لابن عبدالحکم

❸ سیرۃ عمربن عبدالعزیز لابن الجوزی، ص: ٧٦

❹ البدایۃ والنہایۃ نقلاعن اثرالعلماء فی الحیاۃ السیاسیۃ، ص:١٧٩

❺ مختصر تاریخ دمشق: ٦/ ١٧٥

❻ سیراعلام النبلاء: ٥/ ٩٣٨

قاضی بنایا اور بعض نے علم کی نشر واشاعت اور لوگوں کی تعلیم وتربیت کی بہ نسبت اپنا زیادہ وقت جہاد فی سبیل اللہ اور دعوت الی اللہ میں صرف کیا۔ یہ تھا سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا لوگوں کی تعلیم وتربیت اور انہیں امور دینیہ کی تفصیل سکھلانے کی بابت نمایاں اور ممتاز منہج جس کے اپنے سیاسی نتائج اور آثار واثرات تھے۔ وہ یہ کہ رعایا کے افراد واشخاص میں صحیح دینی سمجھ اور فقاہت پیدا کرنے اور پھیلانے کا ابنائے امت کی عقلوں کو ان فضول افکار ونظریات سے بچانے میں اہم ترین حصہ اور اثر ہے جو سیاسی استحکام اور امن عامہ کے لیے شدید خطرہ ہوتے ہیں جیسے خوارج کے افکار۔ [1]

مجلس شوریٰ:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (الشوریٰ: ۳۸)

''اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز قائم کی اور ان کا کام آپس میں مشورہ کرنا ہے اور ہم نے انھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۵۹)

''سو ان سے درگزر کر اور ان کے لیے بخشش کی دعا کر اور کام میں ان سے مشورہ کر، پھر جب تو پختہ ارادہ کر لے تو اللہ پر بھروسا کر، بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

آپ نے اپنی خلافت میں شوریٰ کا نظام قائم کیا۔ شوریٰ کے بارے میں آپ کا قول ہے: ''مشورہ اور مناظرہ رحمت کا دروازہ اور برکت کی کنجی ہے۔ ان دونوں باتوں کے ہوتے ہوئے رائے نہیں بھٹکتی اور نہ ان کے ہوتے ہوئے احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا ہے۔'' [2] ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں مدینہ منورہ کی ولایت سنبھالنے کے بعد بھی آپ نے سب سے پہلی یہی کیا تاکہ شوریٰ کا نظام قائم کر کے اس کو اپنی ولایت کی اساس وبنیاد قرار دیا۔ چنانچہ آپ نے مدینہ کے کبار علماء وفقہاء کو بلا کر ان کی ایک دائمی مجلس شوریٰ تشکیل دی۔ [3]

---

[1] اثر العلماء فی الحیاة السیاسیة، ص: ۱۸۰۔

[2] ادب الدنیا والدین للماوردی، ص: ۱۸۹

[3] النموذج الاداری المستخلص من ادارة عمر بن عبدالعزیز، ص: ۲۸۳

یقیناً جس شخص نے جزوی ولایت وامارت کے وقت شوارئی نظام کو اساس بنایا تھا، لازمی تھا کہ کلی امارت وولایت اور مسئولیت کے ملنے پر جو سب مسلمانوں کے امر کی ولایت تھی وہ شورائیت کو اپنی اساس بناتا۔ آپ نے اپنی خلافت وامارت کے پہلے دن ہی شورائیت کے نظام کو خلافت کی بنیاد بنانے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے خطبہ میں یہ کہا ''لوگو! مجھے بار خلافت سونپ دیا گیا حالانکہ نہ تو میری رائے لی گئی، نہ میری تمنا تھی اور نہ مسلمانوں سے ہی اس بابت کوئی مشورہ کیا گیا۔ اس لیے (شوریٰ کے بغیر طے کی جانے والی) اس خلافت کی بیعت سے تم لوگوں کو میں آزاد کرتا ہوں۔ اب جس کو چاہو امیر بنالو، لیکن لوگوں نے آپ کے خلیفہ ہونے پر اپنی رضا کا اعلان کر دیا۔'' [1]

یوں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بنی امیہ کے اکثر خلفاء کی وراثتی خلافت کی روش کو شورائی خلافت کی طرف منتقل کر دیا، پھر آپ نے فقط حاضرین کی رائے لینے پر ہی اکتفاء نہ کیا بلکہ آپ نے دوسرے بلاد وامصار کے مسلمانوں کے مشورہ کی بھی اہمیت کو بیان کیا، چنانچہ آپ نے بیعت خلافت ہو جانے کے بعد اپنے پہلے خطبہ میں یہ کہا: اگر تو تمہارے قرب وجوار کے بلاد وامصار کے مسلمانوں نے بھی تمہاری طرح اطاعت قبول کر لی تو میں تمہارا والی ہوں گا وگرنہ نہیں'' اور یہ کہہ کر منبر سے اتر آئے۔ [2]

پھر آپ نے سب علاقوں میں خطوط روانہ کیے۔ ان سب لوگوں نے بیعت کرنے کا اعلان کیا۔ چنانچہ آپ نے یزید بن مہلب کو بھی خط لکھا اور بتلایا کہ آپ خلافت میں راغب نہیں اور بیعت کا مطالبہ کیا۔ لیکن یزید نے لوگوں کو آپ کی بیعت کرنے پر تیار کیا۔ [3]

یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے فقط اپنے آس پاس کے لوگوں سے مشورہ لینے پر اکتفاء نہ کیا بلکہ آپ نے اس معاملہ کا دائرہ تمام بلاد اسلامیہ تک پھیلایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے ہم مندرجہ ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں:

الف: دراصل آپ نے خلیفہ کے انتخاب میں اصول شرعیہ کی موافقت نہ کرنے کی بابت خلفاء بنوامیہ کے چہرے کا نقاب اتار پھینک مارا۔

ب: آپ نے خاص اپنے متعلقہ امر ''امر خلافت'' میں بھی شوریٰ کے نظام سے کام لیا۔

ج: اور جس نے خلافت کی تولیت جیسے اہم ترین مسئلہ میں شوریٰ کی تطبیق سے کام لیا وہ دوسرے معاملات میں بدرجہ اولیٰ شوریٰ کے نظام سے کام لے گا۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز بے شمار کاموں میں سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ اور رجاء بن

---

[1] سیرۃ ومناقب عمربن عبدالعزیز، ص: ٦٥

[2] البدایة والنهایة: ١٢/ ٦٥٧

[3] تاریخ الطبری نقلا عن النموذج الاداری المستخلص من اداراۃ عمر، ص: ٢٨٥

حیوہ رحمہ اللہ جیسے علماء سے مشاورت کرتے اور ان کی رائے قبول کرتے۔ آپ ان سے کہتے: میرے کندھوں پر بار خلافت کو ڈال دیا گیا ہے مجھے اس بابت مشورہ دو۔ ❶ اسی طرح آپ ارباب دانش و بینش اور اصحاب عقل وفہم سے بھی مشاورت کرتے تھے۔ ❷

خلافت سنبھالتے ہی سب سے پہلے آپ نے اپنے خواص اور ندماء کی اصلاح کی طرف توجہ دی۔ چنانچہ آپ نے علماء و صلحاء کو اپنے قریب کیا جبکہ مفاد پرستوں، دنیاداروں اور ہوا و ہوس کے غلاموں کو اپنے سے دور کیا۔ پھر آپ نے اپنے خواص و ندماء کی چھانٹی اور اصلاح کرنے پر ہی اکتفاء نہ کیا بلکہ آپ خود انہیں اس بات کی ترغیب دیا کرتے تھے کہ وہ آپ کو مستقیم رکھا کریں اور آپکو سیدھی راہ دکھلاتے رہا کریں۔ چنانچہ آپ نے ایک دفعہ عمر بن مہاجر سے یہ کہا کہ جب تم مجھے حق سے ہٹتے دیکھو تو میرا گریبان پکڑ کر مجھے جھنجھوڑنا اور مجھ سے پوچھنا "اے عمر! یہ کیا کرنے چلے ہو؟" ❸

آپ کے اس طرز کا آپ کی تجدیدی سیاست کی درستی د کامیابی پر گہرا اثر مرتب ہوا۔ چنانچہ آپ کے خواص آپ کی کمر مضبوط رکھتے اور آپ کی رائے کو حق وصواب سے ہٹنے نہ دیتے۔ آپ کی کامیابی کی ایک وجہ آپ کا علماء و صلحاء کو اپنے قریب کرنا تھا۔ اور آپ انہیں انشراح قلب کے ساتھ ملنے اپنے معاملات اور امور خلافت کے تحمل میں انہیں شریک کرتے جس کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں کو بے پناہ خیر ملی۔ ❹

عدل وانصاف:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾ (النحل: ۹۰)

"بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت والے کو دینے کا حکم دیتا ہے۔"

اور یہ بات قواعد شرعیہ کی رو سے معلوم ہے کہ رب تعالیٰ کا کسی بات کا امر کرنا یہ اس کے وجوب کو متقضی ہوتا ہے...... اور فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ (النساء: ۱۳۵)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف پر پوری طرح قائم رہنے والے، اللہ کے لیے شہادت دینے والے بن جاؤ، خواہ تمھاری ذاتوں یا والدین اور زیادہ قرابت والوں کے خلاف ہو، اگر کوئی

---

❶ سيرة ومناقب عمربن عبدالعزيز، ص:١٦
❷ النموذج الاداري المستخلص من ادارة عمر، ص: ٢٨٥
❸ اثر العلماء في الحياة السياسية، ص:١٧٥-١٧٧ ❹ ايضًا، ص: ١٧٨

غنی ہے یا فقیر تو اللہ ان دونوں پر زیادہ حق رکھنے والا ہے۔ پس اس میں خواہش کی پیروی نہ کرو کہ عدل کرو اور اگر تم زبان کو پیچ دو، یا پہلو بچاؤ تو بے شک اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، ہمیشہ سے پوری طرح باخبر ہے۔''

عدل کی دو صورتیں ہیں:

(۱) سلبی صورت جیسے ظلم سے روکنا اور مظلوم کو ظالم کے دست ستم کیش سے بچانا، یعنی ظالم کو لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو سے متعلقہ حقوق کی پامالی سے روکنا، ان پر سے ظلم و اعتداء کے تکلیف دہ اثرات کو ہٹانا، ان کے حقوق انہیں دلوانا اور حقوق پامال کرنے والے کو قرار واقعی سزا دینا جس کا وہ مستحق ہو۔ [1]

(۲) عدل کی دوسری صورت ایجابی ہے۔ اس کا زیادہ تر تعلق مملکت کے ساتھ ہے کہ مملکت رعایا کو ان کے حقوق دلوائے، ان کی معاشی زندگی کی کفالت کرے اور جملہ آزادیوں کی ضامن بنے۔ یہاں تک کہ ان میں کوئی لاچار نکما، غفلت کا شکار کمزور، تنگدستی کا مارا فقیر اور کسی بااثر کے ڈراوے دھمکاوے کا مارا خوف زدہ باقی نہ رہے۔ اسلام میں یہ سب امور ایک حاکم کے ذمے ہوتے ہیں۔ [2] سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس نہایت اہم اور نازک ترین بنیاد کو بڑے اہتمام کے ساتھ قائم کیا۔ آپ کے نزدیک خلافت اور مسئولیت یہ لوگوں کے حقوق قائم کرنے، انکی بیعت کی شرائط پوری کرنے اور ان کے شرعی مفادات کو پورا کرنے کا نام تھا۔ پس امت کے نزدیک خلیفہ (امت کا) خادم ہوتا ہے جس کے ذمہ بیعت کی شرائط کے مطابق ان کے جائز مطالبات کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ [3]

آپ چاہتے کہ امام عادل کی صفات اور ذمہ داریوں میں مزید اضافہ کیا جائے تا کہ آپ خود بھی اس ستودہ صفت خصلت کے ساتھ آراستہ ہوسکیں۔ چنانچہ آپ نے اس بابت حسن بصری رحمہ اللہ کو خط لکھ کر دریافت کیا تو انہوں نے یہ جواب لکھ بھیجا ''اے امیر المومنین! امام عادل اس باپ کی طرح ہوتا ہے جو اپنی چھوٹی اولاد پر بے حد شفیق ہوتا ہے اور ان کے لیے ہر طرح کی کوشش کرتا ہے اور جب وہ بڑے ہوجاتے ہیں تو ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتا ہے اپنی زندگی میں ان کے لیے وصیت کرتا ہے اور مرنے پیچھے ان کے لیے مال چھوڑ جاتا ہے۔

اے امیر المومنین! خلیفہ عادل اس ماں کی طرح ہوتا ہے جو اپنی اولاد پر بے حد مہربان نیک اور ان کی

[1] عمر بن عبدالعزیز خامس الخلفاء الراشدین، ص: ۲۲۲ از عبدالستار شیخ
[2] عمر بن عبدالعزیز خامس الخلفاء الراشدین، ص: ۲۲۲
[3] عمر بن عبدالعزیز خامس الخلفاء الراشدین، ص: ۲۲۳

معاون ہوتی ہے وہ اس کے حمل کی تکلیف اٹھاتی ہے۔ تکلیف اٹھا کر جنتی ہے۔ دودھ پلا کر پالتی پوستی ہے، اس کے ساتھ راتوں کو جاگتی ہے اس کے سکون سے سکون پاتی ہے۔ کبھی دودھ پلاتی ہے تو کبھی چھڑاتی ہے۔ اس کی عافیت سے خوش اور تکلیف سے غم زدہ ہوتی ہے۔

اے امیر المومنین! امام عادل سینے میں دل کی طرح ہوتا کہ جس کے بگاڑ اور سدھار پر باقی اعضاء کے بگاڑ اور سدھار کا انحصار ہوتا ہے۔

اے امیر المومنین! امام عادل اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ''قائم'' کی طرح ہوتا ہے، وہ اللہ کا کلام سن کر انہیں سناتا ہے۔ خود بھی اللہ پر نگاہ رکھتا ہے اور ان کی بھی نگاہ اللہ پر رکھواتا ہے۔ خود بھی اللہ کا فرمانبردار بنتا ہے اور انہیں بھی رب تعالیٰ کا مطیع بناتا ہے۔

اے امیر المومنین! اللہ نے تمہیں جس چیز کا مالک بنایا ہے اس میں اس بندے کی طرح مت بننا جس کو اس کے آقا نے اپنا امین بنایا اور اسے اپنے مال اور عزت وآبرو کا نگران بنایا مگر اس نے آقا کا مال برباد کر دیا اور اسکے اہل وعیال کو دربدر کر دیا۔ پس اس نے اپنے آقا کے اہل کو فقیر ومحتاج بنا دیا اور اس کے مال کو متفرق کر دیا۔ [1]

لوگوں کے حقوق لوٹانے کے بارے میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیاست:

کسی کا حق چھوٹا تھا یا بڑا اسے اس کے حقدار تک پہنچانے کا آپ نے پختہ ارادہ کر لیا۔ اور اسکا آغاز خود اپنی ذات سے کیا۔ چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جب لوگوں کے حقوق لوٹانے کا ارادہ کیا تو فرمایا: مناسب یہ ہے کہ اس کا آغاز میں خود اپنی ذات سے کروں۔ [2] یوں آپ نے خود کو دوسروں کے لیے نمونہ بنایا۔ چنانچہ آپ نے اپنی تمام جائیداد اور مال وزر میں غور کیا تو اس سب سے دست برداری کا اعلان کر دیا حتی کہ اپنی انگوٹھی کا نگینہ یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ مجھے ولید نے سرزمین مغرب سے آنے والے مال (خراج اور غنیمت) سے دیا تھا۔ [3] دراصل آپ اس شک سے خود کو آزاد کرنا چاہتے تھے کہ آپ کے پاس ظلم کی ایک پائی بھی نہیں، چاہے اس کا تعلق ترکہ سے بھی تھا۔ کیونکہ خلفائے بنوامیہ اور ان کے عمال کے مظالم کی داستانیں بے شمار اور زبان زد خلائق تھیں۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی تلوار کے دستے میں لگی چاندی تک کو اتروا دیا اور اس کی جگہ لوہے کا دستہ لگوالیا۔ آپ کا بیٹا عبدالعزیز خود آپ کے اس ایمان افروز واقعہ کا راوی ہے۔ [4]

---

[1] عمر بن عبدالعزیز، ص: ۲۲٤ از عبدالستار شیخ

[2] طبقات ابن سعد: ٥/ ۳٤۱

[3] طبقات ابن سعد: ٥/ ۳٤۱-۳٤۲

[4] طبقات ابن سعد: ٥/ ۳٥٥

آپ نے اپنی مملوکہ جائیداد اور مال و دولت کو کئی طریقوں سے چھوڑا۔ چنانچہ بعض کو بیچ دیا۔ خلیفہ بننے کے بعد آپ نے اپنے مکان میں غور کیا جو آپ نے ایک غلام سے خریدا تھا۔ پھر اپنے لباس فاخرہ اور قیمتی خوشبوؤں کو دیکھا اور ان سب کو بیچ ڈالا۔ یہ سب کچھ ۲۳ ہزار دینار میں فروخت ہوا۔ اور یہ خطیر رقم آپ نے اللہ کی راہ میں صدقہ کر دی۔ ❶

اسی طرح بعض چیزوں سے یوں جان چھڑائی کہ ان کو ان کے اصلی مالکوں کے حوالے کر دیا۔ دراصل یہ وہ جائیدادیں تھیں جو آپ کی قوم نے آپ کو ہدیہ میں دی تھیں۔ ابن جوزی نے اسماعیل بن ابی حکیم سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ایک دفعہ ہم سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس بیٹھے تھے کچھ دیر بعد لوگ متفرق ہوگئے اور آپ گھر میں قیلولہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اتنے میں ایک ندا کرنے والے نے ندا کی۔ "الصلوۃ جامعہ" ہم اس بات کے خوف سے بے حد گھبرا اٹھے کہ شاید کوئی اختلاف پیش آ گیا ہو یا کوئی واقعہ پیش آیا ہو۔ اتنے میں ایک باندی بولی کہ امیر المومنین نے مزاحم کو بلایا ہے اور کہا ہے کہ "اے مزاحم! قوم نے ہمیں متعدد تحفے دیے ہیں۔ اللہ کی قسم! نہ تو انہیں دینے چاہییں تھے اور نہ ہمیں لینے چاہییں تھے۔ بے شک یہ تحفے مجھے ملے ہیں جن کا محاسب سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں۔"

مزاحم نے عرض کیا: اے امیر المومنین! کیا آپ جانتے ہیں کی آپ کی اولاد کتنی ہے؟ وہ اتنے اتنے ہیں۔ مزاحم کہتے ہیں کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ آپ روتے جاتے اور یہ کہتے جاتے کہ میں ان سب کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر مزاحم آپ کے پاس سے اٹھ کر عبدالملک کے پاس گیا۔ حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر مزاحم اندر داخل ہوا۔ عبدالملک قیلولہ کے لیے لیٹا ہوا تھا۔ عبدالملک نے اس وقت آنے کی وجہ دریافت کی کہ کیا کوئی واقعہ پیش آیا ہے؟ تو مزاحم نے کہا "جی ہاں! ایسا واقعہ پیش آیا ہے جو آپ پر اور آپ کے باپ شریک بھائیوں پر بے حد سخت ہے۔ عبدالملک نے پوچھا وہ کیا؟ مزاحم بولا' مجھے امیر المومنین نے بلوایا تھا۔ پھر سارا ماجرا گوش گزار کر دیا۔ عبدالملک نے کہا پھر تم نے عمر کو کیا کہا؟ مزاحم نے بتلا دیا کہ میں نے ان سے یہ پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کی اولاد کتنی ہے؟ وہ اتنے اتنے ہیں۔ عبدالملک کہنے لگا پھر عمر نے کیا جواب دیا؟ مزاحم نے جواب دیا کہ وہ اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ میں ان سب کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔ اس پر عبدالملک نے کہا "اے مزاحم! تم برے وزیر ہو۔۔ پھر تیزی سے اٹھ کر اپنے والد عمر کے دروازے پر گیا۔ اور اندر جانے کی اجازت مانگی دربان نے کہا: تم لوگوں کو ان پر ترس نہیں آتا۔ دن رات میں اسی وقت میں آرام کرتے ہیں۔ اس پر عبدالملک بولا "تیری ماں نہ رہے میرے لیے اجازت مانگو۔ یہ ساری گفتگو عمر نے بھی سن لی۔ اور پوچھا، کون

❶ طبقات ابن سعد: ۵/ ۳۴۵

ہے؟ دربان نے کہا' عبدالملک' سیدنا عمر رحمہ اللہ نے کہا اسے آنے دو۔ عبدالملک اندر داخل ہوا۔ سیدنا عمر رحمہ اللہ اس وقت قیلولہ کے لیے لیٹ چکے تھے آپ نے پوچھا، بیٹا اس وقت کس ضرورت سے آئے ہو؟ عبدالملک نے کہا: مجھے مزاحم نے ایک بات سنائی ہے۔" آپ نے پوچھا: پھر تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ میری رائے یہ ہے کہ آپ یہ امر نافذ کر دیجیے۔ اس پر آپ نے ہاتھ بلند کر کے یہ کہا: "سب تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے میری اولاد میں میرے دین کے معاملے میں میرے معاون پیدا کیے۔ ہاں میرے بیٹے میں ظہر پڑھ کر برسر منبر اس بات کا اعلان کر دوں گا۔"

عبدالملک نے اس پر یہ کہا: "ابا جان اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ظہر تک آپ کی نیت میں بدلاؤ نہ آئے گا۔" آپ نے کہا: ابھی لوگ قیلولہ کرنے جا چکے ہیں۔ عبدالملک نے کہا: آپ منادی بھیج کر "صلوة جامعه" کا اعلان کروا دیجئے، لوگ اکٹھے ہو جائیں گے۔ چنانچہ منادی نے "صلوة جامعه" کا اعلان کیا اور لوگ جمع ہونے لگے۔ روای کہتے ہیں: منادی کی آواز سن کر میں بھی مسجد میں پہنچ گیا۔ پھر سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھے۔ رب تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی۔ پھر فرمایا:

"اما بعد! ان لوگوں نے ہمیں کچھ عطیے دیے تھے۔ اللہ کی قسم! نہ تو انہیں ہمیں یہ ہدیے دینے چاہیے تھے اور نہ ہمیں لینے چاہیے تھے، اور اب سوائے اللہ کے میرا کوئی محاسب نہیں۔ سن لو! اللہ کی قسم! میں یہ ہدیے تحفے واپس کرتا ہوں اور اس کی ابتداء خود اپنی ذات سے اور اہل بیت سے کرتا ہوں۔ اے مزاحم! پڑھو۔ راوی کہتے ہیں کہ ایک ٹوکری پہلے سے لا کر رکھی ہوئی تھی یا راوی کا قول ہے کہ وہ کھرل تھی جس میں وہ خطوط تھے۔ پھر مزاحم نے ان میں سے ایک تحریر کو پڑھا جب مزاحم نے تحریر پڑھ ڈالی تو آپ نے مزاحم سے وہ تحریر لے لی آپ اس وقت منبر پر بیٹھے تھے اور ہاتھ میں ایک قینچی تھی۔ آپ نے وہ تحریر لے کر قینچی سے کتر ڈالی۔ مزاحم نے دوسری تحریر نکال کر پڑھی۔ تحریر ختم ہونے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ غرض مزاحم ایک ایک کر کے تحریر نکالتا اور پڑھتا رہا اور آپ لے کر اس کو کترتے رہے حتی کہ نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔" [1]

آپ نے جو جائیدادیں واپس کی تھیں ان میں یمن کی جبل ورس کی جاگیر اور یمامہ کی جاگیر بھی تھی۔ [2] اس کے علاوہ فدک خیبر [3] اور سویداء کی جائیدادیں بھی تھیں جو آپ نے واپس کی تھیں۔ البتہ آپ نے ان

---

[1] سيرة عمربن عبدالعزيز، ص: ١٠٧-١٠٨

[2] عمربن عبدالعزيز وسياسته فی رد المظالم، ص: ٢٠٧

[3] عمربن عبدالعزيز وسياسته فی رد المظالم، ص: ٢٠٧

سب میں سے سویداء کی جائیداد روک لی تھی۔ اس کے بارے میں آپ نے یہ وضاحت بیان کی کہ میں نے مسلمانوں کے اموال کی ہر چیز لوٹا دی ہے سوائے سویداء کے چشمے کے کیونکہ اس میں کسی کے مال کا ایک کوڑے برابر بھی حصہ نہیں۔ یہ چشمہ میں نے اپنی تنخواہ میں سے خریدا ہے اور میری یہ رقم دوسرے مسلمانوں کی رقوم کے ساتھ جمع کی جاتی تھی۔ اس کا غلہ دوسو دینار کا اٹھتا تھا۔ (1) مدینہ کے شمال کی بستی فدک سالانہ تقریبا دس ہزار دینار کا غلہ دیتی تھی۔ جب آپ خلیفہ بنے تو آپ نے اس بستی کے بارے میں پوچھا اور تحقیق کی۔ آپ کو اس غلہ کے بارے میں بتلایا گیا کہ نبی کریم ﷺ اور جناب صدیق اکبر، جناب عمر فاروق اور جناب عثمان رضی اللہ عنہم اس کے بارے میں کیا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ ان معلومات کی روشنی میں آپ نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو یہ خط لکھ بھیجا:

''امابعد! میں نے فدک کے بارے میں غور وفکر اور تحقیق کی، میں نے دیکھا کہ فدک کا غلہ لینا میرے لیے مناسب نہیں اور میں نے دیکھا کہ میں اس کے غلے کو انہی کاموں میں صرف کروں جن میں رسول اللہ ﷺ اور حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم صرف کیا کرتے تھے اور ان حضرات کے بعد جو نئی باتیں پیدا ہوئیں (یعنی بعد کے خلفاء وامراء نے اس بابت جو زیادتیاں کیں) ان کو چھوڑ دوں۔ پس جب آپ کے پاس میرا یہ خط پہنچے۔ تو اس کو قبضہ میں لے لیجیے گا اور فدک پر ایسے آدمی کو مقرر کیجیے گا جو اس میں حق اور سلامتی والا رویہ اختیار کریں۔'' (2)

''ابن کتیبہ'' کا قصہ بھی سن لیجیے! یہ خیبر کا ایک قلعہ تھا خلیفہ بننے کے بعد آپ نے مدینہ کے والی ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو خط لکھا کہ ''کتیبہ کے بارے میں میرے لیے تحقیق کرو کہ آیا کتیبہ جناب رسول اللہ ﷺ کے لیے خیبر کے خمس میں سے تھا یا آپ کے لیے خاص تھا؟

ابوبکر کہتے ہیں: ''میں نے اس بابت عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ نبی کریم ﷺ نے جب بنی ابی الحقیق کے ساتھ صلح فرمائی تھی تو آپ نے نطاۃ اور شق (کے قلعوں) کے پانچ جز بنائے۔ انہیں میں سے ایک حصہ کتیبہ تھا سیّدنا عمر رحمہ اللہ نے یہ سن کر کتیبہ کو اسی حال کی طرف واپس کر دیا جو اس کا دور رسالت میں تھا۔'' (3)

اسی طرح آپ نے ایک مصری کی حلوان کی جائیداد یہ جاننے کے فوراً بعد واپس کر دی کہ یہ زمین آپ کے والد عبدالعزیز نے اس مصری سے جبراً لی تھی حتی کہ آپ نے وہ گھر بھی جو آپ کے والد نے اپنے زیر پرورش ایک یتیم ربیع بن خارجہ سے خریدا تھا، اسے یہ جاننے کے بعد واپس کر دیا کہ یتیم کے امور کا نگران اسی

(1) سیرة عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم، ص: ٤٠

(2) طبقات ابن سعد: ٥/ ٣٨٩

(3) عمر بن عبدالعزیز وسیاسته فی رد المظالم، ص: ٢٠٩

یتیم سے کچھ خریدنے کا مجاز نہیں۔ پھر آپ یمن میں موجود اپنی جبل ورس کی جائیداد کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں کے لوگوں کے شدید احتیاج دیکھتے ہوئے اسے بیت المال میں جمع کروادیا۔ آپ آخرت کو دنیا کی عارضی زندگی پر ترجیح دیتے تھے۔ اسی طرح آپ نے مزاحم کو حکم دیا کہ وہ بحرین سے آنے والے سالانہ مال کو بھی بیت المال میں جمع کروا دے۔ [1]

یوں آپ نے رعایا کے سامنے اپنی ذات سے ایک نمونہ پیش کیا کہ جس مال میں ظلم کا ادنی سا بھی شائبہ تھا، اسے واپس کردیا۔ یا اس کے خالص اپنا مال ہونے میں ذرا سا بھی شک ہوا وہ بیت المال میں جمع کروا دیا۔ غرض آپ نے زہد اختیار کرتے ہوئے اور اس بات پر ایمان رکھتے ہوئے کہ مظلوم کو اس کا حق لوٹا دینا تقوی ہے، حق والوں کو ان کا حق لوٹا دیا۔ حتی کہ شک سے بچنے کے لیے خود اپنے حق سے بھی دست بردار ہوگئے۔ ان اُمور سے فارغ ہونے کے بعد اپنی اہلیہ فاطمہ بنت عبدالملک کی طرف متوجہ ہوئے جس کے پاس ہیرے اور جواہرات تھے۔ آپ نے اہلیہ سے کہا: یہ مال بیت المال واپس کردو یا پھر مجھ سے جدائی اختیار کرلو، کیونکہ مجھے یہ پسند نہیں کہ ایک ہی گھر میں تیرے اور میرے ساتھ یہ مال بھی ہو۔ [2] پھر آپ نے اہلیہ کو اپنی ناگواری کی وجہ بھی بیان کی، وہ یہ کہ تم اس زیور کا اور جو تیرے باپ نے اس کے بارے میں کیا اس کا حال جانتی ہو۔ کیا تم ایسا کرسکتی ہو کہ میں اس زیور کو ایک تابوت میں بند کر کے بیت المال کے آخری کونے میں رکھ دوں اگر تو میں بیت المال کا مال خرچ کرتے کرتے اس تک پہنچ گیا تو اس کو بھی خرچ کر ڈالوں گا اور اگر میرے مرنے تک اس مال کی باری نہ آئی تو میری عمر کی قسم! میں یہ زیور تمہیں لوٹا دوں گا۔ بیوی نے کہا: آپ اس مال میں جو چاہے کیجئے۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا کہ اس زیور کو ایک تابوت میں بند کر کے بیت المال کے آخری کونے میں رکھوا دیا۔ پھر وہی ہوا کہ آپ کے انتقال تک اس زیور کو خرچ کرنے کی نوبت نہ آئی۔ موصوفہ کے بھائی یزید بن عبدالملک نے خلافت سنبھالتے ہی وہ ہار بہن کو واپس کرنا چاہا مگر انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کردیا کہ ایک دفعہ چھوڑ کر اسے دوبارہ نہ لوں گی۔ اس پر یزید نے وہ زیور اپنی بیویوں اور بہوؤں میں تقسیم کردیا۔ [3]

اب ذرا بنی امیہ کے ظلماً چھینے ہوئے اموال کی داستان بھی سن لیجئے! اپنے اموال کے اس مومنانہ بندوبست کے بعد آپ بنی امیہ کے خاندان کے دوسرے افراد، اپنے پھوپھی زاد بھائیوں اور ماں شریک بھائیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ سلیمان کی تدفین کے فوراً بعد آپ نے ایسے مناظر دیکھے جن سے آپ کے ہوش اڑ گئے وہ یہ کہ آپ کے اموی چچازاد بھائیوں نے وہ شاہانہ ٹھاٹھ دکھلائے جن کا دور رسالت ﷺ اور

[1] عمر بن عبدالعزیز وسیاسته فی رد المظالم، ص: ۲۱۲
[2] ایضًا، ص: ۲۱۲
[3] ایضًا، ص: ۵۲-۵۳

حضرات خلفائے راشدین کے مبارک ادوار میں تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے محض رعایا کے سامنے اپنی شان وشوکت اور ٹھاٹھ باٹھ دکھلانے کے لیے بے پناہ مال خرچ کیا۔ انہی شاہانہ خرچیوں میں ایک وہ سرکاری گاڑی تھی جس میں گھوڑے، خچر اور ٹٹو تین قسم کے جانور جوتے جاتے تھے، پھر ان میں سے ہر ایک جانور کا الگ الگ سائز ہوتا تھا۔

ان شاہی اللوں تللوں میں وہ شامیانے، خیمے، حجرے، فرش فروش، غالیچے اور تکئے بھی ہوتے تھے، جو نئے خلیفہ کے لیے تیار کیے جاتے تھے۔ پھر آپ کے سامنے وہ قیمتی نفیس اور دیدہ زیب لباس پوشاکیں، عطر دان اور تیل رکھے گئے جن کا آپ کو یہ کہہ کر مالک بنا دیا گیا کہ راہی ملک عدم ہونے والے خلیفہ نے ان کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ اس لیے اب یہ سب آپ کا ہے۔ کیونکہ آپ نئے خلیفہ ہیں اور یہ سب آپ کا حق ہے۔

بے شک یہ سب وہ فضول خرچیاں تھیں جن کے جواز کی نہ تو کوئی وجہ تھی اور نہ مسلمانوں کا بیت المال ہی ان شاہانہ خرچیوں کا متحمل ہوسکتا تھا۔ بلکہ بیت المال کا ہر ہر درہم اس بات کا شدید محتاج تھا کہ اسے مسلمانوں کے مفاد میں کسی صحیح ترین جگہ پر خرچ کیا جائے۔ چنانچہ جیسے ہی یہ شاہی سامان زیب وزینت اور اسباب آرائش وزیبائش پیش کیا گیا آپ نے اپنے خادم مزاحم کو حکم دیا کہ یہ سب کچھ بلاتاخیر بیچ کر اس کی قیمت کو بیت المال میں جمع کرادیا جائے۔ [1]

بنوامیہ کے چھینے ہوئے اموال کی بابت آپ کی سیاست واضح تھی، آپ نے لوگوں کے اموال ناحق غصب کرنے پر سخت پابندی عائد کر دی اور گزشتہ چھینے ہوئے اموال بھی واپس کروا دیے۔ بالخصوص اموی خاندان پر اس بابت سخت دارو گیر کی اور خلافت سنبھالتے ہی واضح خطوط پر چلتے ہوئے مظلوموں کے حقوق ان تک پہنچائے۔ چنانچہ جب آپ سلیمان کو دفن کر کے لوٹے تو اموی خاندان کے افراد کا ایک وفد آپ سے ملنے آیا اور انہوں نے آپ سے ان باتوں کا مطالبہ کیا جن کا انہیں گزشتہ خلفاء نے عادی بنا رکھا تھا۔ آپ کے بیٹے عبدالملک نے اس وفد کو لوٹانا چاہا لیکن آپ نے ایسا کرنے سے منع کر دیا تاکہ آپ اپنے بیٹے سمیت سب پر یہ بات واضح کردیں کہ امور خلافت میں آپ کا سیاسی رویہ کیا ہوگا۔ چنانچہ آپ نے بیٹے سے پوچھا "بیٹے تم انہیں میری طرف سے جا کر کیا کہو گے؟ عبدالملک بولا: میں انہیں جا کر کہوں گا کہ اباجان تمہیں سلام کہتے ہیں اور کہتے ہیں:

﴿قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ (الزمر: ۱۳)

"کہہ دے بے شک میں ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں۔"

---

[1] عمر بن عبدالعزیز وسیاستہ فی رد المظالم، ص: ۲۱۳

پھر آپ نے اپنی یہ سیاست دوبارہ اس وقت واضح کی جب عبدالملک نے آپ کی خدمت میں آ کر اس بات کا مطالبہ کیا کہ آپ امویوں کے ہاتھوں سے ناجائز مال چھڑوانے میں جلدی کیجیے۔''

تو آپ نے فرمایا: ''اے میرے بیٹے! تیری قوم نے اس مسئلہ کو بے حد پیچیدہ بنا دیا ہے اور اس میں بے پناہ گنجلک پیدا کر دی ہے۔ چنانچہ جب میں ان کے ہاتھوں سے ناجائز مال چھڑوانے کے لیے ان کی چالوں کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو مجھے اس بات کا اندیشہ ہونے لگتا ہے کہ کہیں یہ لوگ مجھے دھوکا دے کر مار نہ ڈالیں جس کے نتیجہ میں بے پناہ خونریزی ہو۔ اللہ کی قسم! مجھے دنیا کا زائل ہونا اس بات سے زیادہ آسان ہے کہ میری وجہ سے خون کا ایک قطرہ بھی بہایا جائے۔ کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تیرے باپ پر اس دنیا میں وہ دن بھی آئے۔ (یا جو دن بھی آئے مگر) اس میں وہ ایک بدعت کو مٹائے اور ایک سنت کو زندہ کرے یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور وہ سب بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' ❶

پھر آپ نے اپنی اس سیاست کو مزید اس وقت واضح کیا جب آپ کے بیٹے عبدالملک نے آپ سے یہ کہا کہ آپ جو چاہتے ہیں اس کے کرنے میں رکاوٹ ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! مجھے اس بات تک کی ذرا پرواہ نہیں کہ مجھے اور آپ کو ہانڈیوں میں ڈال کر زندہ ابال دیا جائے۔ تو آپ نے فرمایا: مجھے تم سے اسی بات کی توقع تھی۔ عبدالملک بولا جی ہاں! اللہ کی قسم'' تب آپ نے فرمایا: سب تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے میری اولاد میں اسے پیدا فرمایا جو میرے دین کے امر میں میرا مددگار ہے۔ اگر میں لوگوں سے وہ کہہ دوں اور ان پر یہ الزام لگا دوں جو تم کہتے ہو تو مجھے ڈر ہے کہ وہ ان باتوں کا انکار کر دیں گے اور جب وہ انکار کر دیں گے تو سوائے تلوار اٹھانے کے اور کوئی رستہ باقی نہ رہے گا، اور اس خیر میں کوئی خیر نہیں جو تلوار کے بل پر حاصل ہو۔ اے میرے بیٹے! میں لوگوں کو سخت مشق کر کے قابو میں لا رہا ہوں۔ اگر میری زندگی لمبی ہوئی تو میں رب سے امید کرتا ہوں کہ وہ میری چاہت پوری کرے گا، اور اگر موت نے مجھے آ لیا تو میری تمنا کو رب جانتا ہے۔ ❷

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز نے اس حکیمانہ اسلوب اور طریقہ سے اپنی سیاست کو جاری اور نافذ کیا۔ پھر اس سیاست کی عملی تطبیق کے لیے یہ بھاری قدم اٹھایا کہ سب سے پہلے آپ نے ان اموال کو واپس کیا جن کے ساتھ کسی کے حقوق وابستہ ہونے کا ادنیٰ سا بھی شائبہ تھا۔ پھر دوسرے اموی اہل بیت کو بلوا کر ان سے بھی اسی بات کا مطالبہ کیا جس کی قدرے تفصیل گزشتہ میں گزر چکی ہے۔ ❸ آپ کی خلافت کے ابتدائی ایام اس بات کی

---

❶ سیرة عمر بن عبدالعزیز لابن الجوزی، ص: ۲۶۰-۲۶۳

❷ ایضًا، ص: ۲۶۲-۲۶۳.

❸ عمر بن عبدالعزیز وسیاسة فی رد المظالم، ص: ۲۱۵

گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے وسیع پیمانے پر بنی اُمیہ سے اموال واملاک کو واگزار کرا کے ان کو بیت المال میں جمع کرایا جو کب سے بنوامیہ کے افراد کے قبضہ میں تھے اور ان میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا چونکہ وہ ایک حکمران خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے کوئی ان سے پوچھنے والا نہ تھا لیکن آپ نے وہ اموال واملاک ان سے واپس لیے۔ تاکہ آپ عدل کو اس کے رستے پر جاری کر سکیں اور مسلمانوں کا مال ان تک لوٹ سکے۔ اور اس بات میں آپ نے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی۔ اور نہ کسی جماعت کو دوسری جماعت پر فوقیت دی، بلکہ سب کو ایک ترازو میں تولا۔ غرض بنوامیہ کے طرح طرح کے وہ اموال جن کو وہ مختلف حیلوں بہانوں سے جمع کرتے تھے، آپ نے ان سے لے کر ان کو ان کے صحیح مصارف میں خرچ کیا۔ اس بابت ان لوگوں نے جن باتوں کا سہارا لیا ہوا تھا، ان سب باتوں کو کالعدم قرار دیا۔ چنانچہ ظلم سے ہتھیائے اموال انعامات کے نام پر ملنے والے اموال، ہدایا، مراعات، تخصیصات، مستثنیات، زمینیں جائیدادیں غرض سب چیزوں کو بحق سرکار ضبط کر کے ان کو بیت المال میں جمع کرادیا۔ ایک اندازے کے مطابق نقدیاں اور رقوم قوم کے مال کے نصف کے برابر تھیں۔ ❶ پھر چند دن بھی نہ گزرے تھے کہ بنوامیہ کے پاس اب صرف وہ رقوم اور جائیدادیں باقی رہ گئی تھیں جو ان کا شرعی اور طبعی حق تھا۔ پھر بنوامیہ کا سیّدنا عمر بن عبدالعزیز کی سیاست کے خلاف چیخ اٹھنا بھی تو ایک طبعی بات تھی۔

پھر ان لوگوں نے آپ کی سیاست کی زبردست اور سنگین مخالفت کی۔ اور اس ساری مخالفت کا جواب آپ صرف یہ کہہ کر دیتے تھے کہ دیکھو! اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ رب کی دھرتی پر ظلم کا کوئی مطالبہ باقی نہ رکھوں مگر یہ کہ میں وہ حق حق والے کو پہنچا دوں۔ اور اگر مجھے یہ کام اس شرط پر بھی کرنا پڑے کہ جب بھی میں کسی کا حق اسے لوٹاؤں اسکے بدلے میں میرے بدن کا ایک ٹکڑا کاٹ کر الگ کر دیا جائے اور میں اس کی درد محسوس کروں اور اس کو پھر دوبارہ جوڑ دیا جائے اور پھر کاٹ دیا جائے اسی طرح ہوتا رہے حتی کہ میں سب کے حقوق ان تک پہنچادوں، تو مجھے یہ منظور رہے۔ ❷

لیکن امت کے حقوق کے مقابلے میں بنوامیہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اس محتاط اور پختہ رویے سے ذرا بھی مایوس نہ تھے۔ ان کے دل میں ایک دن بھی اس بات کا خیال نہ آیا تھا کہ وہ اپنی گزشتہ روش سے تائب ہو کر یہ سب مال ودولت خود اپنے ہاتھوں سے بیت المال میں دے دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک دن سب کو جمع کیا۔ پھر ان لوگوں نے ولید کے ایک بڑے اور دانشمند بیٹے سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ وہ اس بابت عمر کو ایک خط لکھے۔ چنانچہ اس نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو ایک خط لکھا جس میں یہ تحریر کیا ''آپ

❶ سیرة عمربن عبدالعزیز لابن الجوزی، ص:۱۱۵

❷ سیرة عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم، ص: ۱۴۷-۱۵۱

نے اپنے پہلے کے خلفاء کو بھلا دیا۔ اور ان کے طریقے سے ہٹ کر چلے، ان کے کاموں کا مرتبہ گھٹانے کے لیے اور ان کے بعد ان کی اولادوں کو گالی دینے کے لیے ان کے کاموں کو مظالم کا نام دیا حالانکہ آپ کو ایسا نہ کرنا چاہیے تھا۔ پس آپ نے ان رشتوں کو توڑا جن کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا تھا اور آپ نے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ ناحق سلوک کیا۔ آپ نے قریش کے اموال، جائیدادوں اور میراثوں کو لے کر بیت المال میں جمع کروا دیا جو کھلم کھلا ظلم، ناانصافی اور زیادتی ہے، اے ابن عبدالعزیز! اللہ سے ڈر اور لوگوں سے چھینے مال انہیں لوٹا دے اور اپنی روش سے باز آ۔ اگر تم نے اپنے قرابت داروں کے ساتھ ظلم اور قطع رحمی کو ترک نہ کیا تو تمہیں اس منبر پر اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہ ہوگا۔ اس ذات کی قسم جس نے جناب محمد ﷺ کو کرامت سے نوازا اور خاص کیا تم اپنی اس ولایت میں جس کو تم اپنے لیے ایک عظیم آزمائش سمجھتے ہو، اللہ سے بہت زیادہ دور ہو گئے ہو اور یہ واقعی ایک آزمائش ہے۔ پس تم اپنے بعض رجحانات اور انحرافات میں میانہ روی اختیار کرو۔ [1]

یہ خط بتلاتا ہے کہ امویوں کو جناب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیاست سے بنیادی طور پر جو اختلافات تھے، وہ یہ ہیں:

- آپ نے پہلے خلفاء کے طرز کے خلاف طرز اپنایا اور ان پر اور ان کے اعمال پر حرف گیری کی۔
- گزشتہ خلفاء کی اولادوں کے ساتھ بدسلوکی کی۔
- آپ کا عمل حق کے ساتھ ملا ہوا نہیں۔
- اہل بیت کے ساتھ قطعی رحمی آپ کی خلافت کے لیے خوش آئند بات نہ ہوگی۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیاست خاندان کے مقام و مرتبہ کے لیے ایک کھلا چیلنج تھی جس نے ان کی قوت کے مراکز کو کمزور کر دیا تھا۔ بسا اوقات اسی سیاست نے اموی خاندان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خلیفۂ قائم کے خلاف دھمکی آمیز موقف اختیار کریں۔ جو آپ کے لیے بھی اور خود خلافت کے لیے بھی خطرناک بات تھی۔ [2] سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس جواب کا ایک ایک لفظ حق کے شعلوں کو اور بھڑکا رہا تھا...... ہلاکت ہو تیرے لیے اور تیرے باپ کے لیے، روز قیامت اس سے مطالبہ کرنے والے اور اس کے مدمقابل لوگ کس قدر زیادہ ہوں گے۔ ذرا ٹھہرو! اگر اللہ نے مجھے لمبی زندگی دی اور اللہ نے حق کو حق والوں تک پہنچا دیا تو میں تمہارے اور تمہارے گھر والوں کے لیے فارغ ہو جاؤں گا۔ اور میں روشن دلیل پر قائم ہوں گا۔ پس تم لوگ کب تک حق کو پیٹھ پیچھے پھینکتے رہو گے۔ [3]

---

[1] سيرة عمربن عبدالعزيز لابن عبدالحكم، ص: ١٢٦۔١٢٧

[2] عمربن عبدالعزيز، ص: ١٩٥ از صالح العلي

[3] سيرة عمربن عبدالعزيز، ص:١٤٧۔١٥١ از ابن عبدالحكم

بنوامیہ کو نرم گفتگو کرنے پر مجبور ہونا:

اگر چہ بنوامیہ نے مل کر سیّدنا عمر رحمہ اللہ کی شدید مخالفت کی لیکن آپ ان کے سامنے چٹان کی طرح ڈٹے رہے جس پر وہ آپ کے ساتھ پرامن مذاکرات اور نرم گفتگو کرنے پر مجبور ہوگئے کہ شاید جو بات سختی سے حاصل نہ ہوسکی وہ نرمی سے حاصل ہوجائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک دن آپ کے ساتھ گفتگو کی جس میں انہوں نے آپ کو قرابت داروں کے ساتھ نرمی وملاطفت کا رویہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ آپ نے ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''میرا سارا مال تم لوگوں کے لیے حاضر ہے اس میں جو چاہو کرو لیکن یہ (بیت المال کا) مال عوام کا حق ہے اس میں ان کا حق بھی ایک عام آدمی جتنا ہے۔ اللہ کی قسم! میں نہیں سمجھتا کہ اگر معاملات بدل جائیں اور سب زمین والوں کی رائے تم لوگوں کی رائے جیسی بن جائے تو یقیناً ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا۔'' [1]

ایک دن ہشام بن عبدالملک آپ سے ملنے آیا اور کہنے لگا: ''اے امیر المومنین! میں آپ کے پاس آپ کی قوم کا پیامبر بن کر آیا ہوں۔ میں آپ کو ان کے جی کی بات بتلانے آیا ہوں، ان کا کہنا ہے کہ جو کچھ آپ کے زیر فرمان ہے اس میں تو جو چاہے کیجئے اور جو آپ سے پہلوں نے کیا، اس کو اپنے حال پر رہنے دیجئے، وہ جانیں اور جو انہوں نے کیا، اس کا گناہ ثواب ان کے سر'' آپ نے برجستہ جواب دیا: تمہارا خیال ہے کہ اگر میرے پاس دو فیصلے لائے جائیں ایک سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اور ایک عبدالملک بن مروان کا تو میں کس فیصلے کو اختیار کروں گا؟ ہشام نے کہا: پہلے فیصلے کو'' (یعنی سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو)۔ اس پر آپ رحمہ اللہ نے جواب دیا ''میں نے دیکھا کہ اللہ کی کتاب سب سے قدیم ہے پس جو میرے پاس اس مال کے بارے میں گفتگو کرنے آیا جو میرے زیر تصرف ہے اور جو مجھ سے پہلوں کے تصرف میں تھا تو میں اس آنے والے کو کتاب اللہ کا فیصلہ ماننے پر تیار کروں گا۔ [2]

بنوامیہ کا سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس آپ کی پھوپھو کو بھیجنا:

جب بنوامیہ نے دیکھا کہ وہ کسی طور پر بھی آپ کو ڈرا کر یا نرما کر آپ کی سیاست سے نہیں ہٹا سکتے تو انہوں نے آپ کی پھوپھو فاطمہ بنت مروان کو بات کرنے کے لیے آپ کے پاس بھیجا۔ آپ کی ان پھوپھو کی کسی بات کو کوئی خلیفہ نہ ٹالتا تھا اور نہ وہ خود بھی کسی خلیفہ سے ڈرتیں تھیں۔ سب آپ کی بے حد تعظیم و توقیر کرتے تھے۔ خلافت سنبھالنے سے پہلے آپ کا رویہ بھی ان کے ساتھ ایسا ہی تعظیمانہ تھا، چنانچہ جب وہ تشریف لائیں تو آپ نے حسب دستور اٹھ کر پھوپھو کا بے حد اکرام کیا اور تکیہ آگے کر کے بیٹھنے کو کہا۔ پھر

---

[1] سیرۃ عمر لابن الجوزی، ص: ۱۱۴۔۱۱۵

[2] سیرۃ عمربن عبدالعزیز لابن الجوزی، ص: ۱۱۸۔۱۱۹

انہوں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا: تیری قوم نے تیری شکایت کی ہے اور کہتی ہے کہ تم نے ان سے دوسروں کا دیا مال بھی چھین لیا ہے۔'' آپ نے جواب دیا: میں نے ان سے ان کی کوئی چیز نہیں لی ہے۔ بولیں: لیکن میں نے ان کو تمہارے بارے میں بری باتیں کرتے دیکھا ہے مجھے ڈر ہے کہ وہ کسی سخت دن تم پر حملہ کردیں گے۔ آپ نے جواب دیا۔ اگر میں قیامت کے علاوہ کسی دن سے ڈروں تو اللہ مجھے اس دن کے شر سے نہ بچائے۔ پھر آپ نے خدام کو حکم دیا کہ وہ ایک دینار انگیٹھی اور چربی لے آئیں۔ جب تینوں چیزیں آگئیں تو آپ نے انگیٹھی کی آگ کو پھونکیں مار مار کر خوب بھڑکایا، پھر دینار کو اس میں ڈالا، جب دینار تیز آگ میں تپ کر سرخ ہوگیا تو آپ نے ایک چمٹی سے جلتا دینار چربی پر ڈال دیا جس سے چربی سڑنے اور پگھلنے لگی اور اس کا ناگوار دھواں اور سرانڈ پورے کمرے میں پھیل گئی۔ آپ کی پھوپھو یہ سارا منظر دیکھتی رہیں۔ پھر آپ نے اپنی پھوپھو سے کہا پھوپھو جان! کیا آپ کو ترس نہیں آتا کہ تیرے بھتیجے کا بھی ایسا ہی انجام ہو؟ [1]

آپ کی پھوپھو اس منظر سے بے حد متاثر ہوئی اور آپ کی طرف یوں نظر بھر کر دیکھنے لگی جیسے یہ چاہتی ہو کہ آپ یوں ہی بات کرتے رہیں اور یہ لوگ آپ کو بات کرتے ہوئے سنتے رہیں۔ گویا کہ آپ اس عدالت وانصاف کی عملی اور فنی تصویر پیش کر رہے تھے جو اسلام لے کر آیا تھا تاکہ پوری اسلامی مملکت عدل وانصاف کی خیر سے متمتع ہو۔

آپ کہنے لگے: رب تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے نا کہ عذاب بنا کر۔ پھر رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی جوار رحمت میں بلالیا۔ آپ ﷺ لوگوں کے لیے ایک نہر چھوڑ گئے جس میں سے پینے کا سب کو برابر حق تھا۔ آپ کے بعد جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ بنے۔ انھوں نے اس نہر کو اسی حال پر باقی رکھا۔ ان کے بعد سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ انہوں اپنے سے پہلے کے دو حضرات کے عمل کو حرز جاں بنائے رکھا۔ پھر اس نہر سے یزید، مروان، عبدالملک اور اس کے بیٹے سلیمان اور ولید پیتے رہے۔ یہاں تک کہ معاملہ میری ذات تک آپہنچا۔ افسوس کہ اب وہ عظیم نہر خشک ہوچکی ہے اور اس نہر والوں نے اسے اپنی پہلی حالت پر واپس لانے کی کوشش نہیں کی۔

یہاں پر آکر آپ کی پھوپھو نے آپ کو بس کرنے کو کہا اور بولیں: ''میں تم سے بات کرنے آئی تھی لیکن تمہاری یہ گفتگو سننے کے بعد اب میں تم سے کبھی کوئی بات نہ کروں گی۔ چنانچہ انہوں نے واپس جاکر بنوامیہ کو آپ کی گفتگو سنادی۔ [2]

---

[1] سيرة عمربن عبدالعزيز لا بن الجوزى، ص: ١١٧

[2] الكامل فى التاريخ ٣/ ٢٧٠.

ایک روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے بنوامیہ کو جا کر یہ کہا: یہ سب تمہارے کرموں کا نتیجہ ہے۔ کیوں تم لوگوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں شادی کی۔ دیکھو اب یہ بالکل اپنے نانا کی طرح نکلا ہے یہ سن کر سب خاموش ہو گئے۔ ❶

بنوامیہ کے اجتماعی اختلاف کا ختم ہونا:

غرض جب بنوامیہ نے اپنی گزشتہ جائیدادوں اور مال و دولت کے بارے میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ٹھوس اور غیر متغیر موقف کو دیکھا تو آپ سے اجتماعی طور پر اختلاف کرنا بند کر دیا اور بول اٹھے کہ آج کے بعد کچھ نہ ہوگا۔ ❷ پھر ہر ایک اپنے اپنے اموال کو واپس لینے کی انفرادی سطح پر حتی الامکان کوششوں میں لگ گیا۔ لیکن جس شخصیت نے ان کی اجتماعی کوششوں کے آگے لچک نہ دکھلائی اور جھکے نہیں، وہ بھلا کسی کی شخصی کوشش کے آگے نرم پڑ سکتا تھا۔ آپ جانتے تھے کہ یہ امت کا حق ہے لہٰذا ان جائیدادوں اور مال و منال کی بابت کسی بھی دن بھاؤ تاؤ نہ ہو سکتا تھا۔ ❸

حق والوں کے حقوق ان کے دروازوں پر:

آپ نے محض یہ ہی نہ کیا کہ بنوامیہ کے ہاتھوں سے ناجائز اموال چھین کر ان کو بیت المال میں جمع کروا دیا۔ بلکہ آپ نے اگلا قدم یہ اٹھایا کہ آپ نے سب لوگوں میں اس بات کا اعلان کروا دیا کہ افراد امت اور ملت اسلامیہ میں سے جس کسی کا بھی کسی امیر یا بنوامیہ کی کسی جماعت پر کوئی حق ہو یا ان لوگوں نے ان سے ان کا کوئی حق چھین رکھا ہو وہ گواہ لا کر اپنا حق واپس لے سکتا ہے۔ پھر تو جیسے لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ ہر مظلوم گواہ لے کر پہنچا اور آپ اسے اس کا حق دلواتے رہے کیا کھیتیاں، کیا جائیدادیں اور کیا مالی دعوے۔ جس نے جس دعوے پر گواہ پیش کیے اسے وہ دلوا دیا گیا۔ ❹

ایک دفعہ والی بصرہ نے آپ کے پاس کسی مظلوم کو بھیجا جس کی جائیداد چھین لی گئی تھی تو آپ نے اسے وہ زمین واپس دے کر فرمایا تمہارے یہاں تک آنے جانے میں کتنی رقم خرچ ہوئی ہے۔؟ وہ بولا: ''امیر المومنین! آپ مجھ سے آنے جانے خرچ کے بارے میں پوچھتے ہیں حالانکہ آپ نے مجھے میری زمین واپس کر دی ہے جو ایک لاکھ سے بہتر ہے آپ نے اسے جواب دیا: میں نے تمہیں تمہارا حق واپس کیا ہے (کوئی احسان نہیں کیا) پھر تھوڑی دیر بعد اسے ساٹھ درہم سفر خرچ دینے کا حکم دیا۔ ❺

❶ الکامل فی التاریخ ۳/ ۲۷۱.
❷ عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم: ۵۸-۵۹
❸ ملامح الانقلاب الاسلامی فی خلافۃ عمر، ص: ۱۱۹
❹ ملامح الانقلاب الاسلامی فی خلافۃ عمر، ص: ۱۲۰
❺ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم، ص: ۱۴۶-۱۴۷

ابن موسیٰ کہتے ہیں: سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خلافت سنبھالتے ہی مظلوموں کو ان کے حقوق واپس کرنے شروع کیے یہاں تک کہ رب سے جا ملے۔ ❶

ایک دن چند مسلمان حاضر خدمت ہوئے ان کا روح بن ولید بن عبدالملک کے ساتھ چند دکانوں کی بابت جھگڑا تھا۔ انہوں نے اپنے دعویٰ کے حق میں روح کے خلاف گواہ پیش کر دیے جس پر آپ نے روح کو حکم دیا کہ وہ ان دکانوں پر سے اپنا قبضہ چھوڑ کر ان کے حوالے کر دے۔ اور ولید کے سفارشی خط کی ذرا پروانہ کی۔ روح نے اٹھتے ہوئے ان مظلوموں کو دھمکیاں دیں۔ ایک صاحب نے مارے ڈر کے سارا قصہ آپ کو سنا دیا۔ آپ نے فوراً ایک غلام کو حکم دیا کہ روح کے پیچھے جاؤ۔ اگر وہ دکانوں پر سے قبضہ نہ چھوڑے تو اس کی گردن مار دینا۔ روح نے جان کے ڈر سے دکانیں ان مسلمانوں کو واپس کر دیں۔ ❷ اسی طرح چند اعرابیوں نے ایک بنجر زمین کو کاشت کر کے زندہ کیا۔ ولید نے ان سے وہ زمین چھین لی۔ اور اپنے افراد خانہ میں سے کسی کو دے دی تھی۔ آپ نے ان اعرابوں کو ولید سے وہ زمین واپس دلوائی۔ اور یہ حدیث سنائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جس نے کسی بنجر زمین کو (کاشت کر کے) زندہ (اور پیداوار کے لائق) کر دیا تو وہ زمین اسی کی ہوگی۔'' ❸

آپ کو آلِ بیتِ رسول اللہ سے بے حد محبت تھی۔ آپ نے انھیں ان کے حقوق دلوائے۔ چنانچہ ایک دن آپ نے فاطمہ بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اے بنت علی! اللہ کی قسم! مجھے روئے زمین پر تم لوگوں سے زیادہ محبوب اور کوئی نہیں۔ بے شک تم لوگ مجھے گھر والوں سے بھی زیادہ محبوب ہو۔ ❹

سب ظالم ولاۃ وحکام کا معزول کرنا:

بارِ خلافت سنبھالتے ہی آپ اس اہم ترین مسئلہ کی طرف بھی متوجہ ہوئے، چنانچہ آپ نے سب ظالم حاکموں اور والیوں کو بیک قلم معزول کر دیا۔ جن میں خالد بن ریان بھی تھا جو سلیمان بن عبدالملک کا وہ خصوصی جلاد تھا جو سلیمان کے حکم پر لوگوں کی گردنیں مارا کرتا تھا۔ چنانچہ آپ نے خالد کو معزول کر کے اس کی جگہ عمرو ابن مہاجر کو متعین کیا اور کہا ''اے خالد! یہ تلوار رکھ دے۔ پھر یہ دعا مانگی ''اے اللہ! میں نے تیرے لیے خالد ابن ریان کو معزول کر دیا۔ اے اللہ! تو اس کو کبھی اوپر نہ لانا۔ پھر عمرو بن مہاجر سے فرمایا: ''اے عمرو! اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ میرے اور تمہارے درمیان اسلام کے رشتہ کے سوا کوئی رشتہ نہیں۔ البتہ میں نے تیرے بارے میں سنا ہے کہ تم تلاوت کی کثرت کرتے ہو اور میں نے دیکھا کہ تم ایسی جگہ نماز پڑھتے ہو کہ تمہاری خواہش

---

❶ الطبقات لابن سعد: ٥/ ٣٤١ ❷ سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ٦٠

❸ صحیح الجامع البانی، رقم: ٢٧٦٦

❹ سیرة و مناقب عمر بن عبدالعزیز لابن الجوزی، ص: ١٣١ .

ہوتی ہے کہ کوئی تمہیں نماز پڑھتے نہ دیکھے۔ میں نے تمہیں نماز کو بہت عمدہ کر کے ادا کرتے دیکھا ہے۔ پس یہ تلوار تم لے لو اور میں نے تمہیں اپنے محافظوں میں رکھ لیا۔ ❶

یوں آپ نے ظالم والیوں کو معزول کر دیا اور دوسرے والیوں اور قاضیوں کو تعینات کرنے میں آپ کا اسلوب یہی تھا جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ کہ آپ کسی بھی عہدے کے لیے نہایت نیکوکار اور امانت دار شخص کو تلاش کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ کسی کو والی منتخب کر لیتے تو اس کے سامنے اپنی جائے سجدہ کو ہاتھ میں پکڑی قچی سے کریدتے اور کہتے ''تیرے بارے میں مجھے اس چیز نے دھوکا دیا ہے آپ کی مراد اس آدمی کے ماتھے پر موجود کثرتِ سجود کی بنا پر پڑنے والا نشان ہوتا تھا، جو کسی شخص کے نیکوکار ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ اور اسی بنا پر آپ اس شخص کو ولایت کے لیے منتخب کرتے تھے۔ البتہ آپ کسی کے صرف ظاہر سے ہی متاثر نہ ہوتے تھے بلکہ اس کا پورا پورا امتحان بھی لیتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص کثرت کے ساتھ نماز پڑھنے کا عادی ہے تو آپ نے اسے والی بنانے کا فیصلہ کر لیا اس غرض کے لیے اور اس کا امتحان لینے کے لیے آپ نے اپنے خواص میں سے ایک شخص کو اس کے پاس بھیجا۔ ان صاحب نے اس نمازی سے جا کر کہا ''اے بھائی! تم تو جانتے ہی ہو کہ خلیفہ کی نگاہوں میں میرا کیا مقام میں چاہوں تو تمہیں کسی شہر کا والی لگوا سکتا ہوں۔ لیکن میرا حصہ کتنا ہوگا؟ وہ صاحب فوراً بولے! ایک سال کی تنخواہیں تیری ان صاحب نے جا کر خلیفہ کو اس شخص کا حال گوش گزار کر دیا۔ آپ نے اس کو امتحان میں ناکام ہو جانے کی بنا چھوڑ دیا۔'' ❷

معزول کیے جانے والے ظالم اور بے رحم والیوں میں سے ایک اسامہ بن زید تنوخی بھی تھا جو مصر کے خراج پر مقرر تھا۔ اسامہ پرلے درجے کا ظالم اور بغیر کسی شرعی دلیل کے سخت سزائیں دینے والا انسان تھا۔ حتی کہ بعض لوگوں کے ہاتھ پاؤں تک کاٹ دیتا اور یہ بھی نہ دیکھتا کہ اس سزا کی شرائط پوری بھی ہوئیں ہیں یا نہیں۔ آپ نے حکم دیا کہ اسے شام کے ہر شہر میں ایک سال قید میں رکھا جائے۔ اور اسے زنجیروں میں جکڑا جائے جو صرف نماز کے لیے کھولی جائیں اور نماز کے بعد اسے دوبارہ زنجیروں میں جکڑ دیا جائے۔ چنانچہ اسامہ ایک سال مصر میں اور ایک سال فلسطین میں قید رہا۔ اسکے بعد سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے بعد ولید نے خلافت سنبھالتے ہی اسامہ کو رہا کر کے دوبارہ مصر کا والی خراج بنا دیا۔ ❸

افریقہ کا والی یزید بن ابی مسلم تھا، نہایت برا لیکن بظاہر بڑا عبادت گزار تھا۔ اذیت پسندی فطرت ثانیہ تھی ظلم وجور کا رسیا تھا۔ اسی لیے سلاطین کی ان باتوں کو ماننے میں بے حد مستعدی دکھلاتا تھا جو ظلم و بربریت پر مبنی ہوتی تھیں۔ حق کی مخالفت سے لطف اٹھاتا تھا۔ لوگوں کو اس کے سامنے سخت سزائیں دی جا رہی ہوتی تھیں

❶ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، ص: ۵۰ از ابن جوزی

❷ فقہ عمر بن عبدالعزیز: ۱/ ۹۱ از محمد شقیر

❸ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم، ص: ۳۲

اور وہ ہاتھ میں تسبیح پکڑے ذکر کر رہا ہوتا تھا۔ اور خادموں سے کلمہ پڑھتے ہوئے کہتا: اسے فلاں فلاں (عذاب دینے کی) جگہ باندھ دو۔ غرض یزید کے حالات بد سے بدتر تھے اس لیے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اسے بھی معزول کر دیا۔ ❶

غرض آپ نے ظالم حکمرانوں اور والیوں کو ان کے مناصب سے معزول کر کے ان کی جگہ صالح اور نیکوکار افراد کو متعین کیا۔ ان شاء اللہ آگے چل کر اس موضوع پر بھی سیر حاصل گفتگو کی جائے گی کہ والیوں کے ساتھ معاملات اور رویوں کی بابت آپ کی فقہ کیا تھی۔

موالی کو مظالم سے نجات دلانا:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے قبل موالیوں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ ان میں سے اسلام لانے والے پر جزیہ مقرر کیا جاتا، انہیں ہجرت کرنے سے روکا جاتا، جیسا کہ عراق، مصر اور خراسان میں ہوا۔ سلیمان ابن عبدالملک کے دور میں حجاج نے ان پر بے حد پناہ ظلم ڈھائے۔ حجاج نے ان پر جزیہ باقی رکھا اور انہیں ہجرت کرنے سے بھی روکے رکھا۔ ظلم کی اس روش نے ان موالی کو ابن اشعث کی حجاج کے خلاف برپا کی جانے والی بغاوت میں ان کے ساتھ شریک ہونے پر آمادہ کیا۔ مصر اور خراسان میں بھی موالی کا حال اچھا نہ تھا انہیں ظلم و تشدد کا نشان نہ بنایا جاتا تھا۔

چنانچہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خلافت سنبھالنے کے بعد اس مظلوم طبقے کی بھی دادرسی کی اور انہیں گزشتہ حکمرانوں کے مظالم اور زیادتیوں سے نجات دلائی۔ چنانچہ آپ نے اپنے والیوں کو لکھ بھیجا کہ ''آج اہل جزیرہ میں سے جو یہودی، نصرانی یا مجوسی اسلام قبول کرتا ہے اور وہ اپنا دار چھوڑ کر مسلمانوں کے دار میں آ ملا ہے تو اسکے بھی وہی حقوق وواجبات ہیں جو مسلمانوں کے ہیں اور مسلمانوں کے ذمہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ ہمدردی و غم خواری کریں اور اس دیار غیر میں اس کے ساتھ عدل و مساوات کا رویہ اختیار کریں بے شک یہ زمینیں اللہ نے مسلمانوں کو غنیمت میں دی ہیں لہٰذا اگر مسلمانوں کے ان زمینوں کو فتح کرنے سے پہلے یہ لوگ اسلام لے آئے ہیں تو یہ انہیں کی ہیں۔ البتہ یہ سب مسلمانوں پر اللہ کی طرف سے غنیمت ہیں جو جنگ کے بغیر ملی ہیں۔ ❷

آپ نے والی مصر حیان بن شریح کو خط میں یہ لکھا: اہل ذمہ میں سے جو بھی اسلام قبول کر لیتا ہے اس پر سے جزیہ کو ساقط کر دو۔ کیونکہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَ

---

❶ سيرة عمربن عبدالعزيز لابن عبدلحكم، ص: ٣٢۔٣٣

❷ سيرة عمربن عبدالعزيز لابن عبدالحكم، ص: ٧٨۔٧٩

احۡصُرُوۡهُمۡ وَ اقۡعُدُوۡا لَهُمۡ كُلَّ مَرۡصَدٍ فَاِنۡ تَابُوۡا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ﴾ (التوبه: ٥)

''پس جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انھیں پکڑو اور انھیں گھیرو اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗ وَ لَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّ هُمۡ صٰغِرُوۡنَ۝﴾ (التوبه: ٢٩)

''لڑو ان لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخر پر اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں، ان لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ حقیر ہوں۔''

حیان نے جواب میں یہ خط بھیجا:

''امابعد! (جزیہ کے نام پر پہلے جتنی رقم اکٹھی ہوتی تھی ان ذمیوں کے) اسلام (لانے) نے جزیہ (کی اس رقم) کو شدید نقصان پہنچایا ہے (اور اس میں بہت زیادہ کمی واقع ہوئی ہے)۔ حتی کہ حارث بن نابتہ سے بیس ہزار دینار جزیہ اکٹھا ہوتا تھا جس سے میں اہل دیوان کی تنخواہیں پوری کیا کرتا تھا۔ اب اگر امیر المومنین کی رائے اس کے ختم کرنے کی ہو تو ٹھیک ہے۔ [1]

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حیان کے خط کا یہ جواب دیا ''امابعد! مجھے تمہارا خط پہنچا۔ میں نے تمہیں افواجِ مصر کا والی بنایا تھا۔ میں تمہاری کمزوری کو جانتا ہوں۔ میں اپنا پیامبر بھیج رہا ہوں جو تمہارے سر پر بیس کوڑے مارے گا۔ پس جو بھی مسلمان ہو اس پر سے جزیہ ختم کردو۔ اللہ تیری رائے کا برا کرے۔ اللہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہادی بنا کر بھیجا تھا نا کہ ٹیکس وصول کرنے والا بنا کر بھیجا تھا۔ میری عمر کی قسم! بھلا عمر کے لیے اس بات سے بڑھ کر اور کیا بدبختی ہوگی کہ وہ لوگوں کے دین اسلام میں داخل ہونے سے پریشان ہو۔ [2] اور ابن سعد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''امابعد! بے شک رب تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو داعی بنا کر بھیجا ہے ٹیکس وصول کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ پس جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو اگر تو اہلِ ذمہ اسلام لانے میں جلدی کریں اور جزیہ ختم کردیں تو اپنا خط لپیٹ دینا اور ان سے اسلام کو قبول کرلینا۔ [3]

[1] الخطط للمقریزی: ١/ ٧٨ [2] الخطط المقریزی: ١/ ٧٨ [3] الطبقات لابن سعد: ٥/ ٣٨٤

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے اسلام لانے والوں سے جزیہ وصول کرنے کی اجازت کا مطالبہ صرف والی مصر نے ہی نہ کیا تھا بلکہ اس بات کی اجازت کوفہ کے والی عبدالمجید بن عبدالرحیم نے بھی آپ سے مانگی تھی کہ یہود ونصاریٰ اور مجوس میں سے جو اسلام لے آئیں ہیں ان سے ڈھیروں ڈھیر جزیہ وصول کیا جائے۔ لیکن آپ نے عبدالمجید کو بھی یہ دوٹوک جواب لکھ بھیجا کہ: تم نے مجھ سے اہل حیرہ کے ان یہودیوں، نصرانیوں اور مجوسیوں کے بارے میں پوچھا ہے جو اسلام لے آئے ہیں اور وہ اسلام لانے سے پہلے جزیہ کی مد میں ایک خطیر رقم دیا کرتے تھے، اور اب تم مجھ سے اس بات کی اجازت مانگ رہے ہو کہ اسلام لانے کے باوجود بھی ان سے یہ جزیہ وصول کیا جاتا رہے تو سن لو کہ رب تعالیٰ جل ثناءہ نے جناب رسول اللہ ﷺ کو داعی اسلام بنا کر بھیجا ہے نا کہ ٹیکس وصول کرنے والا۔ لہٰذا ان ملتوں کے جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کے ذمے زکوۃ ہے نا کہ جزیہ اور اس کا ترکہ اس کے ذو رحم رشتہ داروں کا ہے جب کہ وہ اس کے مسلمان وراث ہوں۔ اور اگر اس سے کوئی جنایت ہو جائے تو اس کا تاوان مسلمانوں کے بیت المال میں سے دیا جائے گا۔ والسلام۔ [1]

بصرہ کے حاکم عدی بن ارطاۃ نے آپ کو اس بابت یہ خط لکھا: امابعد! لوگ کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہونے لگے ہیں جس سے مجھے خراج کے کم ہونے کا اندیشہ ہے۔ آپ نے عدی کے اس خط کا یہ جواب لکھا: میں نے تیرا خط (پڑھا اور خوب) سمجھا' اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ سب انسان اسلام میں داخل ہو جائیں یہاں تک کہ میں اور تم کھیتی باڑی کر کے اپنے ہاتھ کی کمائی کھائیں۔ [2]

اس کے ساتھ ساتھ آپ نے موالی کو ہجرت کرنے کی بھی اجازت دی جس پر اس سے قبل حجاج نے عراق میں بندش لگا رکھی تھی۔ موالی پر ہونے والے مظالم کی دادرسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو ان کے وہ حقوق مل گئے جو ان سے چھین لیے گئے تھے۔ اور اب انہیں ہر قسم کے ظلم وستم سے امن اور قلبی اطمینان نصیب تھا۔ اور اب وہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عدل ومساوات کی زندگی گزرنے لگے تھے۔ [3]

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے دور میں اہل قبرص پر جزیہ کی رقم میں بے حد اضافہ کر دیا تھا۔ جبکہ قبرص کے محاذ پر جناب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود جنگ کی تھی اور اہل قبرص کے ساتھ ہمیشہ کے لیے سات ہزار دینار سالانہ پر صلح فرمائی تھی۔ اور یہ بھی طے کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ اپنی خیرخواہی میں کبھی تبدیلی نہ آنے دیں گے۔ اور مسلمانوں کے دشمن روم کو ڈراتے رہیں گے۔ عبدالملک بن مروان تک اہل قبرص کے ساتھ یہی معاہدہ برقرار رہا۔ لیکن عبدالملک نے آکر صلح کی رقم میں ایک ہزار کا اضافہ کر کے اسے آٹھ ہزار دینار مقرر کر دیا یہ رقم سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عہد تک باقی رہی۔ آپ نے خلیفہ بننے کے بعد عبدالملک

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف، ص: ۱۴۲ [2] سیرۃ عمربن عبدالعزیز، ص: ۹۹۔۱۰۰ لابن الجوزی

[3] عمر بن عبدالعزیز وسیاستہ فی رد المظالم، ص: ۲۳۴

کا بڑھایا ہوا ہزار دینار ختم کر دیا۔ ❶ اسی طرح عراق کے اہل ذمہ سے جزیہ میں لی جانے والی رقم میں بھی گزشتہ خلفاء نے اضافہ کر دیا ہوا تھا جس کو آپ نے آ کر ختم کر دیا۔ اور دراصل یہی آپ کی سیاست تھی کہ اہل ذمہ پر ہونے والے تمام مظالم کو ختم کر کے انہیں بھی شریعت اسلامیہ کی ٹھنڈی اور نرم چھاؤں تلے زندگی گزارنے کا موقع ملے۔ اس کی تائید اس خط سے ہوتی ہے جو آپ نے والی بصرہ عدی بن ارطاۃ کو لکھا تھا۔ جو یہ ہے:

''امابعد! رب تعالیٰ نے صرف اس شخص سے جزیہ لینے کا حکم دیا ہے جو اسلام سے منہ موڑ کر سرکشی کرتے ہوئے کفر پر اڑا رہے۔ اور دنیا و آخرت کا صاف خسارہ اٹھائے۔ اس لیے جزیہ اس پر مقرر کرنا جو اس کے بار کا متحمل ہو سکے اور جو زمین وہ آباد کر دیں اس سے تعرض نہ کرنا کیونکہ اس میں خود مسلمانوں کے معاش کی درستی ہے اور دشمنوں پر ایک گونہ قوت ہے۔ اہل ذمہ میں دیکھو جو بوڑھا ہو گیا ہو اور اب اس کی قوتیں کمزور پڑ چکی ہوں اور اب وہ کمانے کے بھی قابل نہ رہا ہو تو (بجائے اس سے جزیے لینے کے) مسلمانوں کے بیت المال سے اس کا وظیفہ جاری کرو جو اس کے احوال کی درستی کے لیے کافی ہو۔ پس اگر کسی مسلمان کا غلام بوڑھا ہو گیا ہو اور اب اس کی قوتیں کمزور پڑ چکی ہوں اور وہ روزگار کی دوڑ دھوپ بھی نہ کر سکتا ہو تو اپنے مسلمان آقا پر اس کا حق ہے کہ وہ اس کی روزی روٹی کا انتظام کرے یہاں تک کہ ان دونوں میں سے کسی کی موت ہی ان دونوں کو آپس میں جدا کر دے یا خود آقا اس کو آزاد کر دے، اور میرا یہ نظریہ اس لیے ہے کہ مجھے یہ روایت پہنچتی ہے کہ ایک دفعہ امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے ذمی کو لوگوں کے دروازے پر بھیک مانگتے دیکھا تو فرمایا ''ہم نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ ہم تیری جوانی کی کمائی سے تو جزیہ لے کر کھاتے رہے جبکہ تیرے بڑھاپے کو ہم نے ضائع کر دیا۔''

پھر آپ نے بیت المال سے اس کے لیے بقدر ضرورت وظیفہ جاری کر دیا۔ ❷

آپ لوگوں پر ہونے والے مظالم کا سدباب کرتے اور ان کی مدد فرماتے چنانچہ آپ نے والی کوفہ کو خط لکھا:

''ان لوگوں کے احوال میں غور کرو جو جزیہ دیتے ہیں اور اب وہ کسی وجہ سے اپنی زمینوں میں کھیتی باڑی سے عاجز آ گئے ہیں۔ پس تم انہیں بطور قرض کے اتنا مال دے دو جس سے وہ زمین میں کھیتی باڑی کرنے کے قابل ہو سکیں۔ کیونکہ ہمیں ان کی ایک یا دو سال کے لیے ضرورت نہیں۔ ❸ (بلکہ ہمیشہ کے لیے ضرورت ہے)۔

---

❶ فتوح البلدان، ص: ۱۵۹ ❷ کتاب الاموال لابی عبید، ص: ۵۷

❸ کتاب الاموال لابی عبید، ص: ۳۲۰

آپ نے اپنے والیوں کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی وشفقت کا سلوک کریں۔ چنانچہ آپ نے والی بصرہ کو اس بات سے منع کیا کہ وہ اہل ذمہ سے خراج لینے کے لیے انہیں سزائیں دے۔ اس پر عدی بن ارطاۃ والی بصرہ نے خط لکھ بھیجا:

''بات یہ ہے کہ آپ سے پہلے جب تک ہم ان لوگوں پر ذرا زور زبردستی نہ کر لیتے تھے یہ لوگ خراج نہیں دیتے تھے، اس لیے ان کو خراج دینے پر مجبور کرنے کے لیے ہمیں تھوڑی بہت سزا دینی پڑتی ہے۔''

آپ نے عدی کو جواب میں یہ لکھا کہ:

''اما بعد! مجھے اس بات پر از حد حیرت ہے کہ تم نے مجھ سے لوگوں کو عذاب دینے کی اجازت مانگی ہے تا کہ میں تیرے لیے رب کے عذاب سے ڈھال بن سکوں اور جیسے کہ میری اس بات پر رضا تمہیں عذابِ خداوندی سے بچالے گی۔ پس جب تمہیں میرا یہ خط پہنچے تو تم یہ دستور اپنانا کہ جو تمہیں خراج دے دے قبول کرلو اور جو نہ دے اسے قسم دے دو کہ وہ ادا کرے گا۔ اللہ کی قسم! یہ ذمی اپنی خیانتوں کے ساتھ اللہ سے جاملیں یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں رب تعالیٰ کو ان کو عذاب دینے کے جرم کے ساتھ جاملوں۔ [1]

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے پہلے اہل ذمہ پر ایک ظلم یہ بھی ڈھایا جاتا تھا کہ شمالی افریقہ کے قبیلہ لواتہ کی قیدی عورتوں اور لڑکیوں کو فروخت کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ آپ نے ان مظلوموں پر ہونے والے ظلم کے اس دروازے کو بھی بند کیا۔ چنانچہ ابو عبید نے ''کتاب الاموال'' میں لکھا ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے لواتیات کے بارے میں شمالی افریقہ خط بھیجا کہ جس نے بھی ان میں سے کسی کو بھیجا اسے ان کی قیمت میں سے کچھ بھی نہ ملے گا۔ یہ دراصل اس کی شرمگاہ حلال کرنے کی قیمت تھی۔ اور فرمایا جس کے پاس بھی ان میں سے کوئی عورت ہے وہ اس کے باپ کو نکاح کا پیغام بھیجے (اور اس سے شادی کرے) وگرنہ اس کو واپس کردے۔''

ابو عبید لکھتے ہیں: سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے قول ''لواتیات'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورتیں ''لواتہ'' سے تھیں جو ایک بربری قبیلہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کے ساتھ مسلمانوں کا عہد تھا (اور وہ ذمی تھے) یہ بربر وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں ابن شہاب یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بربروں سے جزیہ لیا اس کے بعد ان لوگوں نے بغاوت کی تو قید کر لیے گئے۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کے بارے میں جو خط لکھا سو لکھا۔ [2]

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف: ۱۲۹ [2] فتوح البلدان، ص: ۲۲۶۔۲۲۷

اسی طرح آپ نے اہل ذمہ سے چھینی جانے والی ہر زمین یا کنیسہ یا گھر واپس کر دیا۔ (1) آپ نے ان ذمیوں پر ڈھائے جانے والے ایک اور انوکھے ظلم کا بھی ازالہ کیا، وہ یہ کہ مسلمان ان کے ذمی ہونے کی بنا پر اپنے ذاتی مفادات کے لیے ان سے بیگار لیا کرتے تھے حالانکہ ان کے ساتھ ہونے والی صلح کی شرائط میں یہ بات مذکور نہ تھی۔ (2) چنانچہ آپ نے اپنے عاملوں کو یہ لکھ بھیجا کہ...... میری رائے یہ ہے کہ ان ذمیوں سے بیگار لینا بند کیا جائے۔ کیونکہ یہ نرا ظلم ہے۔ (3)

ذمیوں پر ہونے والے ان مظالم کی داد رسی کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اب ان لوگوں کو بھی سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔ اور وہ چین کی زندگی گزارنے لگے۔ آپ نے واضح کیا کہ ایک اسلامی حکومت کے زیر سایہ ان لوگوں کو امن واطمینان کی زندگی گزارنے کا پورا پورا حق ہے، دین اسلام کی رواداری اور عدل انصاف سے فیض اٹھانے کے یہ لوگ بھی مستحق ہیں تاکہ دین اسلام کی ٹھنڈی چھاؤں تلے ان کی زندگی کے امور کی اصلاح ہو۔ لہذا نہ تو انہیں کوئی نقصان پہنچایا جائے نہ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا جائے اور نہ انہیں غلام ہی بنایا جائے۔ ان کے حقوق معروف ہیں جیسا کہ ان کے واجبات معلوم ہیں اور ان حقوق واجبات کی ضمانت خود شارع حکیم یعنی رب تعالیٰ اور اس کے رسول نے کی ہے اور ان کی بنیاد کتاب وسنت کے احکامات ہیں۔ (4)

اہل سمرقند کو انصاف:

جب ماوراء النہر کے باشندوں کو سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے خلیفہ بننے کی اطلاع ملی تو سب نے جمع ہو کر سلیمان بن ابی السری سے یہ کہا کہ ''قتیبہ نے ہمارے ساتھ غداری کی، ہم پر ظلم کیا، ہم سے ہمارے علاقے چھین لیے، اب اللہ نے عدل وانصاف کو غلبہ دیا ہے اس لیے ہمیں اجازت دیجئے کہ ہمارا ایک وفد امیر المومنین سے جا مل آئے اور ہم پر ہونے والے مظالم کی داستان جا کر سنا آئے۔ پس اگر ہم سچے ہوئے تو ہمارا حق ہم کو مل جائے گا کہ ہمیں اس کی ضرورت ہے، سلیمان نے انہیں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وفد نے جا کر اپنی داستان غم والم اور روداد ظلم وستم سنائی تو آپ نے سلیمان کو یہ خط لکھ بھیجا ''اہل سمرقند نے آ کر مجھے اپنے اوپر ہونے والے ظلم وستم کا قصہ سنایا ہے اور بتلایا ہے کہ قتیبہ نے جبر سے کام لیتے ہوئے انہیں ان کی زمینوں سے نکال دیا ہے پس میرا خط پہنچتے ہی ان کے لیے ایک قاضی مقرر کرنا جو ان کے امر میں غور کرے۔ پس اگر تو قاضی فیصلہ ان کے حق میں کر دے تو مسلمان غازیوں کو ان

---

(1) عمر بن عبدالعزیز وسیاسته فی رد المظالم، ص: ٢٤٥

(2) عمر بن عبدالعزیز وسیاسته فی رد المظالم، ص: ٢٤٥

(3) سیرة عمربن عبدالعزیز لا بن عبدالحکم، ص: ٨٣

(4) عمر بن عبدالعزیز وسیاسته فی رد المظالم، ص: ٢٤٨

کی زمینوں سے نکال کر اپنی چھاؤنیوں میں بھیج دینا جیسا کہ وہ اس سے پہلے تھے۔ اور تم لوگوں کا ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جو قتیبہ کا ان کے زمینوں کو چھیننے سے پہلے کا تھا۔'' چنانچہ سلیمان نے جمیع بن حاضر کو ان کے معاملہ کا قاضی مقرر کیا۔ جمیع نے سارا مقدمہ سننے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ سمرقند کے عرب اپنی چھاؤنیوں میں لوٹ جائیں۔ اور وہ اہل سمرقند کے ساتھ گزشتہ معاہدہ ختم کر کے صلح کا نیا عہد کریں یا پھر دوبارہ جنگ کر کے ان کے علاقے فتح کریں۔'' اس پر اہلِ صغد ❶ نے کہا کہ ہمیں گزشتہ عہد ہی منظور ہے۔ ہم کسی نئی جنگ کے متحمل نہیں ہونا چاہتے۔ اور سابقہ صلح پر راضی ہوگئے۔ جبکہ ان کے اہل رائے نے یہ کہا ان مسلمانوں نے ہمیں اپنے ساتھ مل جل کر رہنے دیا۔ ہمیں امن دیا اب اگر دوبارہ جنگ کا فیصلہ ہوتا ہے تو نہ جانے فتح کس کو ملے۔ اور اگر فتح ہم کو نہ ملی تو ہم ان کی مفت کی عداوت مول لے لیں گے، چنانچہ ان لوگوں نے معاملہ وہیں چھوڑ دیا اور نزاع ترک کر کے گزشتہ صلح کو ہی قبول کر لیا۔ ❷

کیا بیسویں صدی عیسوی میں بھی کوئی ایسی حکومت تھی جس نے عدل کے سامنے یوں سر جھکا دیا ہوتا کہ عدل قائم کیا جاسکے، اور اس نے حق کے سامنے یوں سر تسلیم خم کر دیا ہوتا کہ حق حق والوں تک پہنچایا جاسکے؟ کیا خدانا شناس قوموں کی تاریخ میں بھی کوئی حاکم ایسا ہوا ہے جس نے مظلوموں کی پکار پر جن سے ان کے حقوق چھین لیے گئے ہوں ایسی سرعت اور برق رفتاری کے ساتھ لبیک کہا ہو جیسے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کہا کرتے تھے؟ بے شک آپ وہ حاکم تھے جنھوں نے اطراف واکنافِ عالم میں عدل وحق کی اقدار کا دفاع کرنے کے لیے اپنی جان لگادی۔ جن دونوں کے بغیر رب تعالیٰ کی شریعت اپنے بلند اہداف واقدار کو کھو بیٹھتی ہے۔ ❸

بے شک یہ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے انصاف کی ایک اعلیٰ مثال ہے جس سے ہم مندرجہ ذیل نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔

- جب حکام عدل گستر ہوں تو عوام اپنے اوپر ہونے والے مظالم کے خلاف اور اپنے حقوق کے مطالبات کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی ہے کیونکہ اس وقت وہ جانتے ہوتے ہیں کہ ان کے دعوی کو سنجیدگی کے ساتھ سنا جائے گا۔ اور اس میں عدل سے کام لیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سلیمان بن عبدلملک کے دورِ خلافت میں ان لوگوں نے اپنی زبانوں کو سیئے رکھا تھا۔ اور جیسے ہی انہوں نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز کی عادلانہ خلافت کو دیکھا تو اپنے مسائل لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔
- سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان کے معاملہ کو یونہی نہ چھوڑ دیا تھا بلکہ اسے شرعی قضاء کے حوالے کیا۔ جس سے خواب واضح ہوجاتا ہے کہ آپ شریعت اسلامیہ کے آگے سراپا تسلیم ورضا تھے اور آپ نے

---

❶ صُغد: یہ ماوراء النہر کے ایک علاقہ کی قوم ہے۔ ❷ تاریخ الطبری: ۷/ ۴۷۲

❸ ملامح انقلاب الاسلامی فی خلافۃ عمربن عبدالعزیز، ص: ۶۸

خود کو ہوائے نفس کے چنگل سے آزاد کر لیا ہوا تھا۔ آپ بھی دوسرے ظالموں کی طرح یہ سب کچھ کر سکتے تھے کہ لوگوں کو دھمکیاں لکھ بھیجتے ان کو موت سے ڈراتے، جس میں ذرا سرکشی دیکھتے اس کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تختہ دار پر لٹکوا دیتے۔ لیکن آپ نے ایسا نہ کیا، بلکہ اپنی زندگی کو مظالم کا قلع قمع کرنے اور عدل وانصاف کو قائم کرنے کے لیے وقف کر دیا اور ایسا وہی شخص کر سکتا ہے جس کے نزدیک حاکم صرف اللہ کی ذات ہو اور فیصلہ صرف شریعت کا ہو۔

✿ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ دونوں حالتوں میں انہیں نقصان ہی نقصان ہے چاہے فیصلہ ان کے حق میں یا ان کے خلاف اور یہ کہ ان کا فائدہ اسی میں ہے کہ جس حال میں وہ ہیں اسی پر باقی رہیں تو انھوں نے اپنے اصحاب رائے کی رائے کو اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے خط کے مضمون کو لیتے ہوئے اپنے حق سے دست برداری کا اعلان کر دیا۔ یوں ایک تو ان پر ہونے والے ظلم کا ازالہ ہو گیا، دوسرے انہیں شرعی عدل وانصاف کا بھی خوب اندازہ ہو گیا۔ [1]

رفع مظالم میں معمولی گواہی پر اکتفاء کرنا:

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جانتے تھے کہ گزشتہ حکمرانوں اور والیوں نے رعایا پر بے پناہ ظلم ڈھائے تھے اور ان پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا اور ظلم وستم کے بے حد خوگر ہو چکے تھے۔ اسی لیے آپ نے مظلوم عوام کو انکے حقوق دلوانے کے لیے انہیں قطعی گواہیوں کے پیش کرنے کا مکلّف نہ بنایا تھا، کہ وہ تو پہلے ہی ظلم کی چکی میں پس رہے تھے۔ اس لیے آپ معمولی گواہی پر ہی اکتفاء کر لیتے اور کسی قطعی گواہی کے لائے بغیر ہی مظلوم کو اس کا حق لوٹا دیتے تھے۔ ابن عبدالحکم کی روایت ہے وہ کہتے ہیں: ''ابوزناد کہتے ہیں سیدنا عمر بن عبدالعزیز کسی قسم کی قطعی شہادت کے پیش کیے جانے کے بغیر مظلوم کے حق میں فیصلہ کر دیتے تھے۔۔ چنانچہ جیسے ہی آپ محسوس کرتے کہ مظلوم پر ظلم ہوا ہے تو معمولی گواہی پر ہی فیصلہ کر کے مظلوم کو اس کا حق دلوا دیتے، اور اسے تحقیقی شہادت پیش کرنے کا مکلّف نہ بناتے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ پہلے حکام نے عوام پر مظالم کے پہاڑ توڑ رکھے تھے۔ آپ نے لوگوں کو ان کے حقوق اس قدر دلوائے کہ عراق کا بیت المال خالی ہو گیا اور وہاں شام سے رقوم لانی پڑیں۔ [2]

سبحان اللہ! جناب امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کیا خوب کیا اور امکان بھر لوگوں پر کس قدر سہولت کی کیونکہ آپ کے طریق سے نہایت مختصر وقت میں زیادہ کام کیا گیا۔ [3] دوسرے ہم آپ کے اس طرز عمل سے یہ اہم اصول مستنبط کر سکتے ہیں کہ قضائے عادی اور قضائے ارادی کے اصول کی تحقیق میں بنیادی

---

[1] التاریخ الاسلامی: ۱۵۔ ۱۶/ ۶۲

[2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم، ص: ۱۰۶۔ ۱۰۷

[3] فقہ عمر بن عبدالعزیز: ۲/ ۵۵۸

فرق ہے کیونکہ بسا اوقات حتمی شہادت اور ان کے عناصر کو پیش کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب ظلم بالکل ننگا ہو تو قاضی کو معمولی شہادت پر بھی اکتفاء کر لینا چاہیے۔ ❶

چونگی ٹیکس کا خاتمہ:

محصول چنگی کے ظلم ہونے میں کوئی شک نہیں تھا۔ کیونکہ یہ لوگوں سے لیا جانے والا ایک غیر شرعی ٹیکس تھا کیونکہ مسلمان سے زکوۃ کا، اور غیر مسلموں اور ذمیوں سے جزیہ، عشور اور خراج وغیرہ کا لیا جانا دوسرے ٹیکسوں سے کفایت کرتا ہے۔ اسی لیے آپ نے چنگی ٹیکس لینے کی ممانعت کی اور اس بابت بے حد سختی سے کام لیا۔ محمد بن قیس کی روایت ہے کہ: سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خلیفہ بنتے ہی ہر زمین کے چنگی ٹیکس کو مسلمان ہر سے جزیہ کو ختم کر دیا۔ ❷

آپ نے عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ: لوگوں پر سے چنگی ختم کر دو۔ میری عمر کی قسم یہ چنگی نہیں بلکہ وہ بخس ہے جس کا ذکر اس آیت میں آتا ہے:

﴿وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَ هُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ﴾ (هود: ۸۵)

''اور اے میری قوم! ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد کرتے ہوئے دنگا نہ مچاؤ۔''

پس جو اپنے مال کی زکوٰۃ لا دیتا ہے، وہ اس سے قبول کر لو اور جو نہ لائے اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ ❹

اسی طرح آپ نے فسطین کے عامل عبداللہ بن عوف کو لکھ بھیجا: اس گھر کی طرف جاؤ جس کو ''مکس'' کا نام دیا ہوا ہے اور اس کو گرا دو۔ اور اس کے ملبے کو لے جا کر سمندر میں بہا دو۔ ❺

چنگی دراصل اس دور میں بازاروں میں اپنا سامان فروخت کرنے والوں سے لیے جانے والے چند مخصوص دراہم تھے اور یہ دراہم باہر سے آنے والے سامان پر چنگی خانوں اور کسٹم ہاؤسز میں جہاں سے یہ تاجر اپنا سامان لے کر گزرتے تھے، لیے جاتے تھے۔ آپ کے نزدیک یہ ٹیکس نرا ظلم تھا اس لیے آپ نے اس کے لینے سے منع کیا۔ ❻ اس بابت آپ جس آیت سے استدلال کرتے تھے اس کو ابھی اوپر کی سطروں میں ذکر کر دیا گیا ہے۔

---

❶ نظام الحکم فی الشریعة والتاریخ الاسلامی: ۲/ ۵٦۵

❷ یہاں پر لفظ مکس آتا ہے یہ شہر میں داخل ہوتے وقت سامان پر لیے جانے والے ٹیکس اور چنگی کو کہتے ہیں (القاموس الوحید، ص: ۱۵۷۳) یہ دور جاہلیت میں بازاروں میں سامان بیچنے والے سے لیے جانے والے چند مخصوص دراہم کو کہا جاتا تھا۔ یا یہ ٹیکس کا نام ہے۔

❸ الطبقات الکبریٰ لابن سعد: ۵/ ۳٤۵ ❹ الطبقات الکبری لابن سعد: ۵/ ۳۸۳

❺ سیرة عمربن عبدالعزیز لابن الجوزی، ص: ۱۱۳ ❻ فقه عمربن عبدالعزیز: ۲/ ۵٦۱ از محمد شقیر

ظلم سے وصولِ مال کے طریقہ کا خاتمہ اور زکوٰۃ کی وصولی کا اجراء:

جہاں آپ نے بیت المال سے اس مال کو بے دخل کیا جو لوگوں سے ظلماً وصول کیا گیا تھا، وہیں آپ نے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے نظام کو بھی مستحکم کیا۔ چنانچہ آپ بیت المال میں پڑے مال سے ایک سال کی زکوٰۃ لے کر اسے اس کے مالک تک پہنچا دیتے۔ ❶ مالک بن انس رضی اللہ عنہ ایوب سختیانی سے نقل کرتے ہیں کہ: آپ نے بیت المال میں پڑے مظلوموں کے اموال واپس کیے اور ساتھ ہی اس بات کا بھی حکم دیا کہ جو مال سالوں سے ان کے مالکوں کے پاس نہیں رہا اس کی زکوٰۃ وصول کی جائے۔ پھر آپ نے ایک اور خط لکھا کہ میں نے مال ضمار ❷ میں غور کیا ہے میرے نزدیک اسکی صرف ایک سال کی زکوٰۃ لی جائے۔ ❸

عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان کے دور خلافت میں ایک والی نے ابو عائشہ نامی ایک غلام سے بیس ہزار کی رقم لے کر بیت المال میں داخل کر دی۔

جب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ بنے تو ابو عائشہ کے بیٹے نے آ کر اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کی فریاد کی۔ چنانچہ آپ نے میمون کو حکم لکھ بھیجا کہ ان کا مال ان کو دے دو اور اس میں سے ایک سال کی زکوٰۃ وصول کر لو۔ اگر یہ مالِ ضمار کے حکم میں نہ ہوتا تو میں اس کے پچھلے سب سالوں کی زکوٰۃ وصول کرتا۔ ❹

یہ تھا آپ کا عدل وانصاف کہ آپ اپنے والیوں کو اس بات کی تعلیم دیتے تھے کہ زندگی کا ہر شعبہ عدل کے ساتھ ہی سدھرے گا۔ چنانچہ جب آپ کے ایک والی نے خط لکھ بھیجا کہ: اما بعد! ہمارا شہر کافی ٹوٹ پھوٹ گیا ہے اگر اجازت ہوتو کچھ رقم عنایت ہوتا کہ اس کی اصلاح وترمیم کر لی جائے۔'' آپ نے اسے یہ جواب لکھ بھیجا کہ تمہارا خط پہنچا اور میں خوب سمجھا بھی، تم نے ذکر کیا کہ شہر کی حالت خستہ ہے اور اسے اصلاح ومرمت کی ضرورت ہے، تو غور سے سنو! میرا خط پڑھ کر شہر کو عدل کے ساتھ مستحکم کرنا اور اس کے رستوں کو ظلم سے پاک صاف کر لینا کہ یہی شہر کی درستی، اصلاح اور مرمت ہے...... والسلام ❺

ایک عامل کو آپ نے یہ خط لکھ بھیجا کہ اگر تم سے ہو سکے کہ جتنا تم سے پہلے کے والیوں نے ظلم وجور اور ستم کیشی کا بازار گرم کر رکھا تھا اسی کے بقدر تم عدل وانصاف اور اصلاح واحسان کو قائم کرو، تو ایسا ضرور کرو۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ❻

آپ نے ابوبکر بن حزم کو خط لکھا: سرکاری رجسٹروں کی خوب چھان پھٹک کرو اور مجھ سے پہلے والیوں

---

❶ فقه عمر بن عبدالعزیز: ۲/ ۵۶۶ از محمد شقیر

❷ مال ضمار: یہ اس گم شدہ مال کو کہتے ہیں جس کے واپس ملنے کی امید ختم ہوگئی ہو۔

❸ الطبقات الكبرى لابن سعد: ۵/ ۳۴۲

❹ مصنف ابن ابی شيبة: ۳/ ۲۰۲

❺ تاريخ الخلفاء للسيوطی، ص: ۲۳

❻ الطبقات لابن سعد: ۵/ ۳۸۳-۳۸۴

نے کسی مسلم یا ذمی یا معاہد پر جو ظلم ڈھایا ہو اسکا ازالہ کرو اور اگر وہ مظلوم مرگئے ہوں تو ان کا حق ان کے ورثاء تک پہنچاؤ۔ ❶ یہ بھی ایک ناقابل فراموش حقیقت ہے کہ آپ کو اقامتِ حق وعدل میں بے پناہ مسائل، مشکلات مصائب، دشواریوں اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ آپ کو حق کے اجراء، عدل کی اشاعت اور ظلم کے دفع کے لیے بعض لوگوں کو رام کرنے کے لیے ان پر بہت سارا مال بھی خرچ کرنا پڑا۔ چنانچہ ایک دن آپ کا فرزند عبدالملک آ کر آپ کو کہنے لگا، ابا جان! آپ کو عدل کی راہ میں کیا رکاوٹ ہے؟ اللہ کی قسم! راہ حق میں مجھے اس بات کا ذرا اندیشہ نہیں کہ مجھے اور آپ کو زندہ ہانڈیوں میں ابال دیا جائے۔؟ آپ نے فرمایا بیٹے! میں لوگوں کو ایک سخت بات کا عادی بنا رہا ہوں۔ میں عدل کو قائم کرنا چاہتا ہوں اور دنیا کی طمع ختم کرنا چاہتا ہوں تا کہ وہ دنیا سے متنفر ہوں اور عدل سے سکون پائیں۔ ❷

چنانچہ آپ نے ان لوگوں کے لیے انعامات مقرر کیے جو خیر پر رہنمائی کریں، یا کسی خطا پر متنبہ کریں یا کسی ایسے ظلم کا پتا دیں جہاں مظلوم اپنی بے بسی کی وجہ سے فریاد کرنے اور انصاف کا دروازہ کھٹکھٹانے سے عاجز ہو۔ آپ نے ایک خط لکھا اور حکم دیا کہ یہ خط موسم حج میں آنے والے ہر حاجی کو اور حج کی ہر مجلس ومحفل میں سنایا جائے۔ وہ خط یہ تھا ''امابعد! جو بھی ہمارے پاس کسی مظلوم کے چھینے حق کی خبر لائے گا یا کسی ایسے امر دین کی خبر دے گا جس میں خاص وعام کی اصلاح ہو تو ہم اسے اس بات کی نوعیت کے اعتبار سے اور اس کی مسافت کی دوری اور مشقت کے اعتبار سے دو سے تین سو دینار تک کا انعام دیں گے۔ اور اللہ اس شخص پر رحم کرے جو سفر کی دقتوں کو خاطر میں نہ لائے کہ شاید اس کی بات سے اللہ حق کو زندہ کرے یا کسی باطل کو مٹائے یا اس کے ورے کسی خیر کا دروازہ کھولے۔ ❸

آپ نے عدل کی حلاوت چکھی، رحم دلی کی لذت اٹھائی اور لوگوں کو عدل ورحم کی ٹھنڈی چھاؤں میں جگہ دی۔ آپ کہا کرتے تھے اللہ کی قسم! میں چاہتا کہ اگر اللہ مجھے صرف ایک دن کی زندگی کی مہلت دے تو میں اس میں بھی عدل قائم کروں۔ ❹ اگرچہ آپ نے عدل کے ثمرات دیکھ لیے، لوگوں نے عدل کے ثمرات سے فائدہ اٹھایا لیکن آپ کی طبیعت کے جوش کو کسی درجہ قرار نہ آتا تھا آپ عدل کے رستے میں مزید آگے بڑھنا چاہتے تھے اس کی وضاحت آپ کا یہ قول خود کرتا ہے کہ ''اگر میں پچاس سال تک بھی تمہارا خلیفہ رہوں تو بھی عدل کرنے کا حق ادا نہ کرسکوں۔ ❺ آپ کے عدل وانصاف کے فیض سے جانور بھی محروم نہ رہے، اس کی چند جھلکیاں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

---

❶ الطبقات لابن سعد: ۵/ ۳۴۲-۳۴۳ ❷ عمر بن عبدالعزیز، ص: ۲۲۶ از عبد الستار شیخ

❸ عمربن عبدالعزیز، ص: ۲۲۷ از عبدالستار شیخ ❹ تھذیب الاسماء واللغات: ۲/ ۲۳

❺ تاریخ ابن عساکر، ص: ۲۲۷ نقلا عن عمربن عبدالعزیز لعبد الستار

جانوروں کو آنکڑے دار کوڑے مارنے اور بھاری لگام ڈالنے کی ممانعت:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جانوروں کے ساتھ بدسلوکی کرنے کی سختی کے ساتھ ممانعت کر دی۔ اور شدت کے ساتھ اس بات سے روکا کہ کسی جانور پر ظلم کیا جائے یا اسے عذاب دیا جائے۔ ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہمیں عبیداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ ''سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس بات سے منع فرمایا کے ڈاکیا اپنے کوڑے میں لوہے کے کانٹے لگائے تاکہ اس سے جانوروں کو تیز دوڑانے کے لیے چوکا مارا جائے اور ان کو بھاری نکیل ڈالنے سے بھی منع کیا۔ ❶

چھ سو (۶۰۰) رطل سے زیادہ وزن لادنے کی ممانعت:

جب آپ کو اس بات کی خبر پہنچی کہ بعض لوگ جانوروں پر ان کی ہمت سے زیادہ بوجھ لادتے ہیں جیسا کہ مصر کے لوگوں کا وطیرہ تھا تو آپ نے والیٔ مصر کو لکھ بھیجا کہ چھ سو رطل سے زیادہ جانوروں پر بوجھ نہ لادا جائے۔ آپ نے والیٔ مصر سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ وہ یہ حکم لوگوں تک پہنچائے اور اس کی عملی تنفیذ کو ممکن بنائے۔ ❷

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور خلافت میں عدل اور اس کی اقدار کے یہ چند آثار ہیں جو ہم نے قارئین کرام کے سامنے پیش کیے ہیں وگرنہ آپ کا دور خلافت عدل سے ہی تعبیر تھا۔ اور آپ کا بنیادی ہدف ہی ایک ایسے معاشرے کا قیام تھا جس پر عدل کی اقدار کا راج ہو اور وہاں ظلم کو سر چھپانے کی کہیں جگہ نہ ملے۔ چنانچہ آپ نے ہر ممکن سطح پر ظلم کا مقابلہ کیا۔

مساوات:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ (الحجرات: ۱۳)

''اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لوگو! خبردار! تمہارا پروردگار ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر اور نہ کسی سرخ کو کسی کالے پر اور نہ کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت حاصل ہے مگر تقوی کے بل پر۔ ❸

❶ مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱۲/ ۳۳۲ وملامح الانقلاب الاسلامی، ص: ۷۱.

❷ فقہ عمربن عبدالعزیز: ۲/ ۵۷۵ از محمد شقیر

❸ النموذج الاداری المستخلص من ادارۃ عمربن عبدالعزیز، ص: ۲۹۷

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اسلام کے اس بنیادی اصول کو اپنی خلافت کی اساس ٹھہرایا۔ جس کا اشارہ ہمیں اس قسم سے ملتا ہے جو آپ نے اٹھائی تھی کہ ''اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے اور اپنے رشتہ داروں اور لوگوں کے درمیان معیار زندگی میں برابری قائم کروں۔'' [1]

اللہ کی قسم، اللہ کی قسم! اس بات سے میری کوئی دوسری مراد نہیں۔ اگر ایسی بات ہوتی تو اس کو بہت بہتر طریقہ سے بیان کر سکتا تھا اور میں اس کے اسباب سے بھی واقف ہوں۔ [2]

آپ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: تم میں سے جو بھی اپنی حاجت لے کر میرے پاس آتا ہے تو میں یہ تمنا کرتا ہوں کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے اس کی حاجت پوری کروں، [3] اسی طرح آپ نے حقوق وواجبات کی بابت زندگی کے سب شعبوں میں سب لوگوں میں مساوات کو قائم کیا۔ چنانچہ آپ نے وظائف وولایت میں سب کو مساوی حقوق دیے۔ اور کسی کو بغیر حق کے کچھ نہ دیا، چاہے وہ جو بھی تھا۔ چنانچہ آپ نے بنوامیہ کے اشراف وامراء اور عوام ورعایا کو ایک ترازو میں تولا آپ نے ان کے خصوصی وظائف اور مراعات کو ختم کر دیا اور جب انہوں نے اس بابت بات کی تو آپ نے انہیں یہ کہا: ''میرے مال میں تمہیں پورا اختیار ہے لیکن بیت المال میں تمہارا حق اتنا ہی ہے جتنا ایک عام آدمی کا ہے چاہے وہ برک الغماد [4] کے آخری کنارے میں رہتا ہے۔''

آپ کی مالی سیاست مساوات کی بنیاد پر قائم تھی۔ بیت المال سب کا تھا اور اس میں سے ہر ایک کو دوسرے کی مدد کے بغیر اپنا حق لینے کا پورا اختیار تھا۔ اور بیت المال کسی خاص جماعت کی ذاتی جاگیر نہ تھا۔ آپ لوگوں میں مساوات قائم کرنا چاہتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جب آپ نے دیکھا کہ بنی امیہ کے امراء نے بے پناہ جاگیروں کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے اور ان میں اپنی چراگاہیں قائم کر لی ہیں اور اب وہ کسی دوسرے کو اس سے مستفید نہیں ہونے دیتے تو آپ نے اعلان کر دیا کہ یہ چراگاہیں سب مسلمانوں کے لیے مباح ہیں حتی کہ خلیفہ کا حق بھی ان میں ایک عام آدمی کی طرح ہے ان پر رب تعالیٰ نے بارش برسائی ہے اس لیے ان پر سب مسلمانوں کا حق برابر ہے۔ [5]

اسی طرح آپ نے مسلمانوں کے اور دوسری ملتوں یہود ونصاریٰ سے اسلام قبول کرنے والوں کے

---

[1] النموذج الاداری المستخلص من ادارة عمربن عبدالعزیز، ص: ۲۹۷

[2] سیرة عمربن عبدالعزیز، ص: ۱۱۲ از ابن عبدالحکم

[3] تاریخ الطبری نقلا عن النموذج الاداری من ادارة عمر، ص: ۲۹۷

[4] برك الغماد: ایک قول یہ ہے کہ یہ مکہ کی ایک بستی کا نام ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ یمن کے علاقے حجر کے آخر میں موجود ایک بستی کا نام ہے۔

[5] سیرة عمربن عبدالعزیز لا بن عبدالحکم، ص: ۸۱.

درمیان بھی برابری کی اور ان دونوں طبقوں کے درمیان قائم کی گئی نفرت کی دیوار کو گرایا چنانچہ فرمایا: ''آج اہل جزیہ میں سے جو یہودی یا نصرانی بھی اسلام قبول کر کے دارالاسلام چلا آتا ہے اور دارالحرب کو چھوڑ دیتا ہے تو اس کے حقوق وواجبات بھی وہی ہیں جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں اور مسلمانوں کے ذمہ ہے کہ وہ ان کی ہمدردی کریں اور انہیں اپنی سوسائٹی میں شامل کریں۔ ❶

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے تنخواہوں، لباس، معاش اور امداد وانعام میں عرب اور موالی میں مساوات کو قائم کیا۔ ہاں البتہ غلام آزاد کرنے والے کا وظیفہ پچیس ہزار دینار مقرر کیا۔ ❷

اسی طرح آپ نے عدالتی معاملات اور احکام شرعیہ کی تنفیذ میں بھی مساوات کو قائم کیا حتی کہ ایک دفعہ خود بھی ایک عدالتی معاملہ میں عام آدمی کی طرح عدالت میں پیش ہوئے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مصری نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ کہا ''اے امیر المومنین! (آپ کے والد) عبدالعزیز نے میری زمین ظلماً لے لی تھی۔ آپ نے پوچھا اے اللہ کے بندے! تیری زمین کہاں ہے؟ بولا: حلوان میں۔ آپ نے کہا بندۂ خدا! حلوان کے شرکاء کو بھی اس زمین کے بارے میں بتلا دو اور ہمارے تمہارے درمیان یہ حاکم فیصلہ کرے گا۔'' آپ حاکم کے پاس گئے تو اس نے فیصلہ آپ کے خلاف کر دیا۔ آپ نے کہا: ہم نے اس زمین پر خرچ بھی کیا ہے۔ حاکم بولا: اس کے بدلے میں تم اس کی پیداوار کھاتے رہے ہو۔ جو تمہارے خرچ کے برابر ہے۔ اس پر آپ نے کہا: اگر تم نے اس کے علاوہ کوئی فیصلہ دیا ہوتا تو میں تمہیں دوبارہ کبھی والی نہ بناتا اور زمین اس مصری کو واپس کر دینے کا حکم دیا۔ ❸

اسی مساوات کا تقاضا تھا کہ آپ نے عامۃ المسلمین کو منع کیا کہ وہ اپنے مخصوص القاب یا دعائیہ صیغے نہ بنائیں۔ چنانچہ آپ نے الجزیرہ کے امیر کو لکھ بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ بعض خوشامد پرست قصہ گو قسم کے لوگوں نے امراء کو سلام کرنے اور دعا بھیجنے کے لیے ایسے ایسے الفاظ ایجاد کر لیے ہیں جو حضرت رسالت مآب ﷺ کی ذات بابرکات پر حملہ کرنے کے مترادف ہیں۔ اس لیے میرا خط پہنچے پر ان خوشامد پرست قصہ گو لوگوں کو حکم دے دینا کہ وہ صرف نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر صلاۃ بھیجا کریں۔ اور مسلمانوں کو عام سلام اور دعا دیا کریں۔ ❹

آپ نے رعایا میں اس حد تک مساوات کو قائم کیا کہ کسی کو خاص کلمات کے ساتھ دعا دینے تک سے منع فرما دیا کیونکہ دعا کا ہر ایک محتاج ہوتا ہے اور سب کی دعا اللہ ہی قبول کرتا ہے اس لیے کسی کی ترجیح یا تخصیص کا

❶ سیرة عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم، ص: ۷۹ ❷ الطبقات لابن سعد: ۵/ ۳۷۵

❸ عمربن عبدالعزیز وسیاسته فی رد المظالم، ص: ۲۹۸

❹ سیرة عمربن عبدالعزیز، ص: ۲۷۳ لا بن الجوزی

کوئی معنی نہیں۔ ❶

ایک دفعہ مدینہ میں ایک آدمی نے آپ کو گالی دی تو آپ نے اس کے لیے وہی حکم دیا جیسا ایک آدمی کے لیے جس کو کوئی دوسرا گالی دے، ہوتا ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ مدینہ میں ایک آدمی کے خلاف ایک فیصلہ کیا گیا۔ والی مدینہ ابوبکر بن حزم نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے اپنے خلاف فیصلہ سنائے جانے پر تلوار سونت لی اور سب کی نماز توڑ دی۔ ابوبکر نے یہ قصہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو لکھ بھیجا۔ آپ نے اس کے خلاف سزا کا پروانہ ایک قاصد کے ہاتھ روانہ کیا۔ جب سزا سنائی گئی تو اس آدمی نے آپ کو آپ کے فیصلے کو اور فیصلہ لانے والے قاصد کو سب کو گالیاں دیں۔ ابوبکر نے غصہ میں آکر اسے قتل کرنا چاہا۔ پھر رک گیا اور اس بارے میں آپ سے استفسار کیا کہ جو شخص یوں بے جا آپ کو گالیاں دے اس کی گردن نہ اڑا دی جائے۔ آپ نے جواب میں لکھا: اگر ایسا کرتے تو اس کی جان کے بدلے میں میں تمہیں قتل کر دیتا۔

سن لو کہ کسی کو گالی دینے کی بنا پر کسی کو قتل نہیں کیا جاسکتا سوائے اس شخص کے جو حضرت رسالت مآب ﷺ پر زبانِ سب وشتم دراز کرے۔ لہٰذا جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے، تو مسلمانوں کو اس کے شر سے بچانے کے لیے اسے قید میں ڈال دو۔ اور ہر ماہ کے آغاز میں اسے توبہ کی طرف بلاؤ پس اگر وہ توبہ کرے تو اسے آزاد کر دو۔ ❷

آپ محض خود ہی مساوات کے اصول پر کاربند نہ رہتے تھے بلکہ اپنے عمال کو بھی مساوات کی دعوت دیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے والی مدینہ کو لکھا کہ ''لوگوں میں نکلو، ان میں نشست و برخاست میں مساوات کو قائم کرو، کسی کو تمہارا نظروں میں دوسرے پر ترجیح حاصل نہ ہو اور یہ جملہ کبھی نہ بولنا کہ فلاں امیر المومنین کے اہلِ بیت میں سے ہے کیونکہ آج میں میرے نزدیک سب برابر ہیں۔ بلکہ آج میں امیر المومنین کے اہلِ بیت کو اس بات کے زیادہ لائق سمجھتا ہوں کہ جو ان سے جھگڑے، اس کے بالمقابل ان کو سزا دی جائے۔ ❸

یہ چند بکھرے واقعات سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مساوات کی سیاست پر خوب روشنی ڈالتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ آپ نے اپنی خلافت کی بنیاد جن اصولوں پر رکھی تھی ان میں سے ایک اہم اصول ''مساوات'' بھی تھا۔ ❹

خلافت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ میں آزادیاں:

آپ کا دور خلافت جن اساسی بنیادوں پر قائم تھا ان میں سے ایک ''آزادی'' بھی تھا۔ چنانچہ آپ نے

---

❶ النموذج الاداری المستخلص من ادارة عمر، ص: ۲۹۹ .

❷ سیرة عمربن عبدالعزیز لابن عبدالحکم، ص: ۱۴۲ . ❸ الطبقات لابن سعد: ۳۴۳/۵ .

❹ النموذج الاداری المستخلص من ادارة عمر، ص: ۳۰۱ .

عامۃ الناس کی آزادیوں کی کفالت وحفاظت بھی کی اور خلافت کو اس کا ضامن بھی بنایا، البتہ یہ ضروری تھا کہ وہ جملہ آزادیاں دائرۂ شریعت میں رہ کر ہوں اور حدود شرعیہ کے متصادم ومعارض بھی نہ ہوں۔ چنانچہ آپ نے جملہ انسانی آزادیوں کی حفاظت کی۔ اور ان آزادیوں کو بھی برقرار رکھا جو تعلیماتِ اسلامیہ کے ہم آہنگ اور موافق ومطابق تھیں۔ البتہ جو آزادیاں تعلیمات اسلامیہ کے مخالف تھیں ان کو آپ دائرہ اسلام میں لے آئے۔ ذیل میں اس کی قدرے تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

الف: فکری واعتقادی آزادی:

آپ نے معاشرے میں اعتقادی آزادی کی بنیاد رکھی۔ یہود ونصاریٰ کے ساتھ آپ کی سیاست یہ تھی کہ آپ نے ان کے ساتھ کیے عہد پورے کیے، ان میں عدل قائم کیا، ان پر سے مظالم کو ختم کیا، اور رب تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہوئے ان پر سے ہر قسم کی اعتقادی تنگی کو ختم کر دیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ﴾ (البقرۃ: ۲۵۶)

''دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے۔''

آپ نے ملوک ہند اور دین سے خارج قبائل کے ساتھ دعوتی اسلوب اپنایا جس کی تفصیل آگے آجائے گی۔ آپ نے اسلام میں داخل ہونے پر کسی یہودی یا نصرانی کو مجبور نہ کیا۔

جبکہ رائے اور تعبیر کے اعتبار سے آپ نے وسیع پیمانے پر رعایا کو فکری آزادی دی تاکہ آپ نظام مملکت کو بھی چلا سکیں اور عمال ورعایا کی قیادت بھی سنبھال سکیں۔ چنانچہ آپ نے ہر مظلوم کو اس بات کی کھلی آزادی دی کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی داستان سنا سکے۔ آپ نے لوگوں کو اپنی من چاہی بات کہنے کی بھی آزادی دی۔ قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کی تعبیر ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں: ''آج ہر وہ آدمی بول رہا ہے جس کی منہ میں کبھی زبان بھی نہ تھی۔ [1] البتہ یہ ضروری تھا کہ اس کی بات خلاف شریعت نہ ہو۔

ب: سیاسی آزادی:

اسلام نے ہر انسان کو سیاسی آزادی دے رکھی ہے، وہ یہ کہ رب کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں چاہے وہ والی، حاکم امیر اور خود خلیفہ ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے ہر شخص کو یہ آزادی دینے کا اعلان کیا آپ نے خلافت سنبھالتے ہی اس بات کا اعلان کر دیا کہ ہر شخص کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی ہے۔ اور یہ کہ ان پر ہونے والے ظلم کا ازالہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ اور ظلم کے خلاف ہر شخص آواز اٹھا سکتا ہے۔ اور یہ کہ ظلم پر سکوت اختیار کرنے کو اسلام پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ نے ایک دن لوگوں میں خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا:

[1] الطبقات لابن سعد: ۵/ ۳۴۴

''سن لو! خلافِ سنت میں کسی کی فرمانبرداری نہیں، اور رب کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں، تم لوگ اس کو نافرمان کہتے ہو جو اپنے امام کے ظلم سے بھاگ جائے۔ سن لو! نافرمانی کیے جانے کا سب سے زیادہ مستحق ظالم امام ہے۔'' ❶

سیاسی آزادی کی فضا قائم کرنے کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ آپ نے خلافت سنبھالنے کے فوراً بعد ہی خلافت سے دست بردار ہونے کا اعلان کر دیا اور لوگوں سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ وہ اپنا خلیفہ خود چن لیں، یہ سیاسی آزادی دو مقامات پر کھل کر سامنے آتی ہے۔

۱۔ اہلِ حل وعقد اور مسلمانوں کی بیعت ورضا کے ذریعے عوام کا حاکم کے اختیارات میں شریک ہونا۔

۲۔ عوام کا اسلام کے معیارات کے مطابق حکام اور عمال کو صحیح رائے دینا، انہیں نصیحت کرنا اور ان کے افعال کو جانچنا اور پرکھنا۔ ❷

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز نے ان دونوں سیاستوں کو اپنایا چنانچہ لوگوں میں پہلا خطبہ دینے سے پہلے ہی انہیں مرضی سے خلیفہ بنانے کا اختیار دے دیا۔ ❸ جس کا تفصیلی بیان آگے آجائے گا۔ ان شاء اللہ

ج: شخصی آزادی:

آپ نے امت مسلمہ کے افراد کی شخصی آزادی کو بھی یقینی بنایا۔ چنانچہ آپ کو اس بات کا علم ہوا کہ بعض قوموں پر ہجرت کرنے کی اور آزادی کے ساتھ آنے جانے کی پابندی ہے تو آپ نے فوراً ان پابندیوں کو ختم کروا دیا۔ اور عام اجازت دے دی کہ جو چاہے ہجرت کر سکتا ہے۔ چنانچہ نے فرمایا: ہم اس اعرابی شخص کے لیے ہجرت کا دروازہ کھولتے ہیں جو اپنے جانور بیچ کر اپنے دار سے دار الہجرت منتقل ہونا چاہے یا ہمارے دشمنوں کے ساتھ قتال کے لیے روانہ ہونا چاہے۔ پس جو ایسا کرے گا اس کو مال غنیمت میں سے وہی حصہ ملے گا جو مہاجرین کو ملا کرتا ہے۔ ❹

اسی طرح آپ نے اپنے عاملوں کو لکھ بھیجا کہ ''وہ مسلمانوں پر ہجرت کے دروازے کھول دیں۔'' ❺

جب آپ کا ہجرت اور نقل مکانی کے بارے میں یہ موقف تھا تو لازماً ان امور میں آپ انسانی آزادی کے کہیں بڑھ کر حریص ہوں گے جن کی رعایت کرنے والے اور ان کا اہتمام کرنے والے لوگ کم ہوتے ہیں۔ اور وہ امر ہے کسی شخص کا امورِ سلطنت کا مالک بن جانے کے بعد اپنی باندیوں کے ساتھ سلوک۔ چنانچہ

❶ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن الجوزی، ص: ۲۴۰

❷ النموذج الاداری المستخلص من ادارۃ عمر، ص: ۳۱۲۔

❸ النموذج الاداری المستخلص من ادارۃ عمر، ص: ۲۱۲۔

❹ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم، ص: ۷۹

❺ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم، ص: ۷۸

آپ نے خلافت سنبھالتے ہی اپنی باندیوں کو اس بات کا اختیار دے دیا کہ چاہیں تو وہ آزاد ہیں اور چاہیں تو کسی حق کے بغیر خلیفہ کے ساتھ رہیں۔ معلوم ہوا کہ خلافت سنبھالتے ہی آپ کو اس بات کا شدت کے ساتھ احساس ہوا کہ آپ امور خلافت کو نبھانے کے ساتھ ساتھ ان کے حقوق کی ادائیگی کا حق ادا نہیں کر سکتے اسی لیے آپ نے انہیں اختیار دے دیا کہ یا تو وہ بلا معاوضہ ٹھہری رہیں یا پھر آزادی اختیار کر لیں۔ جس سے ان میں سے ہر ایک کو پوری پوری شخصی آزادی حاصل ہوئی۔ ❶

چنانچہ ابن عبدالحکم روایت کرتا ہے کہ آپ نے اپنی باندیوں کو یہ کہہ کر اختیار دے دیا کہ میرے کندھوں پر اب وہ ذمہ داری آن پڑی ہے جس کے ہوتے ہوئے میں تمہاری خبر گیری کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا تم میں سے جو آزاد ہونا چاہے میں اسے آزاد کرتا ہوں اور جو رہنا چاہتی ہے وہ مجھ سے کسی چیز کی توقع نہ رکھے۔ اس پر وہ آپ سے ناامید ہونے کی بنا پر زور زور سے رونے لگیں۔ ❷

د: کسب وتجارت کی آزادی:

بر و بحر میں رب کا فضل تلاش کرنے اور کسب وتجارت کرنے کی آزادی اقتصادی آزادی کا ایک جز ہے۔ آپ نے اپنے عمال کو تاکید کے ساتھ لکھ بھیجا کہ وہ لوگوں کو اپنے اموال سے مستفید ہونے کا اور بر و بحر میں تجارت کرنے کا برابری کی سطح پر بھر پور موقع دیں۔ آپ نے لکھ بھیجا کہ رب کی نازل کردہ شریعت کی طاعت میں سے یہ بات ہے کہ سب انسانوں کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے۔ اور یہ کہ لوگ بر و بحر میں سے جہاں سے بھی مال کمانا چاہیں انہیں اس کی آزادی ہو...... انہیں کسی قید و بند کا پابند نہ بنایا جائے۔ ❸ ...... اور یہ بھی لکھ بھیجا کہ ”رہے سمندر تو یہ خشکی کے لیے رستے ہیں۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (الجاثیة: ١٢)

”اللہ وہ ہے جس نے تمھاری خاطر سمندر کو مسخر کر دیا، تاکہ جہاز اس میں اس کے حکم سے چلیں اور تاکہ تم اس کا کچھ فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔“

جب یہ بات ہے تو پھر جو چاہے ان سمندروں اور دریاؤں میں تجارت کرے۔ اس لیے میری رائے میں ہمیں کسی کو بحری تجارت سے نہیں روکنا چاہیے کیونکہ بحر و بر دونوں اللہ کے ہیں جن پر اس نے اپنے بندوں کو قابو دے دیا ہے تاکہ وہ ان میں سے اسکے فضل سے معاش کو تلاش کریں اور بھلا ہم بندوں کے معاش کے

---

❶ النموذج الاداری المستخلص من ادارة عمر، ص: ٣١٠

❷ سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ١٢١ ❸ سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ٩٤

آڑے آ بھی کیسے سکتے ہیں۔ ❶

ایک اور موقع پر سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ عاملوں کو لکھتے ہیں کہ ''پلوں اور رستوں کو راہ گیروں کے لیے کھول دو تا کہ وہ ان پر کسی قسم کی کمیشن یا رشوت کے بغیر چلیں کیونکہ برے عاملین ہمیشہ حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔'' ❷

اب ذرا سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور خلافت میں چیزوں کے نرخوں اور سرکاری نرخ بندی اور نرخ ناموں پر بھی گفتگو ہو جائے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ہمیں عبدالرحمٰن بن شوبان نے اپنے والد سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے پوچھا کہ: اے امیرالمومنین! کیا بات ہے کہ آپ کے دور میں چیزیں مہنگی ہیں جبکہ آپ سے پہلے خلفاء کے ادوار میں چیزیں سستی تھیں؟ تو آپ نے جواب دیا: گزشتہ خلفاء نے اہل ذمہ پر ان کی ہمت سے زیادہ جزیہ مقرر کر رکھا تھا۔ جس پر وہ اپنے مال کو سستا بیچنے پر مجبور تھے۔ جبکہ میں لوگوں کو ان کی طاقت کے بقدر ہی مکلّف بناتا ہوں، اسی لیے لوگ اپنا مال جس بھاؤ پر چاہے بیچتے ہیں۔'' اس پر میں نے کہا کہ تو پھر آپ اشیاء کی نرخ بندی خود کیوں نہیں کر دیتے؟ آپ نے فرمایا: ''اس کا اختیار ہمیں نہیں چیزوں کے نرخ اللہ کے سپرد ہیں۔'' ❸

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز نے حرام چیزوں کی خرید وفروخت کو سختی کے ساتھ منع کیا۔ چنانچہ شراب جوام الخبائث ہے، اس کے حرام اور ضرر رساں ہونے کی بنا پر مسلمانوں کے لیے اس کا لین دین قطعاً حرام ہے۔ یہی شراب خون ناحق کے ارتکاب تک لے جاتی ہے اور آدمی کو حرام کھانے پر آمادہ کرتی ہے۔ ❹ اگر ہمارے حکم پہنچنے کے بعد بھی کوئی شراب پیتا پکڑا گیا تو ہم اس کے جان و مال میں ایسی سزا دیں گے جو دوسروں کے لیے بھی عبرت کا باعث بنے گی۔ ❺

غرض سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ردِ مظالم اور حریتِ کسب وتجارت کی سیاست نے لوگوں کے لیے کام اور ترقی کے وسیع مواقع پیدا کیے۔ آپ کی سیاست نے اقتصادی حریت اور ترقی کی راہ کی ہر رکاوٹ کو دور کیا۔ جس سے تجارت کو فروغ ملا اور تجارت کے فروغ نے پیداواری وسائل میں بے پناہ اضافہ کیا جس کا مآل زکوۃ کی کثرت کی صورت میں نکلا اور زکوۃ کی کثرت نے تنگدستوں کے معیار زندگی کو بھی بلند کیا۔ اب ان کی قوت خرید میں بھی اضافہ ہوا جس سے ایک طرف مال کی کھپت میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف رسد کی

❶ سيرة عمر لابن عبدالحكم، ص: ۹۸

❷ الادارة الاسلامية، ص: ۱۰۵ از محمد كرد

❸ السياسة الاقتصادية والمالية لعمربن عبدالعزيز، ص: ۴۸

❹ السياسة الاقتصادية والمالية لعمربن عبدالعزيز، ص: ۴۸

❺ سيرة عمر بن عبدالعزيز، ص: ۱۰۳ از ابن عبدالحكم

طلب میں اضافہ ہوا اور بازار میں سامان اور اشیائے صرف کی مانگ میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ اور ان سب کا مجموعی نتیجہ اقتصادی اور معاشی ترقی کی صورت میں نکلا۔ جس سے معیار زندگی بھی بلند ہوا اور ملک کی خوشحالی اور آسودگی میں بھی قابل قدر اضافہ ہوا۔ [1]

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور خلافت میں ہر قسم کی آزادی کی ضمانت تھی۔ البتہ یہ آزادی شرعی حدود وقیود کی پابند تھی، اسی لیے تو معاشرہ ترقی کرتا گیا، بے شک ''حریت'' فرد اور معاشرے کا اساسی حق ہے تاکہ ہر شخص اپنے ذاتی منافع حاصل کر سکے اور اپنی صلاحیتوں کو ظاہر کر سکے۔ جبکہ آزادی کا سلب کر لینا یہ معاشرے کی اہم صلاحیتوں کو مار کے رکھ دینا ہے۔ جس سے معاشرے کے افراد مردوں جیسے بن جاتے ہیں، بے شک اسلام میں ''حریت'' یہ وہ ''شمع'' ہے جو نفس کے اندر جلتی ہے اور قوائے نفس کو رب کی ذات کے ساتھ ملا دیتی ہے پھر اللہ کے ساتھ یہ تعلق انسان کو بلندی کے اعلیٰ درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ جس سے نفس نیکی کے کاموں کے لیے بے حد مستعد اور چاک وچوبند ہو جاتا ہے، اور وہ زمین وآسمان کے رب کی رضا جوئی میں پوری توجہ کے ساتھ لگ جاتا ہے۔

بے شک ''آزادی'' اسلامی معاشرے کا ایک اہم ستون ہے۔ جس پر خلافتِ عمر بن عبدالعزیز قائم تھی۔ جس کے انوارات آج بھی زمانے کے چہرے پر واضح نظر آتے ہیں۔ [2]

[1] السیاسة الاقتصادیة والمالیة لعمربن عبدالعزیز، ص: ٤٨

[2] المجتمع الاسلامی، ص: ٢٤٥ مع تصرف از محمد ابوعجوة

دوسری فصل:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اہم صفات اور تجدیدی آثار

ا......سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اہم صفات

سیّدنا عمر رحمہ اللہ بے حد پرکشش اور قائدانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ آپ ربانی قیادت کے مظہر تھے۔ آپ کی اہم صفات میں ان باتوں کو شمار کیا جاتا ہے۔

رب تعالیٰ کی ذات اور عظمت پر پختہ ایمان، آخرت پر ایمان، رب تعالیٰ کا خوف، بے پناہ علم، رب تعالیٰ پر بے انتہا بھروسہ، اسوہ، صدق وصفاء، شجاعت وبسالت، قوت وطاقت، زہد وقناعت، مروت ورواداری، قربانی کا جذبہ، عاجزی وانکساری، نصیحت کا قبول کرنا، حلم و برداشت، صبر وثبات، عالی ہمتی، حزم واحتیاط، مضبوط نظم ونسق، عدل وانصاف، حلِ مسائل کا ملکہ، مشکلات سے نبرد آزما ہونے کی اعلیٰ استعداد، تنظیمی صلاحیت، امور کی دیکھ بھال وغیرہ وغیرہ۔

آپ اپنی خداداد ربانی صلاحیتوں کے بل بوتے پر اپنے اصلاحی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب رہے۔ اور خلافت کے وہ آثار جو ظلم وجور کی حکومتوں میں مٹتے جا رہے تھے، آپ نے ان کو ازسرنو زندہ اور تازہ کیا۔ آپ نے اپنے رستے کی سب رکاوٹوں کو دور کیا حتی کہ آپ کی انفرادی، معاشرتی اور ملکی سطح کی جملہ مساعی کو خاطر خواہ اور عظیم نتائج حاصل ہوئے۔ حتی کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحی وتجدیدی کوششیں ان لوگوں کے لئے منارۂ نور اور منزل تک پہنچنے کے لیے سنگ میل کی حیثیت اختیار کر گئیں جو اسلام کی عظمتِ رفتہ کی بحالی اور نشاۃ ثانیہ کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے

چنانچہ نورالدین زنگی نے اپنے دور میں آپ کے نقش قدم پر چل کر دکھایا، جس کے نتیجہ میں نورالدین زنگی کو صلیبی جنگوں میں ناقابل فراموش فتوحات حاصل ہوئیں۔ نورالدین زنگی کی فتوحات میں رب کے فضل کے بعد نورالدین زنگی کے شیخ ابوحفص عمر محمد خضر متوفی ۵۷۰ھ کا اہم کردار تھا۔ جنہوں نے نورالدین زنگی کی رہنمائی کے لیے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ایک جامع سوانح لکھی تھی تا کہ نورالدین اپنی دعوتی اور جہادی کوششوں میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی پاکیزہ زندگی کو اپنے سامنے رکھے اور انہی کے نقشِ قدم پر چلے۔

آیئے ذیل میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اہم صفات کا ایک اجمالی تعارف پڑھتے ہیں:

خوفِ الٰہی کا عالم:

بے شک سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا سب سے امتیازی وصف، نمایاں خوبی اور ہر نیکی کا داعی ومحرک وہ آپ کا رب تعالیٰ اور آخرت پر پختہ ایمان، رب کا خوف اور جنت کا شوق تھا۔ یہی وہ قوی ایمان ہے جو آپ کے دورِ شباب کا امتیازی وصف بھی تھا۔ اور اس کے مظاہر آپ کی ذات میں اس وقت بھی نظر آتے تھے جب آپ خلافت وحکومت کی قوت کے ساتھ متصف بھی تھے۔ جو ایک انسان کو شیطانی تسویلات، قوی مادی شکنجوں اور نفس کے دھوکوں سے بچاتا ہے۔ اور آدمی کو نفس کے باریک محاسبہ پر تیار کرتا ہے۔ اور اسے حق کے رستے پر قائم رکھتا ہے۔ [1] سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جنت کے مشتاق تھے اسی لیے دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے تھے، کیونکہ آپ کا اس بات پر پختہ یقین تھا:

﴿يَا قَوْمِ إِنَّمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ﴾ (الغافر: ۳۹)

"بھائیو! یہ دنیا کی زندگی (چندروزہ) فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔"

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنی فطرت سلیمہ اور عقیدہ صحیحہ کی بدولت اس بات کا ادراک حاصل کر لیا تھا کہ ایک مومن کو دنیا سے زیادہ اپنی آخرت کا اہتمام کرنا چاہیے۔ چنانچہ آپ یزید بن مہلب کو خط میں لکھتے ہیں: اگر مجھے بیویاں کرنے اور مال اکٹھا کرنے کا شوق ہوتا تو رب تعالیٰ نے جو مجھے عطا کیا ہے میں اس میں سے یہ سب کچھ اور اتنا بنا لیتا کہ خلق خدا میں سے کوئی اس تک پہنچ نہ سکتا۔ لیکن اللہ نے مجھے جس چیز میں مبتلا کیا ہے میں اس کے سخت حساب سے اور اس کے عظیم سوال سے ڈرتا ہوں مگر یہ کہ اللہ ہی معاف کردے اور رحم کردے۔ [2]

خوف الٰہی کی اس شدت کو بیان کرتے ہوئے آپ کی اہلیہ فاطمہ بنت عبدالملک کہتی ہے: اللہ کی قسم! آپ دوسروں سے زیادہ نمازی اور روزہ دار نہ تھے۔ ہاں جتنا اللہ سے ڈرتے میں نے آپ کو دیکھا ہے اتنا کسی کو ڈرتے نہیں دیکھا۔ آپ اپنے بستر پر لیٹے اللہ کا ذکر کر رہے ہوتے تھے اور رب تعالیٰ کے خوف کی شدت سے کسی بے بس چڑیا کی طرح لرز اور کانپ رہے ہوتے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر ہم گھر والے یہ کہہ اٹھتے تھے کہ صبح تک لوگوں کے یہ خلیفہ (باقی) نہ رہیں گے (یہ مارے خوف کے اپنی جان ہی دے دیں گے)۔ [3]

---

[1] النموذج الاداری المستخلص من ادارة عمر، ص: ١٤٠

[2] تاریخ الطبری نقلا عن النموذج الاداری، ص: ١٤٠

[3] سیرة عمر بن عبدالعزیز لابن عبد الحکم، ص: ٤٢

مکحول کہتے ہیں: اگر میں اس بات کی قسم اٹھالوں تو سچا ہوں گا کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے زیادہ رب سے ڈرنے والا اور دنیا کا زاہد کوئی نہیں دیکھا۔ ❶

اسی خوف خدا کی شدت سے آپ بے حد گریہ کرنے والے تھے اور ذرا ذرا سی بات پر رو پڑتے تھے۔ ایک دفعہ ایک آدمی آپ سے ملنے آیا۔ اس وقت آپ کے سامنے آگ سے بھری انگیٹھی رکھی تھی۔ آپ نے آنے والے سے کہا کہ ''مجھے کوئی نصیحت کریں'' وہ بولا ''اے امیر المومنین! جب آپ خود جہنم میں جائیں گے تو کسی کا جنت میں جانا آپ کے کس کام کا اور اگر آپ جنت میں داخل ہوگئے تو کسی کے جہنم میں جانے سے آپ کا کیا نقصان'' اس پر آپ رو پڑے۔ ❷ یہاں تک کہ سامنے پڑی انگیٹھی کی آگ بجھادی گئی۔

آپ سب سے زیادہ قیامت کے دن سے ڈرتے تھے۔ چنانچہ آپ رب تعالیٰ سے یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں قیامت کے دن کے علاوہ بھی کسی چیز سے ڈرتا ہوں تو مجھے اس چیز کے خوف سے امن نہ دینا۔ ❸ اسی دن کے خوف نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی زندگی میں بنیادی تبدیلی پیدا کردی تھی۔ آپ قیامت کے دن کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''تمہیں ایک ایسے دن کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ اگر ستاروں کو اس کی طرف متوجہ کیا جائے تو وہ ماند پڑ جائیں، اگر پہاڑوں کو ان کی طرف متوجہ کیا جائے تو وہ ریزہ ریزہ جائیں اور اگر زمین کو اس کی طرف متوجہ کیا جائے تو وہ پھٹ جائے۔ کیا تم لوگ یہ بات نہیں جانتے کہ جنت اور دوزخ کے بیچ میں کوئی تیسری منزل نہیں ہے اور تمہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف لامحالہ جانا ہے۔'' ❹

جی ہاں! خوفِ خدا، دنیوی زندگی کی حقیقی تصویر، دنیا کی فنائیت، آخرت کی ابدیت، یوم حساب کا احساس، جنت ودوزخ کے مشاہد کا ڈر، یہ ایسی باتیں ہیں جو حکام وولاۃ اور امراء وسلاطین کو رب کی مرضی سے بال برابر بھی منحرف نہیں ہونے دیتیں۔ ❺ یوم حساب کا احساس اور خیال وغیرہ ان اعتقادی صفات میں سے ہے جو کسی قائد کو رب کی مرضیات کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھانے دیتیں، پھر اس کا ہر قول وفعل رب کی رضا کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔ لیکن افسوس کہ آج کی قیادت نے ان صفات سے خود کو آراستہ کرنا چھوڑ دیا ہے اور اب ان میں ڈھونڈنے سے بھی ان صفات کا پتا نہیں چلتا حالانکہ یہی وہ اہم صفات ہیں جن سے آراستہ ہونا ایک قائد کے لیے از حد ضروری ہے کیونکہ یہی صفات قیادت کی نجات کے لیے ضروری اور اساسی ہیں۔

بے شک سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سب سے اہم، امتیازی اور نمایاں صفات اللہ اور روز آخرت پر

---

❶ تاریخ الخلفاء للسیوطی، ص: ۲۲۱ ❷ سیرة عمربن عبدالعزیز، ص: ۹۰

❸ تاریخ الخلفاء، ص: ۲۲٤ ❹ سیرة عمربن عبدالعزیز لابن الجوزی، ص:۲۳۲

❺ ملامح الانقلاب، ص:٤٥ از عماد الدین خلیل

پختہ ایمان رکھنا اور اللہ اور روز قیامت سے ڈرنا تھیں۔ ❶

زہد اور دنیا سے بے رغبتی:

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے قرآن کریم کے مطابق زندگی گزارتے اور رسالت مآب ﷺ کی مبارک سیرت پر چلتے ہوئے اور اس دنیاوی زندگی میں گہری نگاہ ڈالنے کے بعد اس بات کو خوب سمجھ لیا تھا کہ یہ دنیا آزمائش اور امتحان کی جگہ ہے اور آخرت کی کھیتی ہے۔ اسی لیے آپ نے خود کو دنیا کی زیب وزینت، رونق اور چمک دمک سے خود کو آزاد کر لیا اور ظاہر و باطن کے ساتھ رب کی فرمانبرداری اور طاعت و انقیاد کو اختیار کر لیا۔ اور آپ ان حقائق تک پہنچ گئے جو آپ کے دل میں اور رگ رگ میں پیوست ہو گئے تھے۔ اور ان حقائق نے آپ کی دنیا سے زہد اختیار کرنے میں بے حد مدد کی۔ ان حقائق میں سے چند ایک کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

الف: آپ کا اس بات پر کامل یقین تھا کہ ہم اس دنیا میں مسافر یا راہ گیر ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''دنیا میں یوں رہو جیسے پردیسی یا راہ چلتا مسافر ہوتا ہے۔'' ❷

ب: اللہ رب العزت کے نزدیک اس دنیا کی کوئی قیمت اور وزن نہیں۔ اگر اس دنیا میں کسی کی قیمت ہے تو وہ رب تعالیٰ کی طاعت کی ہے۔ چنانچہ حضرت رسالت مآب کا ارشاد پاک ہے: ''اگر یہ دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ اس دنیا سے کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے۔ ❸

ج: اس دنیا کی عمر ختم ہونے والی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''میں اور قیامت یوں بھیجے گئے ہیں'' پھر آپ ﷺ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو ملا کر سمجھایا۔'' ❹

د: آخرت باقی رہنے والی اور رہنے کا گھر ہے۔

غرض ان حقائق نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو زاہد دنیا بنا دیا، جس کا سب سے پہلا اثر یہ مرتب ہوا کہ آپ نے حرام سے زہد اختیار کر لیا اور پھر مباح سے بھی بے رغبتی اختیار کر لی اور زہد کا سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تم اپنے پاس موجود ہر زائد چیز سے زہد اختیار کر لو اور جو کچھ ہاتھ میں ہے اس سے غناء اختیار کر لو۔ ❺

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا زہد کتاب وسنت کی تعلیمات پر مبنی تھا۔ اسی لیے آپ نے ہر اس بات کو ترک کر دیا جس کا آخرت میں کوئی فائدہ نہ تھا۔ اور آپ اپنے پاس موجود دنیا کی کسی چیز سے بھی خوش نہ

❶ النموذج الاداری المستخلص من ادارة عمر، ص: ۱٤۲

❷ جامع الترمذی، کتاب الزھد، رقم: ۲۳۳۳۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

❸ جامع الترمذی، کتاب الزھد، رقم: ۲۳۲۰

❹ صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعة، رقم: ۱۳۲۔۱۳۵

❺ النموذج الاداری المستخلص من ادراة عمر، ص: ۱٤۸

ہوتے تھے جن میں سرفہرست امر خلافت تھا۔ اور نہ آپ دنیا کسی چیز کے ہاتھ سے نکل جانے پر کسی قسم کا غم محسوس کرتے تھے۔ اسی لیے آپ نے قدرت کے باوجود دنیا جمع نہ کی اور امور آخرت میں اور رب کے ہاں موجود نعمتوں کے پانے میں مشغول ہو گئے۔ ❶

مالک بن دینار کہتے ہیں: ''لوگ کہتے ہیں کہ مالک بن دینار زاہد ہے، حالانکہ زاہد تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تھے جن کے پاس دنیا چل کر آئی اور انہوں نے دینار کو چھوڑ دیا۔'' ❷

ابن عبدالحکم کہتے ہیں: جب آپ نے خلافت سنبھالی تو دنیا سے زہد اختیار کر لیا۔ اور اپنی ہر چیز کو ترک کر دیا اور طرح طرح کے کھانے ترک کر دیئے جب آپ کے لیے کھانا تیار کیا جاتا تو اسے کسی برتن میں ڈال کر ڈھانپ دیا جاتا۔ جب آپ آتے تو برتن کا سرپوش ہٹا کر جو ہوتا کھا لیتے۔ ❸ آپ کھانے کا کوئی خاص اہتمام نہ کرتے ہاں جس سے بھوک اتر جائے اور کمر سیدھی ہو جائے اس کو کافی سمجھ لیتے۔ سالم بن زیاد کے اثر میں ہے کہ آپ اپنے گھر والوں کے صبح وشام کے کھانے میں روزانہ دو درہم خرچ کرتے تھے۔ ❹ لباس موٹا جھوٹا ہوتا۔ گزشتہ حکمرانوں کی طرح زرق برق لباس کا آپ کے ہاں تصور تک نہ تھا۔ اس لیے آپ نے گزشتہ امراء کی سب فضولیات کو بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں جمع کرا دی تھی۔ ❺

باندیوں اور غلاموں کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ چنانچہ جو باندی کسی سے ناحق لی ہوئی تھی اسے اسکے مالک تک پہنچا دیا۔ جبکہ غلاموں کو اندھوں، بے بسوں اور محتاجوں میں تقسیم کر دیا۔ آپ عیش وعشرت، فخر ومباہات اور فضول خرچی کے سب کاموں کے سخت خلاف تھے۔ ❻

اب آپ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں بھی سن لیجئے، ابن عبدالحکم کی روایت کہ آپ اہلیہ فاطمہ بنت عبدالملک بیان کرتی ہیں کہ آپ نے امر خلافت سنبھالنے کے بعد کبھی غسلِ جنابت نہ کیا تھا سوائے تین مرتبہ کے یہاں تک کہ اللہ سے جا ملے، اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں، ''یہاں تک کہ وفات پا گئے۔ ❼ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو یقیناً یہ بات آپ کی سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شدید محبت کے خلاف ہے اور آپ سے یہ بات بے حد مستبعد (دور) ہے کہ آپ سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کر دیں۔ اور اپنی بیویوں کے حقوق مار کر ان پر ظلم کریں کیونکہ بیویوں کے پاس جانے کو ترک کرنا اور ان سے لطف اندوز ہونے کو خود پر حرام کر لینے کا اس اسلامی زہد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں جس کو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ بے شک یہ مسلم سوسائٹی میں گھس آنے والی ایک خلاف اسلام روش ہے جس پر بعض بدعتی اور

❶ الآثار الواردة عن عمر بن عبدالعزيز في العقيدة، : ١/ ١٤٦
❷ حلية الاولياء، : ٥/ ٢٥٧
❸ سيرة عمر لابن عبدالحكم، ص: ٤٣
❹ سيرة عمر لابن عبدالحكم، ص: ٣٨
❺ الآثار الواردة من عمر بن عبدالعزيز في العقيدة: ١/ ١٥٥ .
❻ الآثار الواردة: ١/ ١٥٥
❼ سيرة عمر لابن عبدالحكم، ص: ٥٠ .

سنتِ نبویہ سے منحرف فرقے بے حد فخر کرتے ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ اس بات کے مدعی بھی ہیں کہ یہ خلاف سنت روش اسلامی زہد ہے۔ ان لوگوں نے اس باب میں ایسے ایسے خود ساختہ افسانے بنا رکھے ہیں۔

جن کا اسلام کے ساتھ یقیناً کوئی تعلق نہیں اور اس باب میں ان لوگوں نے عجیب وغریب مواعظ ونصائح اور وصایا تراش رکھے ہیں۔ ذیل میں ان حیرت انگیز اقوال کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

- جس نے بھی عورتوں اور کھانے کی لذت ترک کردی اس سے کرامتوں کا ظہور ہو کر رہے گا۔
- جس نے بیوی کرلی اس نے دنیا اپنے گھر میں داخل کرلی۔ پس شادیاں کرنے سے بچو۔ [1]
- جب تک کوئی آدمی اپنی بیوی کو یوں چھوڑ نہ دے کہ جیسے وہ بیوہ اور اس کے بچے یتیم ہوں وہ صدیق کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا اور ابھی تک وہ بس باتوں کی حد تک ہے حقیقت تک نہیں پہنچا۔
- جو عورتوں کی رانوں کا عادی ہو گیا وہ فلاح نہ پائے گا۔
- جس نے بھی شادی کرلی اس نے دنیا سے دل لگالیا۔ [2] وغیرہ وغیرہ

بے شک یہ عجیب وغریب اقوال اسلام کے معتدل اور متوسط مزاج کے سخت خلاف ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں۔'' [3]

خلاصہ یہ ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا زہد کتاب وسنت کا پابند تھا اور اس بابت آپ کی طرف منسوب متعدد واقعات اور اقوال، نبی کریم ﷺ کی مبارک سیرت کے مخالف ہونے کی بنا پر پایہ صحت کو نہیں پہنچتے۔ مال جمع کرنے کی بابت آپ کا زہد ہمارے موجودہ دور کے حکمرانوں کے بالکل برعکس تھا۔ خلافت قبول کرتے وقت آپ کا غلہ ہزار دینار کا تھا جب کہ وفات کے وقت اس کی مقدار چار سو دینار تک رہ گئی اور اگر مزید زندگی پاتے تو شاید یہ مقدار بھی باقی نہ رہتی۔ [4] کیونکہ آپ بیت المال سے تنخواہ نہ لیتے تھے۔ [5] بے شک آپ اپنے زمانے کے زاہد تھے اگرچہ سب سے بڑے زاہد نہ بھی تھے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ دنیا اتنا خوش نہیں کرتی جتنا غم لاتی اور رلاتی ہے۔ یہ بہت تھوڑا خوش کرتی ہے اور لمبا غم دیتی ہے۔ [6]

آپ کے زہد کے بے شمار واقعات ہیں۔ چنانچہ شیخ ابو حفص عمر بن محمد خضر نے اس بابت ۲۸ واقعات نقل کیے ہیں۔ [7] سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ زہد کے اس بلند مرتبہ تک جا پہنچے تھے۔ اور انہوں نے خود کو زاہدوں

---

[1] ہمارے اس دور میں ایک نام نہاد مبلغ جماعت کے بھی معیشت وتجارت، معاش واقتصاد، تدبیر منزل، امور مملکت، معاشرتی وازدواجی زندگی، بیوی بچوں اور قرابت داروں کے بارے میں ایسے ہی گمراہ، بدعتی اور خلاف کتاب وسنت افکار ونظریات ہیں۔ (مترجم)

[2] الطبقات للشعرانی: ۱/ ۳٤

[3] فتح الباری علی صحیح البخاری: ۹/ ۱۰٤

[4] حلیة الاولیاء: ٥/ ۲٥۷.

[5] سیرة عمر لابن الجوزی، ص: ۱۸٦۱

[6] النموذج الاداری المستخلص من ادارة عمر، ص: ۱٥۱

[7] الکتاب الجامع لسیرة عمر بن عبدالعزیز: ۱/ ۳٦٦۔ ۳۷۸

کی صفات سے اس طرح آراستہ کر لیا تھا کہ اس مقام و مرتبہ تک پہنچنے کا ہمارے دور کے مادی ماحول میں سانس لینے والے حکمران تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آج ہر چیز پر مادیت کا غلبہ ہے بلکہ آج ہر ایک دوسرے کی دنیا کی ریس میں لگا ہوا ہے، اگر ہمارے اس مادی دور کے آج کے قائدین و زعماء خود کو زہد سے متصف نہیں کر سکتے تو کم از کم طمع اور حرص سے تو خود کو بچا لیں اور اگر ایسا بھی ممکن نہیں تو حلال مال پر ہی اکتفاء کر جائیں اور اپنی دنیاوی خواہشات کو دبانے کی قرار واقعی کوشش کریں تاکہ وہ بھی جنت کی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے ان باتوں کی طرف رغبت اور مستعدی کا اظہار کریں جن کے پانے کے لیے جناب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہر وقت مستعد اور کوشاں رہتے تھے۔

اس بحث کا خاتمہ ہم جناب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اس زہد کے واقعہ کے بیان پر کرتے ہیں:

''ایک دفعہ آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام مزاحم سے کہا کہ میرا حج پر جانے کو دل کر رہا ہے۔ اس پر مزاحم نے کہا: ضرور! اور آپ جانے کی تیاری شروع کر دیجیے کیونکہ ہمارے پاس بعض بنی مروان کے سترہ ہزار دینار آئے ہیں۔ آپ نے کہا ان کو بیت المال میں جمع کرا دو اگر تو یہ حلال کے ہوئے تو ہم ان میں سے بقدر کفایت لے لیں گے اور اگر یہ حرام کے ہوئے تو ان پر جو عذاب ملنے والا ہے ان کے نہ لینے سے اس عذاب سے ہماری کفایت ہو جائے گی۔'' مزاحم کہتے ہیں کہ جب آپ نے یہ دیکھا کہ آپ کی یہ بات مجھے ناگوار گزری ہے تو بولے: ''اے مزاحم! تیرا بھلا ہو۔ تم اللہ کے لیے جو بھی کرو اسے کبھی زیادہ مت سمجھنا'' اللہ نے مجھے ایسا ولولہ انگیز نفس دیا ہے کہ یہ جس منزل کی تمنا کرتا ہے اس کو پا کر ہی دم لیتا ہے مگر پھر اس سے اگلی منزل کا مشتاق ہو جاتا ہے یہاں تک کہ آج میرے نفس کو ایک ایسی منزل کا شوق لگ گیا ہے جس کے بعد کوئی منزل نہیں، لو کہ وہ منزل جنت ہے۔'' [1]

تواضع وانکساری:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ (الفرقان: ٦٣)

''اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں۔''

ابن قیم رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں: یعنی رب کے بندے زمین پر تواضع اختیار کرتے ہوئے سکینہ اور وقار کے ساتھ چلتے ہیں۔ [2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے: ''رب تعالیٰ نے میری طرف اس بات کی وحی بھیجی ہے کہ تواضع

[1] سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص:٦٢
[2] مدارج السالکین: ٢/ ٣٤٠

اختیار کرو۔ یہاں تک کہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے پر فخر نہ کرے اور کوئی دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔'' ❶

بے شک سیّدنا عمر بن عبدالعزیز کی یہ بنیادی اور نمایاں صفات حمیدہ میں سے ایک صفت تھی۔ آپ کے زہد نے آپ کو سراپا تواضع بنا دیا تھا۔ کیونکہ اللہ کے لیے زہد اختیار کرنے کی بنیادی شرط تواضع ہے۔ ❷ اس لیے آپ کی زندگی کا ہر پہلو، ہر شعبہ اور ہر معاملہ تواضع کی منہ بولتی تصویر تھا۔ اور یہی وہ بنیادی صفت ہے جس کا تقاضا ہر اس قائد، لیڈر، امیر، رہنما، حاکم، سلطان اور خلیفہ سے کیا جاتا ہے جو رب سے ڈرتا ہو، اور اس کے خزانوں اور نعمتوں کا امیدوار ہو اور وہ رعیت سے طاعت وولاء کا بھی خواستگار ہو۔ ❸

آپ کی تواضع پر یہی دلیل کافی ہے کہ جب ایک شخص نے آپ کو ان الفاظ کے ساتھ پکارا: اے زمین میں اللہ کے خلیفہ! تو آپ نے اسے برجستہ جواب دیتے ہوئے کہا: ذرا ٹھہرو! میرے پیدا ہونے پر میرے گھر والوں نے میرے لیے عمر نام کو پسند کیا تھا۔ اس لیے تم بھی مجھے عمر کہہ کر پکارو کہ یہ نام مجھے زیادہ پسند ہے اور جب میں نے اپنی کنیت رکھنے کا ارادہ کیا تو میں نے اپنی کنیت ابوحفص رکھی، اس لیے تم مجھے اگر ابوحفص کہہ کر پکارو تو مجھے زیادہ اچھا لگے گا۔ اور جب تم لوگوں نے اپنے امور کا مجھے والی بنایا تو میرا نام امیرالمومنین رکھا اس لیے اگر تم مجھے امیرالمومنین کہہ کر پکارو تو مجھے یہ زیادہ اچھا لگے گا۔ رہ گیا زمین میں اللہ کا خلیفہ ہونا تو میں ہرگز اس لائق نہیں۔ زمین میں اللہ کے خلیفہ تو داؤد اور سلیمان اور نبی کریم ﷺ تھے یا ان جیسے لوگ (یعنی اللہ کے پیغمبر) تھے۔ ❹

دراصل آپ کا اشارہ اس آیت کی طرف تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلْنَٰكَ خَلِيفَةً فِي ٱلْأَرْضِ﴾ (ص: ٢٦)

''اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا۔''

یہ آپ کی تواضع ہی تھی کہ آپ نے لوگوں کو اپنے لیے کھڑے ہونے سے منع کیا۔ آپ نے کہا: اے لوگو! اگر تم کھڑے ہوگے تو ہم بھی کھڑے ہوں گے اور اگر تم بیٹھو گے تو ہم بھی بیٹھیں گے۔ بے شک لوگ اپنے خدائے رب العالمین کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔ آپ اپنے دربانوں سے کہا کرتے تھے: مجھے پہلے سلام نہ کرنا۔ بلکہ تمہیں پہلے سلام ہم کریں گے۔ ❺

آپ اس قدر متواضع تھے کہ اپنا چراغ خود ٹھیک کر لیا کرتے تھے۔ ایک رات آپ کے پاس چند لوگ

---

❶ صحیح مسلم، رقم: ۲۸۶۵۔ ❷ عمر بن عبدالعزیز، ص: ۱۰۵ از زحیلی۔

❸ النموذج الاداری المستخلص من ادارة عمر، ص: ۱۵۲۔

❹ سیرة عمربن عبدالعزیز لابن عبدالحکم، ص: ٤٨

❺ سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ٣٤-٣٥

کسی کام آئے ہوئے تھے کہ اتنے میں چراغ کی بتی بجھ گئی۔ آپ اٹھ کر خود چراغ کو درست کرنے لگے۔ کسی نے کہا: امیر المومنین! یہ کام ہم کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''بھلا اتنا سا کام کرتے ہوئے مجھے کیا ہوا؟ جب میں چراغ ٹھیک کرنے گیا تو اس وقت بھی عمر بن عبدالعزیز تھا اور جب واپس آیا تو تب بھی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تھا۔'' [1] آپ کی تواضع کا یہ واقعہ بھی عبرت آموز ہے کہ ایک دن آپ نے اپنی ایک کنیز سے کہا کہ ''ذرا ہمیں پنکھا تو جھیلو۔'' کنیز پنکھا لے کر جھیلنے لگی۔ ٹھنڈی ہوا لگی تو آنکھ لگ گئی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا کہ باندی پسینے سے شرابور ہے اور اس کا منہ سرخ ہے اور وہ تھک کر سو چکی تھی۔ آپ نے پنکھا لیا اور اس کو ہوا دینے لگے۔ اتنے میں اس کی بھی آنکھ کھل گئی۔ جب اس نے امیر المومنین کو پنکھا جھیلتے دیکھا تو مارے خوف کے سر پیٹ لیا اور لگی چیخنے کہ غضب خدا کا امیر المومنین اور اس کو پنکھا جھیلیں۔ آپ نے فرمایا: گھبراؤ نہیں تم بھی میرے جیسی ایک انسان ہو جیسے مجھے گرمی لگی تھی ویسے ہی تمہیں بھی لگی۔ تو میں نے چاہا کہ جیسے تم نے مجھے پنکھا جھیلا تھا میں بھی تمہیں پنکھا جھیلوں۔ [2]

بے شک آپ بے حد فصیح و بلیغ اور قادر الکلام تھے لیکن اس کے باوجود کم بولتے تھے کیونکہ آپ اس بات سے ڈرتے تھے کہ آپ اپنی زبان آوری اور قادر الکلامی پر ناز نہ کرنے لگیں۔ یا لوگ آپ کو بے حد فصیح و بلیغ نہ سمجھنے لگیں۔ اس لیے آپ خود بھی یہ کہا کرتے تھے کہ میں خود پسندی اور عجب اور اتراہٹ کے ڈر سے کم بولتا ہوں۔ [3]

ایک دن ایک شخص نے آ کر یہ کہا ''اے امیر المومنین! آپ سے پہلوں کے لیے خلافت زینت تھی جبکہ خلافت کے لیے آپ زینت ہیں، آپ کی مثال وہی ہے جو شاعر نے اس شعر میں بیان کی ہے......

''یہ موتی دوسروں کے چہروں کو تو حسین بناتے ہیں لیکن اے میرے محبوب! تیرے چہرے کا حسن خود انہیں حسین بنا دیتا ہے۔''

یہ سن کر آپ نے اس شخص سے اعراض کر لیا۔ [4]

ایک آدمی نے آپ سے یہ کہا: اللہ اسلام کی طرف سے آپ کو جزائے خیر دے تو آپ نے اسے جواب میں یہ کہا نہیں بلکہ اللہ اسلام کو میری طرف سے خیر کا بدلہ دے۔ [5]

ایک دفعہ ایک شخص نے بھری مجلس میں آ کر صرف آپ کو سلام کرتے ہوئے یہ کہا: ''اے امیر المومنین! السلام علیک۔ تو آپ نے اسے کہا: اے اللہ کے بندے! سب کو سلام کرو۔'' [6]

---

[1] سیرۃ عمر، ص: ۳۹ از ابن عبدالحکم
[2] اخبار ابی حفص للآجری، ص: ۸٦
[3] اخبار ابی حفص، ص: ۸٤
[4] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۳٦
[5] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۷٤
[6] الطبقات: ۵/ ۳۸٤

یوں آپ سب کے ساتھ عاجزی سے پیش آتے، کسی کے ساتھ تکبر نہ کرتے، بلکہ خلافت نے آپ میں اور زیادہ تواضع اور شفقت و رحمت پیدا کر دی تھی، منصب خلافت نے آپ کو حق کے آگے سراپا تسلیم و رضا بنادیا تھا۔ چنانچہ آپ لوگوں کے سامنے زمین پر بیٹھ جاتے، اپنے سامنے دربانوں اور محافظوں کو کھڑا کرنا پسند نہ فرماتے۔ اور جو آپ کی بے حد تعظیم کرتا یا خاص آپ کو سلام کرتا اس پر سختی فرماتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ کو سواری، لباس، اور کھانے پینے میں کوئی امتیاز پسند نہ تھا۔ ❶

تقویٰ و ورع:

ورع یہ وہ امتیازی صفت ہوتی ہے جو نقصان دہ چیزوں سے انسان کو روکتی ہے تاکہ انسان ان حرام اور مشتبہ امور میں داخل نہ ہو جائے جو انسان کی دنیا و آخرت دونوں کے لیے نقصان دہ ہیں۔ پس جو شبہات سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت و آبرو کو بچا لیتا ہے، اور جو شبہات میں جا پڑتا ہے وہ حرام میں بھی گھس جاتا، جیسے وہ چرواہا جو چراگاہ کے آس پاس جانور چراتا ہے تو بہت جلد اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ ❷

ورع اصل میں محارم سے رکنے اور ان کے ارتکاب سے بچنے کا نام ہے۔ پھر اس لفظ کو مجازاً مباح حلال سے بچنے کے معنی میں استعمال کیا جانے لگا۔ ❸

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو رب تعالیٰ نے اس صفت سے بھی نوازا تھا۔ چنانچہ آپ شبہات تک سے بھی بچتے تھے۔ جس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ بیان کیا جاتا تھا کہ آپ کھانے میں شہد کو پسند کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے گھر والوں سے کھانے میں شہد مانگا۔ اس وقت گھر میں شہد موجود نہ تھا۔ پھر کسی موقع پر شہد پیش کر دیا گیا۔ آپ نے کھا لیا آپ کو وہ شہد بے حد پسند آیا۔ آپ نے اہلیہ سے پوچھا "یہ شہد کہاں سے آیا تھا؟ اہلیہ نے بتلایا کہ میں نے خادم کو ڈاک کے خچر پر سوار کر کے دو دینار دے کر بھیجا تھا۔ وہ اسے خرید لایا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا، "میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ وہ شہد میرے پاس لے آؤ، اہلیہ شہد کی ایک کپی لے آئی۔ ❹ آپ نے وہ شہد بیچا تو وہ دو دینار سے زیادہ کا بکا۔ آپ نے دو دینار تو اہلیہ کو واپس کر دیے جبکہ باقی کی رقم بیت المال میں جمع کرادی۔ پھر فرمایا، "اب مسلمانوں کے جانور (مراد سرکاری ڈاک کا خچر تھا جو خادم شہد خریدنے کے لیے بازار لے گیا تھا) عمر کی خواہش پوری کرنے کے لیے تھکائے جاتے ہیں۔" ❺

---

❶ عمر بن عبدالعزیز، ص: ۱۲۳ از عبدالستار شیخ ❷ الفتاوی: ۱/ ۶۱۵

❸ لسان العرب: ۸/ ۲۸۸

❹ کتاب میں عُکّہ کا لفظ آیا ہے۔ یہ بکری کے چمڑے سے بنے برتن کو کہتے ہیں جس میں خاص گھی اور شہد رکھا جاتا ہے۔

❺ اخبار ابی حفص للآجری، ص: ٥٤

یہ واقعہ بھی آپ کے ورع کی غمازی کرتا ہے۔ آپ کا ایک غلام لگن میں گرم پانی لے کر آتا تھا۔ جس سے آپ وضو کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے غلام سے کہا: کیا تم یہ لگن لے کر مسلمانوں کے مطبخ میں جاتے ہو اور وہاں جا رکھتے ہو تاکہ وہاں کے چولہے سے یہ لگن اور اس کا پانی گرم ہو جائے۔ پھر اسے میرے پاس لے آتے ہو؟ غلام نے کہا: اللہ آپ کا بھلا کرے! یہی بات ہے۔ تو آپ نے فرمایا: بندۂ خدا! تو نے ہمارا معاملہ ہم پر خراب کر دیا۔ پھر آپ نے مزاحم کو بلا کر اسے حکم دیا کہ دیکھو اس لگن کے نیچے کتنی لکڑی ڈالنے سے اس کا پانی گرم ہوتا ہے۔ آپ نے وہ لکڑی دیکھی، پھر جتنے دن وہ غلام گرم پانی لاتا رہا تھا اس کا حساب لگایا، اس کے بعد اتنی لکڑی مطبخ بھجوادی۔ [1]

آپ کے ورع کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے کسی عامل سے یا کسی ذمی سے اس ڈر سے کوئی ہدیہ قبول نہ کرتے کہ کہیں یہ رشوت نہ شمار ہو جائے۔ عمرو بن مہاجر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن سیّدنا عمر بن عبدالعزیز کا سیب کھانے کو دل چاہا۔ آپ کے منہ سے نکل گیا کہ کاش ہمارے پاس سیب ہوتا تو کھا لیتے۔ کیونکہ اس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اس اس کی غذائیت بھی بے حد عمدہ ہوتی ہے۔ اس پر گھر والوں میں سے ایک شخص گیا اور اس نے آپ کو ہدیہ میں ایک سیب بھیجا۔ جب قاصد سیب لے کر آیا تو آپ نے فرمایا اس سیب کی خوشبو کتنی پاکیزہ اور عمدہ ہے، اے غلام! یہ سیب لو اور فلاں کو جا کر ہمارا سلام کہو اور کہو کہ ہمیں تمہارا تحفہ پسند آیا، میں نے عرض کیا ''اے امیر المومنین! آپ کے چچا زاد اور گھر والوں میں سے ایک شخص نے یہ ہدیہ بھیجا ہے۔ اور آپ کو یہ بات پہنچی ہوئی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہدیہ تناول فرما لیا کرتے تھے البتہ صدقہ کا مال نہ کھایا کرتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا: تیرا بھلا ہو! عہد رسالت میں ہدیہ ہدیہ ہوتا تھا مگر آج یہ رشوت ہے۔ [2]

آپ کے ورع کی نہایت بلند مثال یہ ہے کہ آپ بیت المال میں جمع کرائی جانے والی خوشبو کو سونگھتے بھی نہ تھے اور جب آپ کے سامنے مشک کی زیادہ مقدار رکھی جاتی تھی تو ناک بند کر لیتے تھے۔ آپ سے عرض کی گیا ''امیر المومنین! یہ نری خوشبو ہی تو ہے؟ تو آپ نے فرمایا. مشک کا نفع اس کی خوشبو ہی تو ہوتا ہے۔ [3]

آپ مسلمانوں کے اموال کو استعمال کرنے سے احتراز فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ بیت المال کا چراغ بھی اس وقت جلایا کرتے تھے جب مسلمانوں کا کوئی کام ہوتا تھا۔ پھر جیسے ہی وہ کام ختم ہو جاتا تو آپ بیت المال کا چراغ بجھا لیتے اور اپنا ذاتی چراغ جلا لیتے۔ [4]

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم، ص: ٤٠

[2] سیرۃ عمر لابن الجوزی، ص: ١٠٧

[3] سیرۃ عمر لابن الجوزی، ص: ٢٠٠

[4] الآثار الواردۃ فی عمر بن عبدالعزیز فی العقیدۃ: ١/ ١٦٤

مورخین نے بے شمار ایسے واقعات رقم کیے ہیں جو آپ کے ورع پر دلالت کرتے ہیں۔ آپ مسلمانوں کے تھوڑے سے تھوڑے مال سے دور رہنے کو بھی شبہ سے دور رہنے کے باب سے شمار کرتے تھے۔ اسی لیے آپ دین میں احتیاط کی بنا پر شبہات تک سے دور رہتے تھے۔ ❶ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امور تین قسم کے ہوتے ہیں جیسا کہ خود سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

۱۔ وہ امور جن کا حلال اور ہدایت ہونا واضح ہے، ان کی اتباع کی جائے گی۔

۲۔ وہ امور جن کا خطا اور حرام ہونا واضح ہے ان سے بچا جائے گا۔

۳۔ وہ امور جن کے حلال یا حرام ہونے میں اشکال ہے، ان سے توقف کیا جائے گا۔ ❷

آپ سے جب اہل صفین کے بارے میں پوچھا جاتا تھا تو بے مثال ورع کا ثبوت دیتے ہوئے فقط یہ کہنے پر اکتفاء فرماتے تھے کہ یہ وہ خون ہیں جن سے رب تعالیٰ نے میرے ہاتھوں کو محفوظ رکھا ہے میں اپنی زبان کو اس خون سے رنگنا ہرگز پسند نہ کروں گا۔ ❸ یہ واقعہ بتلاتا ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ زندگی کے ہر شعبے میں ورع سے کام لیتے تھے۔ حتی کہ اپنے کھانے پینے، ضرورت وخواہش اور مال مسلمین سب میں ورع سے کام لیتے تھے۔ بے شک ایسا ورع قوی ایمان آخرت کے استحضار اور جوابدہی کے احساس سے پیدا ہوتا ہے۔ آپ کا ورع ایسی بلند حد تک جا پہنچا تھا کہ آپ نے اپنی قبر کی جگہ بھی قیمتاً خریدی۔ تاکہ آپ کے پاس دنیا کی جو چیز بھی ہو وہ مال کے بدلے میں ہو حتی کہ قبر کی جگہ بھی۔ ❹

حلم وبرداشت اور عفوو درگزر:

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی شخصیت جن صفات جلیلہ سے مرکب تھی ان میں ایک نمایاں صفت عفوو درگزر اور حلم وبرداشت کی بھی تھی۔ شیخ خناصر بین سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا فاطمہ بنت عبدالملک سے ایک بیٹا تھا۔ ایک دن وہ دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے نکلا تو ایک غلام نے اس کا سر زخمی کر دیا۔ لوگ آپ کے بیٹے اور سر زخمی کرنے والے دونوں کو فاطمہ کے پاس لے آئے؟ بیٹے کو زخمی دیکھ کر ماں رونے پیٹنے لگی۔ اس وقت آپ ایک دوسرے گھر میں تھے۔ آپ نے شور کی آواز سنی تو باہر نکلنے۔ اتنے میں اس لڑکے کی ماں آ نکلی۔ اس نے بتلایا کہ میرا بیٹا یتیم ہے۔ آپ نے پوچھا ''کیا اس کا بیت المال سے وظیفہ مقرر ہے؟ بولی نہیں تو آپ نے اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس پر فاطمہ نے اعتراض کیا تو آپ نے انہیں ڈانٹتے ہوئے فرمایا: ''تم لوگوں نے اس بچے کو گھبراہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔'' ❺

❶ الآثار الواردة فی عمر بن عبدالعزیز فی العقیدة: ١/ ١٦٥

❷ العقد الفرید: ٤/ ٣٩٧ ❸ سیرة عمر لابن الجوزی، ص: ١٩٥

❹ النموذج الاداری المستخلص من ادارة عمر، ص: ١٥٦

❺ سیرة عمر لابن الجوزی، ص: ٢٠٧

ابراہیم بن ابی عبلہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دن سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ایک آدمی پر بے حد ناراض ہوئے، چنانچہ آپ کے حکم پر اسے رسیوں میں جکڑ کر لائے مگر اس سے پہلے کہ اسے کوڑے مارے جاتے آپ نے اس کا رستہ چھوڑ دینے کا حکم دے دیا اور فرمایا: اگر مجھے تجھ پر غصہ نہ آیا ہوتا تو میں تمہیں خوب سزا دیتا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ (آل عمران: ١٣٤)

''اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔''

عبدالملک بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ قیلولہ کرنے اٹھے تو ایک آدمی ہاتھ میں ایک لپٹا ہوا صحیفہ لیے سامنے آ گیا لوگ سمجھے کہ وہ امیر المومنین کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اور اس آدمی کو بھی اندیشہ لاحق ہوگیا کہ شاید مجھے امیر المومنین سے ملنے سے روک دیا جائے۔ چانچہ اس نے دور سے ہی وہ پروانہ آپ کی طرف دے مارا جو آپ کے منہ پر جا لگا اور آپ کا چہرہ زخمی کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ دھوپ میں کھڑے ہیں اور آپ کے چہرے سے خون بہہ رہا ہے۔ پھر آپ نے پروانے کی عبارت پڑھی اور اس کی حاجت پوری کرنے کا حکم دیا اور اس کا رستہ چھوڑ دیا۔ [1] کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے آپ کو برا بھلا کہا مگر آپ خاموش رہے۔ کسی نے کہا کہ آپ اس سے بدلہ کیوں نہیں لیتے؟ تو آپ نے فرمایا: ''جسے خوف خدا ہوتا ہے اس کی زبان کو لگام ہوتی ہے۔'' [2]

حاتم بن قدامہ کا بیان ہے کہ آپ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی نے اٹھ کر یہ کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ تم فاسق ہو۔'' آپ نے اس سے پوچھا تمہیں اس کی خبر کیسے لگی؟ بولا ''اور تم جھوٹے گواہ ہو ہم تمہاری گواہی قبول نہ کریں گے؟ [3] کہتے ہیں کہ خلیفہ بننے کے بعد ایک رات آپ ایک محافظ کے ساتھ سحری کے وقت مسجد کی طرف نکلے۔ ایک آدمی رستے میں سویا ہوا تھا جس کے ساتھ آپ کی ٹکر ہوگئی۔ وہ ہڑ بڑا کر اٹھا اور کہنے لگا ''کیا تم پاگل ہو؟'' آپ نے کہا: نہیں۔ اتنے میں وہ محافظ مارنے کو دوڑا تو آپ نے اسے روک کر کہا ''اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا تم پاگل ہو جس کا میں نے جواب دے دیا ہے کہ نہیں۔'' [4]

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے کہ ایک آدمی نے اٹھ کر خوب اناپ شناپ کی اور آپ کو غصہ دلایا، اس پر آپ نے اس آدمی سے یہ کہا: اے بندۂ خدا! کیا تم یہ چاہتے کہ میں سلطانی کے غرور میں آ کر شیطان کا چوکا کھالوں اور آج تیرے ساتھ وہ کر ڈالوں جو کل تم اس کے بدلے میں

[1] حلية الاولياء: ٥/ ٣١١ [2] سيرة عمر لابن الجوزى، ص: ٢٠٨

[3] الكتاب الجامع لسيرة عمر بن عبدالعزيز: ٢/ ٤٢٤

[4] الكتاب الجامع لسيرة عمر: ٢/ ٤٢٥

میرے ساتھ کرو گے۔ جاؤ اللہ مجھے اور تجھے معاف کرے، چلے جاؤ۔" ❶

ایک دفعہ آپ کا ایک بچہ آپ کے پاس روتا ہوا آیا۔ آپ نے رونے کی وجہ پوچھی تو بولا، مجھے فلاں غلام نے مارا ہے۔ آپ نے غلام کو طلب کر کے پوچھا کہ کیا تم نے واقعی اسے مارا ہے؟ اس نے اقرار کیا کہ ہاں اُس نے اِسے مارا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: "جاؤ چلے جاؤ اگر میں کسی کو سچ بولنے پر سزا دیتا تو تمہیں دیتا۔ چلے جاؤ" اور اسے کچھ بھی نہ کہا۔ ❷

یہ چند واقعات مشتے از خروارے کے بمصداق ہیں وگرنہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی داستانِ عفوو درگزر اور حلم و برداشت بے حد طویل ہے۔

صبر و ثبات:

آپ کو رب تعالیٰ نے صبر و شکر کی نعمتوں سے بھی نواز رکھا تھا۔ اپنے بیٹے عبدالملک کی وفات کے بعد اس کی قبر پر حاضر ہوئے اور کہا قبر کو زیادہ گہرا مت کرو کیونکہ اوپر کی زمین نیچے کی زمین سے افضل ہوتی ہے۔ ❸

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب آپ کا بیٹا عبدالملک، بھائی سہل اور خادم خاص مزاحم تینوں کا انتقال ہوگیا تو ایک شامی کہنے لگا: اللہ کی قسم! امیر المومنین بہت بڑی آزمائش میں مبتلا کیے گئے ہیں۔ ان کا بیٹا عبدالملک انتقال کر گیا۔ اللہ کی قسم! تم نے ایسا بیٹا دیکھا نہ ہوگا جو باپ سے بڑھ کر باپ کو نفع پہنچانے والا تھا۔ پھر امیر المومنین کا بھائی انتقال کر گیا۔ اللہ کی قسم! تم نے کسی بھائی کو اس سے بڑھ کر اپنے بھائی کو نفع پہنچانے والا نہ دیکھا ہوگا۔" لیکن اس شامی نے مزاحم کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔ آپ نے پوچھا "تم مزاحم کے بارے میں کیوں خاموش رہے؟ اللہ کی قسم! وہ میرے نزدیک ان تینوں میں کم درجہ کا نہیں۔ پھر آپ نے دو یا تین مرتبہ یہ کہا "اے مزاحم اللہ تم پر رحم کرے۔ اللہ کی قسم! تم نے بہت ساری دنیا میں کفایت کی اور تم آخرت کے معاملہ میں بہترین وزیر تھے۔ ❹

حفص بن عمر سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: جب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز کے بیٹے عبدالملک کا انتقال ہوا تو آپ نے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اس کی تعریف بیان کی۔ اس پر مسلمہ نے پوچھا: "اگر یہ زندہ رہتا تو کیا آپ اس کو اپنا والی بناتے؟" آپ نے فرمایا: "نہیں" مسلمہ بولے: حالانکہ آپ اس کی اتنی تعریف بھی کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ مجھے اس کی محبت وہ شے مزین کر کے دکھا دے جو ایک باپ کی اپنی اولاد سے محبت نگاہوں میں مزین کر کے دکھاتی ہے۔ ❺

---

❶ الكتاب الجامع لسيرة عمربن عبدالعزيز: ۲/ ٤٢٥ ❷ ایضًا
❸ الكتاب الجامع لسيرة عمربن عبدالعزيز: ۲/ ٤٢٧ ❹ ایضًا ❺ ایضًا

آپ نے ایک دفعہ خطبہ میں فرمایا: ''جب بھی کسی کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور وہ اس پر انا للہ و انا الیہ راجعون...... '' پڑھتا ہے تو اس پر رب تعالیٰ اسے جو اجر دیتے ہیں وہ اس سے بہتر ہوتا ہے جو اس سے لے لیا ہوتا ہے'' اور فرمایا ''راضی رہنے والے لوگ کم ہوتے ہیں اور مومن کا سہارا صبر ہوتا ہے۔''

اسی طرح فرمایا: ''جو بغیر علم کے عمل کرتا ہے، وہ بگاڑ زیادہ پیدا کرتا ہے اور اصلاح کم کرتا ہے۔ اور جس کا کلام اس کے عمل سے زیادہ ہوتا ہے اس میں خطا کی کثرت ہوتی ہے۔ اور رب پر راضی رہنے والے کم ہوتے اور مومن کا بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے۔'' [1]

آپ نے اپنی زندگی میں جس بات پر سب سے زیادہ صبر کیا وہ امر خلافت تھا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: میں تخت خلافت پر محض اس ڈر سے بیٹھا ہوں کہ کہیں اس مقام پر کوئی نااہل نہ بیٹھ جائے۔ اگر جو میں کرتا ہوں اس میں میری اطاعت کی جائے تو میں یہ امر خلافت اس کے مستحقین کے حوالے کر دوں لیکن میں صبر کر رہا ہوں۔ یہاں تک کہ اللہ کا کوئی امر آئے یا فتح آئے۔ [2]

حزم واحتیاط:

جس وقت امت مسلمہ اور خلافت کے امر کو اور بالخصوص والیوں، امراء اور عاملین کے امر کو حزم واحتیاط کی اشد ضرورت ہوتی تھی رب تعالیٰ نے عین اس وقت میں آپ کو اس صفت سے نوازا اور اس کے ساتھ آپ کو مزین کیا تھا۔ چنانچہ آپ حزم واحتیاط اور ضبطِ امور کی صفت کے ساتھ آراستہ تھے اور جس بات میں عام بھلائی اور مسلمانون کا نفع دیکھتے اس میں کبھی سستی سے کام نہ لیتے۔ چنانچہ آپ نے حزم واحتیاط کی متعدد صورتوں کو متعدد میدانوں میں استعمال کیا۔ جیسے آپ نے بنی امیہ کے اشراف وامراء کے ساتھ اور ان لوگوں کے ساتھ بڑی دور اندیشی اور احتیاط سے کام لیا جو مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے اور فتنوں کو بھڑکا کر خونریزی برپا کرنا چاہتے اور وہ بغاوت کی فضاء قائم کرنا چاہتے تھے۔ بنی مروان کے ساتھ آپ کا موقف بتلاتا ہے کہ آپ کس قدر دور اندیش اور عاقبت اندیش تھے۔ چنانچہ آپ نے انہیں کہا: تمہارے ہاتھوں میں جو کچھ ہے وہ بیت المال میں دے دو، اور مجھے اس بات پر مجبور نہ کرو جو مجھے ناگوار ہے تاکہ جس کے نتیجہ میں تمہیں کسی ناگوار بات پر آمادہ نہ کروں۔ آپ کی اس بات کا کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ نے کہا مجھے جواب دو، اس پر ایک آدمی بولا: اللہ کی قسم! جو مال ہمیں ہمارے آباء اجداد سے ملا ہے ہم وہ تو واپس نہ کریں گے کہ جس سے اپنی اولادوں کو تو فقیر بنا دیں اور خود اپنے آباء کے ناشکرے بنیں یہاں تک کہ ہماری گردنیں اڑا دی جائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا ''اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اگر تم میرے خلاف اس شخص سے مدد نہ

---

[1] الكتاب الجامع لسيرة عمربن عبدالعزيز: ٢/ ٤٢٨

[2] النموذج الاداري المستخلص من ادارة عمر، ص: ١٤٤

مانگنے لگو جس کے لیے میں اس حق کا مطالبہ کر رہا ہوں تو میں تم لوگوں کو ابھی رسواء کر کے رکھ دیتا۔ لیکن میں فتنہ سے ڈرتا ہوں۔ اگر اللہ نے مجھے زندگی دی تو میں ان شاء اللہ ہر حق والے کو اس کا حق لوٹا کے رہوں گا۔ ❶

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز جب کسی کام کو شروع کرتے تھے تو اس کو پورا کر کے رہتے تھے۔ ایک دن آپ کو بنی مروان کے ایک صاحب نے خط لکھ کر شدید غصہ دلایا تو آپ نے فرمایا، بے شک اللہ ایک دن بنی مروان کو ذبح کرے گا اور اللہ کی قسم! یہ لوگ میرے ہاتھ سے ذبح ہوں گے۔ جب بنی مروان کو یہ خبر پہنچی تو رک گئے کیونکہ انہیں اس بات کا پکا علم تھا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جب کسی کام کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اسے کر گزرتے ہیں۔ ❷

رہے وہ لوگ جو مسلمانوں کا شیرازہ بکھیر کر ان میں فتنہ پھیلانا اور ان کے خلاف خروج کرنا چاہتے تھے تو آپ نے ان کے ساتھ بات چیت اور مناظرہ کا اسلوب اختیار کیا۔ یہ لوگ خوارج تھے۔ اس جماعت کی بنیاد ۱۰۰ھ میں شوذب خارجی نے رکھی تھی۔ شوذب نے دراصل بنی امیہ کے خلاف بغاوت برپا کی تھی۔ آپ نے ان کے ساتھ مذاکرات کا رستہ اس لیے اختیار کیا تاکہ انہیں حق پر لاسکیں، آپ کی رائے تھی کہ اگر تو حق ان کی باتوں میں ہے تو ان میں غور کیا جائے وگرنہ یہ لوگ بھی اس حکم میں داخل ہوں گے جس میں دوسرے لوگ داخل ہیں۔ لیکن جب آپ کو خوارج کی بابت اس بات کا علم ہوا کہ وہ بڑی بے رحمی سے ان کا خون بہا دیتے ہیں اور ہر جگہ فتنہ برپا کر دیتے ہیں تو آپ نے نہایت دور اندیشی اور پختہ عزم کے ساتھ ان کے خلاف کاروائیاں بھی کیں۔ چنانچہ آپ نے عراق کے عامل کو لکھ بھیجا کہ ''ان کو انگیخت نہ کرنا مگر اس وقت جب یہ خونریزی کریں یا زمین میں فتنہ پھیلائیں۔ چنانچہ جب یہ ایسا کریں تو ان کا رستہ چھوڑ کر ان کے پاس کسی دور اندیش حاذق اور سمجھ دار شخص کو بھیجنا اور اس کے ساتھ فوجی جوان بھی بھیجنا اور جو میں حکم دوں وہ کرنا۔ ❸

یہ تھی سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی حزم واحتیاط اور دور اندیشی کہ آپ نے نہایت محتاط اقدامات کیے جو اپنی اہمیت اور حساسیت میں بے حد بلند مرتبہ تھے۔ اور آپ کو اس محتاط رویے کا امور مملکت چلانے میں زبروست ایجابی ردعمل ملا۔ جس سے آپ کو عدل وانصاف، امن وسلامتی اور خلافتِ راشدہ کے آثار قائم کرنے میں بے حد آسانی ہوئی۔ ❹

عدل وانصاف:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور خلافت پر اگر ایک گہری نگاہ ڈالی جائے تو صاف نظر آئے گا کہ عدل وانصاف علی الاطلاق آپ کی قائدانہ صفات میں سے سب سے بڑی اور نمایاں صفت تھی۔ گزشتہ صفحات

---

❶ العقدالفرید:۵/ ۱۷۳
❷ النموذج الاداری المستخلص من ارادة عمر، ص: ۱۵۸
❸ تاریخ الطبری:۷/ ۴۵۹
❹ النموذج الاداری المستخلص من ادارة عمر، ص: ۱۶۳

میں ان دونوں موضوعات عدل وانصاف اور ردِ مظالم پر کافی حد تک روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ سب علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ائمہ عدل، ائمہ مہدیین اور خلفائے راشدین میں سے تھے۔ ❶ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کا اس بات پر ایمان تھا کہ عدل اس کائنات میں نوامیس الٰہی میں سے ایک ناموس اور راز ہے اور ایمان کا ثمرہ ہے اور عدل ان مومنوں کی صفت ہے جو قواعدِ حق سے محبت رکھتے ہیں۔

دوسرے آپ کے عادلانہ رویہ کی وجہ اس بات کا شدت کے ساتھ احساس بھی تھا کہ پہلے امراء اور خلفاء نے لوگوں پر بے پناہ ظلم ڈھا رکھے تھے اور آپ کے عدل کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ خود رب تعالیٰ نے عدل واحسان کا حکم دیا تھا اور یہ کہ عدل واحسان سب آسمانی شریعتوں کی بنیاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی محبت نے آپ کے دل میں عدل واحسان کی محبت کو راسخ کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے عدل کی اقدار کو زندہ کیا۔ ❷

آجری روایت کرتے ہیں کہ کہ اہل حمص کا ایک ذمی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا اے امیر المومنین! میں آپ سے رب کی کتاب (کے ذریعے فیصلہ کرنے) کا سوال کرتا ہوں۔ آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ بولا عباس بن ولید بن عبدالملک نے میری زمین غصب کر لی ہے۔ اور عباس اسی مجلس میں سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے عباس کی طرف التفات کرتے ہوئے پوچھا، "عباس! کیا کہتے ہو؟ عباس کہنے لگا: امیر امومنین! وہ زمین مجھے ولید بن عبدالملک نے دی تھی اور مجھے اس کا پروانہ بھی دیا تھا۔ یہ جواب سن کر آپ نے ذمی سے کہا: "اے ذمی! اب تم کیا کہتے ہو؟" ذمی نے پھر یہی کہا "اے امیر لمومنین! میں آپ سے رب کی کتاب سے فیصلے کا سوال کرتا ہوں۔ تب آپ نے فرمایا، "اللہ کی کتاب ولید کی کتاب سے زیادہ اس بات کی مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔ اے عباس! اس کی زمین اسے واپس کر دو، چنانچہ عباس نے وہ زمین ذمی کو واپس کر دی۔ ❸

حکم بن عمر عینی بیان کرتے ہیں کہ میں مسلمہ بن عبدالملک کے پاس تھا۔ وہ ناعورہ ❹ کی جائیداد کی بابت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے اہلِ دیر اسحاق کے ساتھ جھگڑ رہے تھے۔ چنانچہ سیّدنا عمر رحمہ اللہ نے مسلمہ سے فرمایا تیرے خصم میرے سامنے کھڑے ہیں اس لیے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم تکیوں کے ساتھ ٹیک لگا کر نہ بیٹھو۔ البتہ تم جس کو چاہو اپنا وکیل خصومت بنا سکتے ہو۔ وگرنہ فیصلہ تمہارے خلاف ہو سکتا۔ پھر اہل دیر نے حاضر ہو کر مسلمہ کے خلاف اپنے وکیل خصومت کو پیش کیا جس پر فیصلہ مسلمہ کے خلاف کر دیا گیا اور ناعورہ

---

❶ البدایة والنهایة نقلاً عن النموذج الاداری، ص: ۱۶۳

❷ النموذج الاداری، ص: ۱۶۳۔۱۶۴ ❸ اخبار ابی حفص، ص: ۵۸

❹ ناعورہ: یہ حلب سے آٹھ میل کے فاصلے پر حلب اور بالس کے درمیان واقع ایک جگہ کا نام ہے۔

کا علاقہ اہل دیر اسحاق کے حوالے کر دیا گیا۔ ❶ بے شک کتب تاریخ وسیر سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے عدل کے واقعات سے معمور ہیں ہم نے بطور نمونہ کے محض چند واقعات نقل کیے ہیں۔

گریہ وزاری، دعا والحاح اور قبولیت دعا:

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے رب کے حضور بے حد گریہ وزاری کرتے تھے اور کثرت کے ساتھ دعا مانگا کرتے تھے۔ آپ اپنی دعاؤں میں یہ کہا کرتے تھے، ''اے میرے پروردگار! تو نے مجھے پیدا کیا، مجھے برائیوں سے روکا۔ اور اپنے حکم کی تابعداری کرنے پر مجھے ثواب دینے کا وعدہ فرمایا اور نواہی کے ارتکاب پر اپنے عقاب سے ڈرایا اور مجھ پر میرا ایسا دشمن مسلط کیا جس کو میرے دل میں ٹھکانا دیا (یعنی شیطان) اور اسے میری رگ رگ میں خون کی طرح دوڑایا پس اگر تو میں کسی برائی کا ارادہ کروں تو وہ میری حوصلہ افزائی کرتا ہے اور اگر میں کسی نیکی کا ارادہ کروں تو وہ مجھے نیکی کرنے سے باز رکھتا ہے۔ میں اس سے غافل ہو بھی جاؤں تو بھی وہ مجھ سے غافل نہیں ہوتا۔ میں اس کو بھول جاتا ہوں پر وہ مجھے نہیں بھولتا۔ وہ میرے سامنے شہوتوں کو کھڑا کرتا ہے، شبہات کو میرے آڑے لاتا ہے اگر تو اس کے مکر کو مجھ سے نہ موڑے گا تو وہ مجھے ذلیل کر کے اپنا غلام بنا لے گا۔ اے اللہ! تو اپنی اس قدرت سے جو تیری اس پر ہے، اس کی قدرت کو مقہور کر دے جو اس کی مجھ پر ہے، یہاں تک کہ میں تیرے کثرت ذکر کے ساتھ اس کو اپنے قابو میں کر لوں، تاکہ میں ان لوگوں کے ساتھ ہو جاؤں جو تیری پناہ میں آتے ہیں اور تیرے سوا کوئی نیکی پر چلانے والا اور برائی سے روکنے والا نہیں۔ ❷

آپ یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے: ''اے اللہ! امت محمدیہ (ﷺ) کی اصلاح حال فرما اور جس کے ہلاک کرنے میں اس امت کی صلاح اور فلاح ہے اس کو ہلاک فرما۔ ❸

آپ کی ایک دعا یہ بھی تھی: اے اللہ! مجھے عافیت کا لباس پہنا یہاں تک کہ تو مجھے فراغت کی زندگی نصیب کرے اور میرا خاتمہ اپنی مغفرت پر کرنا تاکہ میرے گناہ آخرت میں مجھے نقصان نہ دیں۔ اور جنت تک پہنچنے سے پہلے کے ہر ہول سے میری کفایت کر یہاں تک کہ اپنی رحمت سے مجھے جنت تک پہنچا دے اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔ ❹

مورخین نے آپ رحمہ اللہ کی یہ دعا بھی ذکر کی ہے: اے اللہ! میں نے تیری اس بات میں اطاعت کی ہے جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور وہ توحید ہے اور میں نے تیری اس بات میں نافرمانی نہیں کی جو تجھے سب سے زیادہ مبغوض ہے اور وہ ہے شرک پس تو ان دونوں کے درمیان کی میری لغزشیں معاف فرما۔ ❺

---

❶ سیرة عمر لابن الجوزی، ص:۹۱

❷ الکتاب الجامع لسیرة عمر: ۱/ ۳۴۱.

❸ الکتاب الجامع لسیرة عمر: ۱/ ۳۴۲.

❹ الکتاب الجامع لسیرة عمر: ۱/ ۳۴۳.

❺ سیرة عمر لابن الجوزی: ۲۳۰

اور فرمایا: اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ پکڑتا ہوں کہ تو اپنی نعمت کو بدل دے یا کسی نعمت کے زوال پر میں تیری ناشکری کروں یا یہ کہ میں تیری نعمت پر تیری حمد وثنا کرنا بھول جاؤں۔ ❶

اور یہ دعا تو آپ کثرت کے ساتھ مانگا کرتے تھے: اے اللہ! تو مجھے اپنے فیصلے پر راضی کر دے اور اپنی تقدیر پر مجھے برکت دے یہاں تک کہ میں اس بات کی عجلت کی تمنا نہ کروں جو تو نے مؤخر کر دی اور نہ اس شے کی تاخیر کی خواہش کروں جو تو نے ابھی بھیج دی۔ ❷

بے شک سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ مستجاب الدعاء تھے۔ ابن عبدالحکم کی روایت ہے کہ ابن ریان، ولید بن عبدالملک کا جلاد تھا، خلیفہ بننے کے بعد آپ نے ابن ریان کی گمراہی اور سفا کی کو یاد کیا اور اسے جلادی کے عہدے سے معزول کر دیا اور یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! میں نے اِسے تیرے لیے نیچا کیا ہے اس کو کبھی اوپر نہ کرنا، پھر جیسے ابن ریان کا ذکر مٹ گیا ایسا کسی کا نہ مٹا۔ ❸

جب آپ حج کے ارادے سے نکلے اور آپ کو مکہ داخل ہونے سے پہلے جب اس بات کی خبر دی گئی کہ مکہ میں پانی کی قلت ہے تو آپ نے دعا مانگی۔ جو اللہ نے قبول فرمائی اور مکہ پر بارش فرما کر اس کی سرزمین کو جل تھل کر دیا۔ یہ واقعہ خلیفہ بننے سے پہلے اور آپ کے مدینہ کے والی ہونے کے زمانہ کا ہے۔ ❹

جب آپ کا غیلان سے مناظرہ ہوا تو آپ نے یہ دعا مانگی ''اے اللہ! اگر تیرا بندہ غیلان سچا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو سولی چڑھا دے۔'' چنانچہ آپ کے بعد ہشام بن عبدالملک کے دورِ خلافت میں اس کو پھانسی دے دی گئی۔ ❺

۲......سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے تجدیدی آثار

جو آدمی بھی علماء وفقہاء اور مورخین کے اقوال کا تتبع کرے گا اور وہ تجدیدی تحریکوں کے مطالعہ کا اہتمام کرنے والوں کے اقوال کو تلاش کرے گا تو وہ دیکھے گا کہ اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ خلیفہ راشد سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اسلام کے مجددِ اوّل تھے۔ ❻ آپ پر لفظ مجدد کا اطلاق سب سے پہلے امام محمد بن شہاب زہری نے کیا تھا، پھر ان کی اتباع میں امام احمد بن حنبل نے بھی آپ کو مجدد کا لقب دیا۔ چنانچہ امام احمد کی روایت ہے: ''حدیث میں آتا ہے کہ رب تعالیٰ ہر سو سال کے خاتمہ پر ایک ایسے شخص کو کھڑا کرے گا جو اس امت کے امر دین کی تصحیح کرے گا۔ چنانچہ جب ہم نے پہلے سو سال کے خاتمہ پر غور کیا (کہ ایسا آدمی کون

---

❶ الكتاب الجامع لسيرة عمر: ١/ ٣٤٣.
❷ الكتاب الجامع لسيرة عمر: ١/ ٣٤٤
❸ سيرة عمر ابن عبدالحكم، ص: ٣٠
❹ البداية والنهاية، نقلا عن الآثار الواردة: ١/ ١٨٣
❺ الشريعة للآجري: ١/ ٤٣٨
❻ عون المعبود: ١١/ ٣٩٣ لشمس الحق عظيم آبادي

ہوسکتا ہے) تو ہم نے دیکھا کہ وہ تو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہیں۔ ❶

پھر سب علماء نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو مجدد اوّل شمار کیا۔ اور بعض علماء کا قول ہے کہ ارشاد نبوی ﷺ میں جو یہ آتا ہے کہ ''بے شک رب تعالیٰ ہر سو سال کے خاتمہ پر اس امت کے لیے ایک ایسے شخص کو کھڑا کرے گا جو اس کے دین کے امر کی تجدید کرے گا۔'' ❷ تو اس حدیث میں جو لوگ مراد ہیں، ان میں سے کے پہلے شخص سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہیں۔

بے شک سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس لائق تھے کہ اس حدیث کو ان پر محمول کیا جائے۔ بے شک آپ عالم باعمل تھے آپ کا دن رات کا فقط ایک ہی غم اور فکر تھا اور وہ تھا سنت کا احیاء اور بدعات اور محدثات امور کا خاتمہ۔ اور خود اہل بدعت کے اثر و رسوخ کا خاتمہ۔ ❸

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امت کی تجدید کے لیے سب صفات کے جمع کرنے کی احتیاج خیر کی صرف ایک نوع میں ہی منحصر نہیں ہوتی اور یہ بھی ضروری نہیں کہ سب صفات صرف ایک شخص میں ہی جمع ہوں۔ ہاں البتہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ذات میں اس بات کا دعویٰ کیا جاسکتا ہے کیونکہ آپ پہلی صدی ہجری کے خاتمہ پر قائم بامراللہ تھے اور آپ جملہ صفات خیر سے نہ صرف یہ کہ متصف تھے بلکہ سب سے آگے بھی تھے۔ اسی لیے امام احمد نے یہ فرمایا کہ حضرات محدثین نے اس حدیث کا اطلاق سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ پر کیا ہے۔ رہے آپ کے بعد کے زمانہ میں امام شافعی رحمہ اللہ تو اگرچہ وہ صفات جمیلہ سے متصف تھے مگر وہ امر جہاد اور حکم بالعدل کو قائم کرنے والے نہ تھے۔ ❹

اگرچہ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ مجدد کامل کا مقام مہدی آخر الزمان کو حاصل ہوگا۔ اور یہ کہ امت مسلمہ میں ابھی تک کوئی مجدد کامل پیدا نہیں ہوا اور یہ کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ مجدد کامل کے مرتبہ کے قریب تک پہنچ جاتے اگر آپ خلافت کے موروثی ہونے کو ختم کر کے اس کو شورائیت کے تابع کر لیتے۔ لیکن چونکہ آپ ایسا نہ کر سکے تھے اس لیے آپ کے مجدد ہونے میں تو کوئی شک نہیں البتہ آپ مجددِ کامل نہ تھے۔ ❺

بہر حال آپ مجدد کامل کے لقب کے مستحق تھے یا نہیں اس سے فرق نہیں پڑتا لیکن اس حقیقت سے انکار کی سر مو گنجائش بھی نہیں کہ آپ کے تجدیدی اعمال، حیات اسلامیہ میں نئی روح پھونکنے کے لیے آپ کی بے پناہ کوششوں اور امت اسلامیہ کی زندگی میں از سرِ نو دور رسالت اور دور خلفائے راشدین مہدیین کی پاکیزگی اور طہارت پیدا کرنے کی کاوشوں نے آپ کو ان مجددین کی صف میں پہلی جگہ دلوائی جن کا زمانہ آج

❶ سیرۃ ومناقب عمر لابن الجوزی، ص: ٧٤
❷ المجددون فی الاسلام، ص:٥٧ للصعیدی
❸ الآثار الواردۃ عن عمر فی العقیدۃ: ١/ ١٧٧
❹ فتح الباری: ١٣/ ٢٩٥
❺ موجز تاریخ تجدید الدین للمودودی: ٦٩

تک گن گاتا ہے اور آپ کو مجددیت کے اس مقام پر کھڑا کرنے میں آپ کی اس طاقتور خلافت کا بڑا ہاتھ تھا، جو بے حد مضبوط اور وسیع وعریض تھی۔

البتہ یہ امر ملحوظ رہے کہ اگر ہم سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے تجدیدی اور اصلاحی کارناموں کے حجم کا اندازہ کرنا چاہیں تو پہلے ہمیں اس دور کے انحرافات اور فساد اور بگاڑ کے حجم کا اندازہ کرنا ہوگا۔ اور ہمیں دیکھنا ہوگا کہ امت مسلمہ کی مجموعی حیات کس بگاڑ اور انقلاب کا شکار ہو چکی تھی جس سے خود امر خلافت بھی محفوظ نہ رہا تھا۔ البتہ اگر ہم اس تغیر وانقلاب اور فساد وانتشار کو صرف نظام حکومت اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے مظالم اور بے انصافیوں تک محدود کریں تو یہ کسی حقیقت کا انکار نہ ہوگا کیونکہ اس دور میں عامۃ الناس کی زندگی پر ابھی تک نبوت کے انوارات کا بے پناہ اثر باقی تھا اور ان کی زندگیوں پر ابھی تک دین ہی حاکم وسلطان تھا۔ اور دلوں پر دین کی ہی حکومت تھی۔ [1]

آئیے! ذیل کے اوراق میں ہم سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے تجدیدی اعمال اور اصلاحات پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں۔

(۱)..... سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے تجدیدی اعمال اور اصلاحات

الف: شوریٰ:

گزشتہ صفحات میں ہم اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کر چکے ہیں کہ آپ نے خلافت سنبھالتے ہی لوگوں کے سامنے سب سے پہلے بات ہی یہ رکھی کہ مجھے یہ خلافت میری اور خود عوام کی رائے کے بغیر سپرد کی گئی ہے۔ اس لیے، میں عوام کو اس بیعت سے آزاد کر کے انہیں اپنی مرضی سے خلیفہ چن لینے کا اختیار دیتا ہوں۔ گویا کہ اپنے اس عمل سے آپ نے اپنے تجدیدی اعمال کا آغاز کر دیا کہ لوگوں کو ظالم حکومت کے پنجہ استبداد سے آزاد کر دیا اور انہیں کسی ایسے حاکم کے قبول کرنے پر مجبور نہ کیا جس کا انتخاب انہوں نے خود نہ کیا ہو۔ بلکہ آپ نے معاملہ ان کے ہاتھ میں دے کر ان کو شوریٰ کے حوالے کر دیا۔ [2]

ب: حکومت اور عمال کی تعیناتی میں امانت وایمانداری کو معیار بنانا:

اس بابت متواتر آثار مروی ہیں کہ آپ کو آغاز خلافت سے ہی امر خلافت کی بھاری ذمہ داری کا شدت کے ساتھ احساس تھا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب کسی نے آپ کو بے حد غم زدہ دیکھ کر اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے جواب میں یہ کہا ''میرے جیسا آدمی کیوں نہ غم زدہ ہو، مجھے ہر وقت یہ غم کھائے جاتا ہے کہ میں امت کے ہر

---

[1] عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ للندوی، ص: ۱۰

[2] التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ۷۹ از دکتور عدنان محمد

فرد تک اس کے مطالبہ اور خط لکھنے سے پہلے ہی اس کا حق پہنچا دوں۔ ❶

اور فرمایا میں تم میں سے کسی سے زیادہ بہتر نہیں ہوں البتہ میں تم سب سے زیادہ زیر بار ہوں۔ ❷

آپ اپنے عمال سے اس بات کا مطالبہ کیا کرتے تھے کہ وہ جس کام پر بھی کسی مقرر کریں وہ دیندار اور باصلاحیت ہو، چنانچہ آپ نے اپنے ایک عامل کو خط میں لکھا کہ ''مسلمانوں کے کاموں پر صرف اسی کو تعینات کرنا جس کی مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی معروف ہو اور وہ انہیں خیر پہنچانے کے لیے پورا زور لگاتا ہو۔ اور وہ ان کی امانت کی ادائیگی میں رعایت کرتا ہو۔'' ❸

مسلمانوں کے مالوں کی بابت احتیاط اور ورع اختیار کرنا، یہ محض آپ کی انفرادی اور شخصی سیاست ہی نہ تھی بلکہ آپ نے اپنے سب والیوں اور عمال کو بھی اس کا سختی کے ساتھ پابند بنایا، جس کی کچھ تفصیل گزشتہ اوراق میں بھی بیان کی جا چکی ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے والی ابوبکر بن حزم کو خط لکھا کہ ''قلم کا باریک رکھو، سطریں قریب قریب لکھا کرو تاکہ سرکاری خزانے کا کاغذ کم سے کم استعمال ہو۔ کیونکہ میں مسلمانوں کے مالوں کو بیت المال سے نکالنا پسند نہیں کرتا۔ ❹

آپ نے رعایا کے ساتھ رحمدلانہ سیاست اختیار کی۔ انہیں آسودہ اور خوشحال کیا، انہیں امن واطمینان کی دولت بخشی، سوال کی ذلت سے انہیں بچایا، محتاجوں میں اموال تقسیم کیے۔ ❺ اہل بصرہ کے ہر فقیر کو تین درہم عطا کیے۔ ہر ذمی کو پچاس پچاس دراہم سے نوازا۔ ❻ اپنے عاملوں کو حکم لکھ بھیجا کہ جو حج پر جانا چاہے اس کے لیے سامان سفر مہیا کرو۔ ❼

عاملوں کو حکم دیا کہ سرائے بنوائیں۔ مسافر خانے تعمیر کریں تاکہ مسلمان مسافروں کو ایک دن ایک رات ٹھہرنے کا ٹھکانا میسر آسکے۔ جہاں وہ اپنے جانوروں کو آرام کرسکیں۔ اور جو بیمار یا محتاج یا معذور ہوں انہیں دو دن دو راتیں ٹھہرنے کی اجازت دو اور جس کا دوران سفر توشہ ختم ہوگیا ہو اسے وطن تک پہنچنے کا زادراہ دو۔ ❽

سیّدنا عمر رحمہ اللہ کے دور میں زکوۃ لینے والے لوگ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتے تھے۔ عمر بن اسید کا بیان ہے کہ سیّدنا عمر رحمہ اللہ نے اس وقت تک اس دنیا کو نہ چھوڑا یہاں تک کے یہ حال ہوگیا کہ ایک شخص مال زکوۃ لے آتا اور کہتا کہ اسے حسب منشا خرچ کر دیجیے مگر شام تک زکوۃ کا کوئی مستحق نہ ملتا اور اسے زکوۃ

❶ سیر اعلام النبلاء: ٥/ ٥٨٦ ❷ سیر اعلام النبلاء : ٥/ ٥٨٦
❸ تاریخ الطبری نقلاً عن التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ٨١
❹ سیر اعلام النبلاء: ٥/ ٥٩٥ ❺ تاریخ الطبری نقلا عن التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ٨١
❻ تاریخ الطبری: ٧/ ٤٧٤ ❼ تاریخ الطبری: ٧/ ٤٧٤
❽ تاریخ الطبری: ٧/ ٤٧٢

واپس لے کر جانا پڑتی۔ کیونکہ آپ نے لوگوں کو غنی کر دیا تھا۔ [1]

آپ کے نزدیک مسلمانوں کی حرمت مال کی حفاظت سے کہیں بڑھ کر تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے عاملوں کو لکھ بھیجا کہ مسلمان قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑاؤ چاہے اس کے لیے سارا مال کیوں نہ خرچ کرنا پڑے۔ [2]

بے شک جو لوگ آج بھی اس قلبی روگ اور تشکیک کی مرض میں مبتلا ہیں کہ بھلا ایک خالص اسلامی اقتصادی نظام کیونکر قائم کیا جاسکتا ہے۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت ایک تاریخ حقیقت بن کر ان کی زبانیں بند کرنے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لیے کافی ہے کہ شریعت ربانیہ کو نظام حکومت بنانے میں ہی لوگوں کی دنیا و آخرت کی سعادت وفلاح کی ضمانت ہے۔ [3]

ج: عدل:

خلافت بنوامیہ میں عدل قائم کرنے میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا بہت بڑا بلکہ مرکزی حصہ اور کردار ہے۔ اور اس بابت آپ بلاشبہ اپنے جدامجد خلیفہ راشد امیر المومنین جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سچا اور سچے وارث تھے۔ آپ نے سرکاری سکوں پر یہ عبارت کندہ کرا رکھی تھی: "امر الله بالوفاء والعدل" [4] "اللہ نے عدل وفاء کا حکم دیا ہے۔" آپ نے حکم دے رکھا تھا کہ آپ کے علم میں لائے بغیر کسی پر حد جاری نہ کی جائے۔ [5]

آپ نے امیر خراسان جراح بن عبداللہ حکمی کو لکھا کہ: اے ابن ام جراح! کسی مومن یا ذمی کو ناحق کوڑا نہ مارنا، قصاص لینے سے بچنا کہ تم اس ذات کی طرف جانے والے ہو جو جیوں کے بھید اور نگاہوں کی خیانت تک سے واقف ہے۔ اور تم اس روز اپنی وہ کتاب پڑھ ہوگے جو تمہارے چھوٹے بڑے کسی عمل کو لکھے بغیر نہ چھوڑے گی۔ [6]

آپ نے اہل ذمہ کے ساتھ انصاف کیا اور حکم دیا کہ ان کے ساتھ یا ان کے عبادت خانوں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہ کی جائے۔ آپ نے اپنے عمال کو لکھ بھیجا کہ کسی گرجا، کنیسہ دَیر یا آتش کدہ کو جس پر تمہاری صلح ہوئی ہے منہدم نہ کرنا۔ [7]

آپ نے چنگی ختم کردی اور گزشتوں حکومتوں کے عائد کردہ بھاری بھاری ٹیکس خفیف کردیے، لوگوں کو

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ٥/ ٥٨٨
[2] سیرۃ عمر بن الجوزی، ص: ١٢٠
[3] خامس الخلفاء الراشد بن عمر بن عبدالعزیز، ص: ٤١-٤٢
[4] سیرۃ ومناقب عمر لابن الجوزی، ص: ٩٨
[5] تاریخ الطبری: ٧/ ٤٧٤
[6] تاریخ الطبری: ٧/ ٤٦٤
[7] تاریخ الطبری: ٧/ ٤٧٧

بری اور بحری تجارت کی آزادی دی۔ آپ نے بنو امیہ، حجاج اور اس کے عمال کے دلدوز، وحشت ناک اور بہیمانہ مظالم سے براءت کا اظہار کیا۔ اور حجاج کی پیروی پر شدت کے ساتھ انکار کیا۔ ❶

د: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

بنو امیہ کی خلافتِ اپنے اصولی مقصد ''حفاظت دین'' سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ آپ نے آکر اس اصولی اور بنیادی مقصد کو حیاتِ نو بخشی۔ اور دین کی شان اور اس کا پرچم بلند کیا۔ اور دین کو ہر بات پر مقدم اور حاکم قرار دیا۔ آپ نے اس باب میں جو بھی کامیابیاں حاصل کیں ان سب کی بنیاد رب تعالیٰ کا شدید خوف اور اس کی رضا کا حصول تھا۔ اور اس بابت خود آپ کے ایک جلیل القدر عالم اور مجتہد ہونے نے آپ کی بے حد مدد کی۔ ❷

اور عمرو بن میمون نے آپ کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا کہ ''اگر علماء اور عمر بن عبدالعزیز کا موازنہ کیا جائے تو وہ آپ کے شاگرد نظر آتے ہیں۔ ❸

آپ کے پختہ عقیدہ اور سلامتِ دین کا آپ کی تجدیدی اور اصلاحی کوششوں پر بے حد گہرا اثر تھا۔ آپ نے بدعات ومنکرات اور اہل بدعت واہواء کا بھرپور مقابلہ کیا۔ ❹ جس کی تفصیل آگے آجائے گی۔ ان شاء اللہ۔ امام اوزاعی کہتے ہیں: ''جب تم کچھ لوگوں کو دیکھو کہ وہ عوام کو چھوڑ کر کسی بات کی بابت دینی گفتگو کرتے ہیں تو جان کہ ان کی بنیاد گمراہی پر ہے۔ ❺

آپ کے نزدیک وہ زندگی بیکار تھی جس سے احیاءِ سنت اور ازالہء بدعت کا کام نہ لیا جائے۔ ❻ اس لیے آپ کو لوگوں کے دین واخلاق کا بے حد اہتمام تھا۔ چنانچہ آپ نے عمال کو لکھ بھیجا کہ ''نمازوں کے اوقات میں دوسرے کاموں میں ہرگز مشغول نہ ہوا جائے۔ پس جو نماز ضائع کردے گا وہ دین کے دوسرے کاموں کو بدرجہء اولی ضائع کردے گا۔ ❼ آپ کے بے شمار خطوط ورسائل، مواعظ وخطبات اور وصایا ونصائح میں نگاہِ غور ڈالنے والا دیکھے گا کہ آپ طاقتور ایمان کے مالک اور روز قیامت رب کے حضور کھڑے ہونے سے بے حد ڈرنے والے اور ہر وقت نفس کا مراقبہ کرنے والے تھے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور سیاست عادلہ نے عامۃ الناس کی حیات، ان کے میلانات ورجحانات اور اذواق ورغبات پر گہرا اثر مرتب کیا۔ ❽ اس

---

❶ سیرۃ ومناقب عمر، ص: ۱۰۹-۱۰۸
❷ التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ۸۵
❸ سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۵۱۸
❹ التجدید فی الفکر الاسلامی، : ۸۶
❺ سیرۃ ومناقب عمر، ص: ۸۳ لابن الجوزی
❻ التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ۸۶
❼ سیرۃ ومناقب عمرہ بن الجوزی، ص: ۲۲۱
❽ التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ۸۶

کا اندازہ تاریخ طبری کے مطالعہ سے بخوبی ہوسکتا ہے جس میں طبری نے سیدنا عمر رحمہ اللہ اور گزشتہ خلفاء کے ادوار کا ایک جامع اور قرار واقعی موازنہ پیش کیا ہے۔ چنانچہ ولید جائیدادوں اور تعمیروں کا رسیا تھا۔ اس لیے اس نے شاندار قلعے اور عمارتیں تعمیر کیں اور خوب جاگیریں اکٹھی کیں۔ یہی وجہ ہے کہ ولید کے دور میں جب لوگ آپس میں ملتے تھے تو ان کی گفتگو کا موضوع ہی تعمیریں اور عمارتیں ہی ہوتا تھا۔ سلیمان خلیفہ بنا تو وہ نکاحوں اور کھانوں کا خوگر تھا، اس لیے اس کے دور میں باندیوں، کنیزوں، ان کے ساتھ نکاحوں، ولیموں، اور طعام و شراب کی تقریبات کی بابت گفتگوئیں رہتی تھیں۔

جب کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں گفتگوؤں کا محور یہ ہوتا تھا کہ رات کتنی تہجد پڑھی؟ قرآن کتنا یاد کیا ہے؟ کب دور ختم ہوا؟ اور اس ماہ میں جناب نے کتنے روزے رکھے ہیں؟ [1] وغیرہ وغیرہ۔

آپ نے اپنی قلمرو میں ہی دین کو قائم نہ کیا بلکہ غیر مسلموں کی طرف بھی بھرپور توجہ دی۔ اور انہیں اسلام لے آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ نے ہند اور ماوراء النہر کے بادشاہوں کو دعوتی خطوط روانہ کیے، اور ان سے اس بات کا وعدہ کیا کہ انہیں بھی مسلمانوں والے حقوق ملیں گے اور ان کے ذمے بھی وہی کچھ ہوگا جو مسلمانوں کے ذمہ ہوگا، چنانچہ بے شمار لوگ اسلام لے آئے اور انہوں نے اپنے عربی نام رکھ لیے۔ [2]

خدمت دین کے باب میں آپ کا سب سے بڑا کارنامہ علوم دینیہ اور بالخصوص علم حدیث کی تدوین کا اہتمام تھا۔ جس کی پوری تفصیل آگے آجائے گی۔ ان شاء اللہ۔

مقام حیرت ہے کہ یہ سب عظیم اعمال اور اصلاحاتِ جلیلہ آپ نے نہایت مختصر دورِ خلافت میں سرانجام دیں حتی کہ آپ امتِ مسلمہ کا زیور اور ہدایت کا منارۂ نور بن گئے جس کی روشنی میں آنے والی نسلوں نے تجدید و اصلاح کے رستوں کو پایا۔ [3]

(۲)...... مجدد کی شرائط اور صفات

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیرت کے حوالے سے ہم ایک مجدد کی اہم صفات و شرائط کو جن کا اس میں ہونا ضروری ہے، درج ذیل عناوین کے تحت بیان کر سکتے ہیں:

الف: ایک مجدد کا عقیدہ صحیح اور منہج سلامت ہونا چاہیے:

کیونکہ خود تجدید کے اہم ترین کاموں میں سے یہ کام ہے کہ اسلام کو تمام داخلی عناصر سے پاک اور صاف کیا جائے اور یہ اہم ترین مقصد اسی وقت ہی حاصل ہوسکتا ہے جب خود مجدد حضرت رسالت مآب ﷺ

---

1. تاریخ الطبری نقلا عن التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ۸۷
2. خامس الراشدین عمربن عبدالعزیز، للندوی، ص: ۳۰
3. التجدید فی الفکری الاسلامی، ص: ۸۷

کی سیرت اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منہج پر چلنے والا ہو اور وہ اس طائفہ منصورہ و ناجیہ میں سے ہو جس کے بارے میں احادیث میں یہ آتا ہے کہ تہتر فرقوں میں سے وہ ایک فرقہ ہوگا جو اس عقیدہ، منہج اور تصورات کا التزام کرے گا جس پر حضرت خاتمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں گے۔ [1] بلاشبہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ میں یہ شرط بدرجہ اتم پائی جاتی تھی جس کی وضاحت ہم آگے چل کر آپ کے آثارِ عقدیہ میں کریں گے۔ ان شاء اللہ

ب: وہ عالم مجتہد ہو:

مشیتِ الٰہی سے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ میں یہ شرط بھی کما حقہ پائی جاتی تھی۔ آپ کو اپنے عہد کے متعدد نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ اور آپ نے ان کے مسائل کے شرعی حل تلاش کرنے میں مجتہدانہ کاوشیں کیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مرتبہ اجتہاد اس قدر دشوار بھی نہیں جس کا تصور ہمیں اصول فقہ کی بعض کتب میں ملتا ہے جس کی بنا پر بعض لوگوں نے مجتہد کے لیے ایسی شرائط مقرر کر دیں ہیں جن کا حصول تقریباً ناممکن نظر آتا ہے۔ جیسے ایک مجتہد کو جملہ علوم آلیہ مثلاً صرف نحو، لغت اور بلاغت وغیرہ پر اور جملہ علوم عالیہ یعنی علوم شرعیہ جیسے تفسیر، حدیث، اصولِ فقہ، علم القرآن، مصطلحات الحدیث اور سیرت وغیرہ پر اور علم منطق وکلام وغیرہ پر کامل دستگاہ کا ہونا ضروری ہے حالانکہ ان سب علوم پر مہارت ہونا اور ان سب کا احاطہ بے حد دشوار ہوتا ہے۔ [2] جبکہ درست بات یہ ہے کہ اجتہاد ہر اس آدمی کے لیے آسان اور میسر ہے جس میں غور وفکر کی لیاقت واستعداد اور اہلیت موجود ہو۔

بہر حال اہم ترین بات یہ جاننا ہے کہ مجدد میں اس شرط کا پایا جانا ضروری ہے کہ اسے مدارک شرع کا احاطہ ہو، وہ فہم واستنباط پر قادر ہو، اپنے زمانہ کے احوال سے واقف ہو اور حقیقت میں فقیہ بھی ہو۔ [3] علامہ مناوی لکھتے ہیں: ''مجدد کے لیے لازم ہے کہ وہ حجت قائم کرنے والا، اور سنت کا ناصر ہو۔ اس میں متشابہات کو محکمات کی طرف موڑنے کا ملکہ ہو اور اس میں قرآنی نصوص، ارشادات، دلالات اور اقتضاءات سے حضور قلب اور بیداریٔ عقل کے ساتھ حقائق ونظریات کے استنباط کی قوت ہو۔ [4] علامہ ابوطیب شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں: مجدد دِین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین کے علوم ظاہریہ و باطنیہ کا عالم ہو اور وہ ناصر سنت اور قامع بدعت ہو۔ [5]

موصوف سید مودودی رقم طراز ہیں کہ: ایک مجدد میں جن صفات کا ہونا ناگزیر ہے، وہ یہ ہیں: صاف

---

[1] التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ٤٦
[2] عون المعبود: ١١/ ٣٩٢
[3] التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ٤٦
[4] فیض القدیر للمناوی: ١/ ١٤
[5] عون المعبود: ١١/ ٣١٩

ذہن، مستقیم فکر جس میں کسی قسم کی کجی نہ ہو، بے پناہ اور مضبوط صبر، افراط وتفریط کے درمیان معتدل رستے کی وضاحت کرنے کی اور دونوں کے درمیان اعتدال کی رعایت کرنے کی قوت نادرہ، صدیوں سے پڑی تعصبات کی دبیز تہوں اور موجودہ حالات کی تاثیرات سے خالی قوتِ فکر، اور زمانے کی استقامت واعتدال سے منحرف روش کے خلاف مزاحمت کرنے کی بے مثال جرأت وشجاعت'' ❶ (کہ ایک مجدد میں ان صفات کا ہونا لازمی ہے۔)

ایک مجدد کے کرنے کے کام کتنے ہیں ان پر گفتگو کرتے ہوئے سید مودودی کہتے ہیں:

''دین میں اجتہاد کرنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک مجدد کو کلیات دین کا فہم حاصل ہو، اس کے سامنے مدنی احوال اور اپنے دور کی عمرانی ترقی کی صورتیں واضح ہوں، اس میں قدیم متوارث تمدن کی صورت پر تعبیر وتعدیل کو داخل کرنے کے ایسے طریقے پر مہارت حاصل ہو جو روح شریعت کی سلامتی اور اس کے مقاصد کی تحقیق کا ضامن ہو۔ اور وہ مدینہ کی صحیح ترقی میں اسلام کو عالمی امامت پر متمکن بنائے۔''

ج: ایک مجدد کے تجدیدی اعمال کا دائرہ:

معاشرے کے فکر وسلوک کے دونوں میدان ہوں۔ کیونکہ ایک مجدد کا سب سے اہم کام یہ ہوتا ہے کہ وہ معاشرے کے انحرافات اور منحرفانہ رویوں کی اصلاح اور تصحیح کرے۔ اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ جس طرح فکر ونظر انحراف کی زد میں آ جاتے ہیں اس طرح انحراف کی یورش ویلغار سے معاشرے کا رویہ اور سلوک اور چال چلن بھی محفوظ نہیں رہتا۔ بلکہ زیادہ تر انحرافات سلوکیہ کا منشا فکری انحرافات وخرافات ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے ایک مجدد افہام وافکار کا قبلہ درست کرنے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور وہ امت کے افکار ونظریات کو داخلی شکوک وشبہات سے نجات دلاتا ہے اور اسلام کے لیے علم نافع اور فہم صحیح کو زندہ کرتا ہے اور اس کو لوگوں میں تالیف کتب، درس وتدریس اور دوسرے میسر وسائل کے ذریعے پھیلاتا ہے۔ اس کے بعد وہ لوگوں کے رویوں کی اصلاح، اخلاق کی درستی، نفوس کے تزکیہ، مخالف شریعت رسوم کے ابطال، منکرات وخرافات کے خلاف اعلان جنگ کرنے، اور لوگوں کی زندگیوں میں پھیلے منکرات کے خاتمہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس کے ساتھ ہی وہ معاشرے میں پھیلے بگاڑ کی مختلف صورتوں کا بھی بھرپور مقابلہ کرتا ہے بالخصوص اس بگاڑ کا جو حکومت اور امارت کی جڑوں میں بیٹھ چکا ہو۔ یوں ایک مجدد قول وفعل اور علم وعمل دونوں کو جمع کرتا ہے۔ علماء اسلام کے اقوال میں مجدد کی اس صفت اور شرط کے لیے جامع الفاظ یہ منقول ہیں کہ ''ایک مجدد سنت کا مددگار اور بدعت کے برسرپیکار ہوتا ہے۔'' ❷

❶ موجز تاریخ تجدید الدین للمودودی، ص: ۵۲
❷ عون المعبود: ۱۱/ ۳۹۱

د: مجدد کے علم وعمل کا نفع اس کے زمانہ کے سب لوگ اٹھاتے ہیں:

کیونکہ ایک مجدد ایک ایسے زمانی مرحلے کا فرد ہوتا ہے جو ایک صدی سے دوسری صدی تک پھیلا ہوتا ہے۔ لہٰذا مجدد کا ایک ایسا انسان ہونا ضروری ہے جو نور کا منارہ ہو جس سے لوگ روشنی حاصل کرتے ہوں اور انہیں نشان منزل اور منزل کا پتا ملتا ہو اور اس مجدد کی ذات سے اس علمی استفادہ کا سلسلہ کم از کم دوسرے مجدد کے آنے تک کے زمانہ تک جاری رہنا چاہیے۔ اور یہ بات اس امر کو متقضی ہے کہ مجدد کا علم اور اس کا نفع اپنے عصر کے لوگوں کے لیے عام ہو۔ اور یہ کہ اس کی اصلاحی کوششیں لوگوں کے افکار وسلوک پر ایک واضح اثر مرتب کرتی ہوں اور مجدد کی یہ منفعت زیادہ تر اس صورت میں سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے تربیت یافتہ تلامذہ اور مخلص رفقا کی ایک معتدبہ تعداد تیار کر کے اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے جو اس کے اصلاحی کاموں کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں' اس کی تالیفات کی نشر واشاعت اور افکار ونظریات کی ترویج میں ہمہ تن کمر بستہ رہتے ہیں اور وہ ان فکری مکاتب کی بنیادیں رکھتے ہیں جو اصلاح وتجدید میں ان مجددین کے نقش قدم پر ہوتی ہیں۔ [1]

(۳)......حدیث: ''بے شک رب تعالیٰ ہر سو سال کے خاتمہ پر اس امت کے لیے ایک ایسے شخص کو کھڑا کریں گے جو اس امت کے دین کی تجدید کرے گا'' [2] سے حاصل ہونے والے فوائد اور دروس وعبر

علمائے کرام نے اس حدیث کو رب تعالیٰ کی طرف سے ایک بشارت گردانا ہے کہ اپنے دین کی حفاظت اللہ خود کرے گا۔ چاہے زمانہ کتنا ہی لمبا کیوں نہ ہو جائے۔ اور خود رب تعالیٰ کا اس دین کی کفالت کرنا اس امت کے ایک لیے اعزاز ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ رب تعالیٰ ان ربانی مجددین کو بھیجتا رہے گا جو اس دین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتے رہیں گے۔ اور اس دین کو نیند سے بیدار کرتے رہیں گے۔ کیونکہ وہ ہدایت اور نور کے حامل ہوں گے۔ یہ حدیث ایک مسلمان میں غیر متزلزل یقین کو بیدار کرتی ہے۔ اس میں پکی امید کی طاقت پیدا کرتی ہے۔ اس کے دل میں امیدوں کے چراغ جلا کر مایوسیوں کے اندھیروں کو کافور کرتی ہے۔ اور اس بات کا پختہ یقین دلاتی ہے کہ آنے والا زمانہ اسلام کا ہی ہے، چاہے اہل باطل کی سرکشی آسمان کو کیوں نہ جا چھوئے، اور ان کی مادی طاقتوں کا دائرہ اعداد وشمار سے باہر ہی کیوں نہ نکل جائے۔ اور یہ کہ اسلام کا نور پھیل کر رہے گا چاہے کفر وطغیان، طاغوت وبطلان اور تمرد وعصیان کی رات کتنی ہی تیرہ وتاریک اور سیاہ کیوں نہ ہو جائے۔

بے شک آج ہمیں اس پختہ یقین کو اپنے جیبوں میں پیدا کرنے کی، اور اس یقین کو امت مسلمہ میں

---

[1] التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ۴۸

[2] سلسلہ الاحادیث الصحیحۃ: ۲/ ۱۵۱

پھیلانے کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے تاکہ ہم مایوسیوں اور ناامیدیوں کی ان سرکش موجوں کا پوری پامردی اور ہمت واستقلال کے ساتھ مقابلہ کرسکیں۔ جو امت اسلامی پر چڑھی چلی آرہی ہیں اور انہیں دل شکستہ، پژمردہ، بے حوصلہ اور بزدل بنا رہی ہیں اور امتِ مسلمہ گویا طاغوتی یلغاروں کے آگے پسپا، سپر انداز اور گھٹنے ٹیک رہی ہے اور اس نے بجائے ان کا مقابلہ کرنے کے یوں لگتا ہے جیسے ان آگے ہتھیار ڈال دیئے ہوں۔ اس پر مستزاد یہ کہ امت مسلمہ اپنی پسپائی اور پست ہمتی کی دلیل یہ پیش کرنے لگی ہے کہ اب آخری زمانہ ہے، کسی اصلاحی محنت کوشش کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ بیکار کی محنت ہے، کیونکہ اسلام دن بدن پستی میں گرتا جارہا ہے اور کفر کا اقبال بلند ہوتا جارہا ہے۔ ادھر قیامت کی علاماتِ صغریٰ کا ظہور روز افزوں ہے۔ اب تو بس علامات کبریٰ کے ظہور کا انتظار ہے اور قصہ تمام، پھر قیامت۔ کہاں کی دنیا اور کہاں کی اصلاح وتجدید۔

اس انتہائی بزدلانہ اور شکست خوردہ خیال کے مالک لوگ بعض احادیث کو صحیح طور پر نہ سمجھ پانے کی بنا پر ان سے اپنے شرمناک افکار کا استدلال کرتے ہیں۔ [1] انہی چند احادیث میں سے ایک بخاری کی یہ حدیث ہے جس کی صحیح مراد تک یہ کوتاہ فہم پہنچنے سے عاجز رہ گئے۔ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ''تم پر جو زمانہ بھی آئے گا مگر یہ کہ اس سے اگلا زمانہ اس سے بھی برا (اور بدتر) ہوگا۔ یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملو گے''۔ [2]

اور فرمایا: ''دین اسلام جب شروع ہوا تو وہ غریب (یعنی لوگوں کے لیے اجنبی اور کسمپرسی کی حالت میں) تھا اور عنقریب یہ دوبارہ غریب (یعنی لوگوں کے لیے اجنبی اور نامانوس) ہو جائے گا۔ پس شادمانی ہو غرباء کے لیے (اور ترمذی کی روایت میں آگے یہ الفاظ ہیں کہ: اور غرباء وہ لوگ ہیں جو اُس بگاڑ کے اصلاح کی کوشش کریں گے جو میرے بعد لوگ میری سنت میں پیدا کریں گے۔) [3]

لیکن یہ لوگ ایسی احادیث کا من چاہا مفہوم اخذ کرتے وقت یہ بات بھول جاتے ہیں کہ ایسی احایث کو ان احادیث سے جدا کرکے سمجھنا جائز نہیں جو امت مسلمہ کو بشارت دلاتی اور امید دلاتی ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''میری امت کی مثال بارش کی سی ہے نہیں معلوم کہ اس کے پہلے قطرے بہتر ہیں یا آخری۔'' [4]

یعنی کون سی سی قوم اور کون سا زمانہ افضل ہے یہ اللہ ہی جانتے ہیں۔ جیسا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس

---

1. التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ٥٥
2. صحیح البخاری، کتاب الفتن، رقم ٦٥٤١
3. صحیح مسلم، کتاب الایمان رقم: ٢٠٨۔ ہم نے اس حدیث کا ترجمہ معمولی تصرف کے ساتھ معارف الحدیث ج ہشتم ص ٦٩ سے نقل کیا ہے۔ (مترجم)
4. جامع الترمذی، رقم: ٢٧٩٥ حدیث صحیح

کی وضاحت کی ہے۔ [1] چنانچہ اسلام کی تاریخ ظہور اور نور سے بھری پڑی ہے۔ جیسے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا دور [2] نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، یوسف بن تاشفین اور محمد فاتح جیسے جہابذہ اور عبقری صلاحیتوں کے مالک امراء ومجاہدین کے ادوار۔

اس مقام پر اس بات کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ ''حدیثِ تجدید'' جس کی شرح وتفسیر ہم بیان کر رہے ہیں اور اس طرح وہ دوسری احادیث جو بشارت اور امید کے مضامین پر مشتمل ہیں کہ اسلام اپنی پہلی صورت پر ضرور لوٹے گا۔ بے شک یہ سب احادیث پیغمبرِ معصوم صادق و امین حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے صادر ہوئی ہیں اور یہ اسی طرح واقع ہو کر رہیں گی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ خود ان احادیث کے مضمون میں امت مسلمہ کو اس بات کا مکلّف بنایا گیا ہے اور ان کے جذبات کو انگیخت کیا گیا ہے کہ وہ اس دین کے لیے اللہ کی نصرت اور اس دین والوں کے لیے اعزاز وسربلندی کو ثابت اور محقق کرنے کے لیے پیہم اور ولولہ انگیز محنتیں کریں۔ جیسا کہ اسباب ومسببات کی ترتیب میں رب تعالیٰ کی کونی وتشریعی سنت ہے۔ [3]

اب ہم ذیل میں مذکورہ بالا حدیث کے ہر ہر جز کی قدرے تفصیل بیان کرتے ہیں:

الف: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''بے شک رب تعالیٰ اس امت کے لیے بھیجیں گے۔'' مذکورہ بالا حدیث کا یہ پہلا ٹکڑا ہے جو یہ بتلایا ہے کہ وہ مجدد فقط اپنے لیے نہ جئے گا بلکہ وہ پوری امت کے لیے جئے گا۔ ان سب کا غم کھائے گا۔ وہ صاحب عزیمت ہوگا جو امت کے غم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لے گا اور دن رات لگا تار اپنی ساری توانائیاں امت مسلمہ کی اصلاح وتجدید میں خرچ کر دے گا۔ تا کہ اس امت کو اس کی مشکلات سے نکالے اور اس کے اندر اپنے دین پر پختہ اعتماد ویقین دوبارہ پیدا کرے اور اسے اپنے صحیح منہج پر لوٹائے۔ اور وہ اس رستے کی تکالیف مصائب، دشواریوں ا، اذیتوں اور تکلیفوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرے گا۔ اور اس راستے کے ہر چیلنج کا مردانہ وار سامنا کرے گا تا کہ اس امت کی عظمت رفتہ کو بحال کرے اور اسے دوبارہ عزت وشرافت کی چوٹی تک جا پہنچائے۔ [4]

ب: آگے ارشاد ہے ''ہر سو سال کے سرے (یعنی خاتمہ) پر'' مذکورہ حدیث میں لفظ رأس آیا ہے۔ لغت کے اعتبار سے اس سے کسی چیز کا آغاز بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور اس کا خاتمہ بھی۔ [5] بہر حال یہاں آغاز

---

[1] مدارج السالکین ۳/ ۱۹۶

[2] التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ۵۶

[3] الاجتهاد للتجدید، ص: ۷ از عمر عبید حسنه.

[4] التجدید فی الاسلام نقلا عن التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ۵۷

[5] عون المعبود: ۱۱/ ۳۸۶

مراد ہے یا خاتمہ علماء کا اس کی تعین میں اختلاف ہے۔۔ چنانچہ بعض نے آغاز اور بعض نے اختتام مراد لیا ہے۔ ❶ جن میں ابن حجر، ❷ طیبی ❸ اور عظیم آبادی ❹ کا نام آتا ہے۔

علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ نے اس قول کو اختیار کرنے کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ امام زہری اور امام احمد ائمہ متقدمین و متاخرین سب کا اس بات پر اجماع ہے کہ پہلی صدی ہجری کے خاتمہ پر جو شخص مجدد ہو گزرا ہے وہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہیں جبکہ دوسری صدی کے خاتمہ پر جو مجدد گزرے ہیں وہ امام شافعی ہیں۔

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے چالیس سال کی عمر میں ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کی مدتِ خلافت محض اڑھائی سال ہے۔

جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ ❺ اب اگر رأس سے مراد کسی چیز کا آغاز لیا جائے تو نہ امام شافعی رحمہ اللہ مجدد بنتے ہیں اور نہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز ہی کیونکہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز پہلی صدی کے آغاز میں پیدا نہیں ہوئے اور نہ امام شافعی دوسری صدی ہجری کے آغاز میں پیدا ہوئے ہیں اس لحاظ سے یہ دونوں حضرات ان صدیوں کے مجدد کیونکر ہو سکتے ہیں۔ ❻ حالانکہ ان دونوں کے مجدد ہونے پر اتفاق ہے۔

ج: کیا کسی کو کو مجدد تسلیم کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اس صدی کے اختتام پر ہی وفات پائے؟ بعض علماء نے استحقاق مجددیت کے لیے اس بات کو شرط ٹھہرایا ہے کہ وہ شخص صدی کے آخر میں وفات پائے البتہ یہ رائے مرجوح ہے کیونکہ حدیث میں لفظ ''بعث'' آیا ہے جو ارسال، اظہار، موت، قبض اور زوال وغیرہ کے معانی پر دلالت کرتا ہے، اس لحاظ سے اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مجدد وہ ہوگا جس پر صدی کا خاتمہ ہوگا اور اس میں اس کے تجدیدی اعمال کا ظہور ہوگا۔ وہ صلاح اور تعمیم نفع کے وصف کے ساتھ شہرت پائے گا۔ اور یہ شرط نہیں کہ وہ صدی کے اختتام پر وفات بھی ضرور پائے۔ یا یہ کہ دوسری صدی کے شروع ہونے تک زندہ رہے۔ ❼

د: کیا کسی صدی کا مجدد ایک ہوگا یا متعدد؟

نبی کریم ﷺ کے ارشاد ''جو اس امت کے دین کی تجدید کرے گا'' نے ماضی اور حاضر میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ حدیث میں وارد لفظ ''مَـــــنْ'' سے مراد فردِ واحد ہے یا متعدد افراد ہیں جن کے ذریعے

---

❶ عون المعبود: ١١/ ٣٨٦
❷ فتح الباری: ١٣/ ٢٩٥
❸ عون المعبود: ١١/ ٣٨٩
❹ عون المعبود: ١١/ ٣٨٧
❺ عون المعبود: ١١/ ٣٨٧
❻ التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ٥٨
❼ التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ٦١

رب تعالیٰ اس امت کے دین کی تجدید کرے گا۔ یا اس لفظ کا مفہوم اس سے بھی زیادہ وسیع ہے جس میں افراد و جماعات بھی داخل ہیں۔ اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد فرد واحد ہے اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس رائے کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ وہ مجددین کے بارے میں یہ شعر کہتے ہیں: ''مجدد فرد واحد ہوتا ہے۔ یہی مشہور قول ہے اور یہی حدیث میں آتا ہے اور اس کو جمہور نے اختیار کیا ہے۔'' ❶

جبکہ دوسرا فریق اس طرف گیا ہے کہ حدیث میں مذکورہ لفظ مَنْ عموم کے لیے ہے جو اس لفظ کا اصلی اور وضعی معنیٰ ہے۔ ❷ لہٰذا اس سے جماعت بھی مراد لی جاسکتی ہے اور فرد واحد بھی، ان دونوں مفاہیم پر اس لفظ کا اطلاق یکساں ہوتا ہے۔ ❸ یہ مفہوم ابن حجر، ابن اثیر، ابن کثیر، ذہبی، مناوی اور عظیم آبادی ❹ نے لیا ہے۔ بحث وتحقیق اور تلاش وجستجو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حدیث میں وارد لفظ (مَنْ) کا عمومی معنی مراد لینا اولیٰ ہے۔ کیونکہ تاریخ اور واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ گزشتہ صدیوں میں ان کے اختتام پر متعدد مجددین موجود تھے۔ دوسرے تجدید کی ذمہ داری بے حد بھاری ہے جس دائرۂ بے حد پھیلا ہوا ہوتا ہے کیونکہ تجدید دین کے کسی ایک پہلو سے متعلق نہیں ہوتی۔ پھر خود امت اسلامیہ روئے زمین پر چاروں طرف پھیلی ہے، اس لیے بھی کسی ایک مجدد پر حصر واقتصار کرنا بے حد دشوار اور قریب ناممکن ہے۔ بلکہ تجدید کا وسیع وعریض عمل افراد کی جماعت سے ہی سرانجام دیا سکتا ہے۔ ❺

ھ: کیا نیا دین امت کا دین ہوگا نا کہ نفس دین؟ یہاں پر ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ حدیث شریف میں ''من یجدد لها دینها'' کے الفاظ آتے ہیں (یعنی وہ مجدد امت کے لیے ان کے دین کی تجدید کرے گا) یہاں لفظ'''' دین کی امت کی طرف اضافت ہے اور آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا ''من یجدد لها الدین'' (کہ وہ مجدد امت کے لیے دین کی تجدید کرے گا) اور اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ دین اس معنی کے اعتبار سے کہ وہ منہج الٰہی ہے جس کو رب تعالیٰ نے حضرت رسالت مآب ﷺ کے ذریعے اس امت تک پہنچایا ہے اور یہ ان عقائد وعبادات، اور اخلاق وشرائع پر مشتمل ہے جو بندے کو اپنے رب کے ساتھ اور اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ یہ دین آج تک اسی طرح ثابت ہے جس طرح رب تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا تھا اور اس میں ادنیٰ سی بھی تغیر وتبدیلی کی ہرگز گنجائش نہیں۔ اور نہ اس دین میں تجدید کا تصور ممکن ہے کیونکہ اس کو خود اس کا نازل

---

❶ عون المعبود: ١١/ ٣٩٤ ❷ التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ٦١
❸ ایضًا ❹ التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ٦٢۔٦٣
❺ التجدید فی الفکر الاسلامی، ص: ٦٥

کرنے والا رب حتمی شکل دے چکا ہے۔

البتہ ''امت کا دین'' اس معنی کے اعتبار سے کہ امت کا دین کے ساتھ تعلق، امت کا دین کے ساتھ تمسک اور اس کو وظیفہ حیات بنانے کا دائرہ اور وسعت کہ یہ روئے زمین پر ایک واقعاتی اور محسوس حقیقت ہے کہ یہی وہ معنی ہے جو تجدید کے مفہوم کو قبول کرتا ہے تاکہ لوگوں کو دین کے ساتھ تعلق کی اس سطح تک دوبارہ لے جایا جا سکے جہاں پر ان کا ہونا ضروری ہے۔ [1]

[1] من اجل صحوۃ اسلامیۃ، ص: ۲۶۔۲۷ از قرضاوی

تیسری فصل:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور عقائد اہل سنت کا اہتمام

آپ کو اہل سنت کے عقائد کا زبردست اہتمام تھا۔ اور آپ ان کی نشر واشاعت تعلیم وتعلم، درس وتدریس اور لوگوں میں ان کے پھیلانے کی بے پناہ حرص رکھتے تھے۔ تفسیر وحدیث اور فقہ وعقائد کے مآخذ و مراجع، عقائد اہل سنت کی بابت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اقوال وآثار سے معمور ہیں۔ استاذ حیات بن محمد جبریل نے ان میں سے متعدد اقوال کو جمع کیا ہے۔ اور اس علمی کاوش پر انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی مل چکی ہے۔ افسوس کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زیادہ تر سوانح نگاروں نے آپ کی زندگی کے اس اہم ترین پہلو پر روشنی ڈالنے کا چنداں اہتمام نہیں کیا اور اس بات کی قرار واقعی تفصیل بیان نہیں کی کہ آپ کو کتاب وسنت میں وارد صحیح عقائد کو لوگوں کے دلوں میں جاگزین کرنے کا کس قدر اہتمام تھا۔ آپ نے عقائد کے جن پہلوؤں پر گفتگو کی ذیل میں ہم ان میں سے اہم ترین عقائد پر قدرے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں:

۱......توحید الوہیت

بے شک توحید الوہیت دین اسلام کی اساس ہے۔ بلکہ یہ ہر آسمانی دین کی اساس ہے، سب پیغمبروں کو اس توحید کے ساتھ بھیجا گیا، اسی توحید کو لے کر سب آسمانی کتابیں اتریں۔ اور یہی وہ توحید ہے جس کی طرف حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الرسل حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک سب پیغمبروں نے دعوت دی۔ بلکہ جن وانس پیدا کرنے کا مقصد اور غایت ہی یہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاريات: ٥٦)

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے تاکہ وہ میری عبادت کریں۔''

بے شک اسلاف امت کو توحید کی اس نوع کا زبردست اہتمام تھا۔ اور جن سربرآوردہ شخصیتوں نے اس توحید کی بے پناہ خدمت کی ان میں ایک نمایاں نام سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا بھی ہے۔ [1] اس سے قبل کہ ہم سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ماثور اقوال کو بیان کریں، مقام کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے اس بات

[1] الآثار الواردة عن عمر بن عبدالعزيز في العقيدة: ١/ ١٩٩

پر بھی روشنی ڈالی جائے کہ توحید سے مراد ہے کیا اور جب توحید کا کلمہ مطلق بولا جاتا ہے تو اس کا مفہوم کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض نے توحید کا مفہوم یہ بیان کیا کہ رب تعالیٰ کی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ اسی اکیلے کی بلاشرکت غیرے عبادت کی جائے۔ [1] جبکہ بعض محققین نے توحید کا مفہوم یہ بیان ہے کہ یہ بندے کا اپنے افعال کے ذریعے رب کی توحید کو بیان کرنا ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ طلب وقصد میں توحید ہو، یعنی وہ عبادت کرے تو ایک اکیلے اللہ کی بلاشرکت غیرے عبادت کرے، اسی طرح خوف ورجاء محبت وتوکل، رہبت ورغبت بھی اسی اکیلے اللہ سے بلاشرکت غیرے کی جائے۔ اور بدنی، مالی ہر قسم کی عبادت کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کیا جائے۔ جس میں مخلوق میں سے کوئی شریک نہ ہو۔ [2]

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ایسے متعدد آثار منقول ہیں جو دعا تبرک، خوف ورجاء اور شکر وتوکل کے بارے میں ہیں ذیل میں ہم دعا کی بابت آپ سے مروی آثار کو بیان کرتے ہیں۔

ا۔ دعا:

الف: ایک دفعہ آپ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جس کے ہاتھ میں چند کنکریاں تھیں جن سے وہ کھیل رہا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا جا رہا تھا، اے اللہ! میری حورعین سے شادی کردے۔ یہ سن کر آپ اس کی طرف بڑھے اور فرمایا تم کتنے برے دعا مانگنے والے ہو، یہ کنکریاں ہاتھ سے کیوں نہیں پھینکتے، ان کو پھینک کر پھر اللہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہو اور اخلاص کے ساتھ دعا مانگو۔ [3]

یہ اثر بتلاتا ہے کہ آپ کے نزدیک اخلاص اور حضور قلب دعا کی شرائط میں سے ہے۔ اور اس پر قرآن و سنت دونوں دلالت کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (الغافر: ١٤)

''تو اللہ کی عبادت کو خالص کر کے اس کو پکارا کرو۔''

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ کو اس حال میں پکارو کہ تمہیں دعا کے قبول ہونے کا یقین ہو جان لو کہ اللہ غافل اور بے پرواہ دل کی دعا قبول نہیں کرتے۔ [4]

ب: آپ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: ''اے اللہ! میں نے تیری اس بات میں اطاعت کی جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور وہ تیری توحید ہے اور اس بات میں تیری نافرمانی نہیں کی جو تجھے سب سے زیادہ مبغوض ہے اور وہ تیرا کفر ہے پس تو ان دونوں کے درمیان کی میری لغزشوں کو معاف فرما۔'' [5]

---

[1] شرح العقیدۃ الطحاویۃ: ۱/ ۲۹ [2] رسالۃ توحید الالوھیۃ اساس الاسلام، ص: ۷ از عبد القادر احمدی

[3] الحلیۃ: ۵/ ۲۸۷ [4] جامع الترمذی: ۵/ ۴۸۳

[5] سیرۃ عمر: لابن القیم الجوزیۃ، ص: ۲۴۲

ذرا دیکھئے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کس طرح توحید اور طاعت کو وسیلہ بناتے ہیں اور رب تعالیٰ سے مغفرت کے طالب ہوتے ہیں۔ بے شک اعمال صالحہ کے ساتھ توسل اختیار کرنا مشروع ہے جیسا کہ حدیثِ غار میں تین افراد کا قصہ آتا ہے جن میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی نیکی یاد کر کے اس کے وسیلے سے نجات وخلاصی کی دعا مانگی تھی۔ ❶ بے شک مومن اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بناتے ہیں اور دعا مانگنے سے قبل ان کو ذکر کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ (آلِ عمران: ۱۹۳)

''اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک آواز دینے والے کو سنا، جو ایمان کے لیے آواز دے رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! پس ہمیں ہمارے گناہ بخش دے اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہمیں نیکوں کے ساتھ فوت کر۔''

یہاں ایمان والوں نے دعا سے قبل ایمان لانے کے نیک عمل کو پیش کیا ہے۔ قرآن کریم میں ایسی مثالیں بے شمار ہیں۔ ❷

ج: ایک دفعہ شام میں زلزلہ آیا تو آپ نے اہل شام کو یہ خط لکھا بھیجا: ''اما بعد! بے شک اس زلزلہ کے ذریعے اللہ اپنے بندوں پر عتاب فرماتے ہیں اور اہل امصار کو یہ لکھا کہ ''وہ فلاں ماہ کے فلاں دن کو نکلیں اور جس کے پاس جو کچھ ہو وہ اسے صدقہ کرے۔'' ❸

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ○ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ○﴾ (الاعلی: ۱۴۔۱۵)

''بے شک وہ کامیاب ہوگیا جو پاک ہوگیا۔ اور اس نے اپنے رب کا نام یاد کیا، پس نماز پڑھی۔''

اور وہ دعا مانگو جو آدم علیہ السلام نے مانگی تھی:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکته وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○﴾ (الاعراف: ۲۳)

''دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم

---

❶ صحيح مسلم رقم: ۲۷۴۳

❷ الآثار الواردة عن عمر في العقيدة: ۱/ ۲۱۹

❸ سيرة عمر بن عبدالحكم، ص: ٦٤

پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے۔''

اور وہ دعا مانگو جو نوح علیہ السلام نے مانگی تھی:

﴿وَ اِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ (هود: ٤٧)

''اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں خسارہ پانے والوں سے ہو جاؤں گا۔''

اور وہ دعا مانگو جو یونس علیہ السلام نے مانگی تھی:

﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (الانبياء: ٨٧)

''تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، یقیناً میں ظلم کرنے والوں سے ہو گیا ہوں۔''

جب شام میں زلزلہ آیا تو آپ نے اپنی رعایا کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ رب کی طرف متوجہ ہوں، صدقہ کریں، استغفار کریں اور عیدگاہ کی طرف نکلیں۔ [1]

د: میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس بیٹھا تھا۔ اتنے میں آپ بے حد رونے لگے اور بار بار موت کی دعا مانگنے لگے۔ میں نے پوچھا ''آپ موت کی دعا کیوں مانگتے ہیں حالانکہ خدا نے آپ سے یہ یہ خیر کے کام لیے ہیں۔ آپ کے ذریعے اللہ نے سنتوں کو زندہ کیا اور بدعتوں کو ختم کیا؟ اس پر آپ نے فرمایا: ''کیا میں اس نیک بندے کی طرح نہ بنوں کہ جب اللہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں اور اس کا امر سیدھا کر دیا تو اس نے یہ دعا مانگی:

﴿رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ﴾

(يوسف: ١٠١)

''اے میرے رب! بے شک تو نے مجھے حکومت سے حصہ دیا اور باتوں کی اصل حقیقت میں سے کچھ سکھایا، آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! دنیا اور آخرت میں تو ہی میرا یار و مددگار ہے، مجھے مسلم ہونے کی حالت میں فوت کر اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔''

آپ نے اپنے سے پہلے صالحین کی اقتداء میں ایمان پر موت کی دعا مانگی۔ بے شک یہ دعا پیغمبروں کی سنت اور صالحین کا شعار ہے۔ اور بسا اوقات آپ نے دین میں فتنوں کے ڈر سے بھی موت کی دعا مانگی، بالخصوص جب آپ کے اعوان و انصار بیٹا عبدالملک، بھائی سہل اور خادم خاص مزاحم کا انتقال ہو گیا۔ جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے۔ [2]

---

[1] الآثار الواردة عن عمر في العقيدة: ١/ ٢٢٠

[2] العقد الفريد: ٤/ ٣٩٦

۲۔ شکر:

یحییٰ بن سعید سے مروی ہے وہ کہتے ہیں: مجھے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ قول پہنچا ہے کہ نعمتوں کا ذکران کا شکر ہے۔ ❶

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قول ہے: ''اللہ کی نعمتوں کو ان کا شکرادا کر کے مضبوط کرو'' ❷ آپ نے اپنے بعض عمال کو یہ نصیحت لکھ بھیجی کہ...... ''میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اللہ کی ان نعمتوں پر جو تمہارے پاس ہیں اور جو عزت اس نے تمہیں مرحمت فرمائی ہے اس پر اس کا شکرادا کرنے کی ترغیب دیتا ہوں کیونکہ شکرادا کرنا اس کی نعمتوں کو بڑھاتا ہے اور ناشکری کرنا اس کی نعمتوں کو ختم کرتا ہے۔ ❸

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے رب کی نعمتوں پر شکرادا کرنے کی ترغیب دی کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس پر خود کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ (البقرہ: ۱۷۲)

''اور اللہ کا شکر کرو، اگر تم صرف اس کی عبادت کرتے ہو۔''

اور فرمایا:

﴿وَاشْكُرُوْا لِیْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ﴾ (البقرہ: ۱۵۲)

''اور میرا احسان مانتے رہو اور میری ناشکری نہ کرنا۔''

شکر کرنے سے نعمتیں ضرور بڑھتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ﴾

(ابراھیم: ۷)

''اور جب تمھارے رب نے صاف اعلان کر دیا کہ بے شک اگر تم شکر کرو گے تو میں ضرور ہی تمھیں زیادہ دوں گا اور بے شک اگر تم ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب یقیناً بہت سخت ہے۔''

سیدنا عمر رحمہ اللہ سے اس باب میں مروی آثار بتلاتے ہیں کہ اسلاف صالحین کا رب تعالیٰ کی نعمتوں کے ساتھ جو اس نے اپنے بندوں پر کر رکھی ہیں کیا سلوک تھا۔ ❹

۳۔ توکل:

حکم بن عمر کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے تین سو چوکیدار اور تین سو محافظ تھے۔ میں نے انہیں اپنے محافظوں کو یہ کہتے سنا ہے: ''تم لوگ میرے لیے تقدیر سے آڑ اور موت سے

---

❶ مصنف ابن ابی شیبۃ: ۸/ ۲۴۰
❷ کتاب الشکر لا بن ابی الدنیا، ص: ۱۹
❸ ذم الدنیا لابن ابی دنیا، ص: ۸۱
❹ الآثار الواردۃ: ۱. ۲۳۰

محافظ ہو اس لیے تم میں سے جو بھی گھر لوٹنا چاہے اسے دس دینار ملیں گے۔ ❶

ولایت مدینہ سے معزولی کے بعد آپ کے اپنے خادم مزاحم کے ساتھ مدینہ سے نکلنے کے واقعہ کو گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ نے اپنے خادم کو جواب میں یہ کہا: ''ہم دبران ستارے کی وجہ سے نہیں بلکہ رب واحد قہار کی وجہ سے مدینہ سے نکلے ہیں۔'' ❷

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اسباب مشروعہ کو اختیار کر کے توکل کیا کرتے تھے اور یہی توکل ہے کہ اسباب تو اختیار کیے جائیں پر اعتماد رب تعالیٰ پر ہو، بے شک یہ بات اصول توحید میں سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ (هُود: ۱۲۳)

''تو اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔''

اور فرمایا:

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ﴾ (الفرقان: ۵۸)

''اور اس زندہ پر بھروسا کر جو نہیں مرے گا۔''

توکل ان عظیم اور بڑے اسباب میں سے ہے جن کی بدولت مطلوب تک رسائی حاصل ہوتی ہے اور ناگواریوں کو دفع کیا جاتا ہے۔ اسباب کا منکر توکل میں مستقیم نہیں ہوسکتا۔ البتہ کامل توکل یہ ہے کہ اسباب کی طرف میلان نہ کیا جائے گو اختیار کیا جائے۔ یعنی دل ان میں اٹکا نہ ہو بلکہ دل رب کے ساتھ اٹکا ہو چاہے بدن نے اسباب اختیار کر رکھے ہوں۔ ❸

۴۔ خوف و رجاء:

یزید بن عیاض بن جعدبہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سلیمان بن ابی کریمہ کو خط لکھا کہ بے شک رب تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعظیم کرنے والا اور اس سے ڈرنے کے لائق وہ بندہ ہے جو اس آزمائش میں مبتلا کیا گیا ہو جس میں میں مبتلا کیا گیا ہوں۔ اور مجھ سے زیادہ سخت حساب والا کوئی نہیں اور اگر اس کی نافرمانی کی جائے تو اس کی نزدیک مجھ سے زیادہ بے قیمت کوئی نہیں۔ میں بار خلافت سے تنگدل اور آزردہ ہوں اور مجھے ڈر ہے کہ اس ذمہ داری کا حق ادا نہ کر پانے کی بنا پر ہلاک نہ ہو جاؤں۔ الا یہ کہ اللہ ہی اپنی رحمت سے میری کوتاہی کا تدارک کر دے۔ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم خروج فی سبیل اللہ کا ارادہ رکھتے ہو۔ اے بھائی! میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے رستے میں نکل کر تم میرے لیے شہادت کی موت کی دعا کرو،

---

❶ سیرا علام النبلاء: ۵/ ۱۳۶ ❷ سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ۳۲

❸ مدارج السالکین: ۲/ ۱۲۵

بے شک میرا حال بے حد برا ہے میں بڑے خطرے میں گھرا ہوں۔ میرے لیے رب سے دعا کرنا کہ اس نے مجھے جس آزمائش میں ڈالا ہے اس میں مجھ پر رحم کرے اور مجھے معاف کرے۔ ❶

جب چند ہی دنوں میں آپ کا بیٹا، بھائی اور خادم مزاحم تینوں کا انتقال ہوگیا تو ربیع بن سبرہ نے آپ سے کہا: ''اے امیر المومنین! میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی آدمی چند مسلسل دنوں میں آپ سے زیادہ کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہوا ہو، میں نے آپ کے بیٹے جیسا بیٹا، بھائی جیسا بھائی اور خادم جیسا خادم نہیں دیکھا۔'' ربیع کہتے ہیں میری یہ بات سن کر آپ نے کچھ دیر تک کے لیے سر جھکا لیا اور پھر کہا، ''اے ربیع! تم نے کیا کہا؟ میں نے اپنی بات دوبارہ دہرا دی۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''نہیں اس اللہ کی قسم! جس نے انہیں موت دی ہے! مجھے یہ پسند نہیں کہ جس مغفرت وثواب کی میں ان کے بارے میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اس کے بدلے میں ان میں سے کوئی میرے پاس ہو۔'' ❷ قتادہ سے روایت ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے بعد والے ولی عہد کے لیے یہ وصیت لکھوائی کہ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم! اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے یزید بن عبدالملک کو! السلام علیک، میں تیرے سامنے اس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، امابعد! میں یہ پروانہ تمہیں اس وقت لکھ رہا ہوں جب میں مرض الوفات میں مبتلا ہو چکا ہوں۔ جانتا ہوں کہ جس کو میں والی بنا جاؤں گا اس کی بابت میرا محاسبہ وہ کرے گا جو دنیا اور آخرت کا بادشاہ ہے۔ میں اپنی کوئی بات اس سے چھپا نہیں سکتا۔ اسی بادشاہ دو جہان کا یہ ارشاد ہے:

﴿فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِم بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ﴾ (الاعراف : ٧)

''پھر یقیناً ہم ان کے سامنے ضرور پورے علم کے ساتھ بیان کریں گے اور ہم کہیں غائب نہ تھے۔''

پس اگر تو رب تعالیٰ کی رحیم وکریم ذات مجھ سے راضی ہوگئی تو میں کامیاب ہو جاؤں گا اور طویل ہول سے نجات پا جاؤں گا۔ اور اگر وہ مجھ سے ناراض ہوگیا تو جو میرا انجام ہوگا، اس پر افسوس! میں اس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے دوزخ کی آگ سے نجات دے اور مجھے اپنی رضا کے طفیل جنت بخش دے۔ ❸

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ عمل بتلاتا ہے کہ آپ نے اپنے دل میں خوف ورجاء دونوں کو جمع کر رکھا تھا اور خوف ورجاء کا دل میں جمع کرنا اسلاف صالحین کا عقیدہ ہے۔ اس عقیدہ کی بدولت مومن ایک تو رب کی گرفت سے محفوظ رہتا ہے جبکہ رب سے مایوسی بھی اس کے پاس پھٹکنے نہیں پاتی۔ چنانچہ اسلاف رب کی رحمت کی امید بھی رکھتے تھے۔

❶ الطبقات: ٥/ ٣٩٤-٣٩٥ ❷ المعرفة والتاريخ للفسوي: ١/ ٦١٠

❸ سيرة عمر، لابن الجوزي: ١/ ٢٤٥

اور اس کا خوف بھی کھاتے تھے۔ ❶ وہ رب تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل پیرا رہتے تھے:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ﴾ (الاسراء: ۵۷)

''وہ لوگ جنھیں یہ پکارتے ہیں، وہ (خود) اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں، جوان میں سے زیادہ قریب ہیں اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرے رب کا عذاب وہ ہے جس سے ہمیشہ ڈرا جاتا ہے۔''

رب تعالیٰ نے اہل خوف ورجاء کی ان الفاظ کے ساتھ تعریف فرمائی ہے:

﴿اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَائِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهٖ﴾ (الزمر: ۹)

''(کیا یہ بہتر ہے) یا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے عبادت کرنے والا ہے، آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے؟''

۲..... سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے بارے میں عقیدہ

اسمائے حسنیٰ یہ وہ کلمات ہیں جو رب تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ اس بات کو بھی متضمن ہیں کہ تمام صفات کمالیہ کسی مماثلت کے بغیر رب تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں اور رب تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے نقص وعیب سے پاک ہے۔ ❷

اسمائے حسنیٰ وہ معروف کلمات ہیں جن کے ذریعے رب تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے۔ ان کا ذکر کتاب وسنت میں آتا ہے۔ یہ کلمات فی نفسہ رب تعالیٰ کی مدح وثناء کو مقتضی ہیں۔ ❸ قرآن کریم کا ہر قاری اور احادیث نبویہ کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے چند نام خود ذکر کیے ہیں جبکہ رب تعالیٰ کے کچھ نام جناب رسالت مآب ﷺ نے بھی لیے ہیں۔ یہ بات معلوم ہے کہ اسلاف امت رب تعالیٰ کے لیے ان ناموں کو ثابت کرتے ہیں جو خود رب تعالیٰ نے اپنے لیے رکھے ہیں اور جن سے نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کو پکارا ہے۔ کیونکہ رب سے زیادہ اور رب کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ سے زیادہ کسی کا علم

---

❶ الآثار الواردة عن عمر فی العقيدة: ۱/ ۲۹۵.

❷ منهج اهل السنة و منهج الاشاعرة فی التوحيد الله: ۲/ ۳۹۱۔ از خالد عبداللطيف.

❸ الآثار الواردة عن عمر فی العقيدة: ۱/ ۲۷۶

نہیں۔ رب تعالیٰ کے سب نام "حسنیٰ" ہیں، یہ نام اور اوصاف ہیں۔ یہ رب تعالیٰ کے حقیقی نام ہیں جو اس کی ذات وصفات پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ توقیفی (یعنی جنوانے سے جانے گئے ہیں نا کہ خود سے جانے گئے) ہیں یہ کسی خاص عدد میں محصور نہیں اور نہ یہ مخلوق ہیں۔ ان ناموں میں الحاد کرنا حرام ہے۔ ❶

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے رسائل وخطبات میں ہمیں رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا ذکر بھی ملتا ہے اور ان کی وضاحت بھی ملتی ہے اس بات میں آپ کا منہج اہل حق کا منہج تھا جو قرآن وسنت کے عین مطابق ہے۔ علمائے اہل سنت نے رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے بارے میں چند قواعد مقرر کیے ہیں ہم ان میں سے بعض قواعد کو سیدنا عمر رحمہ اللہ کے مواعظ وخطبات میں سے اخذ کر سکتے ہیں۔ آیئے پہلے ذیل میں علماء اہل سنت کے بیان کردہ ان قواعد کو پڑھتے ہیں۔

- رب تعالیٰ کے سب اسماء ازلی ہیں: چنانچہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں: رب تعالیٰ کی ذات سے اس بڑا جاہل اور کوئی نہیں ہوسکتا جو اس بات کا قائل ہو کہ رب تعالیٰ کا علم خلق کے بعد ہے۔ بلکہ اللہ وحدہٗ لاشریک ازل سے علیم ہے۔ اور وہ ہر شی کو اس کے پیدا کیے جانے سے پہلے بھی اور اس کے پیدا کرنے کے بعد بھی جانتا ہے اور اس پر گواہ ہے۔ ❷ اس کلام میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ رب تعالیٰ کے اسماء العلیم اور الشھید ازلی ہیں۔ اور یہی علمائے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ ❸
- رب تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں: یہی اہل سنت والجماعت کا منہج ہے۔ اگر سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے کلام کا استقراء کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ رب تعالیٰ کے صرف وہی نام ذکر کرتے ہیں جن کا ذکر کتاب وسنت میں آتا ہے نا کہ وہ نام ذکر کرتے جو انہوں نے خود سوچ بچار کر کے تجویز کیے ہوں اور یہی حق ہے کیونکہ رب تعالیٰ کو صرف انہیں ناموں سے پکارنا جائز ہے جو خود رب تعالیٰ نے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیے ہیں اور ان کا ذکر کتاب وسنت میں آتا ہے۔ ❹
- رب تعالیٰ کے نام اَعلام اور اَوصاف ہیں: اَعلام اس اعتبار سے ہیں کہ وہ رب تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں اور اوصاف ان معانی کے اعتبار سے ہیں جن پر وہ دلالت کرتے ہیں۔ لہٰذا پہلے اعتبار سے یعنی اعلام ہونے کے اعتبار سے یہ سب اسماء مترادف ہیں یعنی یہ سب کے سب اسماء صرف ایک ذات پر دلالت کرتے ہیں جبکہ دوسرے اعتبار سے یعنی اوصاف ہونے کے اعتبار سے یہ متباین ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک الگ خاص معنی پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا حی، رحمٰن اور رحیم یہ سب ایک ذات کے نام

❶ الآثار الواردة عن عمر في العقيدة: ۱/ ۲۸۷
❷ الحلية: ۵/ ۳۴۸
❸ الآثار الواردة: ۱/ ۳۰۵
❹ الآثار الواردة: ۱/ ۳۰۵

ہیں لہٰذا اس اعتبار سے یہ مترادف ہیں کہ ان سب اسماء کا مسمّٰی ایک ذات ہے لیکن جو معنی حیی کا ہے وہ رحمٰن کا نہیں اس اعتبار سے یہ ایک دوسرے کے متباین ہیں۔ [1] بعض نام نہاد اسلامی فرقوں نے اسمائے حسنٰی کی توحید کی بابت اسلاف کے عقائد کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ جہمیہ (ان کا ذکر آگے تفصیلاً آ رہا ہے) نے اسمائے حسنٰی کا انکار کیا۔ کیونکہ ان کا گمان تھا کہ توحید رب تعالیٰ نرا پاک قرار دینا ہے اور یہ کہ اسماء حسنٰی کا اثبات یہ اعراض حادثہ کا اِثبات ہے اس لیے ان کے نزدیک رب تعالیٰ کے دو ہی نام ثابت ہیں ایک قادر اور دوسرا خالق۔ کیونکہ جہم کا یہ عقیدہ تھا کہ مخلوق میں سے کسی کو قادر نہیں کہہ سکتے کیونکہ بندوں میں استطاعت نہیں ہوتی اور نہ کسی مخلوق کو خالق کے نام سے پکار سکتے ہیں۔ کیونکہ جہم کے نزدیک ہر وہ نام یا صفت جس کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہو سکتا ہے اس کا اطلاق اللہ پر جائز نہیں۔ [2]

اس بنا پر ایک مسلمان کے ذمے یہ بات واجب ہے کہ جب رب تعالیٰ کا کوئی اسم کتاب وسنت سے ثابت ہو جائے تو وہیں ٹھہر جائے اور اس پر ایمان لے آئے، ایسی کسی بدعت، تحریف یا تاویل کو ترک کر دے جو کتاب وسنت میں الحاد کے دروازے پر لا کھڑا کرے۔ [3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الاعراف : ۱۸۰)

''اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، سو اسے ان کے ساتھ پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں سیدھے راستے سے ہٹتے ہیں، انھیں جلد ہی اس کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔''

سیّدنا عمر رحمہ اللہ کے رسائل میں رب تعالیٰ کے متعدد ناموں کا ذکر ملتا ہے جیسے اللہ، رب، رحمٰن، رحیم، ملیک، مقتدر، خبیر، کریم، حیی، رقیب، شہید، واحد، قہار، علی العظیم، عفو الغفور، عزیز الحکیم، وارث، خالق اور علیم وغیرہ۔ [4] ہم ان میں سے بعض ناموں کو ذکر کرتے ہیں:

۱۔ نام ''رب'':

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اے میرے رب! مجھے میری عقل سے مستفید کر'' [5] بے شک ''رب'' رب تعالیٰ کے اسمائے حسنٰی میں سے ہے۔

---

[1] القواعد المثلی، ص: ۸
[2] منهاج السنة: ۲/ ۵۲۶
[3] الآثار الواردة: ۱/ ۳۰۶
[4] الآثار الواردة: ۱/ ۲۷۹-۳۰۹
[5] سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ۶۸

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ﴾

''(یہاں تمہارے رہنے کو یہ) پاکیزہ شہر ہے اور (وہاں بخشنے کو) رب غفار''

رب کا معنیٰ ہے کسی چیز کی اصلاح وتربیت کرنے والا۔ رب الشی کا معنی ہے اس شے کا مالک، پس اللہ عزوجل بندوں کا مالک، ان کا اور ان امور واحوال کا مصلح ومربی ہے۔ ❶

لفظ رب'' (جو صیغۂ صفت ہے اس) کا مصدر'' ربوبیت'' ہے۔ اور ہر آدمی جو کسی شے کا مالک ہو وہ اس کا رب کہلاتا ہے کہتے ہیں''هذا رب الدار'' (یہ گھر کا مالک ہے) اور''هذا رب الصنيعة'' یہ اس کام اور کاری گری کا مالک ہے۔ البتہ ''الرب'' الف لام کے ساتھ صرف اور صرف اللہ عزوجل کے لیے بولا جاتا ہے جو ہر شے کا مالک ہے۔ ❷

۲۔ اَلْحَيُّ

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ایک دوست تھا۔ آپ کو اس کے وفات پا جانے کی اطلاع دی گئی تو آپ اس کے اہل خانہ کے پاس تعزیت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ کو دیکھ کر وہ لوگ فرط غم سے چلانے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ نے انہیں ارشاد فرمایا'' تمہارے یہ صاحب تمہارے روزی رساں نہ تھے تم لوگوں کو روزی دینے والا وہ اللہ ہے جو حی (زندہ) ہے اور جس کو کبھی موت نہ آئے گی۔'' ❸

''الحی'' یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ﴾ (البقرہ: ۲۵۵)

''اللہ (وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (وہ) زندہ ہمیشہ رہنے والا (ہے)۔''

رب تعالیٰ کی حیات سے پہلے عدم نہیں اور نہ اسے زوال لاحق ہوگا۔ اور رب تعالیٰ کی حیات علم، قدرت سمع اور بصر وغیرہ کی تمام صفات کمالیہ کو مستلزم ہے۔ ❹

۳۔ اَلْوَاحِدُ الْقَهَّارُ:

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے خادم خاص مزاحم سے ارشاد فرمایا: ''اے مزاحم! ہم سورج یا چاند میں سے کسی کی وجہ سے مدینہ سے نہیں نکالے گئے بلکہ ہم اللہ واحد قہار کی وجہ سے نکالے گئے ہیں۔'' ❺

---

❶ الآثار الواردة: ۱/ ۲۸۱.

❷ اشتقاق اسماء الله الحسنى للزجاجي، ص: ۳۲-۳۳

❸ الحلية: ۵/ ۳۳۰

❹ اشتقاق اسماء الله الحسنى، ص: ۱۰۲ للزجاجي

❺ سيرة عمر لابن عبدالحكم، ص: ۳۲

واحد قہار: یہ بھی رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ (ابراھیم: ٤٨)

''جس دن یہ زمین اور زمین سے بدل دی جائے گی اور سب آسمان بھی اور لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے، جو اکیلا ہے، بڑا زبردست ہے۔''

واحد قہار: وہ ذات جو اپنی عظمت، اسماء صفات اور افعال عظیمہ میں یگانہ ہو اور تمام جہانوں پر قاہر غالب اور زبردست ہو اور سارے عالم اس کے تصرف و تدبیر کے تحت ہوں اور ان تمام عوالم میں ہونے والی ہر ہر حرکت اور سکون اس کے اذن سے ہو۔ [1]

۴۔ اَلْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے لشکروں کے امراء کو ایک خط لکھا جس کو ان الفاظ پر ختم کیا:

((وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ)) [2]

العلی العظیم: یہ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ﴾ (البقرہ: ٢٥٥)

''اور اسے زمین و آسمان کی حفاظت نہیں تھکاتی اور وہی سب سے بلند، سب سے بڑا ہے۔''

العلی: وہ اپنی ذات کے ساتھ اپنے عرش کے اوپر ہے۔ وہ اپنے قہر کے ساتھ مخلوقات کے اوپر ہے وہ اپنی صفات کمالیہ کی وجہ سے اپنی قدرت کے ساتھ بلند ہے۔ [3]

العظیم: وہ ذات جس کی عظمت کے آگے بڑے بڑے جابرہ کی عظمت و جبروت حقیر، کمزور اور بے اثر پڑ جائے اور اس کے جلال کے آگے قاہر ومتسلط بادشاہوں کی ناک بھی خاک آلود ہوتی ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے لیے عظیم ترین عظمت ہے۔ [4]

یہ اللہ کے وہ بعض اسمائے حسنیٰ ہیں جو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے رسائل اور آثار میں وارد ہیں۔ اور یہ بھی بطور مثال کے ہیں نا کہ حصر کے طور پر۔

---

[1] تفسیر السعدی، ص: ٤٢٨
[2] سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ٨١
[3] تفسیر السعدی، ص: ١١٠
[4] تفسیر السعدی، ص: ١١٠

۳......رب کی صفات کے بارے میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا عقیدہ

صفات باری تعالیٰ یہ وہ کامل صفات ہیں جو رب تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں جیسے علم، حکمت، سمع، بصر، یدین، وجہ، (دو ہاتھ اور چہرہ) وغیرہ جن کی خود رب تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں اپنی کتاب میں اور نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے خبر دی ہے۔ رب تعالیٰ کی توحید اس کی صفات میں سے ہے۔ وہ یہ کہ رب تعالیٰ کو نفی اور اثبات میں اس صفت کے ساتھ موصوف کیا جائے جو اس نے خود اپنے لیے بیان کی ہے اور جو نبی کریم ﷺ نے خود رب تعالیٰ کی صفت بیان کی ہے۔ لہٰذا ہم اس صفت کو ثابت کریں گے جو رب تعالیٰ نے خود اپنے لیے ثابت کی ہے اور اس بات کی رب تعالیٰ سے نفی بیان کریں گے جس کی اس نے اپنی ذات سے نفی بیان کی ہے۔ [1] اور یہی قاعدہ اس باب میں اصل ہے۔ اور یہی ائمہ اسلاف کا طریقہ تھا کہ وہ کسی قسم کی تکییف (کیفیت بیان کرنے) اور تمثیل (مثل بیان کرنے) کے بغیر اور کسی تحریف اور تعطیل کے بغیر رب تعالیٰ کے لیے وہ صفات بیان کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لیے بیان کی ہیں اور جس بات کی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے نفی بیان کی ہے۔ اس کی نفی رب تعالیٰ کے اسماء اور آیات میں بغیر کسی الحاد کے کرتے تھے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت بیان کی ہے جو اس کے اسماء اور آیات میں الحاد کی روش اختیار کرتے ہیں:

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (الاعراف: ۱۸۰)

''اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، سو اسے ان کے ساتھ پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں سیدھے راستے سے ہٹتے ہیں، انھیں جلد ہی اس کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کیا کرتے تھے۔''

اور فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ﴾ (فصلت: ۴۰)

''بے شک وہ لوگ جو ہماری آیات کے بارے میں ٹیڑھے چلتے ہیں، وہ ہم پر مخفی نہیں رہتے، تو

---

[1] اقوال التابعین فی مسائل التوحید والایمان: ۳/ ۸۷۴

کیا وہ شخص جو آگ میں پھینکا جائے بہتر ہے، یا جو امن کی حالت میں قیامت کے دن آئے؟ تم کرو جو چاہو۔"

علماء اسلام کا طریقہ یہ تھا کہ وہ رب تعالیٰ کے اسماء وصفات کو مخلوقات کے ساتھ مماثلت کی نفی کے ساتھ ثابت کرتے تھے۔ اور یہ ثابت کرنا بلاتشبیہ کے تھا اور وہ رب تعالیٰ کی ذات کو بلاتعطیل منزہ قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ: ۱۱) ''اس جیسی کوئی چیز نہیں۔''

اس آیت میں رب تعالیٰ نے تشبیہ اور تمثیل کا رد کیا ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری: ۱۱) ''اور وہ دیکھتا اور سنتا ہے۔''

کہ اس آیت میں رب تعالیٰ نے الحاد اور تعطیل کا رد کیا ہے۔ [1]

صفات کے باب میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے متعدد آثار مروی ہیں۔ چنانچہ آپ رب تعالیٰ کے لیے ان صفات کو ثابت کرتے تھے جن کو رب تعالیٰ نے خود اپنے لیے ثابت کیا ہے۔ آپ نے رب تعالیٰ کے لیے صفت نفس، وجہ، علم، کبریاء، قدرت، علو، معیت، قرب، مشیت، ارادہ، غضب، رضا، اور رحمت [2] وغیرہ کو ثابت کیا۔ ذیل میں اس بابت چند آثار کو ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ صفت نفس کا اثبات:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ضحاک بن عبدالرحمٰن کو خط میں یہ لکھا:

''امـا بـعد! ''بے شک رب تعالیٰ نے اسلام اپنے نفس کی رضا کا سبب ٹھہرایا ہے اور یہ بات مخلوق پر اس کے کرم میں سے ہے کہ وہ اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو قبول نہ کرے گا۔'' [3]

اس اثر میں صفت نفس کا اثبات ہے جس پر کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں۔ ارشاد تعالیٰ ہے:

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ﴾ (آل عمران: ۲۸)

''اور اللہ تمھیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

نبی کریم ﷺ رب تعالیٰ کی ثنا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ...... (اے اللہ!) میں تیری ثنا بیان کرنے کو شمار نہیں کر سکتا، (بے شک) تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے خود اپنے نفس کی تعریف بیان کی ہے۔'' [4]

رب تعالیٰ کا نفس یہ رب تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہے۔ جیسا کہ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ [5] لہٰذا

---

[1] مجموع الفتاوی: ۳/ ۸
[2] الآثار الواردة عن عمر: ۱/ ۳۱۳۔ ۳۵۹
[3] سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ۸۶
[4] صحیح مسلم، رقم: ٤٨٦
[5] الآثار الواردة عن عمر فی العقیدہ: ۱/ ۳۱٤

رب تعالیٰ کا نفس یہ رب تعالیٰ کی ذات ہے جو اس کی صفات سے متصف ہے اور اس سے وہ ذات مراد نہیں جو صفات سے جدا ہو اور نہ اس سے ذات کی صفت مراد ہے۔ (بلکہ ذات مراد ہے جو صفات سے متصف ہے)۔ [1]

۲۔ صفتِ "وَجْہٌ":

سیدنا عمر رحمہ اللہ نے خوارج کو جو رسالہ لکھا تھا اس میں یہ مضمون تھا۔ "میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں، اگر تم میری پہلونٹھی اولاد بھی ہوتے تو میں تم لوگوں کا خون بہا دیتا اور (التمس بذلك وجه الله والدار الآخرة) اس سے اللہ کی (وجہ یعنی اس کی) رضا اور آخرت کا طلبگار ہوتا۔" [2]

رب تعالیٰ کی صفتِ (وجہ) رب تعالیٰ کی ان صفات ذاتیہ خبریہ میں سے ہے جس پر کتاب وسنت کی دلالت موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ﴾

"اور جو اپنے پروردگار کی (وجہ یعنی) خوشنودی حاصل کرنے کے لیے (مصائب پر) صبر کرتے ہیں۔"

یاد رہے کہ نبی کریم ﷺ رب تعالیٰ سے ایسی دعا کبھی مانگ نہیں سکتے جو ناجائز ہو۔ چنانچہ آپ ﷺ رب تعالیٰ سے یہ دعا مانگتے ہیں کہ "اے مرے رب! مجھے اپنے چہرے پر نظر ڈالنے کی لذت نصیب فرما۔" ارشاد نبوی ﷺ ہے: "اور میں تجھ سے تیرے چہرے پر نظر ڈالنے کی لذت کا سوال کرتا ہوں۔" [3]

۳۔ صفت "اَلْقُدْرَۃُ":

آپ نے اپنے ایک عامل کو یہ خط لکھا: امابعد! جب لوگوں پر تیری قدرت و طاقت تمہیں ان پر ظلم کرنے پر آمادہ کرے تو رب تعالیٰ کی اس قدرت کو یاد کر لینا جو ان پر ہونے والے ظلم کو تو ختم کر دے گی البتہ تجھ پر آنے والے عذاب کو باقی رکھے گی۔ [4]

قدریہ پر رد کرتے ہوئے آپ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں: بے شک اللہ اپنی قدرت میں سب سے برتر ہے اور اس بات سے زیادہ طاقتور ہے کہ کوئی اس کے علم کو باطل کر سکے۔ [5]

یہ دونوں آثار بتلاتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ رب تعالیٰ کے لیے صفت قدرت کو ثابت کرتے ہیں اور یہ رب تعالیٰ کی وہ صفت ہے جو عقل ونقل دونوں سے ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] الفتاوی نقلاً عن الآثار الواردة: ۱/ ۳۱۴
[2] سيرة عمر لابن عبدالحكم، ص: ۷۵
[3] صحيح سنن النسائی للالبانی وصححه: ۱/ ۲۸۰۔۲۸۱
[4] سيرة عمر لابن الجوزی، ص: ۱۲۵
[5] الحلية: ۵/ ۳۴۷

﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (البقرة: ۲۰)

''بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

رب تعالیٰ کی صفتِ قدرت پر احادیث بھی دلالت کرتی ہیں، چنانچہ حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ نے جب اپنے غلام کو مارا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے ابومسعود! جان لو کہ اللہ تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی تم اس غلام پر رکھتے ہو۔'' ❶

یہ چند آثار ہم نے بطور نمونہ ذکر کیے ہیں جو بتلاتے ہیں کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ رب تعالیٰ کی صفات کو اہل سنت والجماعت کے منہج کے اصولوں پر ثابت کرتے تھے۔

۴...... قبروں کو مساجد بنانے کی ممانعت

اسماعیل بن ابی حکیم سے روایت ہے کہ انہوں نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیت فرمائی وہ یہ تھی ''اللہ یہود ونصاریٰ کو ہلاک کرے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مساجد بنالیا (پھر فرمایا) سرزمین عرب پر (اب) اور دین باقی نہ رہیں گے، یا یہ فرمایا۔ اکٹھے نہ رہیں گے۔'' ❷

حصین بیان کرتے ہیں کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے قبروں کو پختہ اینٹوں کے ساتھ بنانے سے منع فرمایا اور اس بات کی وصیت کی۔ ❸ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مرسل حدیث اس بات کو بیان کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس بات سے ڈرایا کہ وہ قبروں کو مساجد بنائیں اور یہ کہ یہ یہود ونصاریٰ کا فعل ہے اور قرآنی نص بتلاتی ہے کہ مسلمانوں کو ان گمراہوں (نصاریٰ) اور مغضوب علیھم (یہود) کی اتباع اور پیروی سے منع کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ قبروں کو پختہ بنانے، ان کی گچ کاری کرنے اور ان پر مساجد بنانے کی ممانعت پر امت کا اجماع ہے، اسی لیے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان باتوں سے منع فرمایا اور امت کو اس کی وصیت کی۔ ❹

روایات میں آتا ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جب مدینہ کے امیر تھے تو ولید بن عبدالملک نے مسجد نبوی کی تعمیر کا اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے حجروں کو جن میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ بھی شامل تھا، مسجد نبوی میں داخل کرنے کا حکم دیا۔ اب سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں شاہِ کونین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے دو جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہما کی مبارک قبریں بھی تھیں۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے قبر مبارک کے آخر میں قبروں کی تعیین کے لیے ایک ستون کھڑا کر دیا تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف منہ کر

❶ صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۶۵۹

❷ صحیح البخاری رقم: ۱۳۳۰

❸ سیرۃ عمر لابن الجوزی، ص: ۳۴۶

❹ الآثار الواردة عن عمر فی العقيدة: ۱/ ۲۶۴

کے نماز ادا نہ کی جائے اور ایسا اس وقت کیا گیا جب حجرہ مبارکہ کی دیوار گر گئی۔ چنانچہ آپ نے حجرہ مبارکہ کو اس طرز پر پانچ ستونوں کے ساتھ تعمیر کیا۔ ❶

بہر حال مقصد یہ بتلانا ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے علم وحکمت سے شرک کے سب رخنے بند کر دیے۔ ولایت مدینہ کے دور میں مسجد نبوی کی تعمیر کی بابت آپ کا یہ طرز اس بات کا بین ثبوت ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی قبر مبارک کو اور دوسروں کی قبروں کو بھی مسجد بنانے سے منع فرمایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ممانعت اس ڈر سے تھی کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں مبالغہ نہ کیا جانے لگے اور لوگ اس سے فتنے میں نہ پڑ جائیں۔ بلکہ بسا اوقات یہ حد سے بڑھی ہوئی تعظیم کفر تک لے جاتی ہے جیسا کہ بعض گزشتہ قوموں نے اس بابت کفر کا ارتکاب کر کے دکھایا۔ ❷

اسی لیے آپ نے خود اپنی قبر کو بھی پختہ نہ بنانے کی وصیت کی اور اس بات سے شدت کے ساتھ منع فرمایا حالانکہ آپ اس دور میں رہتے تھے جس میں ابھی تک عقائد بالکل واضح، صاف، صحیح، پختہ اور ہر قسم کے شکوک وشبہات سے پاک اور شفاف تھے اور ابھی تک اس دور کی وہ حالت نہ ہوئی تھی جو مابعد کے ادوار کی ہوگئی تھی۔ لیکن بلاشبہ یہ آپ کے مقاصدِ سنت کے فہم صحیح، نبوی منہج اور نہج صحابہ کی سچی پیروی اور توفیق یزدانی کی بدولت دین کی حقیقی سوجھ بوجھ کا فیضان تھا کہ آپ نے محض اس ڈر سے اپنی قبر کو پختہ نہ بنانے وصیت کی کہ کہیں اس کو مسجد نہ بنالیا جائے۔ چنانچہ اس سے قبل کہ یہ مسئلہ سنگینی اختیار کر جاتا آپ نے ابتداء ہی سے اس کا سدباب کر دیا۔ بے شک آپ کا یہ موقف سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے ثابت ہے جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ ''قبروں کو پختہ بنایا جائے، اور یہ کہ ان پر بیٹھا جائے یا ان پر کوئی عمارت تعمیر کی جائے۔'' ❸

۵......سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نزدیک ایمان کا مفہوم

عدی بن عدی کہتے ہیں: سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مجھے یہ خط لکھا: امابعد! بے شک ایمان کے کچھ فرائض وشرائع اور سنن وحدود ہیں۔ پس جس نے ان سب کو پورا کر لیا اس نے ایمان کو پورا کر لیا اور جس نے ان کو پورا نہیں کیا اس نے ایمان کو پورا نہیں کیا۔ اگر میں زندہ رہا تو میں تم لوگوں کو یہ سب بیان کروں گا تاکہ تم ان پر عمل کر سکو اور اگر میں مر گیا تو مجھے بھی تم لوگوں کے ساتھ رہنے کا زیادہ شوق نہیں۔'' ❹

جعفر بن برقان سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہمیں یہ خط لکھا:

❶ الآثار الواردة عن عمر فی العقیدة: ١/ ٢٦٥
❷ صحیح مسلم بشرح النووی: ٢/ ١٨٥
❸ صحیح مسلم، رقم: ٩٧٠ ❹ فتح الباری: ١/ ٤٥

''امـا بـعـد! بے شک اللہ پر ایمان لانا، نماز قائم کرنا، اور زکوٰۃ ادا کرنا یہ دین کے (مضبوط) کڑوں اور اسلام کے (بنیادی) ستونوں میں سے ہے۔ اس لیے تم نماز کو اپنے وقت پر ادا کرو۔'' ❶

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ''ایمان چند فرائض کا نام ہے: یعنی اعمال مفروضہ ایمان کا حصہ اور اس کا ستون ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔

اور ایمان یہ شرائع ہے: یعنی عقائد دینیہ یہ ایمان میں سے ہیں جیسے اللہ اور اس کے فرشتوں پر ایمان لانا وغیرہ۔ ایمان کی حدود کا مطلب ہے ممنوعات شرعیہ جیسے شراب نوشی اور زنا۔

سنن سے مراد مندوبات ہیں جیسے رستہ سے تکلیف دہ چیز وغیرہ کا اٹھا دینا کہ یہ سب امور ایمان میں سے ہیں۔'' ❷

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ماثور یہ قول حق ہے جس پر کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اقوال دلالت کرتے ہیں اہل حق کے نزدیک ایمان قول باللسان، تصدیق بالجنان اور عمل بالارکان کا نام ہے۔ ❸

ایمان کے قول باللسان ہونے کی دلیل یہ ارشاد تعالیٰ ہے:

﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ﴾ (البقرة: ١٣٦)

(اے مسلمانو!) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم پر اترے اس پر (ایمان لے آئے)''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ قتال کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اس نے اپنی جان اور مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا مگر حق شریعت کے ساتھ (اگر اس کی جان یا مال لینا پڑے تو وہ اور بات ہے) اور اس (کے باطن) کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ ❹

رہی بات دل کے اعمال کے ایمان میں سے ہونے کی تو اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (الانفال: ٢)

''مومن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔''

الوجل (ڈرنا): یہ دل کا فعل ہے جس کو اس آیت میں ایمان کا نام دیا گیا ہے۔ رہی اس بات کی دلیل کہ جوارح کے اعمال بھی ایمان میں سے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

❶ سيرة عمر لابن عبدالحكم، ص: ٧٢
❷ الآثار الواردة عن عمر فى العقيدة: ١/ ٥٤٥
❸ الآثار الواردة عن عمر فى العقيدة: ١/ ٥٤٤
❹ صحيح مسلم، رقم: ٣٢

﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ (البقره: ١٤٣)

''اور اللہ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو یوں ہی کھو دے۔''

اس آیت کا سببِ نزول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے جب اس بات کا سوال کیا گیا کہ ان لوگوں کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جن کا اس زمانہ میں انتقال ہوگیا جب نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ادا کی جاتی تھیں؟ تو اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ رب تعالیٰ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ادا کی جانے والی نمازوں کو ایمان کا نام دیا ہے۔ جب یہ بات نماز کے بارے میں ثابت ہوگئی تو دوسری طاعات میں بھی ثابت ہوگئی۔ [1]

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے ایک رسالہ میں یہ لکھا: ''میں رب تعالیٰ سے اس کے فضل اور اس کی رحمت کے طفیل اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ وہ ہدایت والے کی ہدایت میں اور اضافہ کرے اور ''مسی توبہ'' کو اپنی عافیت میں لوٹا لے۔'' [2]

اور آپ کا ایمان پورا کرنے کے موضوع پر یہ قول ہے: ''پس جس نے ان باتوں کو پورا کر لیا اس نے ایمان کو پورا کر لیا اور جس نے ان باتوں کو پورا نہیں کیا اس نے اپنا ایمان پورا نہیں کیا۔'' [3] یہ آثار بتلاتے ہیں کہ ایمان بڑھتا گھٹتا ہے اس بات پر کتاب و سنت اور سلف صالحین کے اقوال و آثار دلالت کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ (الانفال: ٢)

''اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور بڑھ جائے گا۔''

اور ائمہ اسلاف میں سے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول ہے کہ ''میں بلاد و امصار کے ایک ہزار سے زیادہ علماء سے ملا اور میں نے کسی کو بھی اس بات میں اختلاف کرتے نہیں دیکھا کہ ایمان قول اور عمل کا نام ہے اور یہ کہ ایمان بڑھتا گھٹتا ہے۔'' [4]

٦......روزِ آخرت پر ایمان

آخرت کے دن پر ایمان پر گفتگو اور بھی متعدد امور کو متضمن ہے۔ جن میں سے ہر ایک امر کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے کہ جیسے وہ امور جو موت کے بعد واقع ہوں گے۔ جیسے قبر کا عذاب، قبر کی نعمتیں، اور وہ امور جو قبر کی زندگی ختم ہونے اور قیامت برپا ہونے کے بعد واقع ہوں گے، جیسے قبروں سے زندہ ہو کر نکلنا، اور میدان محشر میں جمع ہونا، پھر وہ امور جو روز قیامت واقع ہوں گے جیسے ثواب و عقاب کا ملنا

---

[1] الاعتقاد للبيهقي، ص: ٩٥، ٩٦
[2] الطبقات: ٦/ ٣١٣
[3] فتح الباري: ١/ ٤٥
[4] البخاري مع الفتح: ١/ ٤٧

اور جنت دوزخ کا فیصلہ وغیرہ...... الخ۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان امور پر بھی گفتگو کی ہے ذیل میں چند باتوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ قبر کا عذاب اور نعمت:

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک آدمی سے فرمایا: ''اے فلاں! رات میں نے سورۂ تکاثر کی تلاوت کی جس میں قبروں کی زیارت کا ذکر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ﴾ (التکاثر: ۱۔۲)

''لوگو! تم کو (مال کی) بہت سی طلب نے غافل کر دیا یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔''

یاد رکھو! آدمی قبر میں جتنا بھی ٹھہرے بالآخر اس میں سے نکلے گا۔ پھر یا تو جنت کی طرف جائے یا پھر دوزخ کی طرف۔''[1]

ایک دفعہ خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''لوگو! کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم لوگ ہلاک ہونے والوں کے لوٹے ہوئے مال و اسباب میں، مرنے والوں کے گھروں میں اور (دنیا چھوڑ کر) چلے جانے والوں کے مکانات میں رہ رہے ہو۔ کل تک وہ تمہارے پڑوسی تھے اور آج وہ (قبروں کے) خاموش گھروں میں پڑے ہیں۔ جن میں سے بعض کی روح کو قیامت تک امن ہوگا اور بعض کی روح کو قیامت تک عذاب ہوگا۔''[2]

ایک دفعہ خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''تم لوگ زندگی کا جو دن بھی بتا رہے ہو (دراصل) اللہ کی طرف جا رہے ہو۔ وہ دن گزر چکا اور اس کا وقت پورا ہو گیا پھر تم زمین کے ایک شگاف میں (یعنی قبر میں) غائب ہو جاؤ گے (یعنی تمہیں قبروں میں اتار دیا جائے گا) جس میں نا کوئی تکیہ ہوگا اور نا بستر (اور وہ قبر غیر ہموار اور غیر آرام دہ ہوگی) دوست جدا ہو گئے، وہ اپنا مال اسباب چھوڑ گئے۔ اب انہیں (اپنے سب کیے دھرے کے) حساب کا سامنا ہے اور اب وہ مٹی کے باسی ہو گئے ہیں اور وہ اپنے اعمال کے بدلے گرو ہیں۔ جو چھوڑ آئے اس کی انہیں ضرورت نہیں اور جو آگے بھیج چکے اس کے محتاج ہیں۔''[3]

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے یہ اقوال و آثار عذابِ قبر اور نعیمِ قبر کے اثبات پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے اور اسی پر کتاب و سنت کی نصوص دلالت کرتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ﴾

(ابراهيم: ۲۷)

---

[1] الحلية: ۵/ ۳۱۷ [2] سيرة عمر لابن الجوزي: ۲۵۹۔۲۶۰

[3] سيرة عمر لابن الجوزي، ص: ۲۵۹۔۲۶۰

''اللہ مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (رکھے گا)۔''

صحیح روایات سے ثابت ہے کہ یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ❶

اور فرمایا:

﴿اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا﴾ (غافر : ٤٦)

''آتشِ (جہنم) کہ وہ صبح و شام اس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔''

۲۔ آخرت پر اور اس بات پر ایمان کہ رب تعالیٰ فیصلے کے لیے نزول اجلال فرمائیں گے:

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خناصرہ میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! تمہیں یوں ہی بیکار نہیں پیدا کیا گیا۔ اور نہ تم لوگوں کو یوں ہی بلاحساب کتاب چھوڑ دیا جائے گا۔ بے شک تمہیں معاد (آخرت) سے واسطہ پڑے گا جس میں تمہارا رب تمہارے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے اترے گا اور تمہارے درمیان حکم کرے گا۔'' ❷

اور اپنے ایک عامل کو یہ خط لکھا: ''امابعد! گویا کہ بندے اپنے رب کی طرف (چلے جا رہے ہیں بلکہ) پہنچ گئے ہیں اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ ان کو جتلائے گا۔ تاکہ برائی کرنے والوں کو ان کے عملوں کا اور نیکی کرنے والوں کو نیکی کا بدلہ دے۔'' ❸

جریر بن حازم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عدی کو جو خط لکھا تھا وہ میں نے پڑھا ہے، اس میں لکھا تھا کہ ''جان لو! کوئی آدمی لوگوں کے درمیان ان کے سب قضایا کا فیصلہ نہیں کر سکتا یہاں تک کہ کوئی مسئلہ باقی نہ رہے (نہیں بلکہ) کچھ قضایا کا باقی رہنا ضروری ہے جن کے درمیان فیصلہ روز حساب تک موخر رہے گا۔ ❹

آپ نے عدی بن ارطاۃ کو یہ بھی لکھا: ''امابعد! میں تمہیں وہ رات یاد دلاتا ہوں جو قیامت کو جنم دے گی اور اس کی صبح قیامت قائم ہوگی۔ ہائے وہ رات، اور ہائے وہ دن جو کافروں پر بڑا سخت ہوگا۔'' ❺

اور ایک لشکر کو یہ خط لکھا: ''امابعد! میں تم لوگوں کو اللہ کے تقویٰ کی اور اس کی طاعت کو لازم پکڑنے کی وصیت کرتا ہوں۔ پس جو جنت کی رغبت رکھتا ہو یا وہ دوزخ سے بھاگنا چاہتا ہو تو آج اسے اس کی فرصت ہے اور آج اس کی توبہ مقبول ہے اور اس کے گناہ معاف ہیں قبل اس کے کہ اس کی موت آجائے اس کی

---

❶ الروح لابن القیم، ص:۱٤٤

❷ سیرۃ عمر لابن عبدالحکم، ص:٤٢

❸ ذم الدنیا لابن ابی الدنیا، ص: ٨١

❹ کتاب الزھد: ١/ ٢٩٩۔٣٠٠ از ھناد السری

❺ سیرۃ عمر لابن الجوزی، ص: ١١٥

زندگی پوری ہو جائے اور رب تعالیٰ جن وانس کو ان کے کیے کا ایسی جگہ بدلہ دے جہاں نہ تو کوئی فدیہ مقبول ہوگا اور نہ کوئی حیلہ کام ہی آئے گا اس دن سب پوشیدہ راز ظاہر ہو جائیں گے۔ شفاعتیں باطل ہو جائیں گی اور سب لوگ اپنے اعمال کے ساتھ لوٹیں گے۔ اور وہاں سے مختلف جماعتوں میں بٹ کر اپنی اپنی منزل کی طرف چل دیں گے پس اس دن ان لوگوں کو مبارک جو اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، اور ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کے نافرمان ہیں۔ [1]

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ کا معاد، بعث اور نشور پر اور اس بات پر پختہ ایمان تھا کہ رب تعالیٰ روز آخرت میں سب مخلوقات کو جمع کریں گے اور ان میں ان کے اعمال کے مطابق فیصلہ کریں گے اور وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا۔ بے شک آخرت پر ایمان اسلام کے اہم اور ممتاز عقائد میں سے ہے۔ قرآن کریم نے آخرت پر ایمان کو کئی اسالیب سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ تصریح و تاکید سے بھی کام لیا ہے اور تلمیح واشارہ سے بھی۔ رب تعالیٰ نے قرآن کریم کی متعدد آیات میں قیامت پر ایمان لانے کے وجوب کو بیان کیا ہے اور جو لوگ حشرِ اجساد کا انکار کرتے ہیں ان کے سامنے ایسے عقلی دلائل بیان کیے ہیں جس سے انکار کی ہرگز گنجائش نہیں اور منکروں کو بھی یا تو وہ دلائل ماننے پڑے یا پھر محض عناد کی بنا پر انہوں نے ان دلائل کا انکار کر دیا۔ [2] ذیل میں چند آیات اس سے متعلقہ ذکر کی جاتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (الروم: ۱۱)

''اللہ خلق کی ابتدا کرتا ہے، پھر اسے دوبارہ بنائے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

اور فرمایا:

﴿ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ○ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ﴾

(المومنون: ۱۵-۱۶)

''پھر اس کے بعد تم مر جاتے ہو۔ پھر قیامت کے دن تم اٹھا کھڑے کیے جاؤ گے۔''

اور منکرین بعث کے بارے میں فرمایا:

﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ﴾ (یٰس: ۷۷-۷۹)

---

[1] سيرة عمر لابن الجوزي، ص: ۱۵۵-۱۱۶

[2] الآثار الواردة: ۱/ ۴۵۱

''اور کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے اسے ایک قطرے سے پیدا کیا تو اچانک وہ کھلا جھگڑنے والا ہے۔ اور اس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کون ہڈیوں کو زندہ کرے گا، جب کہ وہ بوسیدہ ہوں گی؟ کہہ دے انھیں وہ زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اور وہ ہر طرح کا پیدا کرنا خوب جاننے والا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى﴾ (القیامہ: ۳۶۔۴۰)

''کیا انسان گمان کرتا کہ اسے بغیر پوچھے ہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہیں تھا جو گرایا جاتا ہے۔ پھر وہ جما ہوا خون بنا، پھر اس نے پیدا کیا، پس درست بنا دیا۔ پھر اس نے اس سے دو قسمیں نر اور مادہ بنائیں۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر دے؟''

اسی طرح قیامت کے دن زندہ اٹھائے جانے پر احادیث بھی دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے ارشاد فرمایا: ''رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ابن آدم نے مجھے جھٹلایا اور یہ بات اسے زیبا نہ تھی (کہ مجھے جھٹلاتا) اور ابن آدم نے مجھے گالی دی اور یہ بات اس کے مناسب نہ تھی (کہ وہ مجھے گالی دیتا)۔ رہا اس کا مجھے جھٹلانا تو وہ یوں ہے کہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ میں اسے دوبارہ اسی طرح زندہ کرنے پر جس طرح وہ پہلے تھا، قادر نہیں (حالانکہ میں اس بات پر پوری طرح قادر ہوں) اور رہا اس کا مجھے گالی دینا تو وہ اس کا یہ کہنا ہے کہ میرے اولاد ہے، حالانکہ میری ذات اس بات سے پاک (اور بلند وبرتر) ہے کہ میں بیوی کروں اور اولاد کروں۔ [1]

بعینہٖ ان نصوص کے مضامین سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے آثار میں بھی مروی ہیں۔ [2]

۳۔ میزان:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قول ہے:

''کیا تم مُردے کے حالات میں غور نہیں کرتے اس کا چہرہ مٹ گیا اس کا ذکر بھلا دیا گیا، لوگ اس کے دروازے پر آنا چھوڑ گئے جیسے کوئی اس کا دوست تھا ہی نہیں اور نہ وہ کبھی اس دنیا میں آباد تھا۔ اس دن سے ڈرو جس دن میں ترازوؤں میں ذرہ برابر بھی کوئی چیز مخفی نہ رہے گی۔'' [3]

[1] صحیح البخاری، رقم: ۳۰۹۳ [2] الآثار الواردۃ: ۱/ ۴۵۲

[3] سیرۃ عمر لابن الجوزی، ص: ۲۵۵

اور فرمایا:

''میں اس بات سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں تمہیں اس بات کا حکم دوں جس سے خود باز رہتا ہوں کہ یوں تو میں گھاٹے کا سودا کروں گا اور میری مفلسی اور مسکینی اس دن ظاہر ہوگی جس میں فقر وغنا دونوں ظاہر ہو جائیں گے اور ترازوئیں قائم کر دی جائیں گی۔'' ❶

بجدل شامی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں جو سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دوستوں میں سے تھے۔ وہ کہتے ہیں: ''میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو یہ آیت پڑھتے دیکھا:

﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ (الانبیاء: ٤٧)

''اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازو کھڑی کریں گے۔''

آپ نے یہ آیت آخر تک (یعنی ''وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ'' تک) ختم کی۔ اور اپنے ایک پہلو کی طرف اس طرح جھک گئے کہ گرنے کو ہو گئے۔'' ❷

یہ سب آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ لوگ قبروں سے اٹھا کر میدان محشر میں کھڑے کر دیئے جائیں گے اور رب تعالیٰ فصل قضاء کے لیے اپنے شایان شان نزولِ اِجلال فرمائیں گے تو ترازو قائم کیے جائیں گے۔ بے شک یہ حقیقی ترازو ہوگا جو بندوں کے اعمال کا وزن کرے گا۔ اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے۔ ❸

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ابواسحاق زجاج کا قول ہے کہ اہل سنت کا میزان پر اور اس بات پر ایمان لانے پر اجماع ہے کہ روز قیامت بندوں کے اعمال میزان سے تولے جائیں گے۔ اور یہ کہ ترازو کا ایک کانٹا اور دو پلڑے ہوں گے اور یہ کہ ترازو زیادہ وزن والے پلڑے کو جھکائے گا۔ خواہ اس میں نیکیاں ہوں یا برائیاں جبکہ معتزلہ نے میزان کا انکار کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ میزان سے مراد عدل ہے۔ یہ تاویل کر کے انہوں نے کتاب وسنت کی مخالفت کی ہے۔ کیونکہ اس بات کی خبر خود اللہ نے دی ہے کہ وہ بندوں کے اعمال کا وزن کرنے کے لیے ترازو قائم کرے گا۔ تاکہ بندوں کو ان کے اعمال مشخص کر کے دکھلائے اور تاکہ وہ خود اپنے اوپر گواہ بنیں۔'' ❹

یہ ترازو بے حد باریک ہے جو بندوں کے اعمال کے وزن کو صحیح صحیح تولے گا۔ نہ گھٹائے گا اور نہ بڑھائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ

---

❶ الحلیة: ٥/ ٢٩١ ❷ سیرة عمر لابن الجوزی، ص: ٢٤٨

❸ الآثار الواردة: ١/ ٤٥٧ ❹ فتح الباری: ١٣/ ٥٣٨

حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ﴾ (الانبياء: ٤٧)

''اور ہم قیامت کے دن ایسے ترازو رکھیں گے جو عین انصاف ہوں گے، پھر کسی شخص پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر رائی کے ایک دانہ کے برابر عمل ہوگا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔''

۴۔ حوض:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے دمشق کے والی کو لکھا کہ ''وہ ابو سلام حبشی سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کریں جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے سنی تھی اگر تو وہ اس حدیث کو ثابت کریں تو انہیں ڈاک کے گھوڑوں پر سوار کر کے بھیج دینا۔'' [1] اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ابو سلام حبشی کو ڈاک کے گھوڑوں پر بلوا بھیجا جب وہ آپ کے پاس آئے تو کہنے لگے. مجھے یہاں تک آنے میں مشقت ہوئی۔ آپ نے فرمایا ہمارا ارادہ یہ نہ تھا (کہ) آپ کو کسی تکلیف میں ڈالتے مگر بات یہ ہے کہ مجھے آپ کے واسطے سے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حوض والی حدیث پہنچی ہے۔ میں نے چاہا کہ وہ حدیث آپ سے بالمشافہ سنوں۔ اس پر ابو سلام حبشی بولے ''میں نے حضرت ثوبان سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرماتے ہیں ''بے شک میرا حوض عدن سے لے کر عمانِ بلقاء تک (کی مسافت جتنا) ہے۔'' [2] اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور اس کے (پاس پینے کو رکھے) پیالوں کی تعداد آسمان کے ستاروں جتنی ہے۔ جس نے (روز محشر) اس کا ایک گھونٹ بھی پی لیا اس کو پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔ اس پر سب پہلے آنے والے لوگ مہاجرین [15] کے فقراء ہوں گے۔'' [3]

بے شک حوض کوثر پر ایمان لانا اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے جس کی دلیل نصوصِ صریحہ ہیں جن کی تعداد حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔

۵۔ صراط:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے بھائی کو لکھا:

''اے میرے بھائی! تم نے (زندگی کا) زیادہ تر سفر طے کر لیا ہے جو باقی ہے وہ بہت کم ہے۔ اے میرے بھائی! ذرا مصادر وموارد (نکلنے اور آنے کی جگہوں) کو یاد کر لو (جن سے روز محشر سابقہ پڑنے والا ہے)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس بات کی وحی کی گئی ہے کہ آپ اہل ورود (آنے والوں) میں سے ہیں نا کہ اہل صدور اور خروج میں سے ہیں۔ خبردار اس بات سے بچنا

---

[1] البداية والنهاية نقلا عن الآثار: ١/ ٤٦٢

[2] الآثار الواردة: ١/ ٤٦٣

[3] سيرة عمر لابن الجوزي، ص: ٣٧

کے دنیا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے بے شک دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں۔'' ❶

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی یہ اثر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صراط پر ایمان لانا واجب ہے۔ وہ یوں کہ اس سخت دن میدان قیامت سے نکلنے کے بعد لوگ صراط پر سے گزریں گے اور یہ وہ پل ہے جس کو جہنم کی پیٹھ پر بچھایا گیا ہے یہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے توحید پرست سب اولین و آخرین پیروکار اس پر آئیں گے (اور اس پر سے گزریں گے) ان میں اہل ذنوب ومعاصی بھی ہوں گے اور اہل نفاق بھی۔ ابھی یہ لوگ صراط پر چڑھیں گے نہیں کہ ان پر تاریکی کو طاری کردیا جائے گا۔ یہاں سے منافقین اہل ایمان سے جدا ہو جائیں گے اور اہل ایمان سے پیچھے رہ جائیں گے۔ جبکہ اہل ایمان منافقوں سے آگے نکل جائیں گے۔ اور ان کے درمیان ایک فصیل کھڑی کر دی جائے گیا جو منافقوں کو اہل ایمان تک پہنچنے سے روک دے گی۔ پھر ہر مومن کو اس کے عمل کے بقدر ایک روشنی عطا کی جائے گی جو اس رستے کو روشن کرے گی جس کی مدد سے وہ صراط پر چل سکیں گے۔ پھر کوئی تو ان میں سے بجلی کی کوند اور چمک کی طرح گزر جائے گا۔ کوئی تیز ہوا کی طرح گزر جائے گا۔ اور کوئی تیز تیز قدم۔ حتی کہ ایسا مومن بھی گزرے گا جس کی روشنی بس اس کے قدموں کے انگوٹھوں تک ہوگی۔ (اس کے آگے نہیں) وہ ہاتھوں کے بل گرتا پڑتا گزرے گا اور کوئی ہاتھوں سے لٹکتا گزرے گا۔ اور کوئی گرے گا تو اس کو پہلوؤں کو جہنم کی آگ پہنچے گی۔'' ❷

صراط پر چلنے کا ثبوت کتاب وسنت دونوں سے ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا٥﴾ (مریم: ۷۲)

''پھر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو ڈر گئے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! جن لوگوں نے (حدیبیہ کے موقع پر کیکر کے) درخت تلے بیعت کی تھی ان میں سے کوئی جہنم میں داخل نہ ہوگا۔ اس پر ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا:

﴿اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ (مریم: ۷۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواب میں) ارشاد کیا تو نے نہیں سنا کہ (آگے) اللہ تعالیٰ (یہ) فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا٥﴾ (مریم: ۷۲)

---

❶ سیرة عمر لابن الجوزی، ص: ۲۵۷ ❷ شرح الطحاویة، ص: ٤٧٠

نبی کریم ﷺ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ جہنم پر سے گزرنا اس میں دخول کو مستلزم نہیں (کہ جو بھی جہنم پر سے گزرے گا اس پر جہنم میں گرنا لازم بھی ہوگا۔ یہ ضروری نہیں) اور یہ کہ شر سے نجات شر کے حصول کو مستلزم نہیں (یعنی یہ لازم نہیں کہ شر سے نجات اسی کو ملے گی جو پہلے شر میں مبتلا بھی ہو)۔ پس اہل ایمان جہنم کی پیٹھ پر بچھے صراط پر سے آتش جہنم کے اوپر سے گزریں گے۔ پھر رب تعالیٰ اہل ایمان کو جہنم سے نجات دے دے گا (اور وہ جہنم میں داخل ہوئے یا اس میں گرے بغیر سلامت با کرامت گزر جائیں گے) اور رب تعالیٰ ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔ پس نبی کریم ﷺ نے اس بات کو واضح فرمایا کہ قرآن کریم میں جہنم پر جس ورود کا ذکر ہے اس سے مراد جہنم کی پیٹھ پر بچھے صراط پر سے ورود اور گزرنا ہے (ناکہ جہنم میں سے ہو کر گزرنا مراد ہے) [1] حق یہ ہے کہ جہنم پر سے ورود دو قسم کا ہے۔ ایک جہنمی کافروں کا ورود۔ اس کے ورودِ دخول ہونے میں کوئی شک نہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ﴾ (هود: ۹۸)

''وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے ہوگا، پس انھیں پینے کے لیے آگ پر لے آئے گا اور وہ پینے کی بری جگہ ہے۔''

اور ورود کی دوسری قسم مومنوں کا ورود ہے اور یہ ورودِ مرور ہے۔ یعنی یہ موحد مومنوں کا صراط پر سے گزرنا ہے۔ [2] گزشتہ مذکورہ اثر میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ورود سے مراد یہی دوسری قسم کا ورود تھا۔

۶۔ جنت اور جہنم:

ایک دفعہ آپ روئے تو آپ کو دیکھ کر آپ کی اہلیہ بھی رو پڑیں۔ انہیں روتا دیکھ کر گھر والے بھی رو پڑے۔ لیکن کسی کو آپ کے رونے کی وجہ معلوم نہ تھی۔ جب ذرا طبیعت پر ضبط ہوا تو فاطمہ نے رونے کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: ''اے فاطمہ! مجھے وہ وقت یاد آ گیا جب لوگ رب تعالیٰ کے سامنے سے لوٹیں گے پھر یا تو جنت کی طرف یا پھر جہنم کی طرف جائیں گے۔ پھر آپ نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے۔ [3]

سفیان کہتے ہیں کہ ''ایک دفعہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خاموش بیٹھے تھے جبکہ آپ کے ساتھی باہم گفتگو کر رہے تھے۔ اتنے میں وہ کہنے لگے کہ امیر المومنین! کیا بات ہے آپ کوئی کلام نہیں فرما رہے؟ فرمانے لگے'' میں جنت والوں کی فکر میں تھا کہ کیسے وہ لوگ ایک دوسرے کی زیارت کریں گے۔ اور میں جہنم والوں میں متفکر تھا کہ وہ جہنم میں کیسے چیختے چلاتے ہوں گے۔ پھر رونے لگے۔'' [4]

ایک فوجی کو یہ خط لکھا: ''یاد رکھو کہ جو بندہ اللہ کی رضوان اور جنت میں چلا گیا اسے دنیا میں پہنچنے والی

---

[1] شرح الطحاوية، ص: ٤٧١. [2] القيامة الكبرى، ص: ٢٧٨ للاشقر
[3] الرقة والبكاء، ص: ٧٦ [4] سيرة عمر، لابن الجوزى، ص: ١٥٤

تکالیف فقر اور آزمائشیں کچھ نقصان نہ دیں گی۔ اور جو بندہ اللہ کی ناراضی اور جہنم میں چلا گیا اسے دنیا کی نعمتیں اور آسودگیاں کچھ نفع نہ دیں گی۔ اہل جنت کو جنت میں جا کر دنیا میں پہنچنے والی تکلیف کا احساس تک نہ ہوگا۔ اور اہل جہنم کو جہنم میں جا کر دنیا کی لذتوں اور حلاوتوں کا کوئی اثر محسوس نہ ہوگا جو وہ دنیا میں پاتے رہتے تھے۔ غرض دنیا کی لذت یا تکلیف میں سے آخرت میں کچھ بھی نہ ہوگا۔'' [1]

فضل بن ربیع کہتے ہیں: ''میں نے فضل بن عیاض کو سنا وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ایک عامل نے انہیں شکایت لکھ بھیجی تو آپ نے اسے یہ (تسلی بخش) جواب لکھا: اے میرے بھائی! ذرا اہل جہنم کے بے حد طویل جاگنے کو یاد کر (کہ انہیں آرام کرنے کو صدیوں تک مہلت نہ دی جائے گی) پھر (اس کے ساتھ) جہنم کے ابدی ہونے کو (بھی یاد کر) اور اس بات سے بچنا کہ تو (روز قیامت) اللہ کے پاس سے لوٹنے والا آخری ہو جس کی امید (مغفرت) بھی ختم ہو چکی ہو'' اس عامل نے جب یہ خط پڑھا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ منزلوں پہ منزلیں مارتا حاضر خدمت ہوگیا۔ آپ نے آنے کی وجہ پوچھی تو بولا: آپ کا خط پڑھ کر میں نے ولایت و امارت کی تمنا سے دل خالی کر لیا ہے میں نے عہد کر لیا ہے کہ اب میں مرتے دم تک ولایت قبول نہ کروں گا۔'' [2]

جنت اور دوزخ کے بارے میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا عقیدہ وہی تھا جو کتاب و سنت میں آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ﴾ (الانفطار: ۱۳) ''بے شک نیکوکار نعمتوں (کی بہشت) میں ہوں گے۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّىٰ﴾ (طٰہ: ۷۵۔۷۶)

''اور جو اس کے پاس مومن بن کر آئے گا کہ اس نے اچھے اعمال کیے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جن کے لیے سب سے بلند درجے ہیں۔ ہیشگی کے باغات، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے اور یہ اس کی جزا ہے جو پاک ہوا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''تم میں سے جو بھی مر جاتا ہے تو (عالم برزخ میں) اس پر صبح و شام اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے۔ پس جو جنت والوں میں سے ہوتا ہے اسے (اس کا) جنت والوں کا (ٹھکانا دکھایا جاتا ہے) اگر وہ جہنم والوں میں سے ہو تو (اسے) جہنم والوں میں سے (اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے) اور کہا

[1] سیرۃ عمر، ص: ۲۵۰۔۲۵۱ [2] سیرۃ عمر لابن الجوزی، ص: ۱۲۴۔۱۲۵

جاتا ہے: یہ ہے تیرا (اصلی) ٹھکانا یہاں تک کہ اللہ تجھے روز قیامت اٹھائے گا (اور پھر ادھر جا پہنچائے گا)۔'' ❶

۷۔ مومنوں کا جنت میں اپنے رب کا دیدار کرنا:

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک امیر لشکر کو لکھا:

''اما بعد! میں تمہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی، اس کے امر کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کی اور اس دین کی رعایت کی جس پر اللہ نے تمہیں ابھارا ہے اور اس کی اس کتاب کی رعایت کی وصیت کرتا ہوں جس کی حفاظت کا اس نے تم سے مطالبہ کیا ہے۔ بے شک تقویٰ سے اس کے اولیاء اس کی ناراضی سے نجات پاتے ہیں اور اسی تقویٰ سے ان کی ولایت ثابت ہوتی ہے اور اسی تقویٰ سے وہ اپنے پیغمبروں کی موافقت کرتے ہیں اسی تقویٰ سے ان کے چہرے روشن اور سرسبز ہوتے ہیں اور وہ اپنے خالق کو (عالم آخرت میں) دیکھیں گے۔'' ❷

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ عقیدہ تھا کہ جنت میں رب تعالیٰ کی زیارت ہوگی۔ یہ توفیق وہدایت کے بعد سب سے بڑی نعمت ہے اس دن مومنوں کا حال کیا ہوگا اس کو رب تعالیٰ اس آیت میں بیان فرماتے ہیں:

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ٥ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (القیامہ: ۲۲۔۲۳)

''اس دن بہت سے منہ رونق دار ہوں گے (اور) اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے۔''

اور فرمایا:

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ﴾ (یونس: ۲۶)

''جن لوگوں نے نیکوکاری کی ان کے لیے بھلائی ہے اور مزید (برآں) اور بھی۔''

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ﴾ (یونس: ۲۶) کہ اس آیت میں ''وزیادۃ'' سے کیا مراد ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: ''اے جنت والو! بے شک اللہ کا تم سے ایک وعدہ ہے جو وہ تمہارے ساتھ پورا کرنا چاہتا ہے، وہ بولیں گے کیا ہمارے چہرے سفید (اور روشن) نہیں کر دیے گئے اور ہمارے وزن بھاری نہیں کیے گئے اور ہمیں دوزخ سے بچا نہیں لیا گیا۔ (تو بھلا اب وہ کون سا وعدہ ہے جو پورا کرنا باقی ہے)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پس (پھر) حجاب ہٹا دیا جائے گا اور وہ اللہ کی طرف (عیاناً)''

❶ صحیح مسلم، رقم: ۲۸۶۶ ❷ الرد علی الجهمية للدارمی، ص: ۱۰۳

دیکھیں گے۔ اللہ کی قسم! اللہ نے انہیں ایسی کوئی چیز نہیں عطا فرمائی جو انہیں اپنے پروردگار کی طرف دیکھنے سے زیادہ محبوب ہو۔ ❶

۷..... کتاب وسنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا

ا۔ کتاب وسنت کا اتباع:

خلیفہ بننے کے بعد آپ نے اپنے والیوں کو یہ لکھ بھیجا: ''اما بعد! میں تم لوگوں کو اللہ کے تقویٰ کی، اس کی کتاب کو لازم پکڑنے کی اور اس کے پیغمبر کی سنت وسیرت کی اقتداء کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔'' ❷

کتاب وسنت میں جو بھی امر ہے، میں دیکھتا ہوں کہ اس کا نفاذ اور اس پر مجاہدہ لازم ہے۔'' ❸ ......

امت محمد ﷺ کے بارے میں میرے جی میں یہ بات ہے کہ تم لوگ کتاب اللہ اور اللہ کے پیغمبر کی سنت کی اتباع کرو اور خواہشات اور زیغ وضلال کی طرف مائل ہونے سے بچو، پس جس نے کتاب وسنت کو چھوڑ کر عمل کیا اس کو دنیا وآخرت میں کوئی رفعت وکرامت نہ ملے گی۔ اور جس کو بھی یہ بات یاد دلائی جا رہی ہے وہ اس کو عنقریب جان لے گا۔ میری عمر کی قسم مجھے اپنا مرجانا اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں لوگوں کو کتاب و سنت کے غیر پر چلاؤں، پس جو سنت پر زندہ رہا سو رہا اور جو اسی سنت پر مرگیا سو مرگیا۔ ہاں میں اس بات کا بے حد حریص ہوں کہ لوگوں کو سنت پر چلاؤں اور اس کی اتباع کروں اور جو خلاف سنت چلنا چاہتا میرے نزدیک اس کا ہلاک ہوجانا اور اس پر غم کرنا سب سے زیادہ بے قیمت ہے۔ ❹

اور فرمایا بے شک اللہ نے چند فرائض اور سنتیں مقرر کی ہیں۔ پس جو ان کو اختیار کرے گا وہ نجات پا جائے گا۔ اور جو ان کو ترک کرے گا وہ مٹا دیا جائے گا۔ ❺ اور فرمایا، ''کاش میں تمہیں کتاب اللہ پر چلاتا اور چاہے اس کے بدلے میرا ایک ایک عضو کاٹ دیا جاتا حتی کہ میری روح پرواز کر جاتی۔ ❻

آپ نے خوارج کو لکھا: ''میں تمہیں کتاب اللہ اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کی طرف بلاتا ہوں۔'' ❼

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے: نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے چند سنتیں مقرر فرمائی ہیں۔ ان کو لینا یہ کتاب اللہ سے اعتصام ہے اور اللہ کے دین کو قوی کرنا ہے۔ ان سنتوں میں تغیر وتبدیلی کا حق کسی کو نہیں اور نہ ان کی مخالفت کی گنجائش ہے جس نے ان سے ہدایت پکڑی ہدایت پر وہ

❶ صحیح مسلم، رقم: ۲۹۷
❷ سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ۶۵
❸ سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ۶۸
❹ سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ۷۱
❺ سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ۳۹
❻ سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ۱۳۰
❼ الآثار الواردة: ۲/ ۶۰۲

ہے، جس نے ان سے نصرت حاصل کی منصور و مظفر وہ ہے اور جس نے ان سنتوں کو چھوڑ کر اہل ایمان کے رستے کے علاوہ کوئی دوسرا اختیار کیا اللہ اسے ادھر ہی جانے دے گا جدھر کا وہ رخ کیے جا رہا ہے اور اسے (مرنے بعد) دوزخ میں ڈالے گا۔ اور دوزخ بہت برا ٹھکانا ہے۔ ❶ یہ جملہ آثار بتلاتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کتاب وسنت کا بے حد اتباع اور التزام کیا کرتے تھے اور اس رستے میں اور ان کی تطبیق میں اپنی پوری ہمت اور طاقت خرچ کر دیتے تھے حتی کہ آپ اس رستے میں اپنے بدن کے ٹکڑے تک کروانے کے لیے اور جان تک دینے کے لیے ہر وقت مستعد و تیار رہتے تھے۔ سیدنا عمر رحمہ اللہ نے جو رستے اختیار کیا یہی دین کی اصل و اساس ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء: ٦٥)

"پس نہیں! تیرے رب کی قسم ہے! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس میں فیصلہ کرنے والا مان لیں جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے، پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کر لیں، پوری طرح تسلیم کرنا۔"

نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے "اے لوگو! میں تم لوگوں میں ایک ایسی بات چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو کبھی گمراہ نہ ہو گے (اور وہ بات) اللہ کی کتاب اور میری سنت (ہے)۔" ❷

۲۔ سنت خلفائے راشدین سے اعتصام:

حاجب بن خلیفہ برجمی کہتے ہیں: میں سیدنا عمر رحمہ اللہ کے پاس تھا جب آپ نے ایک خطبہ دیا اس وقت آپ خلیفہ بن چکے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: "خبردار غور سے سن لو کہ جو باتیں نبی کریم ﷺ نے اور آپ کے دو ساتھیوں (خلیفہ رسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ) نے سنت قرار دی ہیں، وہی دین ہے، ہم اسی کو لیتے ہیں اور اس تک بس کر دیتے ہیں اور جو بات ان دونوں کے علاوہ نے سنت قرار دی ہے ہم اس کو مؤخر کرتے ہیں۔ ❸

آپ نے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لکھا:

"عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے سالم بن عبداللہ کو یہ خط:

---

❶ سيرة عمر لابن عبدالحكم، ص: ٤٠ ❷ مؤطا مالك: ٣/ ٩٣

❸ الحلية: ٥/ ٢٩٨

اما بعد! مجھے بغیر مجھ سے مشورہ لیے اور بغیر میرے ارادہ کے جس کو اللہ جانتا ہے، امت مسلمہ کے اس امر میں مبتلا کر دیا گیا ہے۔ پس جب میرا یہ خط تم تک پہنچے تو مجھے اہل قبلہ اور ذمیوں کے بارے میں سیدنا عمر بن خطاب کی سیرت لکھ بھیجنا کہ میں ان کی سیرت پر چلنا چاہتا ہوں......
......والسلام!''[1]

عون بن عبداللہ کہتے ہیں: ''مجھ سے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کہا کہ ''کیا تمہارے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ دونوں عادل ہیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں تو فرمایا. تو (پھر سنو!) وہ دونوں حضرات یہ تکبیر نہ پڑھا کرتے تھے۔''[2]

از ہری کہتے ہیں کہ ''ایک آدمی نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے پوچھا کہ میں نے نشہ کی حالت میں بیوی کو طلاق دے دی ہے۔''

زہری کہتے ہیں کہ ''آپ کی رائے یہ تھی کہ اس نشہ والے کو کوڑے مار کر اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے۔ اتنے میں حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ نے (اپنے والد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے) یہ حدیث بیان کی کہ دیوانے اور نشہ والے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔'' تب آپ نے لوگوں سے پوچھا: بتلاؤ مجھے کیا رائے دیتے ہو، یہ صاحب مجھے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے حدیث سنا رہے ہیں؟ پس آپ نے (حضرت عثمان کے قول کی روشنی میں) اس شخص کو (شراب کی وجہ سے) کوڑے لگانے کا حکم دیا اور اس کی بیوی اسے واپس کر دی۔[3]

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑتے تھے، چنانچہ آپ نے اپنے دور خلافت میں خلافت راشدہ کے آثار وعلامات کو از سر نو زندہ اور تازہ کیا، ان کی سنت پر چلے اس کو دانتوں اور کچلیوں سے مضبوطی کے ساتھ تھاما۔ نزاع کے وقت ان کے اقوال کی طرف رجوع کیا اور اہل قبلہ اور ذمیوں پر اقوال خلفائے راشدین کے ساتھ حکم لگایا، اسی طرح عبادات ومعاملات میں ان حضرات کی سنتوں کو لیا۔ آپ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اقوال کو زیادہ اہتمام کے ساتھ لیتے تھے اور ان کی سنتوں کے لینے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت لینے کے برابر سمجھتے تھے۔ جیسا کہ خلیفہ ثالث سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قول کو سنتے ہی فوراً اس کو لے لیا اور اس کے مطابق فیصلہ صادر فرمایا۔ اور خوارج کے معاملہ میں آپ نے خلیفہ چہارم سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سنت کو اپنایا۔ چنانچہ آپ نے خوارج کے ساتھ مناظرہ کیا، ان کے ساتھ خط وکتابت کی لیکن جب وہ لوگ اپنی ہٹ سے

---

[1] سیرۃ عمر لابن الجوزی، ص: ۱۰۸
[2] مصنف عبدالرزاق: ۲/ ٦٦
[3] مصنف عبدالرزاق: ٤/ ٣١

باز نہ آئے تو ان کے ساتھ محاربہ بھی کیا اور ان کے اموال، اولاد اور قیدیوں کے بارے میں وہ فیصلہ کیا جو امیر المومنین جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ ❶ بلکہ آپ کی رائے تو یہ تھی کہ جو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے طریقہ سے ہٹتا ہے وہ اہل ایمان کے رستے سے نکل گیا اور ہلاک ہونے والے فرقہ میں داخل ہوگیا۔ اور حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ہر ہر سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں داخل ہے، کیونکہ ان حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے وہ سنت مقرر کی تھی اور دین میں واجب وہی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب فرمایا اور حرام وہی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا اور یہی حکم مستحب، مکروہ اور مباح کا ہے۔

یاد رہے کہ عقائد و احکام میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی حضرات سلف صالحین کا رستہ ہے۔ اور اسی پر کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء: ١١٥)

''اور جو کوئی رسول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے ہدایت خوب واضح ہو چکی اور مومنوں کے راستے کے سوا (کسی اور) کی پیروی کرے ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرے گا اور ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''تم پر میری سنت کو اور میرے بعد خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو پکڑنا لازم ہے۔ اور اس کو کچلیوں کے ساتھ مضبوطی سے تھام لو۔ اور نئی نئی باتوں سے بچو، بے شک ہر بدعت گمراہی ہے۔ ❷

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ''ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ''میں نہیں جانتا کہ میں تم لوگوں میں اور کتنا زندہ رہوں گا پس تم میرے بعد ان دو کی پیروی کرنا'' اور یہ ارشاد فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا۔'' ❸

۳۔ فطرت سے تمسک:

جعفر بن رقان سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر خواہشات نفس میں سے کسی بات کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ''پڑھے لکھوں

❶ الآثار الواردة: ٢/ ٦٣٧
❷ جامع الترمذی: ٥/ ٤٤ حدیث حسن صحیح
❸ جامع الترمذی: ٥/ ٦١٠

اور ان پڑھ اعرابیوں میں بچے کے دین کو لازم پکڑو اور اس کے علاوہ کو چھوڑ دو۔"[1]

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نزدیک سب بندے دین قویم پر پیدا کیے گئے تھے۔ اور یہ کہ دین قویم سے انحراف یہ ایک عارضی اور حادث حالت ہے۔ اس بات پر خود قرآن کریم بھی دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ (الروم: ۳۰)

"پس تو ایک طرف کا ہو کر اپنا چہرہ دین کے لیے سیدھا رکھ، اللہ کی اس فطرت کے مطابق، جس پر اس نے سب لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی پیدائش کو کسی طرح بدلنا (جائز) نہیں، یہی سیدھا دین ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے وہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پس اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسا کہ ایک چوپایہ صحیح وسالم جانور جنتا ہے کیا تم اس میں کوئی ناک کٹا (یا کوئی کٹے عضو والا) پاتے ہو۔" پھر (یہ حدیث روایت کرنے کے بعد) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (اس کی دلیل میں) یہ آیت پڑھتے ہیں:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾ (الروم: ۳۰)[2]

پس فطرت سلیمہ اپنے خالق کا اقرار کرتی ہے، اس سے محبت کرتی ہے، اس کے آگے ذلت اختیار کرتی ہے اور اس کی خالص ہو کر عبادت کرتی ہے۔ فطرتِ سلیمہ میں از خود ایک قوت ہوتی ہے جو اسے ان باتوں پر انگیخت کرتی ہے، اسی طرح فطرت سلیمہ رب تعالیٰ کی شریعت کا بھی اقرار کرتی ہے اور وہ اپنے خالق کی شریعت کو دوسری شریعتوں پر ترجیح دیتی ہے، اسے شریعت الٰہی کا عرفان اور شعور حاصل ہوتا ہے، مجمل بھی اور بعض تفصیلات کے ساتھ بھی۔ اسی بات کو یاد دلانے کے لیے رب تعالیٰ پیغمبروں کو بھیجتے ہیں، وہ فطرت سلیمہ کو رب کی شریعت پر متنبہ کرتے ہیں اور جس کا عرفان اسے اجمالاً حاصل ہوتا ہے اس تفصیل بیان کرتے ہیں اور رب کے یہ پیغمبران اسباب پر بھی متنبہ کرتے ہیں جو فطرت سلیمہ کے موجب کے معارض و مخالف ہوتے ہیں۔[3]

---

[1] الطبقات: ۵/ ۳۷۴

[2] صحیح البخاری، رقم: ۱۳۵۸

[3] شفاء العلیل، ص: ۶۲۹۔۶۳۰

۸......مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان حضرات کے مابین موجود اختلاف کے بارے میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا موقف

عبدالرحمٰن بن قاسم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''مجھے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ قول بے حد پسند ہے کہ ''مجھے یہ پسند نہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف نہ ہوتا کیونکہ اگر ایک ہی قول ہوتا تو لوگ تنگی میں پڑ جاتے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب امام تھے جن کی اقتداء کی جاتی ہے لہٰذا ایک آدمی کو اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ ان میں سے جس کی بات کو چاہے لے لے۔'' ❶

ابو عمر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا طریقہ اجتہاد یہی تھا۔ ❷

جب آپ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جنگ صفین کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، ''یہ وہ خون ہیں جن سے میرے ہاتھوں کو رب تعالیٰ نے دور رکھا۔ مجھے پسند نہیں کہ میں اپنی زبان کو اس میں ڈبوؤں۔'' ❸

محمد بن نصر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سامنے لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کو ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ وہ معاملہ ہے جس سے اللہ نے تمہارے ہاتھوں کو دور رکھا ہے تو تم اپنی زبانوں کو اس معاملہ میں کیوں داخل کرتے ہو۔'' ❹

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی دوسرے علماء سلف صالحین کی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب کو زیادہ سے زیادہ ظاہر کرنے کی شدید تمنا رکھتے تھے اور آپ کی یہ تمنا کیوں نہ ہوتی جبکہ خود رب تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ (الفتح: ۱۸)

''بلاشبہ یقیناً اللہ ایمان والوں سے راضی ہوگیا، جب وہ اس درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے، تو اس نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا، پس ان پر سکینت نازل کر دی اور انھیں بدلے میں ایک قریب فتح عطا فرمائی۔''

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جس کو بھی یاد کیا جائے نہایت اچھے الفاظ کے ساتھ یاد کیا جائے اور ان کے مشاجرات پر لب کشائی سے باز رہا جائے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات کے سب

---

❶ جامع بیان العلم: ۲/ ۹۰۱-۹۰۲
❷ الآثار الواردة: ۱/ ۴۱۰
❸ الطبقات: ۵/ ۳۹۴
❹ الطبقات: ۵/ ۳۸۲

سے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کے لیے سب سے اچھے رستے اختیار کیے جائیں اور ان کے بارے میں سب سے نیک مذہب اور اعتقاد رکھا جائے۔ ❶

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشاجرات کے بارے میں ان میں سے کسی پر طعن کرنا شرعاً منع ہے، چاہے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ دونوں فریق میں سے حق پر کون تھا تب بھی دوسرے فریق پر زبانِ طعن دراز کرنا حرام ہے کیونکہ ان جنگوں میں ہر فریق اپنے اپنے اجتہاد پر تھا۔ لہٰذا جو ان میں سے مصیب تھا اس کو دہرا اجر اور دوسرے فریق کو ایک اجر ضرور ملے گا۔'' ❷ (اس بنا پر کسی فریق پر بھی طعن کرنا حرام ہے)

بے شک سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی آثار کا مضمون صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان کے عقیدہ کو بیان کرتا ہے جو بعینہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔

۹......اہل بیت کے بارے میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا عقیدہ

اہل بیت کن کو کہتے ہیں بقول ابن قیم اس کی تحدید میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ اور آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحدید میں علماء کے چار اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ کا مال لینا حرام ہے۔ اور ان کے بارے میں تین اقوال ہیں:

۱۔ یہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں۔

۲۔ یہ صرف ہاشم ہیں۔

۳۔ یہ بنو ہاشم اور ان سے اوپر خاندان والے ہیں جو ''غالب'' تک چلے جاتے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آل نبی سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت اور خاص ازواج مطہراتؓ ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد قیامت تک آنے والے وہ لوگ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے پیروکار ہیں۔

چوتھا قول یہ ہے کہ آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد اس امت کے متقی لوگ ہیں۔ ❸

ان اقوال کو ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن قیم رحمہ اللہ پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہیں اور ان پر صدقہ کا مال لینا حرام ہے۔ ❹

جبکہ روافض کے نزدیک آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد صرف سیّدنا علی، سیّدہ فاطمہ، سیّدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہم

---

❶ الثمر الدانی فی تقریب المعانی شرح رسالۃ ابی زید، ص: ۲۳

❷ فتح الباری: ۱۳/ ۳٤ ❸ جلاء الافہام فی الصلوۃ والسلام علی خیر الانام، ص: ۱۰۹

❹ جلاء الافہام فی الصلوۃ والسلام علی خیر الانام، ص: ۱۱۰۔۱۱۹

اور ان دونوں کی اولاد ہے اور اس قول کے نصوص صحیحہ کے خلاف ہونے میں کوئی شک نہیں۔ جس کی تائید نہ لغت سے ہوتی ہے اور نہ عرف سے، کیونکہ قرآن کریم میں اہل بیت کا کلمہ ازواج مطہرات سے خطاب کے سیاق میں آیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ (الاحزاب: ۳۳)

''اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اے گھر والو! اور تمھیں پاک کر دے، خوب پاک کرنا۔''

میں نے سیّدنا امیر المومنین خلیفہ راشد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سیرت پر لکھی کتاب میں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور روافض کے ان عقائد کا قرار واقعی ردّ بھی کیا ہے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ حضرات اہل بیت کے مادی و معنوی حقوق سے کما حقہ واقف تھے اور آپ نے ان حقوق کو کسی قسم کی کمی بیشی کے بغیر پورا پورا ادا کیا۔ [1] اور ان حضرات پر ہونے والے مظالم کا ازالہ کیا اور ان حضرات پر بے انتہا مادی و معنوی احسان کیا۔ جویریہ بن اسماء سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''میں نے حضرت علی ابن ابی طالب کی دختر نیک اختر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سنا کہ جب ان کے پاس سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے ان کے لیے بے حد دعا کی۔ پھر فرمانے لگیں: جب وہ امیر مدینہ تھے تو میں ان سے ملنے گئی۔ انہوں نے میرے خواص و خدام اور محافظوں کو باہر نکال دیا یہاں تک کہ میرے اور ان کے سوا کوئی باقی نہ رہ گیا۔ پھر فرمانے لگے: اے علی کی بیٹی! اللہ کی قسم! مجھے روئے زمین پر کوئی گھر والے تم لوگوں سے زیادہ محبوب نہیں۔ بے شک تم لوگ مجھے اپنے گھر والوں سے بھی زیادہ محبوب ہو۔ [2] عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: سیّدنا عمر رحمہ اللہ نے (خلیفہ بننے کے بعد) سب سے پہلے جو مال تقسیم کیا یہ وہ مال تھا جو انہوں نے ہم اہل بیت کی طرف بھیجا تھا۔ چنانچہ آپ نے ہماری عورتوں کو مردوں جتنا حصہ دیا اور بچوں کو عورتوں جتنا حصہ دیا۔ پس ہم اہل بیت کو تین ہزار دینار حصہ ملا اور مجھے یہ خط لکھا کہ اگر میں زندہ رہا تو میں تم لوگوں کو تمہارے سب حقوق ادا کروں گا۔ [3]

---

[1] الآثار الواردۃ: ۱/ ۴۲۹

[2] الطبقات: ۵/ ۳۸۸

[3] الطبقات: ۵/ ۳۹۲

حسین بن صالح کہتے ہیں: لوگ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس بیٹھے زاہدوں کا تذکرہ کر رہے تھے۔ اور کوئی کسی کو اور کوئی کسی کو زاہد کہہ رہا تھا۔ اتنے میں آپ فرمانے لگے: ''دنیا کے سب سے بڑے زاہد تو جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔'' ❶ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی ارشاد نبوی کی تعمیل میں دوسرے سلف صالحین کی طرح اہل بیت کے حقوق ادا کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اور میں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ یاد دلاتا ہوں۔'' ❷

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ بات اہل سنت والجماعت کے اصول میں سے ہے کہ وہ اہل بیت نبوی سے محبت کرتے ہیں ان کو دوست رکھتے ہیں اور اہل بیت کے واجب حقوق کی رعایت رکھتے ہیں۔ بے شک رب تعالیٰ نے خمس اور فے میں ان کا حق رکھا ہے اور اس بات کا حکم دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتے وقت ان پر بھی صلوۃ بھیجیں۔'' ❸

علامہ ابن تیمیہ نے اہل بیت کے جن حقوق کو ذکر کیا ہے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ شرعی مطلوب طریق پر ان کو ادا کرنے کی شدید تمنا رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے فدک آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لوٹا دیا۔ اسی طرح انہیں خمس کا خمس ادا کیا اور ان کو فے میں سے بھی حصہ دیا۔ ❹ اور ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل میں اہل بیت کے مادی و معنوی حقوق اہتمام کے ساتھ ادا کیے۔ اور جن باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا تھا ان سے کوسوں دور رہے اور سلف صالحین کی اتباع میں ان حضرات کے ساتھ محبت کرنے کا حق ادا کیا۔ ❺

رہ گیا ابن سعد کا روایت کردہ یہ اثر کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے پہلے امراء و خلفائے بنی امیہ معاذ اللہ سیّدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کیا کرتے تھے، صحیح نہیں، ابن سعد کہتے ہیں ہمیں علی بن محمد نے لوط بن یحییٰ سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے پہلے کے ولاۃ بنی امیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کیا کرتے تھے اور جب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ والی بنے تو انہوں نے یہ سلسلہ بند کروا دیا۔ چنانچہ کثیر عزہ خزاعی یہ اشعار کہتا ہے......

''جب آپ (اے عمر بن عبدالعزیز!) والی بنے تو آپ نے سیدنا علی بن ابی طالب پر سب وشتم نہ کی اور اس بابت لوگوں سے مطلق نہ ڈرے اور گناہ گاروں کی پیروی نہ کی، آپ نے صاف حق کہا اور اپنے کلام میں آیاتِ ہدایت کو بیان کیا، آپ نے جو کہا کر دکھایا اور آل بیت کے ساتھ نیکی کی حتی کہ ہر مسلمان آپ سے راضی ہو گیا۔'' ❻

---

❶ سیرۃ عمر لابن الجوزی، ص: ۲۹۲
❷ صحیح مسلم، رقم: ۲۴۰۸
❸ الفتاوی: ۳/ ۴۰۷
❹ الآثار الواردۃ: ۱/ ۴۳۳
❺ الآثار الواردۃ: ۱/ ۴۳۵
❻ سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۴۷

بے شک ابن سعد کا یہ اثر نرا واہی ہے جسکا تجزیہ پیش خدمت ہے۔ اس اثر کا پہلا راوی علی بن محمد ہے یہ مدائنی اور ضعیف ہے۔ اس اثر کا دوسرا راوی اسی علی کا شیخ لوط بن یحییٰ واہی ہے۔ یحییٰ بن معین اسکے بارے میں کہتے ہیں: ''یہ غیر ثقہ ہے۔'' ابو حاتم کہتے ہیں: ''یہ متروک الحدیث ہے۔'' دار قطنی اسے ''اخباری (قصہ گو) اور ضعیف کہتے ہیں۔'' صاحب میزان اسے ''ہلاکت میں پڑنے والا اور غیر ثقہ قرار دیتے ہیں۔'' ❶ اس کے اکثر رواۃ ضعفاء، مجاہیل اور ہلاکت میں پڑنے والے ہیں۔ ❷

روافض نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ بے بنیاد الزام لگایا ہے کہ آپ لوگوں کو اس بات کی ترغیب دیا کرتے تھے کہ وہ منبروں پر جناب علی المرتضی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کیا کریں۔ بے شک یہ بے بنیاد روایت ہے جو پایہ صحت کو نہیں پہنچتی۔

اس بات کے بے بنیاد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ لوگوں نے یہ بے وقعت تہمت، اور آبرو باختہ الزام بغیر کسی تحقیق اور تجزیہ وتنقید کے لے لیا۔ یہاں تک کہ متاخرین کے نزدیک یہ ناقابل تردید مسلمات کا مقام حاصل کر گیا حالانکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ رسوائے زمانہ الزام کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ لہٰذا میری، یعقوبی اور ابوالفرج اصفہانی جیسے مؤرخین کی کتب اس باب میں مدار نہیں بن سکتیں، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ صحیح تاریخ ان نام نہاد مورخین کی روایت کے برخلاف ہے۔ ❸ چنانچہ اگر ہم ان روایات کو دیکھیں جو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جناب علی رضی اللہ عنہ کے اور حضرات آل بیت اطہار کے بے حد احترام واکرام اور اعزاز واجلال کو بیان کرتی ہیں تو بنی امیہ کے منبروں پر سب وشتم کی روایات واقعاتی منطق اور متخاصمین کی فطرت وطبیعت کے بالکل برعکس نظر آتی ہیں۔ اگر ہم بنی امیہ کی معاصر کتبِ تاریخ کا مطالعہ کریں تو وہ ان خرافات وہزلیات سے بالکل معری اور پاک نظر آتی ہیں۔ ہذیانات کا یہ ڈھیر ہمیں ان متاخرین کی کتب میں ملتا ہے جو بنوعباس کے معاصر تھے جن کا مقصدِ وحید جمہور امت مسلمہ کی نظروں میں بنوامیہ کے کردار کو داغدار بنانا تھا۔ ان آبرو باختہ روایات کو سعودی جیسے رافضی مورخین نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے۔ چنانچہ مسعودی نے ''مروج الذہب'' کو ان سیاہ روایات سے مزین کیا، پھر جھوٹ کی اس داستان اور اس دروغِ بے فروغ نے چپکے چپکے دبے پاؤں اہل سنت کی کتب میں بھی جگہ پالی۔ مگر افسوس کہ ان میں سے ایک روایت بھی مسند صحت پر بٹھائے جانے کے لائق نہ تھی۔ اس لیے اس بات کی دعوت چلانے کی بے حد ضرورت ہے کہ ان روایات کو نقل کرنے سے قبل ان کی صحت نقل کا، سند کے جرح سے سلامت ہونے کا اور ان کے متون کے اعتراض سے محفوظ ہونے کا یقین حاصل کر لیا جائے۔

---

❶ المیزان: ۳/ ۴۱۹. ❷ دفاعًا عن السلفیة، ص:۱۸۷

❸ الحسن والحسین، ص:۱۸ از محمد رضا

حضرات محققین اس دعوت کے وزن سے بخوبی واقف ہیں۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسی عظیم ہستی، جن کے دین اسلام میں بے پناہ فضائل ومناقب ثابت ہوں، ایسی بے ہودہ تہمتوں سے دور اور نفور ہے۔ آپ کی سیرت ستودہ صفات تھی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی مدح بیان کیا کرتے تھے۔ جلیل القدر تابعین آپ کی شان میں رطب اللسان رہتے تھے۔ وہ آپ کے دین، علم، تقویٰ، عدل، رحم اور جملہ شمائل وخصائل، اور مناقب وفضائل کی شہادت دیتے تھے۔ [1]

بے شک یہ جملہ اخلاق ستودہ صفات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت میں ثابت ہیں۔ اور ایسی سیرت کے مالک شخص سے یہ بات بے حد بعید ہے کہ وہ لوگوں کو اس بات کی ترغیب دے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو برسر منبر برا بھلا کہا جائے۔ جو بھی حکومت چلانے کی بابت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کو آپ کے حلم اور عفو ودرگزر کو جانتا ہے اور اسے رعایا کے ساتھ آپ کی حسن سیاست کا بھی علم ہے، اس پر یہ بات آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ یہ آپ پر بہت بڑا بہتان ہے۔ آپ کا حلم وبرداشت ضرب المثل تھا جو آنے والی نسلوں کے لیے اسوہ اور قدوہ ہے۔ [2] میں نے خاص اس موضوع پر اپنی کتاب "خامس الخلفاء الراشدین الحسن بن علی بن ابی طالب" میں تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے۔ اور وہاں میں نے واضح کیا ہے کہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بننے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کے ساتھ کیسا بے مثال حسن سلوک تھا۔ اور ان سب حضرات میں باہم کس قدر الفت ومحبت اور تعظیم وتکریم تھی۔

پھر یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ بنی امیہ کے دور میں اسلامی معاشرہ بالعموم احکام شرعیہ کا سخت پابند تھا۔ اس لیے بھی ان لوگوں سے یہ بات از حد بعید تھی کہ وہ کسی پر بھی لعن طعن کریں اور اس کے بارے میں گھٹیا الفاظ یا بازاری لہجہ استعمال کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مرجانے والے مشرکوں تک پر لب کشائی سے منع فرمایا تھا بھلا اس کا حال کیا ہوگا جو رب تعالیٰ کے اولیاء وصالحین کو گالیاں دیتا ہو؟ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا: "(مشرکوں کے) مرجانے والوں کو برا بھلا مت کہو کہ جو انہوں نے آگے بھیجا تھا وہ اس (کے انجام) تک پہنچ چکے ہیں۔" [3]

[1] الانتصار للصحب والآل للرحیلی، ص: ٣٦٧

[2] خامس الخلفاء الراشدین الحسن بن علی بن ابی طالب، ص: ٣٠٣

[3] صحیح البخاری، رقم: ٦٥١٦

چوتھی فصل:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا خوارج، روافض، قدریہ، مرجئہ اور جہمیہ کے بارے میں موقف

ا......خوارج

یہ فرقہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں پیدا ہوا۔ اور بالتحدید یہ فرقہ ۳۷ھ میں جنگ صفین کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تحکیم قبول کرنے کے بعد پیدا ہوا۔ اس فرقہ کے اہم عقائد یہ ہیں:

- امام جائر کے خلاف خروج جائز ہے۔
- مرتکب کبائر کافر اور مخلد فی النار ہے۔
- علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان اور دو حکم ابو موسیٰ اشعری اور عمرو بن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین کافر ہیں۔ [1]

یہ تینوں بنیادی باتیں خوارج کے اساسی عقائد ہیں اور ان عقائد میں خوارج میں باہم کوئی اختلاف نہیں البتہ ان کی تطبیق میں بعض کو اختلاف ہے۔ [2]

ابوالحسن اشعری خوارج کے متفق علیہ عقائد کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اگرچہ خوارج کا حکم بنانے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کفر پر اتفاق ہے البتہ اختلاف اس امر میں ہے کہ یہ کفر شرک ہے یا نہیں۔ اور نجدات [3] کے علاوہ سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتکب کبائر کافر ہے۔ البتہ نجدات اس بات کے قائل نہیں۔ اسی طرح ان خوارج کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ مرتکب کبائر کو رب تعالیٰ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈالے رکھیں گے۔ البتہ خاص اس مسئلہ میں بھی نجدات کا خوارج کے ساتھ اختلاف ہے۔ [4]

علامہ مقدسی کہتے ہیں: ''خوارج کے مذہب کی اصل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر، حضرت عثمان کی براءت، ارتکاب ذنب پر تکفیر، اور امام جائر کے خلاف خروج۔'' [5]

خوارج خلافت امویہ کے خلاف ہمیشہ برسرپیکار رہے۔ جبکہ اموی خلفاء قوت کے ساتھ ان پر غالب رہے اور ان کی قوت و شوکت توڑتے رہے۔ یہاں تک کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ بنے تو انہوں نے

---

[1] وسطیۃ اھل السنۃ بین الفِرَق، ص: ۲۹۱
[2] وسطیۃ اھل السنۃ بین الفِرَق، ص: ۲۹۱
[3] نجدات: یہ لوگ نجدہ بن عامر حنفی کے پیروکار ہیں۔ نجدہ ۶۹ھ میں مارا گیا تھا۔ نجدات خوارج کا ایک فرقہ ہے۔
[4] المقالات: ۱/ ۱۶۷۔۱۶۸
[5] البدء و التاریخ: ۵/ ۱۳۵

خوارج کے ساتھ مذاکرات اور مناظروں کی راہ اختیار کی۔ البتہ ضرورت پڑنے پر طاقت کا استعمال بھی کیا۔ آپ جدل و مناظرہ کیا کرتے تھے، آپ فرماتے ہیں: ''جس نے دین کو خصومات کی آماج گاہ بنادیا وہ نقل مکانی کی کثرت کرتا ہے (کہ ایسا آدمی ایک جگہ ٹک کر نہیں رہ سکتا اور نہ لوگ اسے ٹکنے دیتے ہیں)۔'' ❶

آپ فرماتے ہیں: ''جھگڑے سے بچو کہ نہ تو اس کے فتنے سے امن ہے اور نہ اس کی حکمت سے استفادہ ہوتا ہے۔'' ❷

آپ نے یہ بھی فرمایا: ''جو جھگڑے، غضب اور طمع سے محفوظ رہا وہ فلاح پا گیا۔'' ❸ آپ بے فائدہ جھگڑے سے منع فرماتے تھے۔ البتہ احسن طریقے کے ساتھ گفتگو کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ خوارج کے ساتھ گفتگو کرنے، مناظرے کرنے اور ان کے شبہات کو حجت اور دلیل کے ساتھ رد کرنے کی بابت آپ کے واقعات مشہور ہیں۔ آپ نے ان پر حق کو دلیل کے ساتھ واضح کیا۔ دراصل آپ کے اس رویے کا منشا سنت نبوی سے محبت اور سلف صالحین کی اتباع تھا۔ ❹

ا۔ خوارج کے خلیفہ کے خلاف خروج کرنے کے بارے میں آپ کا موقف:

ہشام بن یحییٰ غسانی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ سیّدنا عمر رحمہ اللہ نے خوارج کو یہ خط لکھا: ''اگر تو تم لوگ ان باتوں کے بغیر زمین میں چلنا پھرنا چاہتے ہو کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ گے، ائمہ اور ذمیوں کے خلاف فساد نہ کرو گے، کسی کی آبروریزی نہ کرو گے۔ کسی مسافر کا رستہ نہ لوٹو گے، تو جہاں چاہے چلے جاؤ اور اگر یہ لوگ قتال کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو یاد رکھو کہ اگر میری اولاد بھی جماعت مسلمین کے خلاف خروج کرے گی تو میں ان کا بھی خون بہادوں گا اور اس کے وسیلے سے اللہ کی رضا اور آخرت کے گھر کو چاہوں گا۔'' ❺

ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں: ''اگر تم میری پہلوٹھی اولاد بھی ہوتے اور امر خلافت کی بابت جو باتیں ہم نے عامۃ الناس کے لیے مقرر کی ہیں، تم ان سے اعراض کرتے تو میں پھر بھی تمہارا خون بہا دیتا اور اس سے اللہ کی رضا اور دار آخرت کو چاہتا۔

کیونکہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (القصص: ۸۳)

''یہ آخری گھر، ہم اسے ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو نہ زمین میں کسی طرح اونچا ہونے کا

---

❶ کتاب الصمت وآداب اللسان، ص: ۱۱۶ لابن ابی الدنیا

❷ سیرة عمر لابن الجوزی، ص: ۲۹۳

❸ سیرة عمر لابن الجوزی، ص: ۲۹۱

❹ الآثار الواردة: ۲/ ۶۹۳

❺ سیرة عمر لابن الجوزی، ص: ۹۹-۱۰۰

ارادہ کرتے ہیں اور نہ کسی فساد کا اور اچھا انجام متقی لوگوں کے لیے ہے۔"

اگر تم چاہو تو یہ تمہیں نیک نصیحت ہے اور اگر تم مجھے دھوکا باز سمجھو گے تو نصیحت کرنے والوں کو زمانہ قدیم سے دھوکا باز باور کرتے چلے آرہے ہیں والسلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔"[1]

ان آثار سے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا خوارج کے ساتھ رویہ ظاہر ہو جاتا ہے، اگرچہ آپ خلیفہ برحق تھے اور انہوں نے آپ کے خلاف خروج کیا لیکن پھر بھی آپ نے انہیں انگیخت نہ کیا بلکہ انہیں خط لکھ کر ڈرایا کہ وہ اہل حق کی جماعت سے خروج نہ کریں اللہ نے جماعت کے ساتھ جڑے رہنے کا حکم دیا ہے اور جماعت سے خروج کرنے اور تفریق سے منع فرمایا ہے اور اس امت کے اجماع کو حجت شرعیہ قرار دیا ہے اور جب تک امیر گناہ کا حکم نہ دے یا اس سے کھلا کفر ظاہر نہ ہو، اس کی اطاعت کو واجب قرار دیا ہے۔"[2]

غرض اس بابت اہل سنت والجماعت کا جو عقیدہ تھا سیّدنا عمر رحمہ اللہ نے اس کو ظاہر فرمایا۔ چنانچہ نہ تو خوارج کو انگیخت کیا اور نہ ان پر فوج کشی کی، بلکہ انہیں غور وفکر کی فرصت دی تا کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں۔ اور اس بابت آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سنت کو دلیل بنایا جو انہوں نے خوارج کے ساتھ اختیار فرمائی۔[3]

۲۔ خوارج کے ساتھ مناظرہ:

گزشتہ آثار سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ کا خوارج کے ساتھ رویہ کیا تھا، چنانچہ آپ نے ان کے ساتھ مناظرہ کرنے کا مطالبہ کیا اس پر بعض خارجی مناظرہ کے لیے تیار ہو گئے۔ ابن عبدالحکم کہتے ہیں کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خوارج کو یہ خط لکھا: "اما بعد! میں تمہیں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾

(الطلاق : ۳)

"اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔ اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا اور جو کوئی اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اسے کافی ہے، بے شک اللہ اپنے کام کو پورا کرنے والا ہے، یقیناً اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔"

اما بعد! مجھے تمہارا وہ خط پہنچا ہے جو تم لوگوں نے یحییٰ بن یحییٰ اور سلیمان بن داؤد کو لکھا تھا، رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] الآثار الواردۃ: ۲/ ۶۹۵

[2] الآثار الواردۃ: ۲/ ۶۹۵

[3] الآثار الواردۃ: ۲/ ۶۹۶۔۶۹۷

﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الصف : ۷)

''اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے، جب کہ اسے اسلام کی طرف بلایا جا رہا ہو اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اور فرمایا:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ (النحل : ۱۲۵)

''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلا اور ان سے اس طریقے کے ساتھ بحث کر جو سب سے اچھا ہے۔ بے شک تیرا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے جو اس کے راستے سے گمراہ ہوا اور وہی ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد : ۳۵)

''پس نہ کمزور بنو اور نہ صلح کی طرف بلاؤ اور تم ہی سب سے اونچے ہو اور اللہ تمھارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تم سے تمھارے اعمال کم نہ کرے گا۔''

میں تم لوگوں کو اللہ اور اسلام کی طرف بلاتا ہوں اور نماز قائم کرنے کی، زکوٰۃ ادا کرنے کی اور اللہ کی مشیت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ اور نیکی کی طرف پھیرنے اور برائی سے موڑنے کی طاقت صرف اللہ ہی کو ہے۔ اور آج سے پہلے تم لوگوں کا خون بہانے کے جو عادی تھے میں تمھیں کسی طاقت کے استعمال کے بغیر اور بغیر ملامت کیے اس سے باز آنے کی دعوت دیتا ہوں اور میں تمھیں اس بات سے اللہ یاد دلاتا ہوں کہ تم ہم پر کتاب وسنت کو مشتبہ کرو حالانکہ ہم تمھیں اسی کتاب وسنت کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ تم لوگوں کو ہماری طرف سے نصیحت ہے۔ اگر تو تم اس نصیحت کو قبول کرتے ہو تو یہی ہماری چاہت اور ہمارا مقصود ہے اور اگر تم نصیحت اس کے کرنے والے پر لوٹا دیتے ہو تو یہ پرانی رسم چلی آتی ہے کہ نصیحت کرنے والوں کو غیر مخلص سمجھا جاتا ہے۔ اور تمھارا یہ نصیحت کو رد کرنا اللہ کے حق میں سے کسی چیز کو کم نہیں کرنے والا۔ عبد صالح نے بھی اپنی قوم سے یہ کہا تھا:

﴿وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ﴾ (ھود : ۳)

''اور اگر تم پھر گئے تو یقیناً میں تم پر ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔''

اور فرمایا:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (یوسف: ۱۰۸)

''کہہ دے یہی میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر، میں اور وہ بھی جنھوں نے میری پیروی کی ہے اور اللہ پاک ہے اور میں شریک بنانے والوں سے نہیں ہوں۔'' [1]

ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ نے خوارج کو رسالہ لکھا جس کو پڑھ کر وہ کہنے لگے کہ ہم عمر سے بات کرنے کے لیے ان کی طرف دو آدمی بھیجتے ہیں۔ اگر تو انہوں نے ہماری بات مان لی تو خیر وگرنہ اس کے پیچھے اللہ۔ چنانچہ انہوں نے بنی شیبان کا عاصم نامی ایک آزاد کردہ غلام اور دوسرا آدمی بھیجا جو بنی یشکر سے تھا۔ دونوں آپ کے پاس آئے۔ سلام کیا اور بیٹھ گئے۔ آپ نے ان دونوں سے پوچھا' بھلا بتلاؤ تو تم لوگوں نے کس بنا پر ہم پر خروج کیا؟ اور ہم سے کس بات کا انتقام لیا؟ عاصم جو حبشی تھا، کہنے لگا ''ہمیں آپ کے کردار سے بیر نہیں کیونکہ آپ عدل وانصاف قائم کرتے ہیں، ہمیں تو صرف یہ بتلائیے کہ آپ نے یہ امر خلافت کس طریق سے سنبھالا ہے، کیا مسلمانوں کی رضا اور مشورہ سے یا ان سے خلافت زبردستی چھینی ہے؟

آپ نے جواب دیا: ''میں نے ان سے ولایت کا مطالبہ نہ کیا تھا اور نہ ان کی مرضی کو دبا کر خلیفہ بنا ہوں۔ اور میری ولی عہدی کا پروانہ اس نے لکھا جس سے میں نے اس بات کا مطالبہ کبھی نہیں کیا تھا نہ چھپ کر اور نہ علانیہ۔ چنانچہ میں نے خلافت قائم کرلی اور مجھ پر کسی نے انکار نہ کیا تھا اور سوائے تمہارے کسی نے اس پر ناگواری کا اظہار نہ کیا اور تم لوگ ابھی بتلا چکے ہو کہ جو عدل وانصاف کرے ہم اس پر راضی ہیں۔ پس تم مجھے اسی آدمی کے درجے میں رکھ لو اگر میں حق سے ہٹوں اور اس کی مخالفت کروں تو تمہارے ذمے میری اطاعت کرنا نہیں۔''

اس پر وہ دونوں بولے: ''ہمارے تمہارے درمیان ایک امر ہے اگر تو آپ نے ہمیں وہ امر دے دیا تو آپ ہم سے اور ہم آپ سے، اور اگر آپ نے وہ امر ہم سے روک دیا تو نہ آپ ہم سے اور نہ ہم آپ سے'' آپ نے پوچھا، ''وہ امر کیا ہے؟ وہ بولے: ہم نے دیکھا کہ آپ نے اہلِ سنت کی مخالفت کی، اور ان کے طریقے کو چھوڑ کر چلے، اور ان کے طریقے کو ''مظالم'' کا نام دیا۔ پس اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم حق پر ہو اور وہ گمراہی پر تھے تو ان سے براءت کا اظہار کیجیے اور ان پر لعنت کیجیے کہ یہی ایک بات آپ کے اور ہمارے

[1] سیرۃ عمر لابن عبدالحکم، ص:۷۹۔۸۰

درمیان نکتہ اتحاد یا نکتہ افتراق ہے۔''

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''میں جانتا یا یہ سمجھتا تھا کہ تم لوگوں نے دنیا کے لیے خروج نہیں کیا بلکہ تم لوگ آخرت کے طلبگار ہو البتہ تم لوگوں نے رستہ غلط اختیار کیا۔ میں تم لوگوں سے ایک بات کا سوال کروں گا۔ تم لوگوں کو اللہ کی قسم! جہاں تک تمہارا علم ہے تم لوگ اس بابت میری تصدیق کرنا۔'' بولے: ٹھیک ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ تمہارے بزرگوں میں سے نہیں۔ اور ان لوگوں میں سے نہیں جن سے تم تعلق رکھتے ہو اور ان کے ناجی ہونے کی شہادت دیتے ہو؟ دونوں بولے: کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا تم لوگ نہیں جانتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب مرتد ہو گئے تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ قتال کیا، ان کا خون بہایا ان کی اولادوں کو قیدی بنایا اور ان کے اموال (بحق سرکار) ضبط کر لیے؟ بولے: جی ہاں ایسا ہی ہوا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا، کیا تم لوگ یہ نہیں جانتے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے وہ قیدی ان کے قبائل کو واپس کر دیئے تھے؟ دونوں بولے: جی ہاں! ایسا ہی ہوا تھا تب آپ نے پوچھا اب بتلاؤ کہ کیا ابوبکر عمر سے بری ہوئے یا عمر ابوبکر سے بری ہوئے؟ بولے: نہیں آپ نے پوچھا۔ اور کیا تم لوگ ان دونوں میں سے کسی سے بری ہوتے ہو؟ بولے نہیں۔ آپ نے فرمایا تم دونوں مجھے اہلِ نہروان کے بارے میں بتلاؤ کیا وہ تمہارے اسلاف نہیں۔ اور کیا تمہیں ان سے تعلق نہیں اور کیا تم ان کے ناجی ہونے کی شہادت نہیں دیتے؟ بولے: کیوں نہیں۔ آپ نے پوچھا کیا تم لوگ یہ بات نہیں جانتے کہ جب اہل کوفہ ان کی طرف نکلے تو انہوں نے اہل نہروان سے پہلے ہاتھ روک لیے، انہیں امن دیا، اور ان کے خونوں سے اپنے ہاتھ نہ رنگے۔ اور نہ ان سے ان کے مال چھینے؟ دونوں بولے: جی ہاں ایسا ہی ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: لیکن جب اہل بصرہ عبداللہ بن وہب راسبی [1] کے ساتھ اہل نہروان کی طرف نکلے تو انہوں نے اہل نہروان کو قتل بھی کیا اور صحابی رسول حضرت عبداللہ بن خباب بن ارت رضی اللہ عنہ [2] اور ان کی باندی کو قتل کر دیا۔ صبح کو بنو قطیعہ نامی عرب قبیلہ پر حملہ کر کے ان کی عوتوں اور بچوں اور مردوں کو قتل کر دیا یہاں تک کہ دودھ پیتے بچوں کو ابلتی ہانڈیوں میں پھینک مارا جس سے ان کے بدنوں کا ریشہ ریشہ الگ ہو گیا؟ دونوں بولے: جی ہاں ایسا ہی ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا: تو کیا اہل کوفہ نے اہلِ بصرہ سے، یا اہل بصرہ نے اہل کوفہ سے براءت کا اظہار کیا؟ دونوں بولے: نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا ''اچھا کیا اس دین میں کوئی ایسی بات بھی ہے جس کی تمہیں تو گنجائش ہو پر مجھے نہ ہو۔؟ بولے نہیں۔ تب آپ نے فرمایا۔ اچھا پھر تمہارے لیے یہ گنجائش کیسے نکل آئی کہ تم ابوبکر اور عمر سے تعلق رکھو اور وہ دونوں بھی ایک دوسرے تعلق رکھیں۔ حالانکہ دونوں کی سیرت ایک دوسرے سے مختلف ہو؟ یا اہل کوفہ کے لیے اس بات کی کیونکر گنجائش نکل آئی کہ وہ اہل بصرہ

[1] الآثار الواردۃ: ۲/ ۷۰۳
[2] الآثار الواردۃ: ۲/ ۷۰۳

سے اور اہل بصرہ اہل کوفہ سے تعلق رکھیں اور ان میں خون، شرمگاہوں اور مالوں جیسی بڑی بڑی باتوں میں اختلاف بھی ہو؟ حالانکہ تم دونوں کے گمان میں میرے لیے اس کے سوا اور کوئی رستہ نہیں کہ میں اپنے اہل بیت پر لعنت کروں اور ان سے براءت کا اظہار کروں۔ کیا گناہ گاروں پر لعنت کرنا ایسا ہی فرض ہے جس کے کیے بغیر چھٹکارا نہیں۔ اے متکلم! ذرا تو مجھے اپنی بھی خبر دے تم نے فرعون پر کب لعنت بھیجی تھی؟ یا کب تو نے ہامان پر لعن بھیجی تھی۔؟ بولا: یاد نہیں کہ میں نے ان پر کب لعنت کی۔

تب آپ نے فرمایا: ''تیرا بھلا ہو تجھے تو اس بات کی گنجائش ہے کہ تم فرعون پر لعنت ترک کر دو، لیکن تیرے گمان میں مجھے اس بات کی مطلق گنجائش نہیں اور مجھے ہر صورت اپنے اہل بیت پر لعنت کرنی ہوگی اور ان سے بری ہونا ہوگا۔؟ تیرا بھلا ہو! تم لوگ کس قدر جاہل ہو، تم لوگوں نے ایک بات کا ارادہ کیا مگر اس میں خطا کی۔ تم لوگ لوگوں سے وہ بات قبول کرتے ہو جو نبی کریم ﷺ نے ان پر رد کر دی تھی اور ان پر وہ رد کرتے ہو جو نبی کریم ﷺ نے ان سے قبول کی تھی۔ اور تمہارے پاس وہ مامون ہے جسے نبی کریم ﷺ سے خوف تھا اور جو نبی کریم ﷺ کے نزدیک مامون تھا تم اس کا امن لوٹتے ہو۔ بولے: ہم ایسے نہیں۔ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ تم ایسے ہی ہو۔ اور تم لوگوں نے ابھی ابھی تو اس بات کا اقرار بھی کیا ہے۔ کیا تم لوگ نہیں جانتے کہ نبی کریم ﷺ کو لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا، اس وقت وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے آپ نے انہیں بت پرستی چھوڑنے کی اور ''لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ'' کی شہادت دینے کی دعوت دی، اور یہ کہ جو کلمہ پڑھ لے گا اس کی جان مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو جائے گی اور وہ مامون ہوگا اور آپ ﷺ مسلمانوں کے اسوہ ہیں اور جس نے انکار کیا آپ ﷺ نے اس کے ساتھ جہاد کیا۔ دونوں بولے: کیوں نہیں، ایسا ہی تھا۔ تو آپ نے فرمایا: کیا آج تم لوگ ایسے نہیں ہو کہ جنہوں نے بت پرستی ترک کر دی تم ان سے براءت کا اظہار کرتے ہو، اور جو'' لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ'' کی شہادت دے تم اس پر لعنت کرتے ہو، اس کو قتل کرتے ہو، اس کے خون کو حلال باور کرتے ہو، اور ان دوسری ملتوں کے یہود و نصاریٰ کو خندہ پیشانی سے ملتے ہو جو ''لا الہ الا اللّٰہ'' کا انکار کرتے ہیں تم ان کے خونوں کو حرام قرار دیتے ہو اور انہیں تمہارے سائے تلے امن ہے؟ تب عاصم حبشی بولا: میں نے آپ سے زیادہ روشن اور واضح اور مستند دلیل کسی کی نہیں دیکھی، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ حق پر ہیں اور میں آپ کے مخالفوں سے بری ہوں۔ پھر آپ نے دوسرے صاحب سے پوچھا تم کیا کہتے ہو؟ بولا: آپ نے کیا عمدہ باتیں کی ہیں کیا عمدہ دلیل پیش کی ہے لیکن میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ میں ایک ایسی بات کے بارے میں مسلمانوں کی بابت خودرائی سے کام لوں جس کی بابت مجھے ان کی دلیل کا علم نہیں۔ یہاں تک کہ میں ان کے پاس لوٹ کر جاؤں۔ شاید ان کے پاس کوئی ایسی دلیل ہو جس کا مجھے علم نہ ہو۔ آپ نے فرمایا تم زیادہ جانتے ہو۔ تب آپ

نے حبشی کو انعام دینے کا حکم دیا اور اسے اپنے پاس پندرہ دن تک ٹھہرایا اسی دوران وہ حبشی انتقال کر گیا۔ جبکہ وہ دوسرا قوم سے جاملا اور ان کے ساتھ وہ بھی مارا گیا۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ دو خارجیوں نے آپ کے پاس آ کر ان الفاظ کے ساتھ سلام کیا: اے انسان! السلام علیک! تو آپ نے بھی جواب میں یہ کہا' اے دو انسانو! تمہیں بھی سلام۔ اس کے بعد دونوں میں یہ سوال جواب ہوئے:

خارجی:......اللہ کی اطاعت کرنا زیادہ واجب ہے۔

عمر:......جو اس سے جاہل ہوا وہ گمراہ ہے۔

خارجی:......مال مالداروں میں ہی گردش نہ کرتا رہے۔

عمر:......اغنیاء پر اس بات کو حرام کر دیا گیا ہے۔

خارجی:......اللہ کا مال حقداروں میں تقسیم کیا جائے۔

عمر:......اللہ نے اپنی کتاب میں اس کے مصارف اور تفصیل کو بیان کر دیا ہے۔

خارجی:......نماز کو وقت پر ادا کیا جائے۔

عمر:......یہ نماز کا حق ہے۔

خارجی:......نماز میں صفوں کا درست کرنا۔

عمر:......یہ نماز کی تمامیت میں سے اور نماز کی سنت میں سے ہے۔

خارجی:......ہم دونوں کو آپ کے پاس گفتگو کے لیے بھیجا ہے۔

عمر:......بولو! ڈر نہیں۔

خارجی:......لوگوں میں حق قائم کیجئے۔

عمر:......اللہ مجھے اس بات کا حکم تم دونوں کے کہنے سے قبل دے چکا ہے۔

خارجی:......حکم صرف اللہ کا ہے (خارجیوں کو مشہور نعرہ ان الحکم الا للّٰہ)

عمر:......بات سچی ہے اگر اس سے کوئی باطل تمنا نہ ہو۔

خارجی:......نگرانوں کو امن دیجئے۔

عمر:......وہ میرے دست و بازو ہیں۔

خارجی:......خیانت سے بچیے۔

عمر:......ڈرتا چور ہے (اور میں چور نہیں)

[1] انساب الاشراف: ۸/ ۲۱۱-۲۱۵

خارجی:......شراب اور خنزیر کا گوشت (ان کا حکم کیا ہے؟)

عمر:......یہ مشرکوں کے زیادہ مناسب ہیں۔

خارجی:......جو اسلام میں داخل ہوا اسے امن ہے۔

عمر:......اگر اسلام نہ ہوتا تو ہم امن نہ دیتے۔

خارجی:......جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد دیئے (ان کا کیا حکم ہے؟)

عمر:......ان کے لیے وہ عہد باقی ہیں۔

خارجی:......لوگوں کو ان کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہ کیجئے۔

عمر:......﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: ٢٨٦)

''اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔''

خارجی:......ہمیں قرآن سے نصیحت کیجئے۔

عمر:......﴿وَ اتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ﴾ (البقرة: ٢٨١)

''اور اس دن سے ڈرو جب کہ تم اللہ کے حضور میں لوٹ کر جاؤ گے۔''

خارجی:......ہمیں ڈاک کے گھوڑوں پر واپس بھیجئے۔

عمر:......وہ اللہ کا مال ہے ہم اسے تم دونوں کے لیے ٹھیک نہیں سمجھتے۔

خارجی:......ہمارے پاس سفر کا خرچ نہیں۔

عمر:......پھر تم دونوں مسافر کے حکم میں ہو تم دونوں کا خرچ میرے ذمے ہے۔ [1]

ارطاۃ بن منذر کہتے ہیں: میں نے ابوعون کو سنا وہ کہتے ہیں: چند حروری سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ملنے آ گئے انھوں نے آپ سے کوئی بات شروع کی۔ ایک شریکِ مجلس صاحب نے آپ کو اشارہ کیا کہ ان پر رعب ڈالئے اور انہیں خوفزدہ کیجئے۔ مگر آپ ان سے نرمی سے بات کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے انہیں راضی کر لیا کہ جب تک آپ زندہ رہے انہیں خلعت اور انعام سے نوازتے رہیں گے۔ پھر جب وہ چلے گئے تو آپ نے ساتھ بیٹھے صاحب کی ران پر ہاتھ مار کر کہا: ارے بھائی! اگر تم کسی کو داغ لگائے بغیر دوا دے کر شفا دے سکتے ہو تو ہرگز داغ نہ لگاؤ۔ [2]

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب شوذب نے، جس کا نام بسطام تھا اور وہ بنی یشکر سے تھا، عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کے خلاف عراق میں خروج کیا۔ یہ خلافت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور کا واقعہ ہے۔ شوذب نے

[1] سيرة عمر لابن عبدالحكم، ص: ١٤٧

[2] سيرة عمر لابن الجوزی، ص:٨١

''جوخی'' ❶ کے مقام سے اسّی گھڑ سواروں کے ساتھ جن میں سے اکثر ''ربیعہ'' سے تھے، خروج کیا تھا۔ تو سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عبدالحمید کو یہ خط لکھا کہ ''جب تک یہ لوگ خونریزی نہ کریں یا زمین میں فساد برپا نہ کریں ان پر یلغار نہ کرنا اور اگر یہ لوگ ایسا کریں تو ان کے اور ہمارے درمیان عہد ختم ہو جائے گا۔ کسی مضبوط اور عقل مند آدمی کا انتخاب کر کے اسے ان کے پاس بھیجو اور اس کے ساتھ سپاہی بھی کر دینا اور جو حکم میں نے تم لوگوں کو دیا ہے اس کی اسے بھی وصیت کر دینا۔ چنانچہ عبدالحمید نے محمد بن جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو دو ہزار کوفیوں کے ساتھ انہی وصایا اور نصائح کے ساتھ روانہ کر دیا۔ ادھر خود سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بسطام (شوذب) کو بھی خط لکھا اور اس سے خروج کی وجہ دریافت کی۔ اب ایک طرف بسطام کو آپ کا خط پہنچا تو دوسری طرف محمد بن جریر بھی پہنچ گئے اور اس کے سامنے کھڑے ہو گئے اور اس کو انگیخت نہ کیا۔ آپ کے خط میں یہ لکھا تھا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی وجہ سے ناراض ہو کر نکلے ہو۔ اور تم اس بات کے مجھ سے زیادہ حق دار نہیں۔ آؤ میں تمہارے ساتھ مناظرہ کرتا ہوں۔ اگر تو حق ہمارے ساتھ ہو! تو تم بھی وہی بات اختیار کر لینا جو دوسرے لوگوں نے اختیار کی ہے اور اگر حق تمہارے ساتھ ہو! تو ہم تمہارے امر میں غور کریں گے۔

بسطام نے کسی قسم کے خروج کے بغیر یہ جواب لکھ بھیجا: آپ نے انصاف کی بات کہی۔ میں آپ کے پاس دو آدمی بھیج رہا ہوں جو آپ کے ساتھ گفتگو اور مناظرہ کریں گے۔ ابوعبیدہ معمر بن مثنی کہتے ہیں: شوذب (بسطام) نے جو دو آدمی بھیجے تھے ان میں سے ایک بنی شیبان کا آزاد کردہ غلام مخدوج تھا اور دوسرا بنی یشکر سے تھا، ایک قول یہ بھی ہے کہ شوذب نے ایک وفد بھیجا تھا جس میں یہ دونوں بھی تھے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ بھیجا کہ ان میں سے جن دو سے چاہو گفتگو کر لیجیے۔ جس پر سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان دونوں کو مناظرہ کے لیے چنا۔ چنانچہ ان دونوں نے داخل ہو کر مناظرہ کیا۔ ان دونوں نے پوچھا آپ اپنے بعد یزید کو خلیفہ کیوں مقرر کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا اسے میرے علاوہ دوسرے (یعنی سلیمان بن عبدالملک) نے خلیفہ مقرر کیا ہے۔ اس پر وہ دونوں بولے: اچھا یہ بتلایئے کہ اگر آپ کو کسی کے مال کا محافظ بنا دیا جائے اور آپ اس پر کسی غیر دیانتدار آدمی کو نگران مقرر کر دیں تو کیا خیال ہے کہ آپ نے مال امانت رکھوانے والے کی امانت کا حق ادا کر دیا؟ ❷

روایات اندازاً بیان کرتی ہیں کہ بنی مروان کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ آپ ان کے اموال چھین لیں گے (اور بیت المال میں جمع کرا دیں گے) اور یہ کہ شاید آپ یزید کو ولی عہدی سے برطرف کر دیں گے۔ اسی

---

❶ جوخی: جیم کے پیش اور زیر دونوں کے ساتھ اور کبھی اس پر زبر بھی پڑھتے ہیں۔ یہ بغداد کی شرقی جانب ایک دریا کا نام ہے۔

❷ تاریخ الطبری: ۷/ ٤٦٠

لیے انہوں نے سازش کر کے آپ کو زہر پلوا دیا۔ اور آپ اسی دن انتقال فرما گئے جس دن آپ کا وفد کو جواب دینا طے ہوا تھا۔ ❶

گزشتہ روایات بتلاتی ہیں کہ آپ کا خوارج کے ساتھ رویہ وہی تھا جو سلف صالحین، جیسے حضرت ابن عباس اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اور یہ بھی ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ انہیں گمراہی کے بھنور سے نکالنا چاہتے تھے۔ اسی لیے آپ نے ان کے سب شبہات کا فور کیے۔ ان کا کھوٹ ان پر واضح کیا اور ان کا عیب ان پر منکشف کیا۔ ❷ اور جس بات میں وہ حق پر تھے اس میں ان کے ساتھ مناظرہ نہ کیا بلکہ مہلت مانگ لی۔ یہ اور بات ہے کہ مسئلہ واضح کرنے سے قبل آپ کو زہر پلا دیا گیا۔

ادھر عراقی خارجیوں نے والی عراق عبدالحمید کے خلاف طاقت کا استعمال کر کے والی کی فوج کو شکست دے دی تو سیّدنا عمر بن عبدالعزیز نے جلدی سے مسلمہ بن عبدالملک کی قیادت میں اہل شام کے لشکر کو عبدالحمید کی مدد کے لیے بھیجا۔ اور عبدالحمید کو خط لکھا کہ: مجھے خارجیوں کے برے لشکر اور تمہاری فوج کے اقوال کا علم ہوگیا ہے، میں مسلمہ کو فوج دے کر بھیج رہا ہوں۔ اب تم مسلمہ اور خارجیوں کے بیچ سے ہٹ جاؤ۔ چنانچہ مسلمہ نے جا کر خارجیوں کو وہاں گھیرا جہاں وہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ پھر ایک گھمسان کی جنگ کے بعد جیش خلافت کو خارجیوں پر فتح نصیب ہوئی۔ ❸

اگرچہ بعض مواقع پر آپ خارجیوں کے خلاف قوۃ اور شدت سے کام لینے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن ایسا آپ نے سب خارجیوں کے ساتھ ہرگز نہ کیا۔ لہٰذا جب بھی خارجی گفتگو اور مذاکرات کے لیے تیار ہوئے آپ نے کبھی خونریزی نہ کی۔ ❹

۳۔ خارجیوں کے ساتھ قتال کا سبب:

محض اختلاف رائے کی بنا پر آپ نے کبھی خارجیوں کے ساتھ قتال کا حکم نہ دیا تھا۔ اور نہ معارضہ اور سب وشتم کے وقت ہی ایسا حکم دیا بلکہ آپ نے صبر کیا کہ شاید اللہ انہیں حق وصواب کی ہدایت نصیب کرے۔ لیکن جب خارجی خطرناک حد تک چلے گئے اور انہوں نے لوگوں میں لوٹ مار شروع کر دی، راستے پر خطر بنا دیئے۔ اور لوگوں کے خونوں سے ہاتھ رنگنے لگے تب آپ نے ان کے ساتھ قتال کرنے کا حکم دیا۔ ❺

۴۔ خارجیوں کے اموال انہیں لوٹانا:

آپ نے خارجیوں کی عورتوں اور بچوں کو غلام اور قیدی نہ بنایا اور نہ ان کے اموال کو حلال کیا۔ بلکہ ان

---

❶ تاریخ الطبری: ۷/ ۴۶۰
❷ الآثار الواردۃ: ۲/ ۷۱۱
❸ الطبقات: ۵/ ۳۵۸
❹ ملامح الانقلاب الاسلامی، ص: ۹۴
❺ فقہ عمر بن عبدالعزیز: ۲/ ۴۶۹ از دکتور محمد شقیر

کے مال انہیں واپس کر دینے کا حکم دیا چنانچہ خوارج کی بابت آپ نے اپنے عامل کو خط لکھا کہ: اگر اللہ نے تمہیں ان پر فتح دی اور ان پر غلبہ دیا تو ان کے اموال جو تمہارے ہاتھ لگے تھے انہیں واپس کر دینا [1] اور یہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی ان کے بارے میں رائے تھی کہ ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی نہ بنایا جائے اور ان کے مالوں کو حلال نہ کیا جائے۔ [2]

۵۔ شر پسند خارجیوں کو سدھر جانے تک قید میں رکھنا:

جب آپ نے ان سے قتال کیا تو جو مارے گئے سو مارے گئے۔ اور بعض قید کر لیے گئے۔ آپ نے ان کے بارے میں حکم دیا کہ جب تک ان میں اصلاح کے آثار نہ پیدا ہو جائیں اور وہ اپنے افکار سے دست بردار ہو کر حق کی طرف نہ آ جائیں انہیں قید میں رکھا جائے۔ [3] آپ کی وفات کے وقت بعض خارجی ابھی تک قید میں تھے۔ [4]

غرض ان خارجیوں کے ساتھ یہ تھی سیّدنا عبدالعزیز رحمہ اللہ کی فقہ اور آپ کا منہج جو سلف صالحین کے مطابق تھا۔

۲......روافض

اصطلاح میں روافض ہر اس آدمی کا نام ہے جو اس بات کا قائل ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے سے پہلے کے خلفائے راشدین سے افضل ہیں۔ اور وہ اہل بیت کو خلافت کا زیادہ حق دار باور کرتا ہو۔ [5]

روافض کے متعدد فرقے ہیں بعض اتنے غالی ہے کہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، یہ لوگ رافضی کہلاتے ہیں اور بعض اپنے عقائد میں کم غالی ہیں۔ ان کے اہم فرقے یہ ہیں: کیسانیہ، سبئیہ اور امامیہ وغیرہ۔ غالی روافض کے بارے میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے متعدد اقوال ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: میں بنی ہاشم کے صلاح وفساد کو جانتا ہوں اور اس کا مدار کثیر کی محبت ہے۔ [6] لہٰذا جو اس سے محبت رکھتا ہے وہ بگڑا ہوا ہے اور جس کو اس سے بغض ہے وہ صالح ہے۔ کیونکہ وہ خشبی تھا۔ اور رجعت کا قائل تھا۔ [7] جب کوفہ کے عامل کا خط آیا جس میں اس نے اس بات کی خبر دی کہ وہ لوگ طاعت نہیں کرتے تو آپ نے جواب میں یہ لکھ بھیجا کہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ مذمت بیان کرتا ہے اس سے طاعت طلب مت کرو کیونکہ آپ امام برحق تھے جن سے سب راضی تھے۔ [8]

---

[1] فقہ عمر بن عبدالعزیز: ۲/ ۴۷۱
[2] فقہ عمر:۲/ ۴۷۱
[3] فقہ عمر ۲/ ۴۷۳
[4] الطبقات: ۵/ ۳۵۸۔۳۵۹
[5] مقالات الاسلامین، ص: ٦٥
[6] تاریخ الاسلام نقلا عن الآثار الواردة:۲/ ۷۲۸
[7] ایضًا
[8] تاریخ دمشق لابن عساکر نقلا عن الآثار الواردة:۲/ ۷۲۹

اسحاق بن طلحہ بن اشعث کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مجھے عراق بھیجا اور فرمایا کہ انہیں قرآن پڑھ کر سنانا البتہ ان سے نہ پڑھوانا انہیں حدیث سنانا اور ان سے نہ سننا، انہیں تعلیم دینا ان سے تعلیم حاصل نہ کرنا، آپ مشہور شاعر کثیر کے عقائد سے بخوبی واقف تھے۔ اس کی تائید اسکے ان اشعار سے ہوتی ہے جن میں وہ اپنے فاسد عقائد کو بیان کیا کرتا تھا۔ اور اہل بیت کے بارے میں غلو کی انتہا کر دیتا تھا، جیسے وہ کہتا ہے:

''سن لو! قریش میں سے چار والی اور آئمہ برحق گزرے ہیں ایک علی اور تین ان کی اولاد میں سے ہیں جن کو سب جانتے ہیں۔ ان کا ایک بیٹا ایمان ویقین اور نیکی والا ہے دوسرا وہ ہے جسے کربلا نے غائب کر دیا اور تیسرا وہ ہے جو اس وقت تک موت کا ذائقہ نہ چکھے گا جب تک کہ وہ لشکروں کی قیادت نہ کرے گا اور پرچم اس کے آگے آگے ہوں گے۔'' [1]

ذہبی کہتے ہیں: زبیر بن بکار کثیر کے بارے میں کہتے ہیں: وہ رافضی تھا اور تناسخِ ارواح کا قائل تھا۔ اور وہ دلیل میں یہ آیت پڑھتا تھا:

﴿فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ﴾ (الانفطار: ۸)

''اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا''

اور وہ خشبی تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دنیا میں رجعت کا قائل تھا۔ [2]

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے غالی روافض کے رد کا وہ اہتمام نہ کیا جو آپ نے قدریہ، اور خوارج کے رد کا اہتمام کیا تھا آپ نے اہل ہویٰ و بدعت کی ہم نشینی سے منع فرمایا۔ [3]

غالی روافض کے چند عقائد کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

- یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے وجوب کے اور آپ کی تقدیم امامت کے اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم پر آپ کی فضیلت کے اور اس بات کے قائل تھے کہ آپ کی امامت کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا تھا۔
- ان کے نزدیک انبیاء اور آئمہ کا کبائر وصغائر سے معصوم ہونا واجب تھا۔
- یہ لوگ قول وفعل میں تولی وتبری کے قائل تھے۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تولی یعنی دوستی، تعلق اور

[1] الفرق بین الفرق: نقلا عن الآثار الواردة، ص: ۷۳٤ج ۲

[2] تاریخ الاسلام نقلا عن الآثار الواردة: ۲/ ۷۳٤۔ خشبیہ یہ شیعوں کا ایک فرقہ تھا۔ ان کا یہ نام اس لیے پڑا کیونکہ یہ کہتے تھے کہ ہم صرف امام معصوم کے ساتھ مل کر تلوار سے قتال کریں گے۔ چنانچہ یہ لوگ لکڑی کی تلواریں بنا کر ان کے ساتھ لڑتے تھے۔ اسی لیے خشبی یعنی لکڑی والے کہلائے۔ منہاج السنة: ۱/ ۳٦

[3] الآثار الواردة: ۲/ ۷۳۳۔۷۳٤

محبت تھی جبکہ نبی کریم ﷺ کے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بالخصوص خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے تبری کے قائل تھے یعنی یہ لوگ ان سے براءت کا اظہار کرتے تھے۔ ❶

جو ان باطل عقائد کا رد پڑھنا چاہے وہ میری کتاب امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا مطالعہ کرے۔

۳......قدریہ: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں

ا۔ قدریہ کی اصطلاحی تعریف:

قدریہ کی دو تعریفیں ہیں: خاص اور عام۔

الف: قدریہ خاص معنی میں:...... یہ وہ لوگ ہیں جو تقدیر کے منکر ہیں یعنی یہ لوگ اس بات کی تکذیب کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے بندوں کے افعال یا بعض افعال کو تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں: تقدیر کچھ نہیں۔ ہر بات نئے سرے سے واقع ہوتی ہے جس کی بابت رب تعالیٰ نے کوئی تقدیر نہیں لکھ رکھی۔ اس کی مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ

ب: قدریہ عام معنی میں:...... یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رب تعالیٰ کے علم، کتابت، مشیت تقدیر اور خلق کے بارے میں بغیر علم کے گفتگوئیں کیں جو نصوص شرعیہ کے مقتضی اور فہم اسلاف کے سراسر خلاف تھیں۔ ❷

۲۔ اسلام میں قدر پر گفتگو کا آغاز:

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے اپنی امت پر تین باتوں کا ڈر ہے، روشنیوں سے شفا حاصل کرنا، سلطان کا ظلم وستم اور قدر کی تکذیب۔'' ❸

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے دین کی بابت جھگڑا کرنے سے بالعموم اور خاص تقدیر پر گفتگو کرنے سے منع فرمایا اور اس سے ڈرایا۔ اور اس بات سے بھی منع فرمایا کہ آیات اور احادیث کو ایک دوسرے سے ٹکرایا جائے یا تقدیر کی بابت وارد نصوص میں شکوک وشبہات کو ہوا دی جائے۔ مسند احمد کی روایات میں عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ''حضرت رسالت مآب ﷺ ایک دن دولت کدہ سے باہر تشریف لائے تو لوگوں کو تقدیر پر گفتگو کرتے دیکھا۔ روای کہتے ہیں (یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ کو اس قدر غصہ آیا) کہ یوں لگتا تھا جیسا رخ انور پر انار کے دانوں کو دبا کر نچوڑ دیا گیا ہو (یعنی) غصہ سے (آپ کا روئے مبارک سرخ ہو گیا) پھر انہیں ارشاد فرمایا ''تم لوگوں کو کیا ہو گیا کہ کتاب اللہ کے بعض کو دوسرے بعض سے ٹکراتے ہو؟ اسی بات کی وجہ سے تم سے پہلے لوگ ہلاک ہوئے تھے۔ ❹

---

❶ وسطية اهل الشيعة بين الفرق، ص: ۲۹۳۔۲۹۴ ❷ القدرية والمرجئة، ص: ۱۹ از دکتور ناصر العقل.

❸ مسند احمد: ۵/ ۹۰ وصحّحه الالبانی فی سلسلة الصحيحة رقم: ۱۱۲۷

❹ مسند احمد: ۲/ ۱۷۸۔۱۹۶ قال صاحب الزوائد هذا اسناد رجاله ثقات.

الف: قدریہ کا ظہور:......(۳۷ سے ۴۰ھ تک) خوارج اور روافض کا ظہور ہوا۔ ۶۲ھ تک یہی حال رہا۔ یہاں تک کہ نصرانی مجوسی قدریہ کا ستارہ طلوع ہوا۔ اور اس گمراہ جماعت نے جنم لیا۔ بعد میں معبد جہنی اس گمراہ عقیدہ میں طاق بنا۔ پھر تو جیسے ان مبتدعانہ اقوال کی جھڑی لگ گئی۔ اور بقول علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ بدعات اپنے آغاز میں بالشت بھر ہوتی ہیں، پھر جب ان کے پیروکار بڑھتے جاتے ہیں تو یہ بالشت سے ہاتھ، پھر میل اور پھر فرسخوں تک پھیل جاتی ہیں۔ ❶

ب: قدریہ کی پہلی جماعت کا ظہور:......قدریہ کا پتا پہلی بار ہمیں معبد جہنی (متوفی ۸۰ھ) اور اس کے پیروکاروں کے اقوال میں ملتا ہے۔ اس کے بعد غیلان دمشقی (متوفی ۱۰۵ھ) اور اس کے متبعین کے اقوال میں اس فرقے کا سراغ ملتا ہے ان کے عقائد خلاصہ یہ ہے کہ بقول ان کے رب تعالیٰ نے بندوں کے افعال کی تقدیر نہیں لکھی اور نہ ان کو مقدر کیا ہے اور یہ کہ ہر امر نئے سرے سے واقع ہوتا ہے جو اپنے وقوع سے قبل نہ تو اللہ کے علم میں تھا اور نہ اس کی کوئی تقدیر سابق ہی تھی۔'' قدریہ کا یہ ابتدائی کلام ہے جو ۶۳ھ کے بعد وجود میں آیا۔ جو قدریہ اولی (قدریہ کی پہلی جماعت) کی تاریخ پیدائش ہے۔ اس تناظر میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ قدریہ اولی کے عقائد یہ تھے:

یہ لوگ رب تعالیٰ کے علم سابق کے منکر تھے۔ اور ان کے بقول اللہ نے بندوں کے افعال کو پہلے سے مقدر نہیں فرمایا اور نہ اللہ کو ان کا علم تھا اور نہ اللہ نے ان افعال کو لوح محفوظ میں پہلے سے لکھ ہی رکھا تھا۔ اور یہ کہ ہر امر از خود نئے سرے سے ہوتا ہے نا کہ اللہ کی تقدیرِ سابق سے اور بندے اپنے افعال میں مستقل ہیں۔''

یہ تقدیر کی بابت بے حد غالیانہ خیالات ہیں جن میں دراصل رب تعالیٰ کے علم، کتابت اور مکلفین کے اچھے برے عمومی افعال کی تقدیر کا انکار ہے۔ یہ قدریہ کے افکار ونظریات کا آغاز تھا۔ لیکن جب جمہور آئمہ نے اس قول پر انکار کیا تو قدریہ نے رب تعالیٰ کے علمِ متقدم اور تقدیرِ سابق کا اقرار کرنا شروع کر دیا۔ لیکن رب کی قدرت ومشیئت اور افعال عبد کے خلق کا اب بھی انکار کیے رکھا۔ اور اس بات سے انکار کر دیا کہ رب تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے یا بعض افعال کا خالق ہے۔ اور اس باطل نظریہ کو ان الفاظ کے ساتھ پھیلانے لگے کہ رب تعالیٰ شر کا خالق نہیں اس نظریہ پر قدریہ کا دوسرا گروہ قائم رہا جن میں سرفہرست ''معتزلہ'' کا نام آتا ہے۔ ❷

ہم قدریہ کی پہلی جماعت کے نظریات وافکار کو ان دو اقوال میں بیان کر سکتے ہیں:

- امر ''اُنُف'' یعنی ''مستانف'' (جدید اور از سرِ نو) ہے اور اس سے ان کی مراد مکلفین کے افعال ہیں۔ ❸

---

❶ الفتاوی: ۸/ ۴۲۵ ❷ القدریة والمرجئة، ص: ۲۵ از ناصر العقل

❸ الفتاوی: ۷/ ۳۸۵

چنانچہ ان کا گمان ہے کہ رب تعالیٰ نے مکلفین کے افعال کو نہ تو مقدر کیا ہے اور نہ رب تعالیٰ ان کو جانتا ہی تھا ہاں جب یہ حادث ہو رہے ہوتے ہیں اور وجود میں آ رہے ہوتے ہیں یعنی ایک مکلّف سے ان کا حدوث ہو رہا ہوتا تو رب تعالیٰ کے علم میں وہ افعال اس وقت آتے ہیں۔ اور اس قول کی تفسیر خود قدریہ کا یہ دوسرا قول کرتا ہے جو یہ ہے کہ

❁ اللہ تعالیٰ نے کتابت کو مقدر نہیں کیا (یعنی اس کو لوح محفوظ نہیں لکھ رکھا) اور نہ سابق میں (بندوں کے) اعمال کو مقدر کیا ہے۔ ❶

ج: قدریہ کی پہلی جماعت کے سرغنے:......ان میں سرفہرست دو آدمیوں کے نام آتے ہیں:

معبد جهني (متوفی ۸۰ھ):......ابن حجر نے "تھذیب التھذیب" میں بعض ائمہ جرح وتعدیل کے "معبد جہنی" کے بارے میں چند اقوال نقل کیے ہیں، چنانچہ ابو حاتم کہتے ہیں: معبد حدیث میں صدوق تھا اور بصرہ میں تقدیر پر کلام کرنے والا یہ پہلا شخص تھا اور یہ تقدیر پر کلام کرنے والوں میں سرفہرست تھا۔ پھر مدینہ چلا آیا اس اور لوگوں کے دین کو برباد کر دیا۔ ❷

دار قطنی کہتے ہیں: معبد کی حدیث تو صالح ہے مگر اس کا مذہب برباد ہے۔ ❸ محمد بن شعیب بن شابور اوزاعی سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: تقدیر پر سب سے پہلے کلام کرنے والا شخص عراق کا تھا جس کا نام سوسن تھا۔ یہ نصرانی تھا۔ یہ مسلمان ہو کر پھر نصرانی بن گیا تھا۔ اسی سے معبد جہنی نے اس کے نظریات و خیالات کو لیا اور معبد سے غیلان نے ان افکار کو گلے لگایا ❹ اور مسلم بن یسار تو اس ستون پر بیٹھ کر یہ کہا کرتے تھے، "معبد نصاریٰ کا قول کیا کرتا تھا۔"

غيلان دمشقي (متوفی ۱۰۵ھ):......معبد جہنی کے بعد یہ دوسرا آدمی تھا جو قدریہ کی بدعت کا سرغنہ بنا۔ اس کی دعوت اور نام شام میں ظاہر ہوا اور وہاں کے بے شمار بندوں کو فتنہ میں مبتلا کیا۔ ❺ پھر غیلان نے بھی کلام کرنا شروع کر دیا اور رب تعالیٰ کی بعض صفات کی جیسے استواء علی العرش کی نفی کر دی۔ ❻

یہ قول بھی غیلان کی طرف منسوب ہے کہ ایمان یہ معرفت کا نام ہے اور اعمال یہ ایمان کے مسمی میں داخل نہیں اور یہ کہ قرآن مخلوق ہے۔ ❼ اور یہی باتیں غیلان کے بعد جعد بن درہم کے اصول بنیں۔ پھر معتزلہ اور جہمیہ کے اصول بنیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ان نظریات کے اصول و قواعد وضع کیے اور ان بدعات میں مزید وسعت سے کام لیا۔ ❽

❶ الفتاوی نقلا عن القدرية والمرجئة، ص: ۳۰
❷ تهذيب التهذيب: ۱۰/ ۲۲۵
❸ سير اعلام النبلاء: ٤/ ۱۸٦
❹ سير اعلام النبلاء: ٤/ ۱۸٦
❺ القدرية والمرجئة، ص: ۳۲
❻ دراسات فی الاهواء والفرق والبدع، ص: ۲۵۱
❻ ایضًا، ص: ۲۵۰
❼ ایضًا، ص: ۲۵۱

کہتے ہیں کہ جس شخص نے سب سے پہلے رب تعالیٰ کی صفت استواء علی العرش کا انکار کر کے اس کی تاویل استیلا' (یعنی غلبہ) سے کی وہ غیلان دمشقی تھا۔ غیلان ۱۰۵ھ میں مارا گیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ استواء علی العرش کا پہلا منکر جعد بن درہم تھا جو ۱۲۴ھ میں قتل ہوا۔ اور ایک قول جہم بن صفوان کا بھی ہے جو ۱۲۸ھ میں مارا گیا۔ اور استواء علی العرش کا انکار یہ جعد کے اس خبیث قاعدہ کے ساتھ جڑا ہوا تھا جو رب تعالیٰ کی صفات کی تعطیل کے بارے میں ہے جس کو بنیاد بنا کر جعد نے رب تعالیٰ کی صفت کلام کا انکار کیا تھا۔ راجح قول یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ قول جعد نے کیا تھا کہ رب تعالیٰ عرش پر "حقیقۃ" مستوی نہیں پھر جعد سے یہ قول جہم نے لیا اور اس کو خوب پھیلایا۔ ❶

صفت استواء کا انکار اور اس کی باطل تاویل یہ اہل ہوئی کی پہلی شرارت تھی جہاں سے ان نامرادوں نے صفات باری تعالیٰ پر گفتگو کرنے کا رستہ نکالا اور پھر بعض کی نفی کی تو بعض کی تاویل اور بعض کی بابت تعطیل کا قول کیا کیونکہ رب تعالیٰ کی صفتِ استواء علو اور فوقیت کے ساتھ مرتبط ہے، پھر اس کے ساتھ صفت رؤیت ملی ہوئی ہے۔ پھر ان لوگوں نے رب تعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ پر ہاتھ صاف کرنا شروع کیا اور بعض نے جرأت کر کے باقی صفات خبریہ کی بھی نفی کر دی جیسے: یَدٌ (ہاتھ) عَیْنٌ (آنکھ) وَجْهٌ (چہرہ) وغیرہ۔ ❷

۳۔ غیلان دمشقی کے ساتھ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا واقعہ:

عمرو بن مہاجر کہتے ہیں کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو یہ بات پہنچی کہ غیلان بن مسلم تقدیر پر گفتگو کرتا ہے۔ آپ نے اسے طلب کر کے چند دن کے لیے نظر بند کیا پھر بلوا کر پوچھا اے غیلان! مجھے تمہارے بارے میں یہ کیا بات پہنچی ہے۔؟ عمرو کہتے ہیں: میں نے غیلان کو اشارہ سے کہا کہ وہ کچھ نہ بولے۔ لیکن غیلان نے کہا ہاں اے امیر المومنین! رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ○ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ○ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ (الدھر: ۱۔۳)

"کیا انسان پر زمانے میں سے کوئی ایسا وقت گزرا ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز نہیں تھا جس کا (کہیں) ذکر ہوا ہو؟ بلاشبہ ہم نے انسان کو ایک ملے جلے قطرے سے پیدا کیا، ہم اسے آزماتے ہیں، سو ہم نے اسے خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا بنا دیا۔ بلاشبہ ہم نے اسے راستہ دکھا دیا، خواہ وہ شکر کرنے والا بنے اور خواہ ناشکرا۔"

سیدنا عمر رحمہ اللہ نے فرمایا: ذرا سی سورت کی آخری یہ آیتیں بھی پڑھو:

❶ الفتاوی: ۵/ ۲۰ ❷ دراسات فی الاھواء والفرق والبدع، ص: ۲۵۱

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ (الدھر: ۳۰۔۳۱)

''اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ چاہے، یقیناً اللہ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ وہ اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ظالم لوگ، اس نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔''

پھر فرمایا: اے غیلان! اب تم کیا کہتے ہو؟ بولا میں یہ کہتا ہوں کہ میں اندھا تھا آپ نے مجھے بینا کر دیا میں بہرا تھا آپ نے مجھے سنتا بنا دیا، میں بھٹکا ہوا تھا آپ نے مجھے راستہ دکھا دیا۔ [1]

ایک روایت میں ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے غیلان کو بلوا کر پوچھا: ''اے غیلان! مجھے معلوم ہوا کہ تم تقدیر پر گفتگو کرتے ہو۔ بولا، ''امیر المومنین! لوگوں نے میرے بارے میں جھوٹ بولا ہے۔'' آپ نے فرمایا اے غیلان! ذرا سورۂ یٰس کی پہلی آیات پڑھو:

﴿يٰسٓ ○ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ﴾ (یٰس: ۱۔۲)

''یٰس! قسم ہے قرآن کی جو حکمت سے بھرا ہے۔'' اور یہاں تک قراءت کی:

﴿اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ○ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (یٰس: ۸۔۱۰)

''بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں کئی طوق ڈال دیے ہیں، پس وہ ٹھوڑیوں تک ہیں، سو ان کے سر اوپر کو اٹھا دیے ہوئے ہیں۔ اور ہم نے ان کے آگے سے ایک دیوار کر دی اور ان کے پیچھے سے ایک دیوار، پھر ہم نے انھیں ڈھانپ دیا تو وہ نہیں دیکھتے۔ اور ان پر برابر ہے، خواہ تو انھیں ڈرائے، یا انھیں نہ ڈرائے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔''

غیلان بولا: ''اے امیر المومنین، اللہ کی قسم! ایسا لگتا ہے جیسے میں نے یہ آیات اس سے قبل پڑھی بھی نہ تھیں۔ امیر المومنین! میں آپ کو اس بات کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اپنے گزشتہ خیالات سے تائب ہوتا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''اے اللہ! اگر تو یہ سچا ہے تو اسے توبہ پر قائم رکھ اور اگر یہ جھوٹا ہے تو اسے مومنوں کے لیے عبرت بنا دے۔'' [2]

غیلان کے ساتھ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی گفتگوؤں کی بابت متعدد روایات آتی ہیں۔ تقدیر کے بارے میں اہل سنت کے عقائد پر آپ کی غیلان سے لمبی لمبی نشستیں ہوئیں۔ آپ نے قدریہ کے ساتھ

[1] الآثار الواردۃ: ۲/ ۷۵۰ [2] الابانۃ: ۲/ ۲۳۵

زبردست بحث کی۔ آپ نے ان سے اللہ کے علم کے بارے میں سوال کیا۔ چنانچہ اگر تو وہ علم کا اقرار کر لیتے تو انہیں خصیم قرار دیا جاتا اور اگر وہ علم الٰہی کا انکار کرتے تو کافر قرار پاتے، چنانچہ جب آپ نے غیلان دمشقی سے پوچھا کہ ''تم علم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ بولا علم ختم ہو چکا۔'' آپ نے فرمایا: تم خصیم ہو اب جاؤ اور جو چاہو کہو اے غیلان! تیرا ناس ہو! اگر تو علم کا اقرار کرتا ہے تو تو خصیم ہے اور اگر انکار کرتا ہے تو تو کافر ہے اور تیرا اقرار کر کے خصیم بننا یہ تیرے لیے انکار کر کے کافر بننے سے بہتر ہے۔ ❶

شاید سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے قدریہ کے ساتھ علم کے بارے میں سوال کرنے کا یہ منہج اختیار کیا تھا۔ اور بعد میں یہی اہل سنت والجماعت کا منہج قرار پایا۔ آپ نے تقدیر کے منکروں پر رد کرنے کے لیے غیلان کے سامنے صریح آیات کی تلاوت کی۔ جیسا کہ بعض روایات میں آتا ہے۔ ان صریح آیات میں سے ایک یہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ۝ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ بِفَاتِنِينَ ۝ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ﴾

(الصافات: ۱۶۱۔۱۶۳)

''پس بلاشبہ تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ تم اس کے خلاف بہکانے والے نہیں۔ مگر اس کو جو بھڑکتی آگ میں داخل ہونے والا ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں کہتے ہیں: ''اے اللہ کے ساتھ شرک کرنے والو! تم اور جن خداؤں اور بتوں کو تم پوجتے ہو کہ تم سب مل کر بھی اللہ کے خلاف کسی کو بہکا نہیں سکتے۔ یعنی تم کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے۔ مگر اسی کو جس کے بارے میں مجھے پہلے سے علم ہے کہ وہ جہنم کی بھڑکتی آگ میں جانے والا ہے۔ ❷

سیّدنا عمر رحمہ اللہ نے اپنے خطبات و رسائل میں اس بات کو واضح کیا کہ ہدایت دینے والا اور گمراہ کرنے والا وہ اللہ ہے اور یہی قرآن کریم میں بھی آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَن يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَن يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (الانعام: ۳۹)

''جس کو اللہ چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھے رستے پر چلا دے''

قدریہ رب تعالیٰ کے ہادی و فاتن ہونے کے منکر تھے ان کا کہنا تھا کہ یہ بندہ ہی ہے جو سیدھا رستہ اختیار کرتا ہے یا گمراہی کے رستے پر چلتا ہے۔ بہرحال سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے رسائل میں قدریہ کے ان مبتدعانہ نظریات کا بھرپور رد کیا۔ اور اپنے خطبوں میں قصداً یا بلا قصد ان کے باطل نظریات پر زبردست نکیر کی اور واضح کیا کہ یہ نظریات اہل سنت والجماعت کے عقائد سے منحرف ہیں۔ آپ نے واضح کیا کہ بندوں کے سب افعال مخلوق اور مقدر ہیں جو لوح محفوظ میں لکھے ہیں اور کتاب وسنت کی اس پر واضح

❶ السنة لعبد الله بن احمد بن حنبل: ۲/ ۴۲۹

❷ تفسير الطبرى: ۲۳/ ۱۰۹

دلالت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (الصافات: ۹۶)

''حالانکہ اللہ ہی نے تمھیں پیدا کیا اور اسے بھی جو تم کرتے ہو۔''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''ہر چیز مقدر ہے یہاں تک کہ عاجز ی وذہانت بھی۔'' [1]

چنانچہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے ایک خطبہ میں بیان کرتے ہیں: جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ توبہ واستغفار کرے اور وہ تقدیر کو آڑ بنا کر اللہ کے ساتھ حجت نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ بھلا اس میں میرا کیا دوش، یہ گناہ تو خود اللہ نے میرے مقدر میں لکھ دیا تھا بلکہ وہ جان لے کہ گناہ گار، نافرمان اور اس گناہ کا فاعل وہی ہے اگرچہ یہ سب اللہ کی قضاء وقدر اور قدرت ومشیت سے تھا۔ کیونکہ کوئی بھی چیز رب تعالیٰ کی مشیت وقدرت اور خلق کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

آپ نے قدریہ کے اس قول کا رد کیا کہ بندہ اپنی مشیت میں مستقل بالذات ہے جس کے ذریعے وہ اللہ کے علم کو رد کرسکتا ہے، آپ نے واضح کیا کہ اگرچہ بندہ کی قدرت ومشیت ہے مگر وہ رب کی قدرت و مشیت کے تابع ہے۔ [2]

۴۔ مراتب قدر کا بیان:

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی آثار مجموعی طور پر ایمان بالقدر پر دلالت کرتے ہیں، اس طرح وہ آثار قدر کے ان چار مراتب پر بھی دلالت کرتے ہیں جن پر سلف صالحین کا اور ان کے منہج پر چلنے والوں کا اتفاق ہے۔ وہ یہ کہ قدر پر ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ رب تعالیٰ کے علم، کتابت (لوح محفوظ میں لکھنا) اور خلق ومشیت پر ایمان نہ لایا جائے۔ آپ کے دور میں پائے جانے والے قدریہ علم اور کتابت کے منکر تھے۔ اور یہی وہ لوگ تھے جن سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد فرما کر براءت کا اظہار کیا تھا کہ جب تو ان سے ملے تو انہیں بتلا دینا کہ میں ان سے اور وہ مجھ سے بری ہیں۔ [3]

ایک شخص کے خط کے جواب میں آپ نے جو رسالہ لکھا تھا وہ قدر کے مراتب کو بیان کرتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں: تم نے (مجھ سے) اقرار بالقدر کے بارے میں سوال پوچھا، تو اللہ کے حکم سے تم نے جاننے والے سے یہ سوال پوچھا میں نہیں جانتا کہ لوگوں نے اقرار بالقدر سے زیادہ واضح اثر والی اور ثابت امر والی کوئی بدعت اور نئی بات ایجاد کی ہو۔ دور جاہلیت میں اس کو جہلاء ذکر کیا کرتے تھے، وہ لوگ اپنے شعر اور نثری کلام میں اس کا ذکر کیا کرتے تھے اور کسی ہونے والے نقصان پر قدر کے ذکر سے اپنی تعزیت کیا کرتے تھے۔ پھر

---

[1] صحیح مسلم، رقم: ۲۶۵۵ [2] الآثار الواردۃ: ۲/ ۷۶۹۔۷۷۰

[3] صحیح مسلم: کتاب الایمان باب القدر: ۱/ ۳۶۔۳۷

اسلام نے آ کر اس میں اور بھی شدت سے کام لیا اور نبی کریم ﷺ نے اس کا متعدد احادیث میں ذکر کیا۔ لوگوں نے اس کو آپ ﷺ سے سنا پس انہوں نے آپ ﷺ کی حیات میں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد یقین اور رب کے حضور تسلیم اختیار کرنے اور خود کو کمزور قرار دینے کے عقیدہ کے ساتھ اس پر کلام کیا کہ اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے اور اس نے اپنی کتاب میں اس کو شمار کر رکھا ہے اور اس کی تقدیر اس میں جاری ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو اپنی محکم کتاب میں بھی لکھ رکھا ہے۔ مسلمانوں نے یہیں سے علم حاصل کیا اور اگر تم یہ کہو کہ رب تعالیٰ نے فلاں آیت کیوں اتاری۔ اور فلاں بات کیوں ارشاد فرمائی۔ تو یاد رکھو کہ جو تم پڑھتے ہو اس کو وہ (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) بھی پڑھتے تھے۔ اور وہ اس ارشاد خداوندی کی اس تاویل کو جانتے تھے جس سے تم جاہل ہو اور ان لوگوں نے اس سب کے بعد بھی کتاب اور قدر کا قول کیا، اور یہ کہ جو اس نے مقدر کیا، وہ ہوا اور جو اس نے چاہا ہو کر رہا۔ اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا اور ہم اپنے کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں پھر ان لوگوں نے اپنے رب کی رغبت بھی کی اور اس سے ڈر بھی رکھا۔ [1]

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے رسائل و خطبات سے قدر کے جو مراتب ظاہر ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں:

الف: علم:...... اس سے مراد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کو بندوں کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اپنے علم قدیم کے ذریعے، جو اس کی صفات ذاتیہ میں سے ہے، اس بات کا علم ہے کہ اس کے بندے کیا کرنے والے ہیں اور وہ کس طرف جانے والے ہیں، وہ جانتا ہے کہ اہل جنت کون ہیں اور اہل جہنم کون ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا﴾ (الانعام: ۵۹)

''اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں، انھیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے۔''

ایک آدمی نے جب نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ اہل جنت کو اہل جہنم سے (ممتاز کر لیا اور) جان لیا گیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اس پر اس آدمی نے عرض کیا، تو پھر عمل کرنے والے کس لیے عمل کیے جا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہر آدمی اسی طرف چلا جا رہا ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔'' [2]

ب: مرتبہ کتابت:...... سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: اے لوگو! جو تم میں سے کوئی نیکی کا کام کرے وہ اس پر اللہ کی حمد بیان کرے اور جو برا کرے وہ اللہ سے استغفار کرے، پھر اگر دوبارہ کرے تو (پھر) استغفار کرے۔ اس لیے کہ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان اعمال کو کریں جو

[1] الابانة، لابن بطة: ۲/ ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳

[2] صحیح مسلم، رقم: ۲٦٤۹

اللہ نے ان کی گردنوں میں ڈال دیئے ہیں اور ان پر ان کو لکھ دیا۔ ❶

ایک دن خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''بے شک دنیا ٹھہرنے کا گھر نہیں یہ وہ گھر ہے جس کے فنا ہونے کو اللہ نے لکھ دیا ہے اور اس کے رہنے والے لوگوں کے لیے (یہاں سے) کوچ کو لکھ دیا ہے'' ❷

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے منقول یہ اثر بتاتا ہے کہ اللہ کی کتابت یہ خلائق کی وہ تقدیریں ہیں جو ان کے پیدا کرنے سے پہلے رب تعالیٰ نے لکھ دی تھیں اور اس سب کو گن لیا تھا۔ اور وہ ہر شئی کی تمام جزئیات کا علم رکھتا ہے۔ ❸

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا﴾ (الحدید: ۲۲)

''کوئی مصیبت نہ زمین پر پہنچتی ہے اور نہ تمھاری جانوں پر مگر وہ ایک کتاب میں ہے، اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''رب تعالیٰ نے خلائق کی تقدیروں کو زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے لکھ لیا تھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔'' ❹

ج: مشیت :...... مشیت سے مراد یہ ہے کہ جو اللہ نے چاہا وہ ہوا، اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا اور یہ کہ زمین و آسمان میں ہونے والی ہر حرکت اور سکون اسی کی مرضی سے ہوتا ہے اور اس کی بادشاہی میں وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تقدیر کے اس مرتبہ کو خوب ظاہر اور واضح کرنا چاہتے تھے اور جو ان کا انکاری تھا اس پر خوب رد کرتے تھے، چنانچہ ایک عامل کو ارسال کیے گئے خط میں لکھتے ہیں: جو اللہ مقدر کرتا ہے وہ ہوتا ہے۔ جو اس نے چاہا وہ ہوا اور جو نہ چاہا وہ نہ ہوا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ کی ارادہ یہ ہوتا کہ اس کی نافرمانی نہ کی جائے تو وہ ابلیس کو پیدا ہی نہ کرتا۔ ❺

جب غیلان دمشقی کے ساتھ آپ کا مناظرہ ہوا اور اس نے اپنے باطل عقیدہ پر سورۂ دہر کی ابتدائی آیات سے استدلال کیا تو آپ نے اس پر اس کی غلطی واضح کرنے اور اسے لاجواب کرنے کے لیے اسے

---

❶ الآثار الواردة: ١/ ٥١٩
❷ سيرة عمر لابن الجوزی، ص: ٢٤٤
❸ الآثار الواردة: ١/ ٥١٩
❹ صحيح مسلم، رقم: ٢٦٥٣
❺ الآثار الواردة: ١/ ٥٢٤

اسی سورت کی آخری آیات پڑھنے کو کہا۔ یہ قصہ گزشتہ میں مفصل گزر چکا ہے۔

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَ مَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (الانعام: ۳۹)

''اللہ جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھے رستے پر چلا دے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''سب بندوں کے دل ایک دل کی طرح رب رحمٰن کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہیں وہ ان کو جس طرح چاہے پھیرتا ہے۔ پھر آپ نے یہ دعا مانگی ''اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی طاعت پر ثابت قدم رکھ۔'' [1]

د: خلق:...... خلق سے مقصود یہ ہے کہ مخلوق کا اور ہر چیز کا خالق اللہ ہے۔ وہی کائنات کا خالق وموجد ہے، وہی خالق ہے اس کے سوا سب کچھ مخلوق اور مربوب ہے۔ [2] سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس مرتبہ کو کس بلیغ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ o اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ﴾ (هُود: ۱۱۸۔۱۱۹)

''اور اگر تیرا رب چاہتا تو یقیناً سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے۔ مگر جس پر تیرا رب رحم کرے۔''

کی تفسیر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ''جو لوگ اختلاف نہیں کرتے انہیں رب تعالیٰ نے ان پر رحم کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ [3]

یہ آیت جہاں یہ بتلاتی ہے کہ رب تعالیٰ نے بندوں کو پیدا فرمایا ہے وہیں اس امر کو بھی متضمن ہے کہ رب تعالیٰ بندوں کے افعال کا بھی خالق ہے۔ [4] اسی لیے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ o اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ﴾ (هُود: ۱۱۸۔۱۱۹)

اور اگر تیرا رب چاہتا تو یقیناً سب لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا اور وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے۔ مگر جس پر تیرا رب رحم کرے اور اس نے انھیں اسی لیے پیدا کیا۔''

آپ نے عدی بن ارطاۃ کو خط لکھا کہ: اما بعد! تمہارا سعد بن مسعود کو عمان کا والی بنانا تمہاری وہ خطا ہے جو اللہ نے تم پر مقدر فرما رکھی تھی اور تمہارا اس خطا میں مبتلا ہونا مقدر تھا۔ [5]

---

[1] صحيح مسلم، رقم: ۲۶۵٤ [2] الآثار الواردة: ۱/ ۵۲۵

[3] سيرة عمر لابن عبدالحكم، ص: ۷٤ [4] مصنف عبدالرزاق: ۱۱/ ۱۲۲ [5] مصنف عبدالرزاق: ۱۱/ ۱۲۲

یہ جو آپ نے فرمایا، کتاب وسنت کی اس پر صریح دلالت ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (الصافات: ٩٦)

''حالانکہ تم کو اور جو تم کرتے ہو اس کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (الزمر: ٦٢)

''اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔''

اور یہ حدیث تو گزشتہ میں بھی گزر چکی ہے کہ ''ہر شی مقدر ہے حتی کہ عاجزی اور دانائی بھی۔'' [1]

۵۔ قضاء اور قدر میں اصطلاحی فرق:

ایک قول یہ ہے کہ قدر سے مراد تقدیر اور قضاء سے مراد خلق ہے جیسے کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ﴾ (فصلت: ١٢)

''پھر (دو دن میں) سات آسمان بنائے۔''

یعنی ان کو پیدا کیا۔

قضاء اور قدر، یہ دونوں امر ایک دوسرے کو لازم ہیں کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک اساس کے بمنزلہ ہے اور وہ ہے قدر، جبکہ دوسرا بمنزلہ عمارت کے ہے اور وہ ہے قضاء پس جس نے بھی ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا چاہا اس نے عمارت کو گرانا اور توڑنا چاہا۔ [2]

ایک قول یہ ہے کہ قضاء اللہ کا وہ علم سابق ہے جس کا اس نے ازل میں حکم دیا ہے اور قدر، یہ خلق کا وقوع ہے اس امر کے مطابق جو سابق میں طے ہو چکا ہے۔ [3] ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: علماء کا کہنا ہے کہ قضاء ازل میں اجمالی کلی حکم ہے جبکہ قدر، اس ازلی حکم کی جزئیات اور تفاصیل ہے۔ [4] ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں امر جب جمع ہو جاتے ہیں تو جدا ہو جاتے ہیں وہ یوں کہ دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ایک مدلول پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ گزشتہ دو اقوال سے سمجھا جا سکتا ہے اور جب یہ دونوں جدا ہوتے ہیں تو جمع ہو جاتے ہیں، وہ یوں کہ جب ان میں سے ہر ایک کو الگ لیا جاتا ہے تو اس میں دوسرا داخل ہو جاتا ہے۔ [5]

قضاء وقدر کی بابت اس قول کو ایمان اور اسلام، اسی طرح فقیر اور مسکین وغیرہ کے درمیان بیان کی جانے والی تفریق پر قیاس کیا گیا ہے شاید یہ ان دو افراد کے اقوال کے درمیان تطبیق کی ایک راہ ہے جن میں

---

1. صحیح مسلم: ٢٦٥٥
2. النهاية لابن اثير: ٤/ ٧٨
3. الآثار الواردة: ١/ ٤٩٤
4. فتح الباري: ١١/ ٤٨٦
5. القضاء والقدر، ص: ٢٩ از محمد بن ابراهيم الحمد

سے ایک کے نزدیک قضاء وقدر میں تفریق ہے جبکہ دوسرے کے نزدیک نہیں۔ لیکن زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ قضاء اور قدر میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ❶ اور یہ اختلاف بے سود ہے۔ کیونکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ دونوں میں ہر ایک کا اطلاق دوسرے پر درست ہے اور جب دونوں کو اکٹھا ذکر کیا جاتا ہے تب بھی دونوں میں سے ہر ایک کا دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک کی ایسی تعریف کرنے میں جو دوسرے پر بھی دلالت کرے کوئی تنگی نہیں۔ ❷

۶۔ قضاء وقدر پر راضی رہنا:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر میرے امور میں کہیں خواہش نفس سر اٹھاتی ہے تو رب کی قضاء کے مواقع ہیں۔'' ❸ (مگر میں خواہش نفس کو دبا دیتا ہوں)

آپ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! تو مجھے اپنی قضا پر راضی کر دے اور اپنی تقدیر میں مجھے برکت دے، یہاں تک کہ میں اس چیز کی عجلت کی تمنا نہ کروں جس کو تو نے موخر کر دیا اور اس چیز کی تاخیر کی تمنا نہ کروں جس کو تو نے ابھی ظاہر فرما دیا۔ آپ کہتے ہیں کہ میں یہ دعا مانگتا رہا یہاں تک میرے امور میں کسی بات میں خواہش باقی نہ رہی مگر قضاء کی جگہ ❹ آپ نے اپنے بیٹے عبدالملک کو دفن کرنے کے بعد یہ دعا مانگی، ''ہم اللہ کی قضاء پر راضی ہیں اور اس کے امر کے آگے سراپا تسلیم ہیں اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں، ❺ جب لوگوں نے آپ کے ساتھ بیٹے کی وفات پر تعزیت کی تو یہ فرمایا ''میں اس بات سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کہ مجھے کسی چیز سے ایسی محبت ہو جو اللہ کی محبت کے مخالف ہو بے شک یہ بات، جب وہ مجھے آزمائے اور جب مجھ پر احسان فرمائے، میرے لیے مناسب نہیں۔ ❻

اس باب میں سیّدنا عمر رحمہ اللہ سے مروی آثار رضا بالقضاء پر ابھارتے ہیں اور قضا سے مقصود وہ مقدر مصائب جو گناہ نہیں جن کو اللہ نے بندوں پر مقدر فرمایا ہے تو ان مصائب پر صبر کرنا واجب ہے، رہا ان مصائب پر راضی رہنا تو وہ مشروع ضرور ہے لیکن اس کے واجب یا مستحب ہونے میں امام احمد کے اصحاب کے دو اقوال ہیں، جبکہ زیادہ صحیح قول اس کے غیر واجب اور مستحب ہونے کا ہے۔ ❼ بے شک رضا بالقضاء یہ قضاء وقدر پر ایمان کے کمال میں سے ہے۔ اور یہ رب کے پاس موجود نعمتوں پر بھروسا ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ اس ایمان کی بدولت بندہ ہاتھ سے چھن جانے والی چیز پر نادم نہیں ہوتا اور نہ ملنے والی کسی چیز پر وہ فرحاں وشاداں ہی ہوتا ہے، پس وہ قضا وقدر کے مطابق اپنے رب پر راضی رہتا ہے۔ ❽

---

❶ الآثار الواردة:١/ ٤٩٤
❷ القضاء والقدر از عبدالرحمن محمود، ص: ٤٤
❸ الطبقات:٥/ ٣٧٢
❹ سيرة عمر لابن عبدالحكم، ص:٩٧
❺ الآثار الواردة:١/ ٥٣٦
❻ الحلية:٥/ ٣٥٨-٣٥٧
❼ مجموع الفتاوى:٨/ ١٩١
❽ الآثار الواردة:١/ ٥٣٨

۴......مرجئہ

یہ فرقہ ارجاء کی طرف منسوب ہے اور ارجاء سے مراد ہے اعمال کا ایمان سے موخر ہونا۔ [1] ارجاء کے دو معانی ہیں:

(۱) تاخیر کے معنی میں، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ﴾ (الاعراف: ۱۱۱)

''انہوں نے (فرعون سے) کہا کہ فی الحال موسیٰ اور اس کے بھائی کے معاملہ کو صاف رکھیے۔''

یعنی ان کو مہلت دیجیے اور ان کے معاملہ کو موخر رکھیے۔

(۲) جبکہ دوسرا معنی ہے مہلت دینا۔ [2]

امام احمد نے مرجئہ کی اصطلاحی تعریف یہ بیان کی ہے: ''یہ وہ لوگ ہیں جن کا یہ گمان ہے کہ ایمان صرف زبان سے نطق کا نام ہے، اور لوگوں میں ایمان میں باہمی فضیلت نہیں، اور یہ کہ ان کا اور فرشتوں و پیغمبروں کا ایمان ایک ہے اور یہ کہ ایمان نہ گھٹتا ہے اور نہ بڑھتا ہے۔ ایمان میں کوئی استثناء نہیں۔ اور یہ کہ جو زبان سے ایمان لا کر کوئی بھی نیکی نہ کرے وہ تب بھی پکا مومن ہے۔ [3]

کٹر مرجئہ کا قول یہ ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کا کوئی ضرر نہیں، جیسا کہ کفر کے ساتھ کوئی طاعت مفید و نافع نہیں یہ جہم اور اس کے ساتھیوں کا قول ہے۔ [4] ارجاء بایں معنی کہ یہ اعمال کا ایمان سے موخر ہونا ہے کہ یہ قول سب سے پہلے غیلان دمشقی نے کیا تھا جیسا کہ علامہ شہرستانی نے اس کی تصریح کی ہے۔ [5]

رہا وہ ارجاء جو ابو محمد حسن بن محمد المعروف بہ ابن حنفیہ کی طرف منسوب ہے تو یہ ایمان میں ارجاء نہیں۔ وہ صحابہ میں سے قتال کرنے والوں کے معاملہ کو اللہ کی طرف موخر کرنے کا نام ہے۔ [6] ابن سعد (الطبقات میں) ابنِ حنفیہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ''ارجاء پر سب سے پہلے اسی نے کلام کیا تھا۔'' ابن سعد لکھتے ہیں: زاذان اور میسرہ نے ابن حنفیہ سے ملاقات کر کے اسے ارجاء پر کتاب لکھنے پر ملامت کی تو ابن حنفیہ نے زاذان سے کہا: اے ابو عمر! کاش میں اس کتاب کو لکھے بغیر مر گیا ہوتا۔ [7] یہ کتاب ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے امر کے اللہ کی طرف ارجاء کی بابت ہے جنھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد پیدا ہونے والوں فتنوں میں شرکت کی تھی۔ [8] ابن حجر کہتے ہیں: میں نے ابن حنفیہ کی لکھی وہ کتاب دیکھی ہے۔

---

[1] الفرق بین الفرق للبغدادی، ص:۲۰۲
[2] الملل والنحل للشہرستانی: ۱/ ۱۳۹
[3] موقف اہل السنة من اہل الاہواء والبدع: ۱/ ۱۵۲
[4] وسطية اہل السنة بین الفرق، ص: ۲۹۴،
[5] الملل والنحل: ۱/ ۱۳۹
[6] وسطية اہل السنة بین الفرق، ص:۲۹۵
[7] الطبقات: ۵/ ۳۲۸
[8] قضية الثواب والعقاب للسميری، ص:۳۰

اس کتاب میں ابن حنفیہ نے جس ارجاء پر کلام کیا ہے وہ اس ارجاء سے مختلف ہے جس کے رد کی طرف اہل سنت نے خاص توجہ دی ہے اور وہ ارجاء ایمان سے متعلق ہے۔ [1]

مرجئہ کے وہ اہم اقوال جن میں انہوں نے اہل سنت سے تجاوز کیا ہے یہ ہیں:

- اعمال کا ایمان کے مسمی سے مؤخر ہونا۔
- اور کٹر مرجئہ کا یہ قول کہ ایمان کے ساتھ گناہ مضر نہیں جیسے کفر کے ساتھ طاعت مفید نہیں۔ [2]

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی اقوال و آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان گھٹتا بڑھتا ہے۔ بلاشبہ یہ آثار مرجئہ کا رد ہیں بالخصوص اہل علم نے مرجئہ کا رد کرتے ہوئے آپ کے ان آثار و اقوال کو اپنا مستدل بنایا ہے، اسی طرح آپ نے تمام بدعات بالخصوص ارجاء کی بدعت سے بھی ڈرایا اور ان سے بچنے کی تلقین کی [3] بدعات کے رد میں آپ کے چند اقوال گزشتہ میں بیان ہو چکے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: ''اگر سنت کے بعد کوئی ضلالت کو ہدایت سمجھ کر اختیار کرتا ہے تو اس کے لیے کوئی عذر نہیں۔'' [4]

غرض آپ بدعات کے خاتمہ اور ان کے قلع قمع کرنے کے بے حد حریص تھے۔ حتی کہ اس کی خاطر آپ ٹکڑے ٹکڑے ہونے اور جان تک دینے کے لیے تیار تھے جیسا کہ گزشتہ میں بیان ہوا۔ آپ سے مروی آثار اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ایمان جملہ عبادات کو شامل ہے اور ایمان کے شعبے توجہ کے بے حد لائق ہیں اور آپ نے اس بات کا بشرطِ زندگی عہد کیا تھا کہ آپ رعایا کو عبادات اور ایمان کے جملہ شعبوں پر تیار کریں گے۔ غرض اس پر گزشتہ صفحات میں تفصیلی کلام ہو چکا ہے اور ارجاء کی بدعت کا رد حق کا احقاق اور باطل کا ابطال ہے۔ ایمان کے مسئلہ میں آپ سے ماثور صحیح قول یہی ہے۔ [5]

رہا وہ قول جو ابن سعد نے ''طبقات'' میں نقل کیا ہے کہ خلیفہ بننے کے بعد آپ کے پاس عون بن عبداللہ، موسیٰ بن ابی کثیر اور عمر بن حمزہ آئے۔ اور بعض مآخذ میں عمر بن ذر کا نام بھی آنے والوں میں مذکور ہے اور ان لوگوں نے مسئلہ ارجاء میں آپ کے ساتھ بحث و مناظرہ کیا اور وہ مناظرہ کر کے یہ سمجھے کہ آپ تو ان کے بالکل موافق ہیں اور آپ کا ان کے ساتھ کسی بات میں اختلاف نہیں۔ [6] یہ قول بالکل غلط ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے:

- ایک تو ابن سعد نے یہ قول بلا اسناد نقل کیا ہے لہٰذا یہ قول منقطع ہے جو لائق احتجاج و استدلال نہیں۔

---

[1] تهذيب التهذيب: ٢/ ٣٢٠
[2] وسطية اهل السنة بين الفرق: ٢٩٥
[3] الآثار الواردة: ٢/ ٨١٣
[4] الآثار الواردة: ٢/ ٨١٤
[5] الآثار الواردة: ٢/ ٨١٤
[6] الطبقات: ٦/ ٣٣٩

- اس روایت میں "زعموا" (انہوں نے گمان کیا) صیغہ تمریض ہے جو قطعیت پر دلالت نہیں کرتا۔
- اوران لوگوں کا یہ گمان اور دعویٰ آپ کے خلاف نہیں جاتا کیونکہ یہ لوگ تو خود ارجاء کے عقیدہ میں ملوث تھے اور ان پر ارجاء کی تہمت تھی۔ [1]

چلو فرض کیا کہ ہم یہ روایت تسلیم بھی کر لیتے تھے تب بھی یہ روایت حجت نہیں کیونکہ عون بن عبداللہ نے بعد میں ارجاء سے توبہ کر لی تھی۔ یہ بات لالکائی نے اپنی سند کے ساتھ نوفل ہذلی سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں: عون بن عبداللہ اہل مدینہ کے مؤذنین میں اور مدینہ کا سب سے بڑا فقیہ تھا۔ پہلے مرجئ تھا، پھر ارجاء سے توبہ کر لی اور یہ اشعار کہے:

"ہم سب سے پہلے کسی قسم کے شک و ارتیاب کے بغیر مرجئہ کے قول کو چھوڑتے ہیں ان کے نزدیک اہل جور بھی مومن ہیں حالانکہ مومن اہل جور نہیں ہوتے۔ یہ لوگ مومن کے خون کو حلال کہتے ہیں حالانکہ مومنوں کا خون تو حرام ہے۔" [2]

لالکائی کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عون بن عبداللہ نے اجارء سے توبہ کر لی تھی۔ شاید آپ ارجاء کے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ قوی محبت و تعلق قائم ہونے سے پہلے قائل تھے۔" [3]

۵......جہمیہ

یہ فرقہ جہم بن صفوان خراسانی کی طرف منسوب ہے جو بنی راسب کا آزاد کردہ غلام جعد بن درہم کا شاگرد اور حارث بن سریج کا کاتب اور میر منشی تھا۔ [4] اس نے خراسان میں خلافت امویہ کے خلاف فتنہ کی آگ کو ہوا دی تھی۔ جہم اپنے والی ہونے کی دعوت دیتا اور لوگوں کو اپنے اخلاق و فضائل سنا کر انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتا۔ [5] اور انہیں اپنے ساتھ خروج کرنے پر تیار کرتا۔ [6] ۱۲۸ھ میں خراسان کے امیر نصر بن یسار اور حارث بن سریج کی فوجوں میں معرکہ کارزار ہوا۔ جہم کا حارث کی طرف سے سپاہی بن کر لڑنا واضح تھا۔ اسی جنگ میں ایک شخص نے اس کے منہ پر نیزے کا وار کر کے اسے قتل کر دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ جنگ کے اختتام میں گرفتار کر کے سلیم بن احوز کے سامنے ایک گھر میں قید رکھا گیا پھر سلیم نے اس کے قتل کا حکم دے دیا اور جہم مارا گیا۔ [7]

---

[1] الآثار الواردة:۲/ ۸۱۵
[2] شرح اصول عقائد اهل السنة:۵/ ۱۰۷۷
[3] الآثار الواردة:۲. ۸۱٦
[4] حقيقة البدعة واحكامها:۱/ ۱۱۵
[5] الكامل في التاريخ نقلا عن حقيقة البدعة:۱/ ۱۱۵
[6] البداية والنهاية نقلا عن حقيقة البدعة:۱/ ۱۱۵
[7] البداية والنهاية نقلا عن حقيقة البدعة:۱/ ۱۱٦

جہمیہ کے اہم اصول مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جہم نے اپنے افکار ونظریات کی بنیاد جعد بن درہم کے نظریات پر رکھی جو رب تعالیٰ کی صفات ذاتیہ وخبریہ کی نفی، اور قرآن کے مخلوق ہونے کے دعوے پر مبنی تھے۔ پھر جہم نے جعد کے افکار میں مزید بدعات وخرافات کا بھی اضافہ کیا۔

(۲) جہم جبر کا قائل تھا۔ اس کا گمان تھا کہ انسان مطلق بے بس ہے، اسے کسی چیز پر قدرت حاصل نہیں۔ اس میں استطاعت نامی کوئی چیز نہیں یہ مجبور محض ہے۔

(۳) جہم کے نزدیک ایمان معرفت کا نام تھا۔ اس کا گمان تھا کہ ایمان صرف اللہ کی معرفت کا نام ہے اور کفر یہ بس اللہ کی ذات سے جہل کا نام ہے۔

(۴) جہم جنت اور جہنم کے فنا کا بھی قائل تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جب جنت اور جہنم میں لوگ داخل ہو جائیں گے تو ان دونوں کو فنا کر دیا جائے گا۔ لہٰذا جہم کے نظریہ کے مطابق غیر متناہی حرکات کا تصور ممکن نہیں۔

(۵) جہم اللہ کے علم کے حادث ہونے کا قائل تھا۔ جہم کے بقول اللہ کو کسی چیز کے پیدا کرنے سے پہلے اس کا علم نہیں ہوتا۔ [1]

خلاصہ یہ ہے کہ جہم بن صفوان اپنے گمراہانہ عقائد میں دردر کا خوشہ چین تھا۔ چنانچہ جہم نے رب تعالیٰ کی صفات کی نفی کے قول کو جعد سے، گمراہ فلاسفہ سے اور سمنیہ [2] لیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جہم زبان آور اور فصیح وبلیغ تو تھا لیکن اسے اہل علم کی مجلس کبھی نصیب نہ ہوئی تھی ہوا یوں کہ اس کی ایک دفعہ سمنیہ سے گفتگو ہوگئی۔ انہوں نے کہا ذرا اپنے رب کی، جس کی تم عبادت کرتے ہو ہمارے سامنے صفت تو بیان کیجئے! یہ سن کر جہم گھر گھس گیا اور چند دن باہر تک نہ نکلا۔ پھر چند دن بعد نکل کر ان کے پاس گیا اور بولا میرا رب وہ یہ ہوا ہے جو ہر شی کے ساتھ ہے اور ہر شی میں ہے اور کوئی شی ہوا سے خالی نہیں۔ امام احمد نے جہم کے سمنیہ کے ساتھ ہونے والے مناظرہ کو روایت کیا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جہم نے رب تعالیٰ کو روح کے ساتھ تشبیہ دے ڈالی جو نہ نظر آتی ہے اور نہ محسوس ہوتی ہے اور نہ اس کی آہٹ سنائی دیتی ہے۔ [3] ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: جعد بن درہم جو ایک قول کے مطابق اہل حران میں سے تھا۔ جہاں پر بے شمار صابی اور فلاسفہ رہتے تھے۔

رب تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ان کا مذہب یہ تھا جو جعد نے ان صابیوں اور فلاسفہ سے لیا تھا کہ

---

[1] تناقض الاھواء والبدع فی العقیدۃ: ۱/ ۱۳۱

[2] سمنیہ ہندوؤں کا ایک زندیق فرقہ ہے ان کا ایک خاص فلسفہ اور گمراہانہ مدرسہ فکر ہے، دیکھیں ظاھرۃ الارجاء فی الفکر الاسلامی: ۲/ ۳۹۲

[3] الرد علی الجھمیۃ والزنادقۃ للامام احمد، ص: ٤٤۔٤٥

رب کی صرف سلبی یا اضافی یا ان دونوں سے مرکب صفات ہیں۔ ❶ پھر جہم نے یہ افکار جعد سے اختیار کیے۔ ❷ جبکہ جبر کا قول جہم سے پہلے مشرک عربوں نے بھی کیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ قَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَ لَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ (النحل: ۳۵)

''اور جن لوگوں نے شریک بنائے انھوں نے کہا اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اس کے سوا کسی بھی چیز کی عبادت کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کے بغیر کسی بھی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ اسی طرح ان لوگوں نے کیا جو ان سے پہلے تھے تو رسولوں کے ذمے صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا اور کیا ہے؟''

رب تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ مشرک اپنے شرک میں تقدیر کو حجت بنا کر کس دھوکے میں گرفتار تھے۔ ان کے کلام کا خلاصہ اور مضمون یہ ہے کہ اگر اللہ شرک سے بیزار ہوتا تو ہم شرک کے مرتکب نہ ہوتے اور وہ ہمیں سزا دے کر شرک پر اور ہم پر انکار کرتا اور ہم ہرگز بتوں کو پوج نہ سکتے۔ ❸

رہا جہمیہ کا یہ قول کہ ایمان یہ معرفت کا نام ہے تو ان سے قبل مرجئہ اس بات کے قائل ہو گزرے تھے۔

اور رہا جنت و دوزخ کے فنا ہونے کا قول تو اس کا ماخذ و مصدر اسماعیلیہ ❹ باطنیہ، اہل کلام اور یہود ہیں۔ ابن ابی العز رحمہ اللہ جہم بن صفوان کے بارے میں کہتے ہیں: امام معطلہ جہم بن صفوان نے جنت و دوزخ کے فنا کا قول کیا اور اس باب میں اس کے پاس حضرات اسلاف کا کوئی قول حجت نہ تھا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ تابعین عظام رحمہم اللہ سے، نہ ائمہ مسلمین سے اور نہ اہل سنت والجماعت سے۔ جہم کا یہ قول اس کی وہ فاسد اصل تھا جو اس کا اعتقاد تھا اور وہ اعتقاد تھا ''لا متناہی حوادث کے وجود کا امتناع۔'' اور یہ اہل کلام کے مذموم کلام کی بنیاد ہے۔ ❺ اہل کلام عموماً کتاب وسنت کی دلالت کو قطعی نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک کتاب وسنت کی جملہ دلالتیں ظنی ہیں۔ اہل کلام نے اپنی زیادہ تر اصطلاحات اور علوم فلاسفہ اور مناطقہ سے اخذ کی ہیں۔ ❻ اور خود فلاسفہ اور مناطقہ اپنے اصولوں کو قائم کرنے میں یہود و نصاریٰ اور مجوس پر انحصار کرتے ہیں۔

❶ الفتاوی: ۵/ ۲۱۔۲۲ ❷ تناقض اهل الاهواء والبدع: ۱/ ۱۳۱ ❸ تفسیر القرآن العظیم: ۲/ ۶۲۶

❹ اسماعیلیہ: یہ محمد بن اسماعیل کی طرف منسوب ایک فرقہ ہے جو جعفر صادق کا بیٹا تھا۔ یہ لوگ باطنی تفسیر کیا کرتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم کے ساتھ خاص کیا ہے۔ یہ لوگ مخالفین علی رضی اللہ عنہ کے کفر کے قائل کرتے تھے: "الفرق بین الفرق، ص: ۴۲"

❺ شرح العقیدة الطحاویة، ص: ۴۲۰ ❻ تناقض اهل الاهواء والبدع: ۱/ ۱۳۳

رہا جہم کا یہ قول کہ اللہ کا علم حادث ہے تو جہم نے یہ لچر عقیدہ معبد سے اور معبد نے سوسن نصرانی سے لیا تھا۔ یہ سب تفصیلات بتلاتی ہیں کہ ان گمراہ جماعتوں کے اکابر کن لوگوں سے متاثر تھے اور کس حد تک متاثر تھے اور انہوں نے اپنے عقائد کو ہلاک ہونے والی امتوں یہود و نصاریٰ اور مجوس سے اخذ کیا تھا۔ تو جب ان فرقوں کے بڑوں کا یہ حال تھا تو ان کے بعد والوں کا حال کیا ہوگا۔ [1]

آیئے ذیل میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی چندان آثار کو نقل کیا جاتا ہے جن کو علماء اسلاف اور آئمہ اہل سنت والجماعت جیسے امام احمد رحمہ اللہ اور امام دارمی رحمہ اللہ وغیرہ نے جہمیہ وغیرہ پر رد اعتبار کیا ہے۔

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد حضرات خلفائے راشدین نے چند سنتیں ایسی مقرر کی ہیں کہ جن کو مضبوطی سے تھامنا یہ کتاب وسنت کو تھامنے، اور اللہ کے دین کو قوی کرنے کے حکم میں ہے۔ اور کسی کو ان سنتوں میں تغییر و تبدیلی کی یا ان کے مخالف امر میں غور کرنے کی اجازت نہیں۔ جو ان سے ہدایت پکڑے گا، وہ ہدایت والا ہے اور مظفر و منصور وہی ہے جو ان سنتوں سے نصرت حاصل کرے گا۔ اور جو ان سنتوں کو چھوڑ کر اہل ایمان کے رستے کے سوا اور رستوں پر چلے گا تو اللہ اسے ادھر ہی چلتا رہنے دیں گے اور انجام کار اسے جہنم میں جھونک دیں گے اور جہنم بے حد برا ٹھکانا ہے۔'' [2]

ابن عبدالحکم کہتے ہیں: ''میں نے امام مالک کو یہ کہتے سنا ہے کہ اس بابت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پرعزم ارادوں پر مجھے حیرت ہے۔'' [3]

غرض اس جیسے متعدد آثار ہیں جن کو آئمہ اسلاف نے جہمیہ کے رد میں نقل کیا ہے۔ اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ آثار جملہ اہل بدعت کا بھی رد ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سیّدنا عمر رحمہ اللہ ان دلائل سے تمسک کیا کرتے تھے جو عین فطرت ہیں جیسے خالق جل شانہ کی ذات اقدس کی صفات کمالیہ اور نعوت جلالیہ کا اثبات، جیسے فوقیت اور علو وغیرہ کہ یہ صفات رب تعالیٰ کی خالق و مالک ذات کے لیے ثابت ہیں اور ان صفات کو خود فطرت سلیمہ ثابت کرتی ہے اسی طرح آپ نے بغیر علم کے دین میں جھگڑا کرنے سے منع فرمایا: اور جہم بن صفوان بھی جن گمراہ کن اعتقادات کا شکار ہوا تھا، اس کی وجہ بھی اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھی کہ وہ بغیر علم کے مذہبی مباحث کرتا تھا۔ اور عقائد و عبادات کی بابت جاہل ہونے کے باوجود دوسروں سے الجھتا تھا۔ پھر خود بھی گمراہ ہوا اور اوروں کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبا۔

دوسرے اسلاف کی طرح علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی آثار کو جہمیہ پر ردّ کرنے کے لیے دلیل بنایا۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ "الفتوی الحمویة" میں ذکر کرتے ہیں کہ

---

[1] تناقض اهل الاهواء والبدع: ١/ ١٣٣
[2] الآثار الواردة: ٢/ ٨٢٠
[3] سيرة عمر لابن عبدالحكم، ص: ٤٠

ابوالقاسم ازجی نے اپنی سند کے ساتھ طرف بن عبداللہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ کو کہ جب ان کے سامنے اس شخص کا ذکر ہوا جو احادیث صفات باری تعالیٰ کا دفاع کرتا تھا، یہ کہتے سنا: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کہتے ہیں اور وہ اس اثر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے بعد آنے والے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے ذکر کرتے تھے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ اس اثر پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''بے شک یہ مختصر کلام ہے جو سنت کے عمدہ اصولوں کو جمع کر دیتا ہے اور اصولوں میں سے ایک وہ ہے جو بدعت کے مادوں کا قلع قمع کر دیتا ہے۔ اور ایک وہ ہے جو سنت کے پیرکار کی مدح جبکہ مخالف سنت کی مذمت بیان کرتا ہے۔ اور ان میں سے ایک اصول یہ ہے کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل کتاب وسنت کی تفسیر ہے بے شک سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا کلام عمدہ اصولوں اور اہم فوائد کا جامع ہے۔'' ❶

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الرد علی الجهمية'' میں سیّدنا عمر رحمہ اللہ کا یہ اثر نقل کرتے ہیں: ''جس نے اپنے دین کو خصوصات کی آماج گاہ بنا دیا اسے اکثر نقل مکانی کرنی پڑتی ہے۔'' ❷

صفات باری تعالیٰ کی نفی اور خلق قرآن کے قول کو معتزلہ نے جہمیہ سے لیا تھا۔ ان دونوں فرقوں کے ان دو رسوائے زمانہ نکات پر اتفاق کی بنا پر بے شمار علماء نے معتزلہ کو جہمیہ کا نام دے دیا۔ اس لیے ضروری ہے اور بے حد ضروری ہے کہ گمراہ فرقوں کی گمراہی بیان کرتے وقت اور ناموں کے اطلاق کے وقت ازحد احتیاط اور بیداری سے کام لیا جائے کیونکہ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ ایک فرقہ کسی ایک گمراہ عقیدہ میں دوسرے کا ہم خیال ہوتا ہے لہٰذا اگر محض کسی ایک امر میں اشتراک کی بنا پر ہم ایک فرقے پر دوسرے فرقے کے نام کا اطلاق کر دیں گے تو معاملہ مشتبہ ہو جائے گا۔ اور منہج کبھی مستقیم نہ ہو پائے گا۔ اس لیے ہر فرقہ پر اس کے صحیح نام کا اطلاق لازمی ہے اور وہ نام کسی دوسرے فرقے سے مستعار نہ ہو بے شک یہ علمی پہلو جہاں بے حد دقیق ہے وہیں ازحد سلامتی کی راہ بھی ہے۔ ❸

۶......معتزلہ

یہ اس فرقے کا نام ہے جس نے دوسری صدی ہجری کے اوائل میں واصل بن عطاء کے ہاتھوں جنم لیا تھا۔ ❹ واصل نے عقائد کی بحث کو خالص عقلی منہج پر پرکھا۔ اس فرقہ کے نزدیک جملہ معارف حصول اور وجوب

---

❶ الاعتصام نقلا عن الآثار الواردة: ۲/ ۸۲۲ ❷ الرد على الجهمية للامام احمد رحمہ اللہ، ص: ۶۹

❸ قضية الثواب والعقاب بين مدارس الاسلاميين، ص: ۳۴.

❹ ابوحذیفہ واصل بن عطاء بصری۔ غزاء متکلم، معتزلہ کے اکابر میں سے تھا۔ حسن بصری سے حدیث سنی ''اضاف المرحبة'' اور ''معانی القرآن'' وغیرہ کتابیں لکھیں۔ معتزلہ کے چوتھے طبقہ سے تعلق رکھتا ہے، ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

کے اعتبار سے محض عقلی ہیں۔ شروع کرنے سے قبل بھی اور شروع کرنے کے بعد بھی، ان کو ارباب کلام اور اصحاب جدل کا نام دیا جاتا ہے۔ ❶

ا۔ معتزلہ کی پیدائش اور وجہ تسمیہ:

ایک آدمی نے حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس آ کر کہا: ''اے دین کے امام! ہمارے زمانے میں ایک ایسی نامسعود جماعت بھی پیدا ہوگئی ہے جو مرتکب کبائر کی تکفیر کرتی ہے۔ یہ خوارج کی جماعت وعید یہ ہے اور ایک اور جماعت ہے جو مرتکبین کبائر کے انجام کو امر الٰہی کی طرف مؤخر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ایمان کے ہوتے ہوئے کبیرہ گناہ مضر نہیں۔ یہ اس امت کے مرجئہ ہیں آپ ان کے بارے میں کس اعتقاد کا حکم لگاتے ہیں؟ حسن بصری رحمہ اللہ جواب سوچنے لگے مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتے پاس بیٹھا واصل بن عطاء بول اٹھا: میں یہ نہیں کہتا کہ مرتکب کبیرہ مطلق مومن یا مطلق کافر ہے بلکہ وہ منزلوں کے بیچ میں ایک تیسری منزل میں ہے۔ وہ نہ مومن ہے اور نہ کافر۔ پھر اپنے شیخ کے حلقہ سے فوراً اٹھ کر سامنے مسجد کے ایک ستون کی طرف جدا ہو کر چل دیا، گویا کہ اس نے یہ اعلان کر دیا کہ میں اپنے اس جواب پر پکا ہوں۔

واصل کے اس جواب اور اس حرکت پر حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اعتزل عنا واصل'' (واصل ہم سے جدا ہوگیا) پس وہیں سے واصل اور اس کے ہم نوا ''معتزلہ (جدا ہونے والے) کہلانے لگے۔ ❷

اس بات پر تقریباً سب مورخین کا اتفاق ہے ❸ اور معتزلہ کا یہ نام رکھنے میں ان لوگوں کا ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دور نزدیک کا بھی کوئی علاقہ نہیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والی جنگوں سے علیحدہ رہے تھے اور ان حضرات کا نام ''معتزلہ'' خاص اس اصطلاحی معنی میں نہیں تھا جو اس لفظ کا مدلول ہے اور جو خاص واصل بن عطاء اور اس کے ہم خیال لوگوں پر دلالت کرتا ہے۔ بے شک ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لغوی اعتبار سے معتزلہ کہا جاتا ہے (نا کہ خاص اصطلاحی اعتبار سے) ہماری اس بات کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ جن معتزلہ کے بارے میں ہم گفتگو کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو مذہب اہل سنت والجماعت سے علیحدہ ہونے کی بنا پر معتزلہ کہلائے تھے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک اصحاب رضی اللہ عنہم تو ہدایت وسنت کے امام، رشد اور صراط مستقیم کے روشن ستارے اور ایمان کی علامت تھے۔ بھلا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان معتزلیوں کے اسلاف کیسے ہوسکتے ہیں جو شریعت کو چھوڑ کر عقل کے پیچھے چلتے تھے؟ یہیں سے ان لوگوں کی خطا واضح ہو جاتی ہے جنہوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان گم کردہ راہ معتزلیوں کا اسلاف قرار دینے کی نامسعود سعی کی ہے۔ معتزلہ نے اعتزال کو اپنا دین ٹھہرایا اور اسی کی تعلیمات کی بنا پر وہ

---

❶ التنبیہ والرد للملطی، ص: ۵۰ ❷ الفرق بین الفرق، ص: ۱۱۸

❸ آراء المعتزلۃ الاصولیۃ، ص: ۷۱ از دکتور علی ضویحی

رب تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے تھے۔ جبکہ ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دین کی سلامتی اور خونریزی کو بند کرنے کے لیے اعتزال اختیار کیا تھا۔ ❶

معتزلہ اپنے خاص منہج مدرسہ اور زاویہ فکر کی بنا پر اہل سنت والجماعت سے جدا اور ممتاز تھے۔ ان پر صرف عقل کی حکمرانی تھی اور یہ عقل کی حکمرانی کو بلانزاع تسلیم کرتے تھے۔ ان لوگوں نے ان نصوص شرعیہ سے استدلال کرنا ترک کر دیا ہوا تھا۔ جو نری ہدایت اور انحراف وضلال سے جائے امن تھیں۔ ❷

۲۔ معتزلہ کے فرقے:

جب معتزلہ کی اصل نری عقل تھی تو یہی عقل ان کی نفی واثبات کا معیار ومدار بھی تھی، اور دوسرے یہ لوگ جدل وخصومت پر قائم یونانی فلسفہ میں بے حد ڈوب گئے تھے تو ان میں دبے قدموں اختلاف گھسنے لگا۔ اور ان کی آراء میں از حد تنوع آ گیا حتی کہ یہ بائیس فرقوں میں بٹ گئے جن میں واصلیہ، عمرویہ ہذلیہ اور نظامیہ زیادہ مشہور ہوئے، اگرچہ ان میں سے ہر ایک فرقے کی اپنی ایک خاص بدعت تھی، لیکن ان سب کے باوجود پانچ بنیادی باتوں پر ان سب کا اتفاق تھا۔ پھر جن اصولی باتوں میں اتفاق تھا ان اصولوں کی داخلی جزئیات میں پھر آگے ان سب کا اختلاف تھا۔ (گویا کہ بے انتہا اختلاف کے باوجود جن امور پر اتفاق تھا ان کی بھی جزئیات اور تفصیلات میں پھر از حد اختلاف تھا) اور یہ اختلاف در اختلاف ذرا جائے تعجب نہیں کہ جب یہاں حکمرانی ہی عقل کی تھی اور ہر ایک کو دوسرے سے مختلف امر کا اہتمام تھا۔ ❸

۳۔ معتزلہ کا اپنے سے پہلے کے گمراہ فرقوں کے عقائد کو زندہ کرنے میں اہم کردار:

معتزلہ نے اپنے نظریات کو اپنے سے پہلے کے تین فرقوں سے حاصل کیا تھا اور ان کے عقائد کو گویا نئی زندگی بخشی تھی اور ان کی نئی زندگی کو نیا قالب بھی بخشا۔ ان لوگوں کا سارا فکری سرمایہ خوارج غالی قدریہ اور جہمیہ کے گم کردہ راہ عقائد تھے۔ ❹ ذیل میں اس کا ایک اجمالی تجزیہ پیش کیا جاتا ہے:

خوارج سے حاصل کیے گئے افکار کا بیان

الف: مرتکب کبیرہ کا آخرت میں حکم:

بغدادی کہتے ہیں: ''پھر واصل اور عمرو نے اس بات کی تائید میں خوارج کی موافقت کی کہ مرتکب کبیرہ کو عذاب جہنم ہوگا۔ جبکہ یہ دونوں مرتکب کبیرہ کو موحد بھی کہتے ہیں اور مشرک اور کافر نہیں کہتے۔'' ❺

---

❶ آراء المعتزلة الاصولية، ص: ۷۲　❷ آراء المعتزلة الاصولية، ص: ۷۶

❸ تاثیر المعتزلة فی الخوارج والشیعة، ص: ۱۸

❹ تاثیر المعتزلة فی الخوارج والشعیة، ص: ۱۹

❺ الفرق بین الفرق، ص: ۱۱۹

یہیں سے یہ معلوم ہوا کہ معتزلہ نے خوارج کے اس عقیدہ کو زندہ کیا کہ مرتکب کبیرہ آخرت میں جہنم میں جائے گا۔ البتہ اتنا اس عقیدہ میں مزید اضافہ کیا کہ ایسا شخص دنیا میں کافر کے حکم میں نہیں۔ ❶

ب: حاکم جائر کے خلاف خروج کا حکم:

خوارج کا اس بات پر اجماع ہے کہ آئمہ جور کے خلاف قوت وطاقت اور اسلحہ وہتھیار کے ساتھ خروج واجب ہے تاکہ بزعم خویش ظلم وعدوان کا ازالہ ہو اور عدل وحق کا قیام ہو۔ ❷ ان لوگوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بابت وارد احادیث کو آئمہ کے خلاف خروج، ان سے لڑنے، اور مخالفوں کے ساتھ قتال کرنے پر محمول کیا۔ ❸ معتزلہ نے خوارج کے باغیچہ ضلال سے گمراہی کا یہ کانٹا چن لیا اور اسکو اپنے اصولی عقائد کی صف میں نمایاں جگہ دی اور اپنی اصل "الامر بالمعروف والنهی عن المنكر" کی چھاؤں میں جگہ دے کر اس خارجی نظریے کو حیات نو بخشی۔ ابوالحسن علی الاشعری کہتے ہیں: ''اصم کے علاوہ سب معتزلہ کا ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے وجوب پر اجماع ہے کہ یہ فریضہ زبان، ہاتھ اور تلوار کے ساتھ حتی الامکان قدر کے ساتھ ادا کیا جائے۔'' ❹

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''ان لوگوں نے امکان بھر سلطان کے خلاف خروج کو واجب قرار دیا تھا۔'' ❺

ج: قضیہ تاویل ❻ کا حکم:

امت کی تاریخ میں باطل تاویل کا دروازہ کھولنے والا پہلا فرقہ خوارج تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے نصوص کے حکم کی وہ تاویل بیان کی جس کو رب تعالیٰ نے اتارا نہ تھا۔ یہی حال انہوں نے وعید اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلقہ نصوص کا بھی کیا۔ پھر خوارج کے بعد دوسرے فرقوں نے آکر ان خارجی عقائد وافکار کو سینے سے لگایا اور اس منہج کو اپنایا اور اپنی ایجاد کردہ بدعتوں پر ان عقائد سے استدلال کیا۔

ان فرقوں میں ایک فرقہ ''معتزلہ'' ہے جس نے تعطیل کے عقیدہ کو پکا کرنے کے لیے صفات باری تعالیٰ سے متعلقہ نصوص میں تاویل کی۔ حالانکہ خود خوارج نصوص صفات کو استعمال نہ کیا کرتے تھے۔ ❼

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''خوارج میں کلام اور صفات کی تاویل معتزلہ کے ظہور کے بعد معروف ہوئی۔'' ❽ معتزلہ نے نصوصِ قدر میں تاویل کی۔ یہ بھی خوارج کے ہاں نہ تھا۔

---

❶ تاثير المعتزلة فى الخوارج والشيعة، ص: ٢٠

❷ مقالات الاسلاميين: ١/ ٢٠٤

❸ الخوارج اول الفرق فى تاريخ الاسلام، ص: ٣٧ از ناصر العقل

❹ مقالات الاسلاميين: ١/ ٣٣٧

❺ مقالات الاسلاميين: ٢/ ١٥٧

❻ تاویلِ بدعی: یہ لفظ کے ظاہر اور حقیقت کو اس کے مجاز اور بغیر قرینہ کے مخالف ظاہر کی طرف پھیرنے کا نام ہے۔

❼ تاثير المعتزلة فى الخوارج والشيعة، ص: ٢٢

❽ تاثير المعتزلة فى الخوارج والشيعة، ص: ٢٢

خلاصہ یہ ہے کہ معتزلہ نے تاویل کے منہج کو خوارج سے حاصل کیا تھا۔ اور اس کو اپنی کچلیوں سے مضبوطی سے تھام لیا۔ پھر کتاب وسنت کی نصوص کے تعامل میں تاویل کا یہ طرز خوارج ومعتزلہ دونوں میں ایک اصولی قاعدہ قرار پایا۔

قدریہ سے حاصل کیے گئے افکار کا بیان

معتزلہ نے قدریہ سے بھی خوب استفادہ کیا۔ چنانچہ ان سے قدرت کی نفی کا قول لیا اور اس کو ایک نئی زندگی بخشی۔ البتہ اس میں ایک معمولی تبدیلی کی وہ یہ کہ نفی قدرت کے عقیدہ کو اس غالیانہ شکل میں قدریہ سے نہ لیا جو رب تعالیٰ کی صفت علم کی نفی کو بھی مستلزم تھا جو ''پہلے قدریہ'' کا کٹر عقیدہ تھا۔ کیونکہ یہ قول ان وجوہات کی بنا پر اپنا وجود کھو چکا تھا:

(۱) خاص اس نظریہ کے حامی قدریہ کی تعداد معدودے چند تھی جن کو انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا۔

(۲) حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ میں سے جس جس نے بھی قدریہ کا یہ مقولہ سنا تھا انہوں نے غایت احتیاط کی بنا پر اس مقولہ پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے کی بجائے سکوت اور وقوف کو ترجیح دی تھی۔ اور بسا اوقات اس قول کے قائلین سے براءت کا اظہار بھی کیا۔ جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خبر لانے والے سے یہ فرمایا: ''ان لوگوں کا جا کر بتلا دو کہ میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔'' [1] یا پھر یہ کہ ان مقدس ہستیوں نے قدریہ کے اس قول اور اس کے قائلین کو شدید اہانت وتحقیر کا نشانہ بنایا۔ جیسا کہ معبد جہنی کو مطاف میں دیکھ کر طاؤس بن کیسان نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ چنانچہ طاؤس نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ''یہ معبد ہے، اسکی اہانت کرو۔'' [2] یا پھر یہ کہ اکثر قدریہ مارے گئے تھے اور ان لوگوں کو کافر قرار دیئے جانے کے بعد ان کے فتنہ کو جڑ کر سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا تھا جیسا کہ غیلان دمشقی جب اپنے اس فاسد عقیدے پر اڑا رہا تو اسے موت کے گھاٹ اتار کر کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا۔ [3]

اب معتزلہ نے ان گزشتہ واقعات کے تناظر میں قدریہ کے اس فاسد عقیدہ کو از سر نو زندہ تو کیا لیکن سابقہ غلو سے بے حد احتیاط کی، جس کے خطرناک نتائج کی بازگشت ابھی بھی فضاؤں میں سنائی دے رہی تھی۔ چنانچہ معتزلہ نے رب تعالیٰ کے لیے علم اور کتابت کی صفت کو تو ثابت کیا مگر خلق اور ارادہ کے دو مرتبوں کا انکار کر دیا۔ وہ یوں کہ ان لوگوں نے یہ عقیدہ طے کیا کہ بندے اپنے افعال کے خالق خود ہیں، اور یہ کہ بندے یہ افعال سراسر خود اپنے ارادوں سے اسرانجام دیتے ہیں جن میں رب تعالیٰ کی مشیت کا کوئی دخل

---

[1] صحیح مسلم، شرح النووی: کتاب الایمان: ۱/ ۱۵٦

[2] شرح اصول عقائد اهل السنة: ٤/ ٦٣٧

[3] تاثیر المعتزلة فی الخوارج والشیعة، ص: ٢٤

نہیں۔ ❶ یہی وجہ ہے کہ معتزلہ کو علماء نے اس طرح کافر قرار نہ دیا تھا جس طرح انہوں نے گزشتہ غالی قدریہ کو کافر قرار دیا تھا۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رہے وہ قدریہ جو کتابت اور علم دونوں کی نفی کرتے تھے تو علماء نے انہیں کافر قرار دیا البتہ جو رب تعالیٰ کی صفتِ علم کو تو ثابت کرتے ہیں اور خالقِ افعالِ عباد کو ثابت نہیں کرتے تھے۔ انہیں علماء نے کافر نہیں قرار دیا۔'' ❷

جہمیہ سے اخذ کیے گئے افکار کا بیان

معتزلہ اور جہمیہ میں معاصرت اور شخصی تعلقات نے، جو جہم (فرقہ جہمیہ کے بانی) اور واصل بن عطاء کے بعض اصحاب میں تھا، معتزلہ کے جہمیہ سے بعض عقائد کے اخذ کرنے میں تمہید کا کام دیا۔ چنانچہ ایک تو معتزلہ نے توحید سے متعلقہ جہمیہ کے عقائد کو لیا اور بعض ان عقائد کو بھی لیا جو نفیِ صفات، خلقِ قرآن اور رویتِ باری تعالیٰ کی مطلق نفی کو مستلزم تھے۔ ذیل میں ان کا اختصار کے ساتھ جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

الف: صفات باری تعالیٰ کی نفی:

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''پھر اس قول کی اصل، یعنی صفاتِ باری تعالیٰ کی تعطیل کے قول کی اصل یہ یہود اور مشرکین کے چیلوں سے ماخوذ ہے، اسلام میں سب سے پہلے یہ قول کرنے والا جعد بن درہم تھا، اس سے یہ قول جہم بن صفوان نے لیا اور اس کو خوب پھیلایا۔ چنانچہ جہمیہ کے اقوال وافکار اسی جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہیں۔'' ❸

پھر جہمیہ کی اس بدعت کے وارث معتزلہ بنے اور انہوں نے اس بدعتی نظریہ کی نشر واشاعت کا ذمہ اپنے اوپر لے لیا۔ البتہ اس بدعتِ نظریہ کو ایسی صورت میں پھیلایا جس میں جہمیہ جیسا غلو اور شدت نہیں تھی۔ چنانچہ جہمیہ رب تعالیٰ کے اسماء وصفات سب کی نفی کرتے تھے۔ ❹

جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ جہم نے رب تعالیٰ کی صفات کی نفی کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی بھی نفی کردی تھی۔ ❺ جبکہ معتزلہ اسماء کا تو اثبات کرتے تھے البتہ صفات کی نفی وہ بھی کرتے تھے۔ ❻

ب: قرآن کے مخلوق ہونے کا قول اور رویت باری تعالیٰ کی نفیٔ مطلق:

علامہ ابن تیمیہ معتزلہ کے بارے میں رقم کرتے ہیں: رہی معتزلہ کی توحید تو یہ وہی جہمیہ والی توحید ہی ہے جو رب تعالیٰ کی صفات کی نفی کو متضمن ہے، چنانچہ جہمیہ کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی رویت ممکن نہیں اور یہ کہ

---

❶ القضاء والقدر فی ضوء الکتاب والسنة و مذاهب الناس، ص: ۱۱۷

❷ الفتاوی نقلا عن تاثیر المعتزلة، ص: ۲٤ ❸ الفتوی الحمویة الکبری، ص: ٤٧، ٤٨ تحقیق شریف هزاع

❹ تاثیر المعتزلة، ص: ۲۵ ❺ ایضًا ❻ ایضًا

قرآن مخلوق ہے۔ ❶ اور یہی معتزلہ کے خیالات تھے جو انہوں نے گزشتہ فرقوں خوارج، جہمیہ اور قدریہ وغیرہ سے لیے تھے۔ معتزلہ نے ان فرسودہ اور مردہ خیالات کو نئے سرے سے اجاگر کیا ان کی مردہ ہڈیوں میں نئی روح پھونکی، البتہ معتزلہ نے ان فاسد خیالات و نظریات میں اصلاح و ترمیم کا بھی کافی کام کیا تاکہ ان باطل نظریات کی مخالفت کا زور ٹوٹے، اس طرح معتزلہ نے ان فاسد نظریات کے خالی دامن کو عقلی اور فلسفیانہ دلائل سے بھی بھر دیا حتی کہ بعد میں آنے والے باطل فرقوں نے معتزلہ کے ان عقائد کو ان کے بیان کردہ دلائل سمیت اخذ کیا۔ ❷

۴۔ معتزلہ کے اصول خمسہ:

سب معتزلہ پانچ ایسی باتوں پر متفق ہیں اور ان پر ان کا اجماع ہے جن کو انہوں نے اپنے اعتزالی مذہب کی اہم ترین نظریاتی و اعتقادی اساس قرار دیا ہوا ہے، وہ پانچ اساسی اور اعتقادی اصول یہ ہیں:

(۱) توحید (۲) عدل (۳) وعدہ اور وعید

(۴) دو درجوں (یعنی ایمان اور کفر کے دو درجوں) کے درمیان ایک تیسرے درجے کا وجود

(۵) اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ❸

اصول خمسہ کی یہ اصطلاح واصل بن عطاء کے دور میں وجود میں نہ آئی تھی یہ اصطلاح واصل کے تلامذہ سے ماخوذ ہے جس کو حتمی شکل ابوالہذیل العلاف نے دی تھی یہی وہ علاف ہے جس نے معتزلہ کو ترقی کے بامِ عروج تک جا پہنچایا تھا۔ اسی کے ہاتھوں اعتزال کے سب موضوعات درجہ کمال اور پایہ تکمیل تک پہنچے۔ علاف نے اصولِ خمسہ کی وضاحت و تشریح میں بعض کتابیں بھی لکھیں۔ پھر ان مصطلحات پر مشتمل ابوہذیل کی کتابوں کو جعفر بن حرب اور قاضی عبدالجبار وغیرہ رجالِ معتزلہ نے لیا۔ ❹ خلافتِ عباسیہ کے آغاز میں ہی اعتزالی تحریک نے اپنے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اپنے عقائد و نظریات کی تبلیغ کے لیے بلاد امصار میں اپنے مبلغ، داعی قاصد اور پیامبر بھیجنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ پھر بعض عباسی خلفا کی سرپرستی نے بھی اعتزال کے پھیلنے میں اہم کردار ادا کیا۔ بالخصوص مامون کے دور میں ہر طرف ان کا طوطی بولتا تھا۔ معتزلہ کے عقائد و نظریات پر تفصیلی گفتگو کو ہم خلافت عباسیہ کی تاریخ بیان کرنے پر اٹھا رکھتے ہیں کہ وہاں دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ ان کے عقائد پر بحث و تحقیق کا بھی حق ادا کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

❶ تاثیر المعتزلة نقلا عن الفتاوی، ص: ٢٦ ❷ ایضًا ❸ ایضًا

❹ نشأة الفكر الفلسفي في الاسلام: ١/ ٤١٧ از دکتور نشار

پانچویں فصل:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی معاشرتی علمی اور دعوتی زندگی

ا...... معاشرتی زندگی

اولاد اور خاندان کی تربیت اور دیکھ بھال کا اہتمام

اس موضوع پر ہم درج ذیل عناوین کے تحت گفتگو کریں گے:

آپ نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی نگرانی خود کی اور آپ کی خلافتی ذمہ داریاں اس راہ میں ہرگز بھی حائل نہ ہوسکیں، چنانچہ آپ نے خالص اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کی نہایت عمدہ اور صالح تربیت کی۔ اس کا اندازہ ہمیں ان رسائل سے جو آپ نے انہیں لکھے اور ان معلمین سے بخوبی ہوسکتا ہے جن کو آپ نے اپنی اولاد کی تعلیم و تادیب پر مقرر کیا تھا۔ اولاد کی تربیت کی بابت آپ کی کاوشوں کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

ا۔ اولاد کو قرآن کریم کے ساتھ وابستہ کرنا:

آپ نے اولاد کی قرآنی تعلیم پر خاص توجہ دی۔ انہیں اہتمام سے حفظ کروایا اور جمعہ کے دن لوگوں سے ملنے سے قبل ان کے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے۔ جس کا طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ آپ ایھـــا کا کلمہ پڑھتے جس کو سن کر سب سے بڑا بیٹا آگے سے پڑھنا شروع کر دیتے۔ پھر آپ دوبارہ "ایھا" پڑھتے تو دوسرا بیٹا پڑھتا۔ یوں آپ باری باری سب سے قرآن پڑھواتے۔ [1]

۲۔ اولاد کو نصیحت کرتے رہنا:

جس سال آپ نے خلافت سنبھالی تو اپنے بیٹے عبدالملک کو جو اس وقت مدینہ میں تھا، یہ خط لکھا: پس جو جنت کا راغب اور جہنم سے بھاگنے والا ہو...... آپ کی مراد عبدالملک اور اس کے باقی بھائی تھے...... تو اس کے لیے آج توبہ کرنے اور اس کے قبول ہونے کا وقت ہے، آج اس کے گناہ معاف ہوسکتے ہیں قبل اس کے کہ زندگی کا پیالہ لبریز ہو جائے اور عمل کرنے کا موقعہ ہاتھ سے نکل جائے۔ اور آخرت کی طرف پلٹنے والوں کے پاس رب کی دی فرصت ختم ہو جائے تاکہ رب تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کے ساتھ اس جگہ لے جائے جہاں نہ

[1] سیاسۃ عمر بن عبدالعزیز فی رد المظالم، ص: ۵۲

عذر معذرت کام آئے گی اور نہ فدیہ ہی قبول کیا جائے گا۔ وہاں سب پوشیدہ باتیں ظاہر ہو کر سامنے آ جائیں گی۔ وہاں سفارشیں بے کار ثابت ہوں گی۔ لوگ وہاں اپنے اعمال سمیت آئیں گے اور وہاں سے مختلف جماعتوں میں بٹ کر اپنی اپنی منزل کو چل دیں گے۔ پس اس دن مبارک اس شخص کو ہو جس نے اپنے رب کی اطاعت کی اور اس دن ہلاکت ہے اس کے لیے جس نے اس کی نافرمانی کی۔ ❶ اس خط میں آگے چل کر آپ اپنے بیٹے کو اس بات کی ترغیب دیتے ہیں کہ وہ اللہ کا ذکر اور اس کا شکر کیا کرے۔ اور اپنے ہر قول و عمل میں رب کی نگرانی کو سامنے رکھے کہ وہ اس کے ہر قول و فعل کو دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: اللہ نے تجھ پر اور تیرے باپ پر اپنا جو فضل فرمایا ہے اس کو یاد رکھ اور اگر تجھ سے ہو سکے تو ہر وقت اپنی زبان کو رب تعالیٰ کے ذکر و شکر، حمد و تسبیح اور تہلیل و استغفار سے تر رکھا کرے تو ایسا ضرور کر۔ کیونکہ سب سے عمدہ بات جس تک تم پہنچو وہ رب تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ہے۔ اسی طرح سب سے عمدہ بات جس کے ذریعے تم بری باتوں کو ختم کر سکو وہ رب تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ہے۔ ❷

۳۔ حسن ظن اور چشم پوشی کی ترغیب دینا:

آپ اپنی اولاد کو اس بات کی ترغیب دیا کرتے تھے کہ وہ لوگوں کے ساتھ حسن ظن رکھیں کیونکہ بعض ظن گناہ ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ چشم پوشی والا رویہ اختیار کریں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز سے یہ کہا: جب تم کسی مسلمان کے بارے میں کوئی بات سنو تو اس کو شر پر محمول مت کرو۔"

۴۔ نرم گرفتاری اور عاقلانہ گفتگو:

آپ اپنی اولاد کے ساتھ بے حد نرمی سے پیش آتے، البتہ ان کے ساتھ ایسا لاڈ پیار بھی نہ کرتے جس سے وہ بگڑ جاتے اور ان کے اخلاق خراب ہو جاتے۔ اس لیے آپ ان کے ساتھ عاقلانہ گفتگو کرتے تھے اطمینان بخش اسلوب اختیار کرتے اور افہام و تفہیم میں منطقیانہ طرز اپناتے۔ اور ان کی خواہشات پوری کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ ❸ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ کے دورِ خلافت میں آپ کے بچے عبداللہ نے آپ سے ایک مرتبہ ایک چادر مانگی۔ آپ نے عبداللہ کو خیار بن ریاح کے پاس بھیجا اور کہا کہ اس کے پاس جو میرے کپڑے پڑے ہیں ان میں سے لے لو۔ خیار نے وہ کپڑے نکال کر دکھلائے۔ عبداللہ کو ان میں سے کوئی بھی پسند نہ آیا۔ اس نے واپس آ کر کہا ابا جان! میں نے آپ سے چادر مانگی۔ آپ نے مجھے خیار کے پاس بھیج دیا تو اس نے مجھے کپڑے نکال کر دکھلائے جو نہ تو میرے کپڑوں میں سے تھے اور نہ میری قوم کے کپڑوں میں سے تھے، اس پر آپ نے فرمایا بیٹے! پھر اس آدمی کے پاس تو میرے یہی کپڑے رکھے ہیں۔

---

❶ سیرۃ عمر لابن الجوزی، ص: ۲۹۸ ❷ سیرۃ عمر لابن الجوزی، ص: ۲۹۸۷

❸ المنوذج الاداری المستخلص من ادارۃ عمر، ص: ۱۰۱

(اب تم ہی بتاؤ کہ اور کیا ہو سکتا ہے) یہ جواب سن کر عبداللہ لوٹ گیا۔

قارئین کرام! یہ تھا سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ایک مشفق مربی باپ کی حیثیت سے اپنی اولاد کے ساتھ مربیانہ سلوک کہ آپ نے ایک تسلی بخش طرز اختیار کر کے اپنے بیٹے کو مطمئن کر دیا۔ چنانچہ آپ نے دو اہم پہلوؤں کو یکجا کر کے دکھلایا۔ ایک تو بیٹے کی بات اور مطالبہ کو فوراً رد نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ تیری یہ خواہش ضرور پوری کرتے ہیں۔ دوسرے عملاً یہ ثابت کیا کہ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ جو مانگا یا جس چیز کی تمنا کی وہ مل بھی گئی۔ پھر جب بیٹا لوٹنے لگا تو آواز دے کر بلایا اور اسے اختیار دیتے ہوئے فرمایا: ''کیا تمہیں یہ بات تسلیم ہے کہ میں تمہیں تمہاری ماہانہ تنخواہ میں سے سو درہم ادھار دے دوں؟ بیٹے نے یہ تجویز منظور کر لی اور سو درہم پیشگی ادھار لے لیے جو تنخواہ کی ادائیگی کے وقت منہا کر لیے گئے۔'' [1]

ایک روایت میں ذکر ہے کہ آپ کی ایک دختر نیک اختر نے آپ کے پاس ایک موتی بھجوایا اور عرض کیا: اگر آپ مجھے اس جیسا ایک موتی اور دے دیں تو میں ان کی دو بالیاں بنا کر کانوں میں پہن لیتی؟ آپ نے نہ تو ہاں میں جواب بھجوایا اور نہ انکار کیا، دراصل آپ اپنی بیٹی کو ہیرے جواہرات اور موتی زیورات پر صبر کرنا سکھانا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے بجائے موتی کا جوڑا بھیجنے کے دو انگارے بھیج دئے اور کہلوا بھجوایا: اگر تم ان دو انگاروں کو کانوں میں پہن سکتی ہو تو میں تمہیں تمہارے موتی کا دوسرا موتی بھجوا دیتا ہوں۔ [2]

دراصل آپ نے اپنی بیٹی کی یہ تربیت کی ناحق مطالبات کا انجام آخرت میں کیا ہوگا۔ [3]

۵۔ اولاد میں عدل و مساوات کا قیام:

آپ کا اپنی اولاد کے ساتھ بے حد عمدہ معاملہ تھا۔ آپ ان میں برابری کرنے کے بے حد حریص تھے اور باوجودیکہ آپ کی اولاد زیادہ تھی پھر بھی سب میں عدل سے کام لیتے تاکہ ان میں باہم حقد و حسد اور بغض و نفرت کے جذبات پیدا نہ ہوں۔ یہ اسی عدل کا ہی ایک نمونہ تھا کہ آپ نے محض اس ڈر سے ''حارثیہ'' کے بیٹے کے ساتھ سونا چھوڑ دیا کہ کہیں یہ باقی اولاد کے ساتھ ظلم اور بے انصافی نہ ہو۔ [4] اس کا قصہ یہ ہے کہ آپ کا حارث بن کعب کی عورت سے ایک بیٹا تھا۔ جس سے آپ کو بے حد محبت تھی، اسی لیے آپ اس کے گھر میں سوتے تھے۔ قصہ کا راوی عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز کہتا ہے کہ ایک رات میں بھی وہاں چلا گیا۔ آپ نے پوچھا: کون ہو؟ میں نے کہا: عبدالعزیز تو آپ نے فرمایا: تم برے آئے ہو۔ غرض میں ایک کونہ آپ کے ''شاذ کونہ'' (ایک قسم کا منقش موٹا یمنی کپڑا) کے پاس بیٹھ گیا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز کے بعد آپ نے مجھ سے آنے کی وجہ پوچھی تو میں نے کہا آدمی کو اپنی اولاد سے زیادہ اور کون جانتا ہے؟ آپ

---

[1] سیرة عمر لابن الجوزی، ص: ۳۱۲
[2] سیرة عمر لابن الجوزی، ص: ۱۳٤
[3] النموذج الاداری، ص: ۱۰۱
[4] المنوذج الاداری، ص: ۱۰۲

اس ابن حارثیہ کے ساتھ وہ سلوک کرتے ہیں جو اپنی باقی اولاد کے ساتھ نہیں کرتے۔ آپ مطمئن نہ رہیے عنقریب یہ کہا جانے لگے گا کہ اس لڑکے کے پاس جو ہے وہ اس کے دوسرے بھائیوں کے پاس نہیں۔ آپ نے پوچھا کیا تم کو یہ بات کسی نے سکھلا کر بھیجا ہے؟ میں نے کہا نہیں تو فرمایا اچھا یہ بات ذرا پھر کہو۔ میں نے بات دہرا دی تو فرمایا: ابھی تم گھر لوٹ جاؤ۔ اس پر میں لوٹ آیا۔ میں، ابراہیم، عاصم اور عبداللہ کہ ہم چار بھائی اکٹھے سوتے تھے۔ ابھی ہم بیٹھے ہی تھے کہ کیا دیکھا کہ آپ اپنا بستر اٹھائے چلے آرہے ہیں اور ابن حارثیہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلا آرہا ہے ہم نے پوچھا "ابا جان! یہ کیا؟ تو فرمایا وہی جو ابھی تم میرے ساتھ کر آئے ہو۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایسا لگتا تھا جیسے والد صاحب اس بات سے ڈر گئے کہ کہیں ابن حارثیہ کے ساتھ سونا باقی اولاد کے ساتھ ظلم نہ ہو۔ [1]

۶۔ اولاد میں اخلاق فاضلہ کا پیدا کرنا:

آپ کی اس بات کی طرف بھی خاص توجہ تھی اور آپ اپنی اولاد میں اخلاق فاضلہ پیدا کرنے کے مواقع تلاش کرتے رہتے تھے چنانچہ اپنے بیٹے عبدالملک کو جو مدینہ میں تھا خط میں یہ لکھتے ہیں کہ: کلام اور گفتگو میں فخر و مباہات، خود پسندی، غرور اور لوگوں پر بڑائی چاہنے جیسے جذبات سے بچو، چنانچہ آپ فرماتے ہیں: بات میں فخر کرنے سے بچو۔ اور خود پسندی اور اس بات کے پندار سے بچو، کہ رب تعالیٰ نے تمہیں جو نعمتیں بخشیں ہیں۔ یہ رب کے ہاں تیرے مرتبہ کی بدولت ہیں اور جن کو نہیں ملیں ان نعمتوں کی بنا پر تمہیں دوسروں پر فضیلت حاصل ہے۔ (بلکہ یہ تم پر تمہارے رب کی مہربانی ہے نہ کہ تمہارا استحقاق) [2]

۷۔ اولاد کو زہد وقناعت کو اختیار کرنے اور معیشت میں میانہ روی اپنانے کی ترغیب:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی شخصیت اولاد کی تربیت پر کس قدر قدرت رکھتی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنی اولاد کو ایسا بنا دیا تھا کہ وہ عیش وعشرت کی زندگی ترک کر کے زہد وقناعت اور مشقت و جفاکشی والی زندگی اختیار کرنے پر خوشی خوشی آمادہ ہو گئے تھے اور سب کچھ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ چھوڑنے پر تیار ہو گئے۔ حتیٰ کہ شاہی خاندان کا فرد ہونے کے باوجود ایک عام آدمی جیسی زندگی گزارتے تھے۔ چنانچہ آپ اولاد کی زاہدانہ تربیت کی پہلی اینٹ رکھتے ہوئے اپنے بیٹے عبدالملک کو یہ خط لکھتے ہیں: اگر اللہ تمہیں کبھی غناء کی آزمائش میں مبتلا کرے تو میانہ روی کو ترک نہ کرنا، اللہ کے آگے سراپا تسلیم رہنا، اور اپنے مال سے رب تعالیٰ کے حقوق (یعنی زکوۃ، صدقہ اور عدم اسراف وغیرہ) ادا کرتے رہنا۔ اور اس طرح کہنا جس طرح رب کے نیک بندے نے کہا تھا کہ:

﴿هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي ءَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ

[1] عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ وسیاستہ فی رد المظالم، ص: ۵۲۔۵۳ [2] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، ص: ۳۱۴

كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ﴾ (النمل: ٤٠)

''یہ میرے رب کے فضل سے ہے، تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں، یا ناشکری کرتا ہوں اور جس نے شکر کیا تو وہ اپنے ہی لیے شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو یقیناً میرا رب بہت بے پروا، بہت کرم والا ہے۔''

آپ نے اپنے بیٹے کو یہ خط خلافت سنبھالنے کے فوراً بعد لکھا تھا۔ جبکہ اس وقت آپ کا بیٹا ایک شاہانہ عیش وعشرت اور ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی گزار رہا تھا۔ چنانچہ آپ نے اس خط میں بیٹے کی زاہدانہ تربیت کے لیے نہایت عمدہ اسلوب اختیار کیا۔ وہ یوں کہ آپ نے اسے بتدریج نصیحت کی اور اسے جتلایا کہ غنا اور مال کی کثرت رب تعالیٰ کی آزمائش ہے، اس کے بعد یہ سمجھایا کہ یہ عیش وعشرت اور فرفہانہ زندگی یکا یک ترک نہ کرو بلکہ نعمتِ غنا اور دولت وثروت کی کثرت میں میانہ روی اختیار کرو۔ پھر رب کے آگے انکساری اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ اور آخر میں مال سے متعلقہ اللہ کے حقوق وفرائض کی ادائیگی کی ترغیب دی اور اس کی اہمیت کو خوب اجاگر کیا کہ زکوۃ اور صدقات کی بابت رب تعالیٰ کے حکم کی تابعداری کرے۔ [1]

اسی طرح کسی موقعہ پر آپ کو اس بات کی اطلاع ملی کہ آپ کے بیٹے نے ایک انگوٹھی بنوائی ہے جس میں ایک ہزار درہم کا نگینہ لگوایا ہے تو آپ نے اسے یہ خط لکھا: مجھے معلوم ہوا کہ تم نے انگوٹھی کا صرف نگینہ ہزار دراہم میں خریدا ہے۔ (یقیناً یہ سراسر فضول خرچی ہے) اس لیے اسے بیچ ڈالو اور اس کی قیمت سے ایک ہزار بھوکوں کو پیٹ بھر کے کھانا کھلاؤ اور چینی لوہے کی انگوٹھی بنوا کر پہنو اور اس پر یہ الفاظ کندہ کروانا ''اللہ اس بندے پر رحم کرے جس نے اپنی ذات کی قدر وقیمت کو پہچانا۔'' [2]

ذرا دیکھیے کہ آپ نے نگینہ بیچ کر بھوکوں کو کھانے کھلانے کا حکم دیا تاکہ بیٹے کو اس بات کا قوی شعور حاصل ہو کہ خرچ کرنے کے اہم مواقع کون کون سے ہیں۔ تاکہ آئندہ چل کر بھی مال کو احتیاط سے خرچ کرنے کی عادت پڑے اور حاجت واسراف کے درمیان فرق کرنے کا ملکہ حاصل ہو۔ دوسرے رب تعالیٰ کی کمزور اور محتاج مخلوق ہر وقت نظروں کے سامنے رہے۔ [3]

ایک دفعہ آپ کے ایک شادی شدہ بیٹے نے دوسری شادی کی اجازت مانگی اور شادی کا خرچ بیت المال سے ادا کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے خط لکھ کر ناراضی کا اظہار کیا اور کہا کہ کیا تم بیت المال کے خرچ پر گھر میں سوکن لانے کی درخواست کرتے ہوں جبکہ بے شمار مسلمان نوجوانوں کو ایک شادی کی سہولت بھی میسر نہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ تم مجھ سے ایسی بات بھی کرو گے۔ پھر دوسرا خط لکھا کہ گھر کے اثاثہ میں سے زائد

---

[1] المنوذج الاداری......ص: ١٠٦ [2] سیرۃ عمر لابن الجوزی، ص: ٢٩٨

[3] سیرۃ عمر لا بن عبدالحکم: ١٠٦

ازضرورت چیزیں بیچ کر اگر ان کی رقم سے شادی کا انتظام کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ ❶

پھر آپ نے فقط بیٹوں کی ہی اس نہج پر تربیت نہ کی بلکہ بیٹیوں اور بیویوں کی بھی ایسی ہی تربیت کی۔ کہتے ہیں کہ آپ کی امینہ نامی ایک بیٹی تھی۔ ایک دن وہ آپ کے پاس سے گزری تو آپ نے پکارا ''اے امینہ! اس نے کچھ جواب نہ دیا اور آگے بڑھ گئی۔ آپ نے خادم بھیج کر بلوایا اور جواب نہ دینے کی وجہ دریافت کی تو بولی ''ابا جان! میرا لباس معمولی تھا۔ (اور معمولی درجے کے لباس میں آپ کے سامنے آتے ہوئے شرم آ گئی) یہ سن کر آپ نے اپنے خادم سے فرمایا..مزاحم! ذرا ان بچھونوں کو دیکھنا جو ہم نے پھاڑ کر ٹکڑے کیے تھے (کیا ان میں سے کوئی ٹکڑا ہے)؟ اگر کوئی ٹکڑا ہے تو اس سے امینہ کو ایک قمیض بنوا دو۔ ❷

یہ تو بیٹیوں کے کپڑوں کا حال تھا۔ اب ذرا ان کے کھانے کا حال بھی سن لیجیے۔ ابن عبدالحکم کی روایت ہے کہ آپ عشاء پڑھ کر بیٹیوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ انہیں سلام کرتے۔ اسی طرح ایک دن حسب معمول عشاء کے بعد ان کے پاس گئے آپ کے آنے کی آہٹ سن کر بیٹیوں نے اپنے مونہوں پر ہاتھ رکھ لیے اور جلدی سے دروازہ کی طرف لپکیں۔ آپ نے خادمہ سے پوچھا کہ یہ انہیں کیا ہوا؟ تو وہ بولی: ''آج رات ان کے پاس کھانے کے لیے دال اور کچے پیاز کے سوا کچھ نہ تھا۔ انہیں برا لگا کہ کہیں آپ کو پیاز کی بد بو نا گوار نہ لگے، اس لیے اندر چلی گئیں۔'' آپ یہ سن کر رو پڑے پھر بیٹیوں سے فرمایا: اے میری بیٹیو! یہ طرح طرح کے کھانے تمہارے کس کام کے اگر تم (عالم آخرت میں) اپنے باپ کے پاس سے گزرو اور وہ جہنم کی آگ میں جل رہا ہو؟ یہ سن کر بیٹیاں رونے لگیں حتی کہ ان کے رونے کی آواز بلند ہو گئی۔ پھر وہ لوٹ گئیں۔'' ❸

آپ نے اپنے گھر والوں کو زہد و قناعت والی زندگی گزارنے پر تیار کرنے کے لیے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ آپ نے اپنی اہلیہ فاطمہ بن عبدالملک کو جہیز میں ملنے والا سارا زیور اور ہیرے جواہرات بیت المال میں جمع کروا دیے۔ پھر بیوی سے یہ کہا: ''تجھے اختیار ہے چاہو تو بیت المال سے اپنا زیور واپس لے لو یا مجھ سے جدائی اختیار کر لو۔ کیونکہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میں، تم اور وہ زیورات ایک گھر میں ایک چھت تلے اکٹھے رہیں۔''

فاطمہ بولیں: نہیں! بلکہ اے امیر المومنین! میں اس جیسے دوگنے زیور پر بھی آپ کو اختیار کرتی ہوں۔ ❹

اولاد کی تربیت کا اہتمام

آپ نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ اور اس غرض کے حصول کے لیے ایسے تعلیمی پروگراموں کا اجراء کیا جو ایک ابھرتے مسلمان نوجوان کی ہر طرح کی تعلیمی واخلاقی ضروریات کو پورا کرتے

❶ سیرۃ عمر لابن عبدالحکم، ص: ۱۰۶ ❷ حلیة الاولیاء: ۵/ ۲۶۱

❸ سیرۃ عمر لابن عبدالحکم: ۴۸۔۴۹ ❹ الطبقات: ۵/ ۳۳۰

تھے تاکہ اس کی ذات اور اس کے مقاصد میں یک جہتی پیدا ہو اور اس کے قول و فعل میں تقسیم یا تضاد کا شائبہ تک نہ پایا جائے۔ بلکہ اس کی زندگی واقعات و نظریات کے امتزاج کا ایک عمدہ نمونہ ثابت ہو۔ [1] آپ کے اس تعلیمی منہج کا عکس ہمیں اس خط میں نظر آتا ہے جو آپ نے اپنے بیٹوں کے معلم و مودب اور استاذ سہل بن صدقہ کو لکھا تھا جو آپ کا ہی آزاد کردہ غلام بھی تھا۔ جس میں آپ انہیں اس بات کا اختیار دیتے ہیں کہ وہ آپ کی اولاد کی تعلیم و تادیب اور تربیت کی ذمہ داری کو اہتمام سے ادا کرے، اس کے بعد آپ تادیب کے طریقے کی حدود بیان کرتے ہیں۔ [2] چنانچہ آپ اس خط میں لکھتے ہیں:

''یہ خط ہے اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے اپنے آزاد کردہ غلام سہل کی طرف:
امابعد! میں نے آپ کو آپ کے بارے میں اپنی معلومات کی روشنی میں اپنے بچوں کا استاذ مقرر کیا ہے تاکہ آپ ان کی تربیت کریں اور انہیں ادب سکھائیں۔ اور میں نے اپنے دوسرے خاص آدمیوں اور خادموں کو چھوڑ کر یہ اہم ذمہ داری آپ کے سپرد کی ہے۔ اب چند اہم باتیں سن لیجیے! ان سے روکھا بولنا یہ بات انہیں آگے بڑھنے میں بے حد مدد دے گی۔ ان کے ساتھ دوستی نہ لگانا کہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور ان کے سامنے کم ہنسنا کہ زیادہ ہنسنا دل مار دیتا ہے۔
آپ کی تربیت سے انہیں سب سے پہلے جو چیز حاصل ہونی چاہیے وہ ہے لہو و لعب اور کھیل تماشوں کی نفرت، کہ ان کا آغاز تو شیطانی ترغیب سے ہوتا ہے لیکن انجام رب رحمان کی ناراضی اور غضب کی صورت میں نکلتا ہے۔ مجھے معتبر اہل علم سے یہ بات پہنچی ہے کہ ساز و طرب اور رقص و سرود کی محفلوں میں جانا گیت سنگیت کا از حد سننا کہ یہ دونوں باتیں دل میں یوں نفاق پیدا کرتی ہیں جیسے پانی جنگلی گھاس کو پیدا کرتا ہے۔ میری عمر کی قسم! ایسی محفلوں میں جانے سے بچنا ایک عقلمند کے لیے دل میں نفاق کو پیدا کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ ایک ہوشیار آدمی جب محفل موسیقی سے لوٹتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ اس کے کانوں نے جو کچھ سنا ان میں سے نفع کی بات کوئی بھی نہیں۔ میرا ہر بیٹا دن کا آغاز قرآن کریم کے ایک جزء کی قراءت سے کرے اور اس میں خوب پختگی حاصل کرے۔ پھر وہ اپنے تیر اور کمان لے کر نشانہ گاہ کی طرف ننگے قدموں جائے جہاں جا کر تیراندازی کی خوب مشق کرے اور اپنا نشانہ پختہ کرے اور اس غرض کے لیے روزانہ سات بار تیر نشانے پر پھینکے۔ پھر قیلولہ کے لیے لوٹ آئے۔ کیونکہ سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ''اے میرے بیٹو! قیلولہ کیا کرو، کیونکہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا۔'' [3]

[1] المنوذج الاداری، ص: ۱۱۰ [2] المنوذج الاداری، ص: ۱۱۰
[3] سیرۃ عمر لابن الجوزی، ص: ۲۹۶۔۲۹۷

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اس خط میں مندرج توجیہات سے ہم مندرجہ ذیل امور اخذ کر سکتے ہیں:

ا۔ اولاد کی تربیت کے لیے نیک معلم اور مؤدب کا اختیار کرنا:

تعلیم و تربیت اور تادیب میں معلم اور مربی کو پہلی اینٹ اور بنیادی پتھر سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے آپ نے اپنی اولاد کے لیے جس کو معلم چنا وہ آپ کے خواص میں سے تھا اور آپ ذاتی طور پر جانتے تھے کہ وہ ایک معتمد اور بھروسے لائق شخص ہے۔ پھر آپ نے اپنی اولاد کی تربیت کے لیے صرف سہل پر ہی اکتفاء نہ کیا بلکہ ان کو خود اپنے پہلے استاذ صالح بن کیسان کے حوالے بھی کیا تاکہ وہ ان کی بہتر سے بہتر تعلیم و تربیت کریں۔ ❶ لیکن آپ ابھی بھی مطمئن نہ تھے۔ اس لیے آپ نے اپنے دور کے اکابر علماء و صلحاء کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ آپ کی اولاد کی عقل اور ادب دونوں کا امتحان لیں اور ان کو خوب پرکھیں۔ چنانچہ آپ نے میمون بن مہران کو اپنے بیٹے عبدالملک کے امتحان کے واسطے بھیجا۔ میمون بن مہران کہتے ہیں: میں امیر المومنین کے امر پر عبدالملک کے پاس گیا۔ اور اس کے ساتھ کچھ وقت گزارا۔ میں عبدالملک کی عقل و فہم اور حسن ادب سے بے حد متاثر ہوا۔ ❷

۲۔ علمی منہج کی تحدید:

آپ اپنی اولاد کو جو علوم سکھلانا چاہتے تھے آپ نے ان کی حد خود مقرر کر دی تھی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اپنی اولاد کا تعلیمی نصاب آپ نے خود تجویز اور مقرر کیا تھا۔ وہ یہ کہ انہیں قرآن کریم، اس کے متعلقہ علوم، اور دوسرے باقی علوم کے ساتھ ساتھ جہادی تربیت سے بھی خوب آراستہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ فنون حربیہ میں مشاق اور ماہر نشانہ باز تلوار باز اور گھڑ سوار ہوں۔ اس کے علاوہ بدنی ریاضت اور مشقت و جفاکشی کی عادت بھی ہو۔ اسی لیے یہ مقرر کیا کہ وہ نشانہ بازی کی جگہ ننگے پیر جایا کریں تاکہ طبیعتوں میں جفاکشی پیدا ہو، ان سب امور کے علاوہ آرام کے اوقات بھی مقرر کیے تاکہ محنت اور راحت میں اعتدال پیدا ہو اور کسی پہلو میں بھی افراط و تفریط مزاج کے غیر مستقیم اور طبیعت کے غیر معتدل ہونے کا سبب نہ بن جائے۔ قرآن کریم کا ایک جز روزانہ پکا کرنا مقرر کیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی طے کیا کہ قرآن کریم کے اتنے حصہ سے متعلقہ دوسرے علوم کی تعلیم بھی دی جائے۔ جیسے تفسیر، حدیث، بلاغت، معانی اور سبب نزول وغیرہ۔ تیر اندازی میں مہارت پیدا کرنے کے لیے روزانہ کے سات نشانے لگانے مقرر کیے۔

بے شک یہ تعلیمی منہج نہایت بلند مقاصد کو شامل تھا، کہ آپ نے دین اور دنیا دونوں کو جمع کیا۔ اس منہج میں بدن و روح دونوں کی تربیت و راحت کا پورا پورا لحاظ تھا تاکہ قول و عمل میں قرار واقعی تطبیق پیدا ہو۔ ❸

---

❶ تذکرة الحفاظ: ۱/ ۱۴۸ ❷ سیرة عمر لابن الجوزی، ص: ۳۰۲

❸ المنوذج الاداری، ص: ۱۱۳

افسوس کہ آج کے بڑے بڑے تعلیمی نصاب ان اعلیٰ اور بلند مقاصد سے خالی نظر آتے ہیں۔ ❶

۳۔ تعلیم وتادیب کے طریقہ کی تحدید:

آپ نے اولاد کی تعلیم وتربیت کے لیے صرف اچھا استاذ چن لینے اور عمدہ تعلیمی نصاب مقرر کر لینے پر ہی اکتفاء نہ کیا تھا بلکہ آپ نے تادیب وتعلیم کا طریقہ بھی خود مقرر کیا جس کی پیروی کرنا معلم ومودب کے لیے ضروری تھا اور اس پر لازم تھا کہ آپ کی اولاد کی تربیت کے وقت اسی طریقہ کو اختیار کرے۔ آپ نے معلم کو بتلایا کہ وہ تعلیم کی تنفیذ کس وقت اور اتقان کے ساتھ کرے۔ چنانچہ آپؒ نے سہل کو لکھے گئے خط میں ان امور پر روشنی ڈالتے ہوئے بتلایا کہ سہل آپ کی اولاد کے ساتھ ذرا سختی کا رویہ اپنائے، پورے تعلیمی عمل کے دوران سنجیدگی اور متانت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ ایسا کرنے سے ان میں خود اعتمادی پیدا ہوگی، وہ زیادہ توجہ اور دھیان کے ساتھ علم وادب کو حاصل کریں گے۔ پھر آپ نے اپنے بیٹوں کے معلم سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ دوستی نہ لگائے کیونکہ دوستی غفلت پیدا کرتی ہے۔ اور تاکہ استاد کا مقام ومرتبہ شاگردوں کی نگاہوں میں باقی اور بلند رہے۔ ایک معلم کو یہ بات زیبا نہیں کہ وہ شاگردوں سے دوستی لگائے۔ انہیں اپنا دوست بنائے۔ ان کے ساتھ بے کار وقت بتائے، ان سے راز ونیاز کی گفتگو کرے۔ ایران طور ان کے مشورے کرے۔ پھر کہیں ایسا نہ ہو کہ استاذ کو بہت قریب سے دیکھنے کے بعد شاگردوں کو اس کی بعض عادات ناپسند آنے لگیں اور بے تکلفی اتنی بڑھ جائے کہ استاذ کے امر کے امتثال میں تاخیر یا تعطیل واقع ہونے لگے اور نوبت استاذ کی بے وقعتی اور بے توقیری کرنے تک آجائے۔ ❷

بلاشبہ استاذ اور شاگرد میں ان رویوں کے پیدا ہونے کا یہ ناخوش گوار نتیجہ نکلتا ہے کہ شاگردوں کے دل سے استاذ کی بات کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ استاذ کے حکم سے غفلت برتنے لگتے ہیں۔

اسی طرح آپ نے اپنی اولاد کے معلم سے اس بات کا مطالبہ بھی کیا کہ اس کے اخلاق اور رویے سے آپ کے بیٹوں کے دلوں میں کھیل تماشوں، لہو ولعب راگ رنگ رقص وسرود اور نغمہ وساز کی نفرت پیدا ہونی چاہیے کیونکہ یہ باتیں ایک مسلمان کی زندگی پر بے حد برے اثرات مرتب کرتی ہیں۔

قارئین کرم! آپ نے دیکھا کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جو حکم بھی دیا اس کی وجہ بھی ضرور بیان کی اور اس کے عمدہ نتائج اور فوائد کو بھی بیان کیا اور جس بات سے بھی منع کرنے کا حکم دیا اسکے انجام بد کے ساتھ ساتھ برے اثرات بھی بیان کیے۔ ❸

۴۔ اوقات تعلیم اور اولویات کی تحدید:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کے لیے معلم ومربی کو جو برنامج (پروگرام) لکھ

❶ المنوذج الاداری، ص: ۱۱٤ ❷ ایضاً ❸ المنوذج الاداری، ص: ۱۱۷

بھیجا اس کو ہم "تنظیم الاوقات" کا نام دے سکتے ہیں گویا کہ آپ نے تعلیمی نصاب اور اس کے طریقہ تعلیم کے ساتھ ساتھ نظم الاوقات بھی لکھ بھیجے۔ چنانچہ آپ نے روزانہ کا معمول یہ مقرر کیا کہ دن کا اور تعلیم کا آغاز قرآن کریم کے ایک جزء کے پڑھنے اور خوب یاد کرنے کے ساتھ کیا جائے کیونکہ صبح کے وقت دل و دماغ تازہ اور شگفتہ ہوتے ہیں رات بھر کے آرام سے دل و دماغ کی تکان دور ہو کر پراگندگی اور وساس کا فور ہو چکے ہوتے ہیں۔ اور اس وقت دماغ میں کسی بات کو جذب اور جاگزیں کرنے کی استعداد کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے بعد قرآن کو پکا کرنے کا وقت مقرر کیا۔ پھر دوسرے علوم کی باری مقرر کی۔ پھر تیر اندازی کی مشق کے لیے نشانہ گاہ جانا طے کیا۔ تاکہ علم حاصل کرنے کے بعد جہاد کی تیاری کی تعلیم حاصل کی جائے۔ اور پڑھنے کے بعد بدنی ریاضتوں میں یوں بھی دل زیادہ لگتا ہے۔ اس سے نہایت اعلیٰ درجہ کی صلاحیت اور پختگی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس یومیہ پروگرام کا اختتام قیلولہ پر ہوتا ہے کیونکہ آرام کا یہ وقت، روح و بدن اور عقل تینوں کی راحت کے لیے نہایت مفید ہوتا ہے۔ [1]

۵۔ تعلیمی اثرات کی رعایت:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تعلیم سے متعلقہ اور ان تمام امور کی بے حد رعایت ونگہداشت کی جن کے عقل وفہم، اور اخذ کرنے کی استعداد پر عمدہ اثرات مرتب ہوتے ہوں اور جن سے عقل میں اضافہ ہوتا ہو، خواہ ان امور کا قریب یا دور کا تعلق ہو لیکن بہرحال آپ ان امور کی رعایت کرتے تھے۔ لہٰذا سب سے پہلے آپ نے جس امر کا بے حد اہتمام کیا اور جس نے آپ کی اولاد کے علم، اخلاق اور ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے وہ تھا ان کے استاذ کا انتخاب، اس کے علم کا اولاد کو عطیہ اور اولاد کا اس معلم کے علم وادب اور سیرت واخلاق کی پیروی کرنا۔

دوسرے ان امور کی رعایت کی جائے اور ان سے بچا جائے جن سے غیر سنجیدگی پیدا ہوتی ہے جیسے زیادہ ہنسنا، مزاح کرنا، لہو ولعب میں زیادہ مشغول ہونا کہ یہ امور تعلیمی اغراض ومقاصد کے حصول کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں اور ان سے آگے بڑھنے کا جذبہ اور بلند ہمتی کا جوش وخروش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ اور فہم وادراک کا مطلوبہ معیار بھی حاصل نہیں ہو پاتا۔

تیسرے رقص وغنا، اور طرب وموسیقی کی محفلوں میں جانے سے گریز کیا جائے۔ ان مجالس میں وقت ضائع کرنے کی بجائے اپنے علمی مشاغل کی طرف پوری توجہ دی جائے۔

چوتھے نوعمر کی نفسانی خواہشات اور بدنی راحت کا بھی بھرپور خیال رکھا جائے تاکہ تعلیمی مشاغل کا تسلسل طبیعت کے ملال اور دل کی اکتاہٹ کا سبب نہ بن جائے کیونکہ طبیعت کا یہ ملال مطلوبہ علمی استعداد کو

---

[1] المنوذج الاداری، ص:۱۱۸

متاثر کرتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ طلباء کو وقتاً فوقتاً آرام کا وقت دیا جائے۔ تا کہ وہ اگلے دن کے تعلیمی پروگراموں کے لیے مستعد چست اور چاک و چوبند ہو جائیں۔

اور آخری بات جس کا اوپر بھی بار بار ذکر آ چکا ہے، یہ ہے کہ تعلیمی پروگراموں کے ساتھ بدنی ریاضتوں کا بھی اہتمام کیا جائے تا کہ جسمانی صحت عقل کو تقویت دے اور ذہن کو جلا بخشے۔ ❶

تربیت اولاد کے اس منہج کے نتائج

آپ کے تعلیمی منہج اور اسلوبِ تربیت کے واضح اثرات آپ کے بیٹے عبدالملک میں نظر آتے تھے۔ بے شک عبدالملک آسودگی، راحت وعیش مال و دولت کی کثرت اور ناز و نعم میں پلنے والے نوجوانوں کے لیے ایک عمدہ اور ربانی نمونہ تھے۔ ذیل میں اس کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔

ا۔ عبدالملک کی عبادت گزاری اور دُعا وزاری:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا بھتیجا عاصم بن ابوبکر بن عبدالعزیز بن مروان روایت کرتا ہے کہ میں ایک وفد کے ساتھ جس میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی تھے، سلیمان بن عبدالملک کے پاس ملنے گیا۔ میں نے چچا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بیٹے عبدالملک کے گھر ٹھہرنا پسند کیا۔ وہ اس وقت بھرپور نوجوان تھے۔ ہم نے عشاء کی نماز اکٹھے ادا کی۔ نماز کی بعد ہر کوئی سونے کے لیے اپنے اپنے بستر میں گھس گیا۔ اس کے بعد عبدالملک نے اٹھ کر چراغ بجھا دیا اور کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے لگا۔ کچھ دیر تک تو میں یہ منظر دیکھتا رہا پھر نہ جانے کب نیند نے مجھے آ دبوچا اور میں نیند کی وادی میں اتر گیا۔ پھر اچانک میری کھلی تو کیا کہ وہ یہ آیت تلاوت کر رہا ہے:

﴿اَفَرَاَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِیْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ﴾ (الشعراء: ۲۰۵۔ ۲۰۷)

"پس کیا تو نے دیکھا اگر ہم انھیں کئی سال فائدہ دیں۔ پھر ان کے پاس وہ چیز آ جائے جس کا وہ وعدہ دیے جاتے تھے۔ تو وہ فائدہ جو وہ دیے جاتے تھے، ان کے کس کام آئے گا؟"

پھر رونے لگا۔ پھر دوبارہ یہ آیت پڑھی اور ختم کر کے رونے لگا اور اتنا رویا کہ میں یہ سمجھا کہ شاید روتے روتے اس کا دم نکل جائے گا۔ یہ منظر دیکھ کر میں نے "لا الہ الا اللہ والحمد للہ" پڑھا جیسا کہ میں نیند سے جاگا اور جاگنے کی دعا پڑھی تا کہ مجھے بیدار ہوتا دیکھ کر رونے کا یہ سلسلہ تو ختم کریں۔ چنانچہ وہی ہوا جیسے ہی انہوں نے میری دعا سنی تو ایک دم خاموشی اختیار کر لی۔ پھر مجھے ان کی کوئی آواز سنائی نہ دی۔ ❷

---

❶ النموذج الاداری، ص: ۱۱۹ ❷ مجموعة رسائل الحافظ ابن رجب الحنبلی: ۲/ ۴۷۹

۲۔ علم و تفقہ اور فہم و فراست:

ایک دفعہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے لوگوں کو جمع کر کے ان سے لوگوں کے حقوق واپس کرنے کی بابت مشورہ کیا جن کو حجاج نے ان سے چھینا تھا۔ پھر آپ نے جسے بھی کھڑا کر کے یہ سوال کیا، اس نے یہی جواب دیا کہ ظلم کا یہ بازار جب گرم تھا آپ اس وقت خلیفہ نہ تھے اور نہ یہ ستم کیشی آپ کی زیر ولایت ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ سوال کرنے کی باری آپ کے بیٹے عبدالملک تک جا پہنچی۔ عبدالملک نے کھڑے ہو کر یہ مومنانہ اور جرأت مندانہ جواب دیا کہ اے امیر المومنین! اگر کوئی حجاج کے مظالم کا ازالہ کر سکتا ہو اور پھر بھی نہ کرے تو وہ ان مظالم میں حجاج کا شریک و سہیم سمجھا جائے گا۔ یہ جواب سن کر آپ بے حد خوش ہوئے۔ اور درست جواب تھا بھی یہی کہ جب کوئی امام اپنے سے پہلے والیوں اور حکمرانوں کے مظالم ردّ کر سکتا ہو تو اس پر حسب استطاعت ان مظالم کا روکنا واجب ہوتا ہے۔ [1]

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور آپ کے فرزند ارجمند جناب عبدالملک کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے اُس علم الٰہی کو، جس کا مقتضی خوف وخشیت خداوندی، محبت الٰہی اور اللہ کی طرف عبادت کے لیے یکسو ہو جانا ہوتا ہے اور اُس علم الٰہی کو ایک دل میں جمع کر دیا تھا جو حلال وحرام اور فتاوی واحکام کی معرفت کو مقتضی ہوتا ہے۔ [2]

۳۔ والد ماجد کو موت کی یاد دلانا:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ایک بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ آپ تشریف لا کر اس کے سرہانے بیٹھ گئے، آپ نے بیٹے کے منہ سے کپڑا ہٹایا اور پرنم نگاہوں کے ساتھ اسے دیکھنے لگے۔ اتنے میں عبدالملک بھی پہنچ گئے انہوں نے والد ماجد کی آنسو بہاتی آنکھیں دیکھیں تو کہنے لگے، ''اے امیر المومنین! اس کو تو موت نے آ لیا لیکن کیا آپ اس موت کو بھول گئے جو آپ پر آنے والی ہے؟ بلکہ جو موت آپ پر آنی ہے اور جو غم آپ پر ٹوٹا ہے اس کی اسے کچھ پروا نہیں۔ بس آپ تو گویا اس سے جا ہی ملے ہیں اور یوں سمجھئے کہ مٹی کے نیچے آپ اور یہ دونوں برابر ہو چکے۔'' یہ سن کو آپ رونے لگے، پھر فرمایا: ''اے میرے بیٹے! اللہ تم پر رحم کرے۔ خدا کی قسم تم کس قدر برکت والے ہو۔ جتنا تیری نصیحت نے تیرے باپ کو نفع دیا ہے اتنا نصیحت سننے والوں میں سے کسی کو نفع نہیں ہوا۔ اللہ کی قسم! یہ آنسوں جو تم دیکھ رہے ہو یہ تیرے بھائی کی موت کے غم میں ہیں لیکن جب میں نے یہ جانا کہ ملک الموت میرے گھر کا ایک چکر لگا گیا ہے تو میں بے حد خوفزدہ ہو گیا گویا کہ میں نے موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ پھر آپ نے تجہیز وتکفین اور غسل دینے کا حکم دیا۔ [3]

---

[1] مجموعة الرسائل لابن رجب الحنبلي: ۲/ ۴۸۱

[2] ایضا: ۲/ ۴۸۷

[3] ایضا: ۲/ ۴۸۱

۴۔ حق کی تنفیذ میں صلابتِ دین اور دین کی پختگی:

میمون بن مہران روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مجھے، مکحول اور ابو قلابہ کو بلوا کر پوچھا: ''تم لوگوں کا ان اموال کے بارے میں کیا خیال ہے جو ان سے ظلماً'' چھین لیا گیا تھا؟ اس دن مکحول نے کمزور بات کہی جس کو آپ نے ناپسند کیا۔ اور کہا کہ ''تم اپنی بات میں پھر غور کرو۔'' پھر میری طرف مدد طلب نگاہوں سے دیکھا تو میں نے عرض کیا: ''اے امیر المومنین! عبدالملک کو بلوائیے اور اس مجلس میں حاضر کیجیے کہ وہ رائے دینے میں ان لوگوں سے کم درجے کے نہیں۔'' چنانچہ جب عبدالملک مجلس میں داخل ہوئے تو آپ نے ان سے پوچھا: ''اے عبدالملک! تمہارا ان اموال کے بارے میں کیا خیال ہے جو لوگوں سے ظلم کر کے چھین لئے گئے تھے؟ اور اب وہ لوگ اپنے چھینے ہوئے اموال کا مطالبہ لے کر آئے ہیں اور ہمیں معلوم ہے کہ کس کا کون سا مال ہے؟'' عبدالملک نے برجستہ جواب دیا: ''میری رائے یہ ہے کہ یہ اموال ان لوگوں کو واپس کر دئے جائیں وگرنہ آپ بھی ان اموال کو چھیننے والوں کے جرم میں برابر کے شریک سمجھے جائیں گے۔''[1]

۵۔ مرض الوفات اور وفات حسرت آیات:

عبدالملک طاعون کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ چنانچہ والد ماجد عیادت کے لیے تشریف لائے اور پوچھا: اے میرے بیٹے! تم (اپنے آپ کو اس حال میں) کیسا پاتے ہو؟'' بولے'' میں خود کو حق پر پاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''اے میرے بیٹے! میں تیری میزان عمل میں ہوں اس سے زیادہ مجھے یہ بات پسند ہے کہ میری میزان عمل میں تم ہو'' اس پر عبدالملک کہنے لگے: ''اے ابا جان! مجھے وہ بننا زیادہ پسند ہے جو آپ چاہتے ہیں اس بات سے جو میں بننا چاہتا ہوں۔''[2]

جب عبدالملک کو دفن کر دیا گیا تو آپ نے ان کی قبر پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا: ''اے میرے بیٹے! اللہ تم پر رحم کرے تم اپنے باپ کے ساتھ بے حد نیکوکار تھے۔ تجھے رب نے مجھے عنایت کیا، میں اس بات پر ہمیشہ مسرور رہا۔ اللہ کی قسم! تجھے اس قبر میں اتارنے کے وقت سے لے کر جس کی طرف تیرا رب تجھے لے گیا ہے میں اتنا خوش پہلے کبھی نہیں ہوا اور نہ اللہ سے کسی اجر کا اس سے قبل اتنا امیدوار ہوا ہوں جو مجھے تیری وجہ سے ملے گا۔ اللہ تجھ پر رحم کرے تیرے گناہ معاف کرے، تیرے عملوں کا تجھے اچھا بدلہ دے، تیری خطاؤں سے درگزر کرے اور غائب و حاضر میں سے جو بھی تیری شفاعت کرے اللہ ہر اس آدمی پر بھی رحم کرے ہم اللہ کی قضاء پر راضی ہیں، اس کے امر کو تسلیم کرتے ہیں (وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ)'' پھر قبرستان سے

[1] مجموعة الرسائل لابن رجب الحنبلي: ٢/ ٤٨٨

[2] مجموعة الرسائل لابن رجب الحنبلي: ٢/ ٤٩٥

لوٹ آئے۔ [1]

اس کے بعد آپ نے والی کوفہ کو خط لکھ کر عبدالملک پر نوحہ کرنے سے منع کر دیا جیسا کہ اس وقت بادشاہوں اور ان کی اولادوں کے مرنے پر لوگوں کی عادت تھی کہ وہ بے حد نوحہ کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے والی کوفہ کو بھیجے گئے خط میں یہ لکھا: ''عبدالملک بن امیر المومنین اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ تھا۔ اللہ اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرے، اور اس کی بابت اس کے باپ کے ساتھ بھی اچھا معاملہ کرے۔ جب تک اللہ نے چاہا اللہ نے اسے زندہ رکھا اور جب چاہا اس کو اپنے پاس بلالیا۔ اور اب وہ عالم برزخ میں ہے۔ ہم اللہ سے امید کرتے ہیں کہ وہ اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرے، اور میں اس بات سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کہ مجھے کسی چیز سے ایسی محبت ہو جو اللہ کی محبت کے خلاف ہو کیونکہ ایسی محبت آزمائش کے خلاف ہے جس میں اس نے مجھے مبتلا کیا ہے اور اس کے اس نعمت واحسان کے بھی خلاف ہے جو اس نے مجھ پر کر رکھا ہے۔''

آگے لکھتے ہیں: ''پس میں نے چاہا کہ یہ بات میں تمہیں لکھ بھیجوں اور تمہیں رب کی اس قضاء کی بابت بتلا دوں۔ میں نہیں جانتا کہ تم سے پہلے کسی نے عبدالملک پر نوحہ کیا ہے یا کہیں چند لوگوں نے جمع ہو کر اس کی موت کا سوگ منایا ہے اور نہ میں نے کسی دور نزدیک کے شخص کو اس بات کی رخصت دی ہے۔ اس بابت مجھے اللہ کی کفایت پر چھوڑ دو، اور میں اس بابت تمہیں ملامت نہ کروں گا۔ ان شاء اللہ...... والسلام علیك [2]

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اپنے بیٹے کی وفات پر آپ نے فرمایا: ''اے میرے بیٹے! تم ویسے ہی تھے جیسا کہ رب تعالیٰ نے (بیٹوں کے بارے میں) فرمایا ہے:

﴿اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (الکہف: ٤٦)

''مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق و) زینت ہیں۔''

میں امید کرتا ہوں کہ آج تم ان باقیات صالحات (باقی رہ جانے والی نیکیوں) میں سے ہو گئے جو ثواب کے لحاظ سے (تیرے پروردگار کے ہاں) بہت اچھی اور امید کے اعتبار سے بہت بہتر ہیں۔ اللہ کی قسم! مجھے اس بات کی خوشی نہیں کہ میں تمہیں پکاروں اور تم مجھے جواب دو۔'' [3]

لطف کی بات یہ ہے کہ ایسا زیرک، خدا شناس، آخرت شناس اور فہم و فراست ربانی کا مالک نوجوان عبدالملک، وفات کے وقت صرف انیس برس کا نوخیز جوان تھا۔ [4] آپ اپنے بیٹے کی بے حد تعریف فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: ''اے عبدالملک! میں تمہیں ایک بات کی خبر دیتا ہوں اللہ کی قسم! میں نے تم سے زیادہ سنت کا پابند، تم سے زیادہ فقیہ، تم سے زیادہ قرآن کا قاری اور ایسی نوجوانی

[1] مجموعة الرسائل لابن رجب الحنبلي: ٢/ ٤٩٥　[2] ایضًا: ٢/ ٤٩٦　[3] ایضًا: ٢/ ٤٩٦

[4] مجموعة الرسائل: ٢/ ٤٩٨

میں تم سے زیادہ چھوٹے بڑے گناہوں سے دور رہنے والا جوان کبھی نہیں دیکھا۔'' ❶

اور ایک دفعہ تو یہاں تک فرمایا: ''اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ عبدالملک کے امر سے مجھے وہ باتیں اچھی لگنے لگتیں جو ایک باپ کو اپنے بیٹے سے اچھی لگتی ہیں تو میں عبدالملک کو خلافت کا اہل دیکھتا تھا۔'' ❷

ایک روایت میں ہے کہ عبدالملک کی وفات پر آپ اس کی قبر پر کھڑے ہو گئے اور اس کی تعریف بیان کرنے لگے۔ اس پر ایک آدمی بول اٹھا: ''اے امیر المومنین! (آپ جو اس کی اس قدر تعریف کر رہے ہیں تو) کیا وہ زندہ رہتا تو آپ اسے اپنا ولی عہد بنا لیتے؟'' آپ نے جواب دیا، نہیں۔ وہ آدمی کہنے: وہ کیوں حالانکہ آپ تو اس کی اس قدر تعریف فرما رہے ہیں؟ اس پر آپ نے فرمایا ''مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ مجھے عبدالملک کی وہ باتیں بھی اچھی لگنے لگتیں جو (عموماً) ایک باپ کو اپنے بیٹے سے اچھی لگتی ہیں (یعنی جیسے باپ بیٹے کی ہر اچھی بری بات کو ٹھیک ہی سمجھتا ہے کہیں اس کو ولی عہد بنا کر میں بھی ایسا نہ کرنے لگوں کہ مجھے عبدالملک کی ہر اچھی بری بات اچھی لگنے لگے)۔

میمون بن مہران کہتے ہیں: ''میں نے کسی گھر میں ایسے تین آدمی نہیں دیکھے جو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ عبدالملک اور ان کے خادم مزاحم سے زیادہ بہتر ہوں (جو ایک گھر میں رہتے تھے)۔

بے شک یہ اس تربیتی اور علمی منہج کا نتیجہ تھا جو سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لیے اختیار کیا تھا۔

لوگوں کے ساتھ معاملات

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی زندگی کے اس پہلو کو ہم درج ذیل عناوین کے تحت بیان کریں گے:

ا۔ معاشرے کے اصلاح کا اہتمام:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو معاشرے کی اصلاح کی بے حد فکر تھی۔ آپ معاشرے میں پھیلی برائیوں کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اس بابت آپ نے اپنے ایک والی کو ایک بے حد طویل اور بلیغ خط لکھا۔ ہم اختصار اور اہمیت کے پیش نظر اس طویل خط کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں جو بے مفید ہیں، آپ اس خط میں لکھتے ہیں:

''امـا بـعـد! بے شک جب بھی کسی قوم میں منکرات کا ظہور ہوتا ہے، پھر ان کے اہل صلاح ان برائیوں سے اپنی قوم کی کو منع نہیں کرتے، مگر یہ کہ رب تعالیٰ اس قوم پر اپنے پاس سے یا اپنے بندوں میں سے جس کے ذریعے چاہے عذاب نازل کرتا ہے۔ لوگ اس وقت تک رب تعالیٰ

❶ مجموعة الرسائل: ۲/ ۴۹۹ ❷ ایضًا

کے نقمت وعذاب سے بچے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اپنے میں سے اہل باطل کا خاتمہ کرتے رہیں اور ان میں حرام کام کھلے بندوں نہ کیے جاتے ہوں۔ اور اگر ان میں سے کوئی کھلم کھلا کسی حرام فعل کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اسے اس کی سزا دیتے ہوں۔ لیکن جب حرام کام سرعام کیے جانے لگیں اور ان کے اہل صلاح ان حرام کاموں سے نہ روکیں تو آسمانوں سے اہل زمین پر رب کے عذاب نازل ہونے لگتے ہیں جن سے نہ گناہ گار بچتے ہیں اور نہ گناہوں پر مداہنت کرنے والے ہی ان عذابوں سے محفوظ رہتے ہیں، اور ہوسکتا ہے کہ یہ مداہنت کرنے والے چاہے ان اہلِ معاصی کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں ان کے ساتھ مارے جائیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں ان لوگوں کا قصہ بیان کیا ہے جن کو اس نے ہلاک کیا، میں نے ان آیات میں سے کسی آیت میں یہ نہیں سنا کہ اس نے ان مداہنین میں سے (بھی) کسی کو (ہلاک ہونے سے) بچایا ہوالا یہ کہ وہ نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے ہوں۔ پھر رب تعالیٰ ان مرتکبین کبائر پر اپنے پاس سے یا اپنے بندوں میں سے جس کے ہاتھوں سے چاہے ذلت وخوف اور نقمت وعذاب کو مسلط کر دیتا ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ بسا اوقات ظالم کو ظالم پر اور فاجر کو فاجر پر مسلط کر کے بدلہ لیتا ہے۔ پھر دونوں فریق اپنے اپنے اعمال کی بدولت جہنم میں داخل ہو جاتے ہیں، ہم اس بات سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں کہ وہ ہمیں ظالموں میں سے یا ظالموں کے حق میں مداہنوں میں سے بنائے۔

مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اب تو لوگوں میں فسق وفجور عام ہوگیا ہے، اب تمہارے شہروں میں فاسقوں کو امن ہے اور وہ دندنا کر ڈنکے کی چوٹ پر ان حرام کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں جو رب تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں۔ اور نہ رب تعالیٰ ان کاموں میں مداہنت کرنے کو ہی پسند فرماتے ہیں۔ اور علی الاعلان ایسے حرام کام وہ قوم کبھی نہیں کرتی جو اللہ کی عظمت کا اعتقاد رکھتی ہے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتی۔ یہ لوگ ان فاجروں سے تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور عزت میں بھی زیادہ ہیں۔ بے شک تمہارے اسلاف ایسے نہ تھے اور نہ ان پر ایسی باتوں کی بدولت رب کی نعمت پوری ہوئی تھی۔ بلکہ وہ تو رب تعالیٰ کے اس ارشاد کے جیسے تھے۔

﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح : ۲۹)

''وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل۔''

اور فرمایا:

﴿اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ﴾ (المائدہ: ٥٤)

''کافروں پر بہت سخت، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔''

میری عمر کی قسم! حرام کے مرتکبین پر ہاتھ اور زبان کے ساتھ سختی کرنا اور ان کے خلاف جہاد کرنا، چاہے وہ ہمارے ماں باپ ہی کیوں نہ ہوں، جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ بے شک اللہ کا رستہ اس کی طاعت ہے۔ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بے شمار لوگ محض ملامت کے ڈر سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ سے بیٹھ رہے ہیں تاکہ انہیں خوش اخلاق، بے تکلف، سادہ اور اپنے کام سے کام رکھنے والا ایک بے ضرر انسان کہا جائے، بے شک اللہ کے نزدیک یہ لوگ خوش اخلاق نہیں۔ بلکہ یہ بدترین اخلاق کے مالک لوگ ہیں اور جو لوگ ایسے ہیں وہ اپنے نفس کی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں، بلکہ یہ لوگ خود اپنے نفسوں کو پیٹھ دے کر بھاگنے والوں میں سے ہیں اور جس تکلیف سے بچنے کے لیے انہوں نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کے ترک کا رستہ اپنایا ہے اس تکلیف میں یہ گرفتار ہو کر رہیں گے کیونکہ ان لوگوں نے اس حال کو پسند کر لیا جس کا اللہ نے انہیں حکم نہ دیا تھا، اور اللہ نے انہیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو اپنانے کا حکم دیا تھا جس کو انہوں نے ترک کر دیا۔'' [1]

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس اہم ترین خط میں رب تعالیٰ کی اس سنت کو بیان کیا ہے جس میں کبھی تخلف نہیں ہوتا اور وہ سنت یہ ہے کہ جو معاشرہ بھی کبائر کا ارتکاب کھلے عام کرنے لگتا ہے اور اس میں مفسدین دندناتے پھرتے ہیں، پھر اہلِ اصلاح نہ تو انہیں برائیوں سے روکتے ہیں اور نہ ان کی برائیوں پر نکیر کرتے ہیں تو رب تعالیٰ انہیں تین باتوں میں سے ایک میں ضرور گرفتار کرتا ہے، یا تو انہیں خود عذاب دیتا ہے، یا اپنے بندوں میں سے کسی کے ذریعے جس کو وہ اس کے لیے چن لے عذاب دیتا ہے اور بسا اوقات یہ لوگ ظالم و جابر بھی ہوتے ہیں جن کے ذریعے اللہ دوسرے فساق و فجار اور نافرمانوں سے انتقام لیتا ہے۔ یا پھر رب تعالیٰ ان پر ذلت و خوف اور بھوک اور افلاس اور طرح طرح کے مسائل و مصائب کو مسلط کر دیتا ہے۔

اس خط میں آپ نے یہ امر بھی واضح کیا کہ کھلم کھلا گناہ کرنے والوں پر سکوت کر لینا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت اور ان کا عمل نہیں تھا۔ بلکہ رب تعالیٰ نے تو ان کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ دین کے مخالفین اور

[1] سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ١٦٠

مجاہر بالاثم کے حق میں بے حد سخت اور شدید ہیں، آپ نے یہ بھی بیان کیا کہ رب تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کرنے والوں پر سختی کرنا اور ہاتھ اور زبان سے ان کے افعال پر نکیر کرنا جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ چاہے وہ لوگ بے حد قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ آپ نے جہاد کے معنی میں اس وسعت وگنجائش کے دلائل بھی اس خط میں ذکر کیے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ (التحریم: ۹)

''اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کر اور ان پر سختی کر اور ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔''

منافقوں کے ساتھ جہاد یہ ہے کہ ان کے اعمال پر انکار کیا جائے، اور ان کے ساتھ معاملات میں شدت سے کام لیا جائے۔ [1]

قارئین کرام! سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس خط میں ایک اور غلط مفہوم کی بھی اصلاح کی ہے وہ یہ کہ جو آدمی برائیوں پر انکار نہ کرے اسے بے حد خوش اخلاق، سادہ، اور اپنے آپ میں مست اور اپنی اصلاح میں کوشاں شخص باور کیا جاتا ہے حالانکہ گناہ گاروں اور مخالفوں کو تو از حد توجہ، شفقت اور رحمت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس شفقت وتوجہ کا اظہار صرف ایک صورت میں ہوسکتا ہے، وہ یوں کہ ان بگڑے ہوؤں کی اصلاح کی کوشش کی جائے اور اپنے رویہ سے اس قول کی تردید کی جائے کہ وہ قلیل التکلف اور سادہ ہے اور اسے صرف اپنی فکر ہے بلکہ اسے دوسروں کی بھی فکر ہے۔ وہ انہیں جہنم سے نکال کر جنت کے اعلیٰ درجات تک پہنچانا چاہتا ہے۔ اور اس کا صرف اپنے نفس کی طرف توجہ دینا تو دراصل اسے ہلاکت میں ڈالنا ہے کیونکہ معصیت پر سکوت کرنا اور نکیر نہ کرنا خود قابلِ مؤاخذہ معصیت ہے جو بسا اوقات جہنم میں جانے کا سبب بن جاتی ہے۔

اور عوام کا یہ مفہوم کہ خاموش رہنے والا قلیل التکلف ہے تو جان لیجیے کہ اس نے تو ایک عظیم امر کا بار خود اپنے کندھوں پر دھر لیا ہے، وہ یہ کہ اس نے رب تعالیٰ کے عائد کردہ فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی مخالفت کی، جس کو سرانجام دینا اس کے ذمے واجب تھا۔ [2]

غور سے دیکھا جائے تو سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا لکھا یہ خط عوام کی اصلاح کے لیے ایک نصیحت نامہ ہے۔ جیسا کہ ابراہیم بن جعفر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ: ''ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کے پاس سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا جو خط بھی آتا تھا اس میں ردمظالم یا احیائے سنت، اماتت بدعت یا تنخواہوں یا انعامات کی تقسیم وتقدیر کی بابت کوئی نہ کوئی حکم ضرور ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ اس دنیا سے

[1] التاریخ الاسلامی، ۱۵، ۱۶/ ۱۳۰ [2] ایضًا

رخصت ہو گئے۔'' ❶

۲۔ لوگوں کو آخرت یاد دلانا:

ایک دن آپ نے لوگوں میں خطبہ ارشاد فرمایا جس میں فرمایا: ''میں نے تم لوگوں کو کسی دنیاوی امر کے لیے اکٹھا نہیں کیا بلکہ میں نے تمہاری آخرت اور اس بات پر غور کیا جس کی طرف تم سب کے سب جانے والے ہو، پس میں نے دیکھا کہ اس کی تصدیق کرنے والا بے وقوف اور تکذیب کرنے والا ہلاک ہے۔'' بس اتنی بات فرما کر منبر سے اتر آئے۔ ❷

یہ خطبہ از حد مختصر ہونے کے باوجود بے حد بلیغ ہے۔ کیونکہ یہ موت کے بعد انسان کے انجام کا ایک زندہ تذکرہ ہے، چنانچہ جو شخص موت کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جانے پر اس سے پہلے قبر کے عذاب وثواب پر اور اس کے بعد حساب کتاب پر، پھر یا تو ہمیشہ کے عذاب پر اور یا پھر ہمیشہ کے نعمت وثواب پر ایمان رکھنے کے باوجود ان سب باتوں کی قرار واقعی اور کما حقہ تیاری نہیں کرتا جو اس دن کے لیے کافی ہو تو بلاشبہ وہ نرا احمق ہے کہ اس نے اس بات پر ایمان رکھنے کے باوجود کہ مرنے کے بعد کی زندگی حق ہے پھر بھی اپنے مستقبل کی تیاری کے لیے اپنی عقل کو استعمال نہ کیا۔ ❸ ایک اور خطبہ میں لوگوں کو موت اور آخرت کی یاد دلاتے ہوئے آپ کہتے ہیں: ''انسان ہمیشہ کے لیے پیدا کیا گیا ہے لیکن ایک دنیا سے دوسری دنیا کے لیے۔'' چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''بے شک تم لوگ ہمیشہ کے لیے پیدا کیے گئے ہو لیکن تم ایک دار سے دوسرے دار کی طرف منتقل ہو گے۔'' ❹

ایک خطبہ میں فرماتے ہیں: ''اے لوگو! تمہیں دنیا میں ملنے والی مہلت دھوکے میں نہ ڈال دے، تھوڑے عرصہ کی ہی بات ہے کہ تم یہاں سے منتقل کر دیئے جاؤ گے اور تم ایک دوسری دنیا کی طرف کوچ کرو گے۔ اے اللہ کے بندو! تمہیں اللہ کا واسطہ ہے کہ اپنے بارے میں فکر کرو۔ اس سے پہلے کہ موت آ جائے۔ اپنی جانوں کی فکر کی طرف لپکو، تم پر مدت دراز نہ ہو جائے کہ جس سے تمہارے دل سخت ہو جائیں اس قوم کی طرح جنہیں اپنا حصہ پا لینے کی طرف بلایا گیا۔ مگر مہلت ملنے، باوجود وہ اس سے عاجز رہے۔ پس آخرت میں جا کر انہیں اپنی اس درماندگی پر نادم ہونا پڑا۔'' ❺

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے خطبے موت کی یاد اور آخرت کی تیاری کے تذکروں سے معمور ہیں۔ ہم نے بطور نمونہ چند خطبات کو ذکر کیا ہے۔

---

❶ طبقات ابن سعد: ٥/ ٣٤٢
❷ سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ٤٢
❸ التاریخ الاسلامی، ١٥، ١١٨/١٦
❹ الکتاب الجامع لسیرة عمر: ٢/ ٤٤٨
❺ الکتاب الجامع لسیرة عمر: ٢/ ٤٤٩

۳۔ غلط مفاہیم کی تصحیح و اصلاح:

آپ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

''اما بعد! اے لوگو! تمہارا عرصہ حیات کچھ زیادہ دراز نہیں ہے اور نہ قیامت تم لوگوں سے دور ہے۔ پس جس کو بھی موت نے آلیا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ جس دن نہ تو وہ کسی بات کا عذر پیش کر سکے گا اور نہ کسی خوبی میں (نیکی کر کے) اضافہ ہی کر سکے گا۔ سن لو کہ سنت کی مخالفت میں خیر نہیں، رب کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں۔ خبردار! تم لوگ امام کے ظلم سے بھاگنے والے کو نافرمان سمجھتے ہو، حالانکہ ظالم امام نافرمانی کیے جانے کا زیادہ مستحق ہے۔ خبردار! میں ایک ایسی بات کی اصلاح کی کوشش کر رہا ہوں جس پر اللہ ہی مدد کر سکتا ہے، بوڑھے اس بات پر مر گئے، بچے اس پر جوان ہوگئے، عجمی اس میں فصیح ہوگئے اور دیہاتیوں نے اس پر ہجرت کی یہاں تک کہ اس کو دین سمجھ لیا اور اب وہ اس کے علاوہ کو حق ہی نہیں سمجھتے۔''

پھر فرمایا: ''میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس مال و اسباب کی کثرت ہو مگر اس کے حق کے ساتھ، ولا قوۃ الا باللہ۔'' [1]

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس خطبہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ قیامت قریب آ گئی ہے، وہ یوں کہ جو بھی موت کے منہ میں داخل ہوگا اس کی قیامت شروع ہو جائے گی۔ اس لیے آدمی کو چاہیے کہ وہ اس موت کی طرف نظریں جمائے رکھے جو کسی بھی لحہ اچانک آ جائے گی۔ اس وقت آدمی نہ تو اپنے ان برے اعمال کا کوئی عذر پیش کر سکے گا جنہوں نے اس کا اعمال نامہ سیاہ کر رکھا ہوگا اور نہ کوئی نیک عمل کر کے اپنے اعمال نامہ کو روشن ہی کر سکے گا۔ اور وہ ایک ایسے وقت میں پشیمان ہوگا جب یہ پشیمانی بے سود ہوگی کہ اس نے اپنی زندگی کے ان ایام میں کوئی نیک عمل اور سچی توبہ کیوں نہ کی جب وہ توبہ اور عمل صالح کا توشہ اکٹھا کرنے پر قادر تھا۔

پھر آپ نے یہ بیان کیا کہ سلامتی صرف اور صرف اتباع سنت میں ہے۔ اور یہ عمل صالح کے دو بنیادی ستونوں میں سے ایک کا بیان ہے، وہ بنیادی ستون ہیں اخلاص اور اتباع سنت۔ یہاں سے آپ یہ بیان کر رہے ہیں کہ معاشرے کے بگاڑ کی اصلاح اتباع سنت سے ہوگی اور یہ آپ نے اس لیے فرمایا کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زریں دور کے ختم ہونے کے بعد معاشرے میں طرح طرح کی بدعات نے جنم لے لیا تھا اور بعض ان والیوں نے فساد برپا کر رکھا تھا جو ان سنتوں کے درپے تھے جو ان کی خواہشات سے متصادم تھیں۔

اس کے بعد آپ بتلاتے ہیں کہ بدعات کے پھیلاؤ کی روک تھام اور امور کے بگاڑ کی اصلاح کا رستہ

[1] سیرۃ عمر لابن عبدالحکم، ص: ٤٣

کیا ہے، وہ یہ کہ رب کی نافرمانی میں کسی کی اتباع نہیں۔ جب بعض امراء کو ان کے نفس بری امارت کو خوب خوشنما کر کے دکھائیں یا انہیں یہ سمجھائیں کہ وہ دوسروں کو رب کی نافرمانی کا حکم دیں یا ان کے لیے رب کی نافرمانی کے رستے آسان کریں تو یاد رہے کہ رب کی نافرمانی میں ایسے حکام وامراء کی کوئی اطاعت نہیں۔ یوں معاشرے میں بدعات وخرافات کے گھس آنے کے ایک بڑے اور اہم سبب کا ازالہ ہو جائے گا۔ وہ یہ کہ امت کے ذمے رب کی نافرمانی کی بابت امراء کی کوئی اطاعت نہیں۔ لہٰذا جب حکام کی اطاعت کی حدود کو رب کی اطاعت کے ساتھ مربوط کر دیا جائے گا تو معاشرے میں بدعات پھیلانے کی بابت نفسانی خواہشات کی تاثیر ختم ہو جائے گی اور پھر بات چلے گی تو صرف اہل صلاح کی چلے گی۔

اس کے بعد آپ نے یہ بیان کیا کہ یہ جو لوگوں میں معروف ہے کہ جو ظالم امام کے ظلم سے بچنے کے لیے فرار ہو جاتا ہے اسے نافرمان اور گناہ گار سمجھا جاتا ہے، اس نظریے کی شریعت کی نگاہوں میں کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ اس نے تو امام کے ظلم سے بچنے کے لیے محض ایک سبب اختیار کیا ہے۔ معصیت کا مرتکب کہلانے کا زیادہ مستحق تو وہ ہے جو ظلم برپا کرتا ہے۔ ایک خلیفہ ہونے کے ناطے آپ کا یہ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ حظ نفس اور قرابتی عصبیت کے جذبات سے خود کو خالی کر چکے تھے اور آپ کا ہر عمل خالص اللہ کے لیے تھا۔

اس کے بعد آپ ایک ایسے معاشرے کی صورت حال پر بحث کرتے ہیں جس میں عادت اور دین اور سنت و بدعت ایک دوسرے میں ایسے خلط ملط اور گڈ مڈ ہو گئے ہیں کہ لوگ رائج عادات، رسوم، رواج اور جابجا پھیلی بدعات کو ہی دین سمجھنے لگتے ہیں، چنانچہ پھر اسی مختلط ماحول میں معاشرے کے افراد پروان چڑھتے ہیں، نومسلم عجمیوں کی بھی انہی رجحانات پر تربیت ہونے لگتی ہے اور جو اعرابی ہجرت کر کے ایسی مسلم سوسائٹی میں آتے ہیں وہ بھی انہی عادات و بدعات کو دین باور کرنے لگتے ہیں۔ جب کسی مسلم معاشرے کا عرف خلط ملط ہو جاتا ہے تو وہاں چپکے چپکے دبے قدموں جاہلیت کی بعض رسمیں اور عادتیں اسلامی عرف میں سرایت کرنے لگتی ہیں۔ یہ بات مسلم معاشرے کے افراد کو بجا طور پر متاثر کرتی ہے حتی کہ رسوم جاہلیت کی محبت ان کی رگ و پے میں پیوست ہونے لگتی ہے اور اب وہ اپنی خواہشات نفس پر سنت سے زیادہ چلنے لگتے ہیں۔ چاہے وہ خواہشات دین سے کتنی ہی منحرف کیوں نہ ہوں۔

پھر جب ایک مسلم معاشرہ ایسے خلط ملط ماحول کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے تو مصلحین کے لیے اسلامی معاشرتی عرف کو برسوں سے قدم جمائے اور معاشرے کی جڑوں میں بیٹھی ان جاہلی رسومات و عادات سے خلاصی دلانا بے حد کٹھن اور دشوار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اب ہر بگاڑ اور انحراف کے بے شمار اعوان و انصار پیدا ہو چکے ہوتے ہیں جو ان عادات و بدعات کی حفاظت اور نصرت و تائید کے لیے ہر وقت مستعد اور لڑنے

مرنے کو تیار ہوتے ہیں پھر معاشرے کے سب افراد امور کی حقیقت سمجھنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ لہٰذا جب بھی حضرات مصلحین و مبلغین اسلامی عرف کی صفائی اور اسے بدعات کی آلائشوں سے پاک کرنے کی کوشش شروع کرتے ہیں تو ان کے خلاف پروپیگنڈے کا طوفان بدتمیزی کھڑا کردیا جاتا ہے، ان کی اصلاحی کوششوں کو مسخ کرنے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے اور لوگوں میں اپنی موروثی اقدار پر جمے رہنے کی زبردست دعوت چلائی جاتی ہے، مزید برآں یہ کہ برسوں سے چلی آتی ان موروثی رسموں کی بابت لوگوں کی نگاہوں میں ایک گونہ تقدس بھی پیدا ہو چکا ہوتا ہے، جس کا ختم کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ لیکن اس سب کے باوجود جب اصلاحی کوششوں کا آغاز معاشرے کے سب سے ذمہ دار طبقہ سے ہوتا ہے جو مسئولیت کے سب سے بلند درجے پر فائز ہوتا ہے جیسا کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور مسعود میں ہوا تو اس کے نتائج بے حد وسیع اور بہت جلد سامنے آنے لگتے ہیں کیونکہ اس مصلح کبیر پر رب تعالیٰ کی اس نعمت کی بھی ارزانی ہوتی ہے کہ رعایا اس کے امر کی مطیع و فرمانبردار ہوتی ہے۔ لہٰذا جب تک ایسا مصلح رب کی اطاعت پر قائم رہتا ہے اس کی سلطانی قوت معاشرے کے سدھارنے میں مرکزی کردار ادا کرتی رہتی ہے۔ [1]

۴۔ قبائلی عصبیت کا انکار:

آپ نے ضحاک بن عبدالرحمٰن کو خط لکھا کہ:

''میرے خط لکھنے کا سبب یہ ہے کہ میرے سامنے چند دیہاتیوں کے ایک امر کا ذکر آیا ہے جو ایک نئی بات کا حکم دیتے ہیں جس سے ان کی جفا کھل کر سامنے آ گئی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ امر الٰہی کی بابت ان کا علم تھوڑا ہے، وہ لوگ اس امر کی بابت رب کی ذات سے شدید دھوکے میں ہیں، ان لوگوں نے اس امر کی بابت رب کی آزمائش کو بھلانے کی انتہا کردی ہے ان لوگوں نے رب کی اس نعمت کو بدل ڈالا جو ان کے مناسب نہ تھا۔ وہ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مضر اور اہل یمن کے ساتھ محاربہ کھڑا کر رکھا ہے۔ ان کا گمان یہ ہے کہ انہیں دوسروں پر فوقیت حاصل ہے۔

سبحان اللہ! یہ لوگ رب کی نعمت کا شکر ادا کرنے سے کتنا دور ہیں جبکہ ہر قسم کی ذلت و رسوائی اور ہلاکت و بربادی کے کتنے قریب ہیں۔ اللہ ان کا ستیاناس کرے! یہ لوگ کس درجے پر جا اترے ہیں اور کس امان سے نکل گئے ہیں اور کس بات سے جا چمٹے ہیں، لیکن یہ بات مسلّم حقیقت ہے کہ بدبخت اپنی نیت کی بدولت بدبخت بنتا ہے اور اللہ نے جہنم کو بے کار پیدا نہیں کیا ان لوگوں نے رب کی کتاب میں اس کے اس فرمان کو نہیں پڑھا:

[1] التاریخ الاسلامی: ۱۵، ۱۶/ ۱۲۱

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾

(الحجرات : ۱۰)

''مومن تو بھائی ہی ہیں، پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

اور فرمایا:

﴿الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (المائدۃ : ۳)

''آج وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، تمھارے دین سے مایوس ہوگئے، تو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو، آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا، پھر جو شخص بھوک کی کسی صورت میں مجبور کر دیا جائے، اس حال میں کہ کسی گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو تو بے شک اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

مجھے یہ بھی بتلایا گیا کہ بعض لوگ ناجائز قسم کھانے کی ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں اسلام میں ایسی کوئی بات نہیں اور جو قسم جاہلیت میں تھی اسلام نے اس کو اور پختہ کیا۔ پس دو فریق میں سے ایک اس بات کی دوسرے سے امید رکھتا ہے کہ وہ اس کی گناہ گار اور معصیت سے لبریز قسم کی پاسداری کرے اور ایسے معاہدے کی حفاظت کرے جس میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی ہے، یاد رکھو کہ ایسی قسم اٹھاتے ہی اور ایسا معاہدہ کرتے ہی قسم اٹھانے والا اسلام کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔ جو بھی میرا یہ خط سن رہا ہے اور جس تک بھی میرے اس خط کا پیغام پہنچے میں اسے اس بات سے ڈراتا ہوں کہ وہ اسلام کے علاوہ کہیں اور پناہ ڈھونڈے، یا اللہ، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا گہرا دوست اور ہم راز بنائے۔ کہ میں ایسا کرنے سے بے حد ڈراتا ہوں اور بہت زیادہ یاد دلاتا ہوں اور متنبہ کرتا ہوں (کہ وہ ایسا کرنے سے از حد گریز کرے) اور ان پر اس ذات کو گواہ بناتا ہوں جس کی مٹھی میں ہر جاندار کی پیشانی ہے۔ جو اپنے ہر بندے کے اس شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور میں نے تم لوگوں کو خط میں نصیحت کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اس کے باوجود اگر مجھے کسی کے بارے میں اس بات کا علم ہوگیا کہ اس نے میری اس نصیحت کو ترک کر کے انھی عصبیت کے جذبات کو ہوا دی ہے اور وہ اس کے دفاع میں لگا ہے تو اللہ کی مدد سے میں اسے ذلیل کروں گا، چاہے وہ

ایک آدمی ہو یا ایک کنبہ، ایک قبیلہ ہو یا اس سے بھی زیادہ لوگ ہوں۔ میں نے جو نصیحتیں تمہیں لکھ بھیجی ہیں ان کی طرف لوگوں کو بلاؤ کہ یہی سیدھا اور ہدایت کا رستہ ہے جس میں کوئی خفاء نہیں۔ پھر اہل صلاح ونیکی اور اہل ایمان اپنی زبانوں کے ساتھ تیری مدد کریں۔ بے شک اکثر لوگ نہیں جانتے۔ رب تعالیٰ سے استدعا ہے کہ وہ ہمارے دین میں اور ہماری باہمی محبت والفت میں اور آپس کے تعلقات میں بہتری پیدا کرے...... والسلام! ❶

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے اس نہایت اہم خط میں اسلامی معاشرے میں پیدا ہو جانے والی ایک خطرناک اخلاقی برائی کی طرف اشارہ بھی کر رہے ہیں اور اس کا علاج بھی ذکر کر رہے ہیں جو اس وقت خطرات کا بادل بن کر افق اسلام پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ مسلمانوں کی وہ جماعت جن کے دلوں میں ابھی تک اسلام اور ایمان راسخ نہ ہوا تھا اور اسلامی خطوط پر ان کے افکار ونظریات کی تعمیر بھی نہ ہوئی تھی، ان لوگوں نے آپس میں ایسے خاندانی اور قبائلی روابط قائم کر لیے جن کی بنیاد ''جاہلی جذبات'' تھے۔ چنانچہ ایک شخص یا ایک خاندان اٹھ کر دوسرے کا ہر حال میں ساتھ دے گا۔ چاہے معاملہ حق کا ہو یا باطل کا، عدل کا ہو یا ظلم کا۔ اور ہر فریق دوسرے فریق کا اس معاملے میں خیال بھی رکھے گا اور اس کا دفاع بھی کرے گا۔ اور اس کی دعوت بھی دے گا، یوں دونوں فریق اللہ کے لیے آپس میں بھائی بھائی بن جائیں گے۔ جبکہ اس سے پہلے وہ ایک دوسرے کے متحارب دشمن تھے۔ اور وہ اپنی جماعت کے ذریعے دنیا پر حکمرانی کریں گے۔ یہ مسئلہ اس قدر سنگین صورت حال اختیار کر گیا یہاں تک کہ بعض مجاہدین قبائلی دعوت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے برسرپیکار ہو گئے۔ اور یہی باہمی آویزش جہاد سے متاخر ہونے کا سبب بنتی چلی گئی۔ اور مفتوحہ علاقوں کے لوگ بار بار مسلمانوں کے ساتھ عہد شکنی کرنے لگے اور نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ جب بھی ان علاقوں کے کسی قبیلہ کا ایک فرد والی بنتا تو وہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اپنے قریب کرتا، انہیں اپنا مصاحب بناتا، انہیں بھی مضبوط کرتا اور ان کے ذریعے خود بھی طاقتور بنتا۔ یہی اقرباء پروری فتنوں کو جنم دیتی اور دوسرے قبائل کے بغاوت کر دینے کا سبب بنتی۔ اس سب انتشار اور بگاڑ کا سبب فقط ایک امر تھا۔ اور وہ تھا خالص اسلامی روابط کو ترک کرنا جو مسلمانوں کے حق میں ایک عظیم نعمت ہے۔ جس کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہجرت کے بعد حضرات مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ اور اسلامی روابط کی بجائے جاہلی روابط کو اختیار کرنا جس کی قدرے تفصیل مذکورہ بالا سطور میں گزر چکی ہے۔ ❷

❶ سيرة عمر لابن عبدالحكم، ص: ١٠٣ـ١٠٦

❷ التاريخ الاسلامی: ١٥ـ١٦/ ١٢٤

۵۔ لوگوں کو اپنے احترام میں کھڑے ہونے سے منع کرنا:

آپ کے والی بننے کے بعد لوگ آپ کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ''اے مسلمانوں کی جماعت! اگر تم کھڑے ہو گے تو ہم بھی کھڑے ہوں گے اور اگر تم بیٹھو گے تو ہم بھی بیٹھیں گے۔ بے شک لوگ اللہ رب العالمین کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، اللہ نے فرائض اور سنن کو مقرر کیا ہے جو ان کو اختیار کرے گا وہ منزل کو پہنچ جائے گا اور جو ان کو چھوڑے گا وہ مٹا دیا جائے گا۔'' ❶

آپ نے دراصل اس موروثی عادت کا خاتمہ کیا جو قیصر و کسریٰ کی نقالی میں مسلمان والیوں نے اختیار کی تھی، آپ نے اس بات کا پختہ ارادہ کیا کہ امت کو حضرات خلفائے راشدین کے منہج پر واپس لے آئیں۔ اس وقت آپ کو دو قوی محرکات کا سامنا تھا جو آپ کو اس بات پر مجبور کر رہے تھے کہ آپ خاندانی مظاہر، شاہی ناز نخروں اور شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ میں ان کا ساتھ دیں۔ ایک محرک یہ تھا کہ گزشتہ حکمرانوں کی طرح عوام اور رعایا کے دلوں میں حکومتی اور ریاستی رعب و دبدبہ قائم کیا جائے۔ جبکہ دوسرا محرک یہ تھا کہ آپ کا خاندان آپ پر اس بات کا بے حد اصرار کر رہا تھا کہ ان کی گزشتہ شاہ خرچیوں اور عیاشیوں کو اس طرح باقی رکھا جائے۔ آپ نے ان دونوں محرکات کا نہایت جرأت اور حوصلے کے ساتھ مقابلہ کیا۔ رب تعالیٰ کا خوف اور اس کے اجر و ثواب کی رغبت نے آپ کو اس عاجزی اور انکساری پر ابھارا چنانچہ آپ نے اپنے لیے لوگوں کا کھڑا ہونا ہرگز پسند نہ کیا۔ آپ کو ہر وقت آخرت کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔

آپ نے دنیاوی مستقبل کے لیے کبھی افراط و تفریط کا رستہ اختیار نہ کیا تھا۔ مال و دولت کے پرکشش مظاہر بھی آپ کی فکر آخرت پر غالب نہ آسکے۔ آپ نے خواہشات نفس کو لگام دے دی اور اپنے زاہدانہ رویے سے عیش و عشرت کے دلدادہ افرادِ خانہ کی زبانیں گنگ کر دیں۔ حتیٰ کہ کسی کو آپ پر حرف گیری کا موقع نہ ملا، آپ نے معاشرے کے غلط انداز فکر کو بدلا اور سمجھایا کہ عوام اور حکمرانوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیے اور خود حکمران طبقہ کی ذمہ داریاں کیا ہیں اس کو خوب واضح کیا۔

آپ کا یہ کہنا کہ اللہ نے چند فرائض مقرر کیے ہیں، دراصل یہ دنیا و آخرت کی حقیقی سعادت و شقاوت کے اساسی سبب کا بیان ہے۔ چنانچہ جو ان فرائض کی پابندی کرے گا وہ صلحاء اور متقین کے قافلہ سے جا ملے گا اور ان کے اکرام و اعزاز میں سے اسے بھی حصہ ملے گا اور روز قیامت اس خوش بخت جماعت کو رب رحمان کی رضا و رضوان اور جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ ان کا انجام نیک اور باعزت ہوگا۔ ❷

---

❶ تاریخ دمشق نقلا عن التاريخ الاسلامی: ۱۵/ ۱۱۴

❷ التاريخ الاسلامی: ۱۵، ۱۶/ ۱۱۵

٦۔ اہل علم وفضل کی عزت وتوقیر:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ سیّدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کا بیٹا سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ملنے آیا۔ جب آپ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تو اس نے فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے:

''میں اس شخص کا بیٹا ہوں جس کی آنکھ اپنے حلقے سے نکل کر رخساروں پر آ گری تھی۔ اور اس آنکھ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ اسے حضرت رسالت مآب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے دوبارہ اپنی جگہ پر اور بے حد احسن طریقہ سے رکھ دیا گیا۔ پھر وہ آنکھ بالکل پہلے کی طرح ہوگئی۔ پس کیا بات ہے اس آنکھ کے حسن کی اور کیا خوبی ہے اس کے دوبارہ اپنی پہلی جگہ پر رکھے جانے کی۔''

اس پر آپ نے بھی یہ شعر پڑھا:

''یہ اخلاق دودھ کے وہ دو پیالے نہیں جو پینے کے بعد پیشاب بن جاتے ہیں۔''

اس کے بعد آپ نے ان کا بے حد اکرام واعزاز کیا اور انہیں انعام سے نوازا۔ [1]

اس واقعہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بلند اخلاق کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ معلوم ہوتے ہی کہ وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے فرزندِ ارجمند ہیں آپ نے ان کے اکرام واعزاز کی انتہا کردی۔ کیونکہ آپ اہل فضل کی بے انتہا عزت کرتے تھے اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ آپ نے یہ واقعہ سن کر کہ سیّدنا قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی ایک آنکھ کافروں کے ہاتھوں زخمی ہوکر باہر نکل آئی تھی، اس بات کا بخوبی اندازہ کرلیا تھا کہ سیّدنا قتادہ رضی اللہ عنہ کیسے بہادر اور مرد میدان مجاہد تھے اور کیسے دشمنوں کی صفوں میں گھس کر قتال کرتے تھے۔ اور دشمنوں کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر لڑتے تھے، تبھی تو کسی نامراد کا اوچھا وار پڑنے پر آنکھ اپنے حلقے سے باہر آ گئی تھی۔ بھلا دور رہ کر جنگ کا منظر دیکھنے والے کے بدن پر خراش تک بھی آ سکتی ہے؟ ایسے زخم انہیں ہی لگتے ہیں جو سینہ سپر ہوکر اور جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمنوں کی صفوں میں دیوانہ وار جا گھستے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے اس معجزہ کے ظہور کی سعادت بھی ملی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آنکھ کو اپنی جگہ واپس رکھنے سے وہ بنا کسی دوا دارو اور علاج معالجہ کے بالکل تندرست ہوگئی۔ [2] غرض ان پہلوؤں کو سوچ کر آپ کو سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ کی عزت و بزرگی اور شرافت و کرامت کا بے حد احساس ہوا، جس کا اثر آپ کے اس حسن سلوک سے ظاہر ہوا جو آپ نے ان کے بیٹے کے ساتھ کیا۔

اسی طرح ایک دفعہ زیاد مولی ابن عیاش اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ آپ سے ملنے آئے انہوں نے داخل ہونے کی اجازت مانگی تو آپ نے صرف زیاد کو داخل ہونے کی اجازت دی۔ زیاد اندر گئے، سلام کیا

[1] سیرۃ عمر لابن الجوزی، ص: ٩٦

[2] التاریخ الاسلامی: ١٥، ١٦/ ٢٣

اور ''امیر المومنین'' کہنا بھول گئے۔ یاد آنے پر ان الفاظ کے ساتھ دوبارہ سلام کیا، السلام علیک یا امیر المومنین! اس پر آپ نے زیاد سے فرمایا تمہارے پہلے والے سلام سے مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا، اس کے بعد آپ اپنی جگہ سے اتر کر زمین پر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا: ''مجھ پر یہ بات بے حد گراں ہے کہ میں ایک ایسی جگہ بیٹھوں جو زیاد سے اونچی ہو، پھر زیاد نے آنے کی غرض بتلائی اور چل دیئے۔ آپ نے خزانچی سے ارشاد فرمایا کہ زیاد کے لیے بیت المال کا دروازہ کھول دو تا کہ زیاد اور اس کے ساتھی جو ضرورت ہو وہ لے لیں۔ یہ سن کر خزانچی نے زیاد کی طرف حقارت بھری نظروں سے دیکھا کہ بھلا اس جیسے آدمی کے لیے خزانہ کا منہ کھول دیا جائے اور اسے خزانے پر مسلط بھی کر دیا جائے تا کہ وہ جو چاہے بلا روک ٹوک لے لے۔ خزانچی زیاد کے مقام و مرتبہ سے ناآشنا تھا بہر حال اس نے امتثال امر میں ان کے لیے بیت المال کا دروازہ کھول دیا اور زیاد اور ان کے ساتھی اندر داخل ہوئے لیکن اس وقت اسکی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ ان سب لوگوں اسی یا نوے درہم سے زیادہ کچھ نہیں لیا۔ تب خزانچی خود سے گویا ہو کر کہنے لگا کہ ''امیر المومنین ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ کس کو بیت المال پر مسلط کریں۔'' [1]

یہ واقعہ بتلاتا ہے کہ آپ علماء ربانی کے آگے کس قدر عاجزی اور انکساری کے ساتھ پیش آتے تھے۔ چنانچہ اوّل جب زیاد آپ کو خلیفہ کہنا بھول گئے تو آپ نے اس کی مطلق پروانہ کی۔ حالانکہ یہ مسلمانوں کے نزدیک سب سے اعلیٰ لقب تھا اور یہی تو وہ منصب تھا جس پر بیٹھ کر وہ لوگ جو دنیاوی جاہ و مرتبہ کے دھوکے میں گرفتار ہوتے ہیں متعدد فتنوں کے جال میں پھنستے چلے جاتے ہیں لیکن جن کا ایمان قوی ہوتا ہے ان کی شخصیت عہدہ و منصب کے بدلنے سے بدل نہیں جاتی۔ بلکہ ان کی عاجزی وانکساری پہلے کی طرح باقی رہتی ہے بلکہ لوگوں کے احترام کے مقابلہ میں بسا اوقات اس عاجزی میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔

دوم آپ اپنی جگہ سے نیچے اتر آئے تا کہ زیاد جیسے عالم ربانی سے ظاہری مقام و مرتبہ میں بھی اونچے نہ رہیں جو حضرت عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے اس عالم کے موالی میں سے ہونے کے باوجود ان کے مرتبہ کو نہ گھٹایا، کیونکہ اعتبار تقویٰ اور علم کا ہے نا کہ نسبی و خاندانی شرافتوں کا۔ پھر اس عالم ربانی کا کریمانہ رویہ بھی ملاحظہ کیجئے کہ بیت المال پر آزادانہ تصرف مل جانے کے باوجود انہوں نے اسی یا نوے درہم کی معمولی رقم سے زیادہ کچھ نہ لیا حالانکہ وہ چاہتے تو خلیفہ کی اجازت سے اس سے بھی زیادہ لے سکتے تھے۔ بے شک یہ زہد و ورع کی ایک بے حد بلند مثال ہے۔ جب نفس اونچے اور عقلیں پختہ ہوں تو وہ اس دنیا کو لینے سے استغناء برتتی ہیں جس کے حصول کی دوڑ میں ناقص عقلیں اور چھوٹے نفس لگے ہوتے ہیں اور ان پختہ عقلوں اور تربیت یافتہ نفسوں کا مطمع نظر آخرت کی وہ ابدی نعمتیں ہوتی ہیں جن کے پانے کی دوڑ

---

[1] سیرۃ عمر لابن عبد الحکم، ص:۵۳

میں اونچے اور بڑے اخلاق کے لوگ لگے ہوتے ہیں۔ [1]

۷۔ آدمی کا مرتبہ اس کی دو چھوٹی چیزوں کی بنا پر ہوتا ہے ایک دل اور دوسری زبان:

اہل حجاز کا ایک وفد جس میں ایک نوجوان لڑکا بھی تھا۔ آپ کو خلافت کی مبارک دینے آیا۔ وفد نے طے کیا کہ بات یہ نوجوان لڑکا کرے گا۔ چنانچہ جب اس نے گفتگو شروع کی تو آپ نے فرمایا ''اے لڑکے! ذرا ٹھہرا! اگر تم سے بڑی عمر کا کوئی آدمی بات کرے تو زیادہ مناسب ہوگا۔'' اس پر وہ لڑکا بولا ''امیر المومنین! آدمی کا مرتبہ اس کی دو چھوٹی چیزوں دل اور زبان کی وجہ سے ہوتا ہے جب اللہ کسی کو بولنے والی فصیح زبان اور یاد کرنے والا دل دے دے تو بے شک بات کرنے کا زیادہ مستحق وہی ہے۔ امیر المومنین! اگر بڑائی عمر کی بنا پر ہوتی تو امت میں آپ سے بڑی عمر کے لوگوں کی کمی نہ تھی۔ (یعنی تخت خلافت پر بیٹھنے کا آپ سے زیادہ مستحق وہ ہوتا جو عمر میں آپ سے بڑا ہوتا۔) [2]

یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے اے لڑکے! تم ہی بات کرو، بولو کیا کہتے ہو۔'' لڑکا اجازت ملنے پر کہنے لگا، جی! امیر المومنین! ہم مبارک دینے آئے ہیں نا کہ کسی مصیبت کی دہائی دینے یا ظلم کی فریاد کرنے آئے ہیں۔ ہم اس اللہ کی تعریف کرتے ہیں جس نے آپ کو ہمارا خلیفہ بنا کر ہم پر احسان کیا۔ ہم کسی چیز کی تمنا یا کسی بات کے ڈر سے نہیں آئے کہ ہماری مرادیں خود ہمارے دروازوں تک آ پہنچی ہیں تو رغبت کس بات کی۔ اور آپ کے عدل نے ہمیں ظلم وستم سے امان دے دی، تو ڈر کس بات کا [3] (غرض ہمارے آنے کی وجہ ان دونوں باتوں میں سے کچھ بھی نہیں کہ یہ دونوں باتیں ہمیں یہاں آئے بغیر ہی مل گئی ہیں۔)

آپ کو اس نوجوان کی فصاحت بے حد پسند آئی۔ آپ اس کے علم اور صواب رائے سے بے حد متاثر ہوئے۔ چنانچہ آپ نے اس لڑکے کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے اور اس میں زیاد خود اعتمادی پیدا کرنے کے لیے اس لڑکے سے کچھ نصیحت کرنے کو کہا تا کہ خلیفہ کے سامنے اسے اور بھی زیادہ سیکھنے کا موقعہ ملے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: ''اے لڑکے! ہمیں کچھ نصیحت کرو ہاں بات مختصر کرنا۔'' لڑکا بولا: اے امیر المومنین! ٹھیک ہے! (تو سنیے!) بعض لوگوں کو رب کی بردباری، طول امل اور لوگوں کی بے جا تعریف نے دھوکے میں ڈال دیا۔ پس آپ کو رب کی بردباری، طول امل اور لوگوں کی بے جا تعریف دھوکے میں نہ ڈالے کہ کہیں آپ کا قدم پھسل نہ جائے۔''

پھر آپ نے لڑکے کو نگاہ بھر کے دیکھا تو وہ مشکل سے چودہ پندرہ سال کا تھا۔ اس پر آپ نے برجستہ یہ شعر پڑھا ''اے لڑکے! علم حاصل کر کہ کوئی باپ عالم نہیں جنتا (علم تو سیکھنا پڑتا ہے نا کہ کوئی مادر زاد

---

[1] التاریخ الاسلامی: ۱۵/ ۲٤ [2] النموذج الاداری، ص: ۷۹

[3] مروج الذهب: ۳/ ۱۹۷

عالم ہوتا ہے) اور علم والا اس جیسا نہیں جو جاہل رہ جائے۔ اور قوم کے جس بڑے کے پاس علم کی دولت نہیں ہوتی وہ لوگوں کی محفلوں میں جا کر چھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ [1]

۸۔ ایک مسکین مصری عورت کی فریاد:

سیّدنا عمر رحمہ اللہ لوگوں کے احوال کی خبر گیری رکھتے تھے اور اس غرض کے لیے آپ کے دروازے ہر وقت اور ہر ایک کے لیے کھلے رہتے تھے تا کہ آپ لوگوں کے احوال سنیں۔ اسی غرض کے لیے آپ نے ہر شخص کو اس بات کی اجازت دی تھی کہ وہ اپنی شکایت لکھ کر سرکاری ڈاکیے کے ذریعے آپ تک پہنچا سکتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ مصر کا ڈاکیا سرکاری ڈاک لے کر نکل رہا تھا کہ ایک فرتونہ نامی حبشن باندی نے جو ''ذی اصبح'' کی آزاد کردہ کنیز تھی، اپنا ایک خط اس کے حوالے کیا۔ اس نے خط میں یہ لکھا تھا کہ میرے گھر کی دیوار چھوٹی ہے جس بنا پر چور میری دیوار پھلانگ کر میری مرغیاں چرا جاتا ہے۔'' فرتونہ کا خط پڑھ کر آپ نے اسے جواب میں یہ لکھا:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے امیر المومنین کی طرف سے فرتونہ حبشن کے نام جو ذی اصبح کی آزاد کردہ باندی ہے، میرے پاس تیرا خط پہنچا جس میں تم نے ذکر کیا تھا کہ تمہارے گھر کی دیوار چھوٹی ہے جس بنا پر چور تیری دیوار پھلانگ کر تیری مرغیاں چرا جاتے ہیں۔ تو جان لو کہ میں نے ایوب بن شرحبیل کو تمہارے بارے میں خط لکھ دیا ہے (ایوب مصر کا والی اور امور جنگ کا ذمہ دار تھا) اور میں نے اسے یہ حکم بھی دے دیا ہے کہ تیری دیوار کو اتنا مضبوط اور اونچا کر دے کہ چور اندر نہ گھس سکے اور تمہیں چور کا ڈر نہ رہے...... ان شاء اللہ''

اور خود ایوب بن شرحبیل کو یہ خط لکھا: ''اللہ کے بندے امیر المومنین کی طرف سے ابن شرحبیل کے نام، امابعد! مجھے ذی اصبح کی آزاد کردہ باندی فرتونہ نے خط لکھ کر بتلایا ہے کہ اس کے گھر کی دیوار چھوٹی ہے جس بنا پر چور اس کی مرغیاں چرا جاتے ہیں۔ اس نے مطالبہ کیا ہے کہ اس کی دیوار کو محفوظ اور مضبوط بنایا جائے۔ جب تمہیں میرا یہ خط پہنچے تو تم سوار ہو کر خود اس کے پاس جاؤ اور اس کی دیوار کو اپنی نگرانی میں مضبوط کرواؤ۔''

چنانچہ خط ملتے ہی ایوب سوار ہو کر جیزہ پہنچے۔ اس فرتونہ نامی عورت کے بارے میں لوگوں سے پوچھا یہاں تک کہ اسے ڈھونڈ نکالا، کیا دیکھا کہ وہ تو ایک مسکین حبشن ہے، پس ایوب نے اسے بتلایا کہ امیر المومنین نے مجھے خط لکھ کر اس بات کا حکم دیا کہ میں تیرے گھر کی دیوار کو اونچا اور مضبوط کروں۔ پھر ایوب نے اپنی نگرانی میں یہ سارا کام پورا کروایا۔ [2]

۹۔ فدیہ دے کر قیدیوں کو چھڑانے کا اہتمام:

آپ نے قسطنطنیہ کے قیدیوں کو یہ لکھ بھیجا:

[1] النموذج الاداری، ص: ۹۸ [2] سيرة عمر لابن عبدالحكم، ص: ۱۶۳۔۱۶۴

''امابعد! تم لوگ خود کو قیدی سمجھتے ہو معاذ اللہ! یہ بات ہرگز نہیں بلکہ تم تو اللہ کے رستے میں روکے گئے ہو۔ جان لو کہ میں جب بھی رعایا میں کوئی چیز تقسیم کرتا ہوں تو تم لوگوں کے اہل خانہ کو دوسروں سے زیادہ اور دوسروں سے عمدہ چیز دیتا ہوں۔ میں نے تمہاری طرف (فی کس) پانچ دینار بھیجے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ اگر میں نے رقم زیادہ کر دی تو بجائے تم لوگوں تک پہنچانے کے یہ سرکش رومی زیادہ رقم دیکھ کر اسے خود اپنے پاس رکھ لیں گے تو میں تم لوگوں کی یہ رقم اور زیادہ کر دیتا میں نے فلاں بن فلاں کو بھیجا ہے جو تمہارے چھوٹے بڑے، مرد عورت اور آزاد غلام سب کا منہ مانگا فدیہ دے کر تمہیں آزاد کرائے گا۔ پس تمہیں خوش خبری ہو، پھر خوش خبری ہو...... والسلام علیکم [1]

اس خط میں ایک طرف سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بلند اخلاق کا ایک عمدہ نمونہ نظر آتا ہے تو دوسری طرف آپ کے مسئولیت کے زبردست احساس کو بھی اجاگر کرتا ہے جو ایک مسلمان حاکم میں اعلیٰ درجہ پر ہونا چاہیے۔ جس کو اپنی رعایا کی بابت رب کا خوف ہو اور وہ ان کے حقوق کی بابت پورے اخلاق اور امانت کے ساتھ رب تعالیٰ کا تقویٰ رکھتا ہو۔ چنانچہ آپ نے روم میں پھنسے مسلمان قیدیوں کی غمگساری کرتے ہوئے انہیں اسلامی سرحدات پر پہرہ دینے والے مسلمان مجاہدین کے ساتھ تشبیہ دی۔ اور انہیں تسلی دی کہ تم لوگوں کو راہ خدا میں سرحدوں پر پہرا دینے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ پھر اس معنوی غمگساری کے ساتھ ساتھ ان کی مالی ہمدردی بھی کی۔ چنانچہ ان کے غم میں تخفیف کرنے کے لیے انہیں دینار بھیجے۔ اور انہیں یہ بتلا کر ان کے دل کے غم کو اور بھی ہلکا کر دیا کہ آپ ان کے گھروں کی پوری پوری مالی کفالت کر رہے ہیں، ان کے پیچھے ان کے اہل خانہ کو کسی قسم کی مالی پریشانی لاحق نہیں۔ پھر ان سب سے اس بات کا وعدہ بھی کیا کہ بہت جلد آپ ان سب کو فدیہ دے کر قید سے چھڑا بھی لیں گے۔ یقیناً جو لوگ اپنی جانوں کو لے کر اسلام کی نصرت وحمایت اور حفاظت وصیانت کے لیے نکلے تھے۔ وہ ایسے ہی کریمانہ سلوک کے مستحق تھے۔ [2]

۱۰۔ مقروضوں کا قرض ادا کرنا:

آپ نے اپنے عاملوں کو یہ بھی لکھ بھیجا کہ وہ مقروضوں کا قرض ادا کریں۔ اس پر ایک عامل نے آپ سے یہ پوچھا کہ اگر ایک شخص کا اپنا گھر ہو، پھر اس کا خادم اور گھر کا اثاثہ اور گھوڑا بھی ہو تو کیا ایسے مقروض کا قرض بھی ادا کر دیں۔ آپ نے اس سوال کا یہ جواب لکھ بھیجا: ''ہر مسلمان کے پاس سر چھپانے کی جگہ ہونا ضروری ہے اور گھریلو کام کاج کے لیے ایک خادم ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں اور جہاد کی غرض سے گھوڑا تو ہر ایک کے پاس ضرور ہونا چاہیے، روزمرہ کا ساز وسامان بھی ناگزیر ہے۔ اس سب کے باوجود بھی اگر ایک

[1] سیرۃ عمر لابن عبدالحکم، ص: ۱۶۳۔ ۱۶۴

[2] التاریخ الاسلامی: ۱۵/ ۷۷.

شخص مقروض ہے تو اس کا قرضہ ضرور ادا کر دو۔ ❶

اس خط میں آپ حکم دے رہے ہیں کہ مقروض چاہے گھر بار، نوکر چاکر اور سواری کا مالک بھی ہو تب بھی اس کا قرضہ ادا کر دو بے شک یہ شفقت و رحمت، ہمدردی و غمگساری کا عظیم مظہر اور نمونہ ہے۔ اور یہ خط بتلاتا ہے کہ آپ کو رعایا کے امور کا کس قدر اہتمام تھا۔ عدل گستر اور انصاف پر اور امراء و حکام امت کے اموال کے ساتھ یہ رویہ اختیار کرتے ہیں کہ وہ ان اموال کے ذریعے فقیر کو غنی اور بے دست کو طاقتور بنا دیتے ہیں، اس کے ذریعے قیدیوں کو چھڑاتے ہیں، تنگدستوں کے قرض ادا کرتے ہیں اور بے بس کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ ❷

۱۱۔ رومیوں کے ہاں قید ایک اندھے قیدی کی خبر گیری

ایک موقعہ پر آپ نے روم کے حاکم کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ واپسی پر وہ قاصد روم کا چکر لگاتا ہوا آیا، ایک بستی کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز آئی۔ وہ چکی بھی پیس رہا تھا۔ قاصد نے اس کے پاس جا کر سلام کیا مگر اس نے جواب نہ دیا۔ قاصد نے دوبارہ اور سہ بارہ سلام کیا مگر اس شخص نے کوئی جواب نہ دیا۔ قاصد نے پھر سلام کر کے کہا کہ میں اس جگہ امان لے کر آیا ہوں، میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قاصد ہوں، تمہارا کیا معاملہ ہے؟ وہ بولا ''میں فلاں فلاں جگہ سے گرفتار کیا گیا، پھر مجھے حاکم روم کے پاس پیش کیا گیا، اس نے مجھے نصرانی بن جانے کو کہا تو میں نے نصرانی بننے سے انکار کر دیا۔'' اس پر حاکم روم نے کہا کہ اگر تم نصرانی نہ بنو گے تو ہم تیری آنکھوں میں سلائی پھیر کر تمہیں ہمیشہ کے لیے نابینا کر دیں گے۔'' میں نے دین کی خاطر آنکھوں کو قربان کر دیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے میری آنکھوں میں سلائی پھیر کر مجھے یہاں بھیج دیا ہے۔ اب روزانہ وہ میرے پاس گندم اور کھانا بھیجتے ہیں، چنانچہ گندم مجھے پیسنی ہوتی ہے اور کھانا میں کھا لیتا ہوں۔''

قاصد نے لوٹ کر یہ سارا قصہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے گوش گزار کر دیا۔ قاصد کہتا ہے جب میں سارا ماجرا سنا چکا تو دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے جن سے آپ کی داڑھی اور دامن تک تر ہو گیا تھا۔ پھر آپ نے رومی حاکم کو یہ خط لکھا:

> ''امابعد! مجھے فلاں بن فلاں کے بارے میں اس اس بات کا علم ہوا ہے۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر تم نے اسے میرے پاس نہ بھیجا تو میں تیری سرکوبی کے لیے ایسا لشکر روانہ کروں گا جس کا پہلا دستہ تیرے پاس تو آخری دستہ میرے پاس ہوگا۔''

قاصد جب یہ خط لے کر رومی حاکم کے پاس پہنچا تو اس نے جلدی دوبارہ آنے کی وجہ پوچھی قاصد نے

❶ سيرة عمر لابن عبدالحكم: ص١٦٣، ١٦٤. ❷ التاريخ الاسلامي: ١٥/ ٧٧.

سیّدنا عمر رحمہ اللہ کا خط اسے تھما دیا۔ خط پڑھ کر حاکم بولا: ہم اس نیک آدمی کو ایسا نہیں کرنے دیں گے بلکہ اس نابینا کو اس کے حوالے کریں گے۔" قاصد کہتا ہے کہ "میں اس نابینے کے بازیاب ہونے کے انتظار میں وہیں ٹھہر گیا۔ پھر ایک دن میں نے رومی حاکم کو دیکھا کہ وہ افسردہ چہرے کے ساتھ تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھا ہے۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگا "جانتے ہو میں اس طرح کیوں بیٹھا ہوں؟ میں نے کہا "نہیں۔" اور یوں ظاہر کیا کہ جیسے میں نے کچھ اندازہ نہیں کیا۔ بولا، "مجھے کہیں سے یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ خدا کا نیک بندہ (یعنی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ) فوت ہوگیا ہے۔ میں اسی کے غم میں زمین پر بیٹھا ہوں۔" پھر کہنے لگا: "بے شک رب کا کوئی نیک بندہ جب برے لوگوں میں ہوتا ہے تو وہ ان میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرتا حتیٰ کہ انہیں چھوڑ جاتا ہے۔" رومی حاکم کا جواب سن کر میں نے اس سے واپس جانے کی اجازت مانگی۔ کیونکہ اب میں اس بات سے مایوس ہوگیا تھا کہ وہ اس نابینا کو میرے ساتھ روانہ کرے گا، اس پر رومی حاکم بولا، "میں ایسا ہرگز نہ کروں گا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی جس بات کو اس کی زندگی میں تسلیم کرلیا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد اس سے پیچھے ہٹ جاؤں۔" چنانچہ رومی حاکم نے وہ نابینا میرے ساتھ کر دیا اور میں اس کے ساتھ واپسی کے لیے چل پڑا۔ [1]

۱۲۔ ایک عراقی عورت کا قصہ جس کی بیٹیوں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا گیا

ایک عراقی عورت آپ کو ملنے آئی۔ جب وہ دروازے پر پہنچی تو پوچھا کہ "کیا امیر المومنین کا کوئی دربان بھی ہے؟" لوگوں نے بتلایا نہیں۔ لہٰذا اگر تم چاہو تو اندر چلی جاؤ۔ اس پر وہ عورت آپ کی اہلیہ فاطمہ بنت عبدالملک کے پاس چلی گئی۔ وہ اس وقت گھر میں بیٹھی چرخہ کات رہی تھیں۔ عورت نے سلام کیا۔ فاطمہ نے سلام کا جواب دے کر اندر آنے کو کہا۔ جب عورت بیٹھ گئی تو گھر بھر میں نظر دوڑائی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی امیر المومنین کے گھر میں قابل ذکر کوئی چیز نہ تھی۔ پھر بولی: "میں تو اس لیے آئی تھی کہ شاید یہاں سے کچھ مل جائے جس سے میں اپنے گھر کی حالت سدھار لوں مگر یہ گھر تو میرے گھر سے بھی خستہ حال ہے۔" اس پر فاطمہ بولیں: "تیرے جیسی عورتوں کے گھروں کو آباد کرتے کرتے اس گھر کا یہ حال ہوگیا ہے۔" یہ گفتگو چل رہی تھی کہ آپ تشریف لے آئے اور گھر کی دیوار کے پاس بنے کنویں کے پاس تشریف لے گئے اور اس میں سے پانی نکال کر پاس پڑی مٹی کا گارا بنانے لگے۔ گارا بناتے ہوئے آپ بار بار اپنی اہلیہ فاطمہ کی طرف بھی دیکھتے رہے۔ اس پر وہ عراقی عورت کہنے لگی "بی بی! اس مزدور سے پردہ کرو، وہ بار بار تمہیں دیکھے جا رہا ہے۔" فاطمہ بولیں: "گھبراؤ نہیں! یہ مزدور نہیں بلکہ امیر المومنین (اور میرے خاوند) ہیں۔" گارا بنانے کے بعد آپ سلام کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اور اندر بچھے مصلے کے پاس تشریف لے گئے۔ پھر فاطمہ سے آنے والی عورت کا پوچھا۔ فاطمہ نے بتلا دیا کہ عراق سے کوئی ضرورت مند عورت آئی ہے، پھر آپ

---

[1] سيرة عمر لابن عبدالحكم: ص ١٦٨.

نے پاس رکھا ایک ٹوکرا اٹھایا جس میں کچھ انگور تھے۔ آپ اس میں سے انگور کے اچھے اچھے دانے چن کر فاطمہ کو دیتے رہے۔ پھر اس عراقی عورت کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''بی بی بتلاؤ تمہاری کیا حاجت ہے؟ بولی: ''عراق سے آئی ہوں، پانچ بیٹیاں گھر میں بیٹھی ہیں، شریف زادیاں ہیں اور کوئی ان کا سرپرست نہیں آپ کے پاس فریاد لے کر آئی ہوں کہ ان پر کوئی نظر شفقت کیجئے۔'' یہ سن کر آپ رونے لگے۔ پھر آپ نے کاغذ قلم لیا اور والی عراق کو خط لکھنے لگے۔ چنانچہ پوچھا: ''سب سے بڑی بیٹی کا نام بتلاؤ، اس نے نام بتلایا تو آپ نے اس کے نام کا ایک وظیفہ لکھ دیا۔ عورت نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے الحمد للہ کہا۔ اس طرح دوسری اور تیسری بیٹی کی دفعہ بھی ہوا۔ آپ نام پوچھتے وہ نام بتلاتی تو آپ اس کا وظیفہ لکھ دیتے جس پر وہ عورت الحمد للہ کہہ دیتی۔ جب آپ نے چوتھی بیٹی کا نام پوچھنے کے بعد اس کا وظیفہ لکھا تو وہ عورت فرط مسرت سے گھبرا کر آپ کو دعا دینے لگی۔ اس پر آپ نے قلم اٹھا لیا اور فرمایا: ''ہم ان لڑکیوں کے لیے وظیفہ مقرر کرتے رہے کیونکہ تم اس ذات کی حمد کرتی رہی جو حمد کی اہل ہے۔ (اب جب کہ تم نے اس ذات کی بجائے میری حمد بیان کرنی شروع کر دی ہے تو ہم تمہاری پانچویں بیٹی کے لیے کوئی وظیفہ مقرر نہ کریں گے) اس لیے تم اپنی ان چار بیٹیوں سے کہو کہ وہ اپنے اپنے وظیفہ میں سے اس کو بھی کچھ دے دیا کریں۔''

وہ عورت آپ کا یہ خط لے کر عراق پہنچی اور اسے والی کے سپرد کیا۔ والی وہ خط لے کر زار و قطار رونے لگا اور بولا ''اللہ اس خط لکھنے والے پر رحم کرے۔'' اس پر وہ عورت بولی ''کیا ان کا انتقال ہو گیا ہے؟'' والی نے کہا ''ہاں!'' اس پر وہ بھی بے قرار ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی (اور سمجھی کہ شاید اب میری بیٹیوں کو وظیفہ جاری نہ ہوگا)۔ والی عراق نے اس کی بے قراری دیکھ کر کہا ''گھبراؤ نہیں، میں ان کے حکم نامے کی کسی بات کو ردّ نہ کروں گا۔'' چنانچہ والی عراق نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے فرمان کے مطابق اس کی چاروں بیٹیوں کے لیے وظیفہ جاری کر دیا۔ [1]

۱۳۔ سنت عطاء کا زندہ کرنا

آپ نے فرمایا:

> ''تمہارے لیے اپنے مردہ پیدا ہونے والے بچوں کے لیے کچھ لینا حلال نہیں۔ پس تم ہمیں لکھ بھیجو ہر اس بچے کے بارے میں جو زندہ پیدا ہوا ہے اور ابھی تک اس کی ماں حالت نفاس میں ہے تو ہم اس کا وظیفہ مقرر کر دیں گے۔'' [2]

ابن سعد کی ایک روایت میں ابوبکر بن حزم کا قول ہے وہ کہتے ہیں: ''ہم قیدیوں کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے خط کے مطابق وظائف دیا کرتے تھے، آپ نے مجھے یہ خط لکھا تھا کہ ''جو ابھی ابھی

---

[1] سیرۃ عمر لابن عبدالحکم: ۱۶۹.
[2] طبقات ابن سعد: ۵/ ۳۴۶.

غائب ہوا ہو (اور اس کے لوٹنے کی بھی امید ہو) تو اس کا وظیفہ مقرر کر دو اور جس کے لوٹنے کی امید نہ ہو اس کا وظیفہ بند کر دو یہاں تک کہ لوٹ آئے یا اس کے مرنے کی خبر آ پہنچے یا وہ تمہارے پاس ایک وکیل بھیجے جو گواہوں سے ثابت کر دے کہ وہ ابھی تک زندہ ہے تو اس کا وظیفہ اس کے وکیل کو دے دو۔'' ❶

دراصل آپ نے وظائف کی بابت اس اسلامی طریقہ کو زندہ کیا تھا جو حضرات خلفائے راشدین مہدیین اور سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے دورِ مسعود میں رائج تھا، لیکن افسوس کہ بعد میں یہ طریقہ ناپید ہو گیا اور سرکاری وظائف سے صرف خاص خاص لوگوں کو نوازنے کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ چنانچہ بنو امیہ تنخواہوں کی مد میں بے پناہ وظائف لیتے تھے۔ لیکن سیّدنا امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے آ کر یہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا کہ ان وظائف میں امت مسلمہ کے سب افراد کو شامل کیا۔ بلا شبہ یہ آپ کا زبردست تجدیدی اور اصلاحی کارنامہ تھا۔ ❷

۱۴۔ محتاجوں کو سوال کرنے سے غنی کر دینا

ایک دفعہ آپ نے مدینہ کے ایک آدمی سے مدینہ والوں کے احوال دریافت کیے اور پوچھا: ''فلاں فلاں گھر میں رہنے والے مسکینوں کا کیا بنا؟'' اس نے بتلایا کہ اے امیر المومنین! وہ اس گھر کو چھوڑ گئے۔ پھر آپ نے ایک گھر میں رہنے والے مسکینوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتلایا کہ وہ بھی اس گھر کو چھوڑ گئے ہیں، اللہ نے ان کو غنی کر دیا ہے اور اب تو ان میں سے بعض کا اچھا خاصا کاروبار بھی ہے وہ آنے جانے والے مسافروں کو اونٹوں کا چارہ بیچتے ہیں (وہ خبط نامی پتوں کا کاروبار کرتے تھے جن کو اونٹ بڑے شوق سے کھاتے ہیں)۔ ❸ پھر آپ نے ان میں سے بعض کو ڈھونڈ کر ان کے ساتھ ملاقات کی۔ اور ان کے احوال دریافت کیے تو وہ کہنے لگے کہ اللہ نے بڑا کرم کیا کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہمیں امداد کی مد میں جو رقم دی تھی اس سے کاروبار کر کے اللہ نے ہمیں غنی کر دیا۔ ❹

یہ تھے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عادلانہ منہج کے نتائج جو آپ نے مسلمانوں کے اموال کی تقسیم میں اختیار کیا تھا۔ چنانچہ وہ مٹھی بھر لوگ جو پورے سرکاری خزانے کے مالک بنے بیٹھے تھے اور عیش اڑا رہے تھے، انہیں ان سب فضول خرچیوں سے بالکلیہ منع کر دیا گیا۔ اب جتنی رقم ان میں سے صرف ایک فرد ادھر ادھر خرچ کر کے اڑا دیا کرتا تھا، اس سے بیسیوں خاندانوں کی کفالت ہونے لگی۔ اب سرکاری خزانے کی رقوم ہر اس عام آدمی تک بھی پہنچنے لگیں تھیں جس کی اس سے قبل سرکاری خزانے تک رسائی تک نہ تھی۔ اور ان رقوم

---

❶ طبقات ابن سعد: ۵/ ۳۴۸۔ ❷ التاریخ الاسلامی: ۱۵/ ۱۳۸۔
❸ خبط درخت کے پتوں کی ایک قسم جسے اونٹ کھاتے ہیں۔ (درخت سے جھاڑے ہوئے پتے القاموس الوحید: ص ۴۰۷ (مترجم)
❹ الکتاب الجامع لسیرۃ عمر بن عبدالعزیز: ۱/ ۱۵۱۔

سے کاروبار کر کے اب وہ باعزت زندگی بسر کر رہے تھے حتیٰ کہ ان کی بعض سخت کاموں سے جان چھوٹ گئی جن کے بدلے میں انہیں معمولی رقوم ملتی تھیں جس سے ان کی گزر بسر بے حد دشوار ہوتی تھی (مگر اب وہ آسودہ اور باوقار زندگی گزار رہے تھے)۔ ❶

۱۵۔ بیت المال سے مہروں کی ادائیگی

آپ نے ان لوگوں کا مہر بھی بیت المال سے ادا کرنے کا اہتمام کیا جو اپنے مہر ادا کرنے سے عاجز تھے۔ ابوالعلاء روایت کرتے ہیں: ''کوفہ کی جامع مسجد میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا خط پڑھ کر سنایا گیا، اس کے سننے والوں میں میں بھی تھا، وہ خط یہ تھا ''جس کے ذمے کوئی امانت ہو اور وہ اس کو ادا کرنے سے عاجز ہو تو اسے اللہ کے مال سے (یعنی بیت المال سے) دو (تاکہ وہ اپنے ذمے امانت کو ادا کر سکے)۔ اور جس نے کسی عورت سے شادی کی اور اب وہ مہر ادا نہیں کر سکتا تو اس کو اللہ کے مال میں سے دو۔'' ❷

بے شک معاشرے کی اصلاح کے لیے یہ ایک نہایت اہم اقدام ہے کیونکہ معاشرے کی اصلاح اس کے افراد کی پاکدامنی پر موقوف ہے اور پاکدامنی کا انحصار رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے پر ہے۔ چنانچہ جس قدر کسی معاشرے میں نکاح کے مواقع عام اور میسر ہوں گے اس معاشرے کی عفت و پاکدامنی اور شرم وحیا کا معیار بھی اسی قدر بلند ہوتا چلا جائے گا۔ کیونکہ بسا اوقات تنگدست مردوں کو مہر ادا کرنا از حد دشوار ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ بغیر نکاح کے زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ بالخصوص جب معاشرے میں مہر کے نام پر بھاری رقوم مقرر کرنے کا چلن ہو تو تنگدستوں کے لیے نکاح تک دسترس اور بھی دشوار ہو جاتی ہے۔ لیکن جب خود اسلامی حکومت ایسے تنگدستوں کی سرپرستی کرے گی اور ان کے مہروں کی ادائیگی اپنے ذمے لے کر ان کی نکاح تک رسائی کو آسان بنائے گی تو یقیناً معاشرے کا ہر فرد ایک ''صالح معاشرہ'' بنانے میں اور اس کو بدکاری اور بے حیائی کے بگاڑ اور فساد سے بچانے میں اپنا اپنا کردار ادا کرے گا۔'' ❸

۱۶۔ معاشرے کے مختلف طبقات کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی کوششیں:

یونس بن ابی شبیب راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''ایک عید پر میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس تھا، اتنے میں بعض اشراف آئے اور انہوں نے منبر کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ پھر ان کے اور باقی لوگوں کے درمیان کچھ جگہ خالی چھوڑ دی گئی تاکہ وہ دوسروں سے ممتاز نظر آئیں۔ جب نماز عید کا وقت ہوا تو آپ تشریف لائے، منبر پر رونق افروز ہوئے اور سب سے پہلے لوگوں کو سلام کیا۔ جب آپ نے اپنے سامنے خالی جگہ دیکھی تو لوگوں کو آگے بڑھ کر خالی جگہ پر کر دینے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ وہ لوگ آگے بڑھے یہاں تک سب

❶ التاريخ الاسلامی: ١٥/ ١٣٨. ❷ طبقات ابن سعد: ٥/ ٣٧٤.
❸ التاريخ الاسلامی: ١٥/ ١٣٩.

ایک دوسرے میں گھل مل کر بیٹھ گئے۔ ❶

قصہ یہ ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مبارک دورِ حکومت کے بعد بعض والیوں اور حکمرانوں نے معاشرے کے بعض طبقات کو نشست و برخاست اور عطا میں دوسروں پر امتیاز دینا شروع کر دیا تھا۔ یہ بات معاشرے میں اس قدر جڑ پکڑ گئی کہ بعض لوگوں نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ ہم تو معاشرے کے ممتاز طبقات اور اشراف کے ساتھ بیٹھنے کے لائق ہی نہیں، حتیٰ کہ انہیں مسجد کے ماحول میں بھی جہاں رب کے آگے سب ایک ہوتے ہیں اور جہاں ہر مسلمان پر یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ امام کے قریب ہونے کی کوشش کرے کیونکہ اس میں زیادہ ثواب ہے، ان نام نہاد ''اشراف'' کے ساتھ گھل مل کر بیٹھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ لیکن جب عنانِ خلافت آپ کے ہاتھوں میں آئی تو آپ نے اس بات کا سب سے زیادہ اہتمام کیا کہ معاشرے کے مختلف طبقات کو، امیر غریب کو، حکام اور رعایا کو ایک دوسرے کے قریب کیا جائے۔ اس کی صورت آپ نے یہ اختیار کی کہ اونچے درجات وطبقات کے لوگوں کی خود ساختہ شہرت کا معیار گرایا، ان کے اندر کے کبر اور فخر کو مٹایا، اور کمزور اور کس مپرس طبقہ کی عزت میں اضافہ کیا، ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کر کے ان کے دماغوں سے اس احساس کو ختم کیا کہ تم معاشرے کا کمزور یا حقیر طبقہ ہو، چنانچہ آپ نے اس مقصد کو بام مراد تک پہنچانے کے لیے سرکاری وظائف کے دینے میں طبقاتی اونچ نیچ کا خاتمہ کر کے سب کو ایک ترازو میں تولا، اور شریف و رذیل سب کا وظیفہ مساوی مقرر کیا۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ لوگوں کی شان گھٹانے یا بڑھانے میں مال کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ یونس بن ابی شبیب کا بیان کردہ یہ واقعہ اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے کہ آپ کو اس بات کا بے حد اہتمام تھا، اس لیے آپ نے عید گاہ کے کھلے میدان میں علی رؤوس الاشہاد فقراء اور نچلے طبقے کے لوگوں کو اشارہ کر کے آگے آنے کو کہا تاکہ وہ خواص کے قریب آئیں اور ان میں گھل مل کر بیٹھیں اور تاکہ گزشتہ والیوں کی بدنظمی اور ظالمانہ رویے سے پیدا ہونے والا یہ طبقاتی خلا ختم ہو۔ ❷

۱۷۔ معاشرے کے افراد کی ذمہ داری کا شدت کے ساتھ احساس واہتمام

آپ کی اہلیہ فاطمہ بنت عبدالملک کہتی ہیں کہ ''آپ نے خود کو مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا ہوا تھا۔ آپ کا دل و دماغ مسلمانوں کے امور کے لیے ہر وقت فارغ رہتا تھا۔ جب کام کا ہجوم زیادہ ہوتا تو شام کی بجائے رات کو گھر لوٹتے۔ اسی طرح ایک دن حسب معمول آپ روزمرہ کے کاموں کو نبٹا کر شام کو گھر آئے تو اپنا ذاتی چراغ منگوایا۔ پھر دو رکعت نماز پڑھی اور سر ہتھیلی پر رکھ کر بیٹھے رونے لگے، حتیٰ کہ رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی، پھر سسکیاں اور پھر ہچکیاں لے کر رونے لگے، یوں لگتا تھا کہ مارے غم کے ابھی ان کا دل پھٹ جائے گا۔ اور روح و بدن کا یہ رشتہ بس ٹوٹنے کو ہے۔ روتے روتے صبح کا چاندنا پھیل گیا اب ایک تو

---

❶ طبقات ابن سعد: ٥/ ٣٨٧.　❷ التاریخ الاسلامی: ١٤/ ١٥/ ١٤٠.

رات بھر روتے اور جاگتے رہے تھے، دوسرے آپ نے بنا کچھ کھائے پیئے روزہ بھی رکھ لیا۔ تب میں ذرا قریب گئی اور دھیرے سے پوچھا ''اے امیر المومنین! کیا بات ہے رات بھر اس بے قراری میں گزارنے کی کیا وجہ ہوئی؟''

تو فرمانے لگے: ''مجھے اکیلا چھوڑ دو، بہتر ہے کہ تم اپنا کوئی کام کر لو۔'' میں نے عرض کیا: ''میں چاہتی ہوں کہ مجھے بھی نصیحت ہو۔'' تب آپ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے پھر میں تمہیں بتلاتا ہوں، سنو! میں نے خود پر غور کیا تو دیکھا کہ مجھے امت کے سرخ وسیاہ افراد کا والی بنا دیا گیا ہے۔ پھر میں نے دور دراز علاقوں اور بعید مسافتوں کے بلا دو امصار، بھوکے فقیروں، بھٹکے مسافروں، مظلوم ومقہور قیدیوں، عیال دار تنگدستوں اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو یاد کیا تو مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ رب تعالیٰ مجھ سے ان سب کے بارے میں سوال کرے گا۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ ان سب کے بارے میں مجھ پر حجت فرمائیں گے اور ان کی طرف سے مجھ سے جھگڑیں گے۔ تو میں بے حد خوف زدہ ہو گیا کہ شاید رب تعالیٰ ان لوگوں کی بابت میری عذر معذرت کو شرف قبولیت سے نہ نوازیں اور نہ جناب رسول اللہ ﷺ کے حضور میں کوئی دلیل پیش کر سکوں۔ پس اے فاطمہ! مجھے خود پر بے حد رحم آیا حتیٰ کہ میں خود پر رو پڑا اور میرا دل دکھنے لگا، میں جتنا اس بات کو یاد کرتا ہوں میرا خوف اور بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اب چاہو تو اس بات سے نصیحت پکڑو اور چاہو تو نہ پکڑو۔'' [1]

بلا شبہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا اپنے اوپر آ پڑنے والی اس ذمہ داری کا یہ بے حد شدت کے ساتھ احساس کرنا تھا، اور باوجودیکہ آپ امت کے احوال جاننے کے لیے پیہم کوششیں کرتے رہتے تھے اور ان کی حاجات وضروریات پوری کرنے کے لیے پوری تن دہی کے ساتھ لگے رہتے تھے لیکن پھر بھی امت کے حاجت مندوں اور کمزوروں کو یاد کر کر کے روتے رہتے تھے۔ لیکن چونکہ اس امر کا دائرہ غیر محصور اور بے حد وسیع تھا بلکہ واقعاتی حقائق کی رو سے ایک فرد واحد کی دسترس سے بہر حال باہر تھا اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ شاید کسی مسلمان کی حاجت رفع ہونے سے رہ جائے، اس سب کے باوجود آپ یہ سمجھتے تھے کہ کہیں مجھ سے اس کے بارے میں روزِ قیامت سوال نہ ہو جائے اور میں جواب میں کچھ بھی کہنے کے قابل نہ ہوں۔ بس اسی احساس نے آپ کو رونے پر مجبور کر دیا تھا۔

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا روزِ قیامت کے حساب کو اس شدت کے ساتھ یاد کرنا اور جنت اور دوزخ کو ہر وقت نگاہوں کے سامنے رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا غیب پر گہرا ایمان تھا گویا کہ جنت و دوزخ آپ کے سامنے مشاہد تھی۔ چنانچہ اسی بات اور اسی احساس نے آپ کو سراپا عدل ورحمت بنا دیا تھا اور

[1] سيرة عمر لابن عبدالحكم: ١٧٠ .

آپ امت کے احوال کی جستجو میں از حد مبالغہ سے کام لیتے تھے۔ پھر آپ کا اس قدر رونا اس بات کی دلیل تھا کہ آپ کے دل میں رب تعالیٰ کا بے حد خوف تھا۔ اسی خوف خداوندی نے آپ کو ہر قسم کے ظلم وستم اور نا انصافی سے محفوظ رکھا۔ اس خوف نے آپ کے فکر وسلوک کو فتنہ انگیزیوں اور عیش پرستیوں سے بلند کر دیا اور آپ ہر قسم کے چیلنج کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ جب بھی آپ پر کوئی بڑی مصیبت آ پڑتی آپ لوگوں میں خطبہ دیتے اور ان کے سامنے جنت و دوزخ کا ذکر کرتے جس سے وہ مصیبت ہلکی پڑ جاتی اور بڑی سے بڑی بات بھی آپ کی نگاہوں میں چھوٹی ہو جاتی۔ [1]

۱۸۔ بوڑھے تنگدست ذمی پر مال خرچ کرنا

اسلام بردباری، رحمت وشفقت، سماحت ورواداری، چشم پوشی عفو و درگزر اور کمزوروں کی خبر گیری اور ہمدردی وغمگساری کا مذہب ہے۔ اسلام کے دل میں روئے زمین پر بسنے والے ہر انسان کی ہمدردی ہے، چاہے اس کا تعلق اسلام سے نہ بھی ہو۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے دین اسلام کے احکام کی عملی تطبیق کے ذریعے ان بلند اقدار کو جیتا جاگتا وجود بخشا، چنانچہ آپ نے اس بات کا حکم جاری کیا کہ جو ذمی بھی بوڑھا ہو جائے اور اس کے پاس نہ تو قابل گزران سرمایہ ہو اور نہ اس پر خرچ کرنے والا کوئی دوست اور ساتھی ہی ہو تو اس کے لیے بیت المال سے وظیفہ جاری کیا جائے۔ [2]

ابن سعد کی روایت ہے کہ عمر بن بہرام مَرّاف کہتے ہیں: ''ہمارے پاس سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا خط پہنچا اور ہمیں پڑھ کر سنایا گیا جس میں یہ لکھا تھا: ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے بندے امیر المومنین کی طرف سے عدی بن ارطاۃ اور وہاں کے مومنین و مسلمین کے نام۔ السلام علیکم! میں تم لوگوں کے سامنے اس اللہ کی تعریف بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ امابعد!

''اہل ذمہ کے احوال میں غور کرو، ان کے ساتھ نرمی کرو اور جب کوئی ان میں سے بوڑھا ہو جائے اور اس کے پاس مال بھی نہ ہو جو وہ اپنے اوپر خرچ کر سکے۔ تو اگر تو اس کا کوئی دوست ہے تو اسے حکم دو کہ وہ اس بوڑھے ذمی پر خرچ کرے (وگرنہ بیت المال سے اس کا وظیفہ جاری کر دو)۔ [3]

۱۹۔ اہل کتاب کے ساتھ کھانا کھانا

آپ اپنے مال سے ایک درہم روزانہ مسکینوں کے کھانے پر خرچ کرتے تھے، پھر ان کے ساتھ مل کر کھاتے بھی تھے۔ آپ ذمیوں کے پاس بھی جاتے، وہ لوگ آپ کے سامنے میٹھی یا کسی سبزی کا بنا سالن پیش کرتے تو اسے تناول فرما لیتے اور انہیں بھی ساتھ مل کر کھانے کو کہتے اور اگر وہ انکار کرتے تو پھر آپ بھی اس

---

[1] التاریخ الاسلامی: ۱۵/ ۱۰۸.
[2] فقه عمر بن عبدالعزیز: ۲/ ۳۵۳.
[3] الطبقات الکبریٰ: ۵/ ۳۸۰.

کھانے میں سے نہ کھاتے (جس پر انہیں بھی ساتھ کھانا پڑتا)۔ [1]

۲۰۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور شعراء

خلیفہ بننے کے بعد شعراء کا ایک وفد آپ سے ملنے آیا، وہ چند دن تک آپ کے دروازے پر کھڑا رہا مگر انہیں ملاقات کی اجازت نہ ملی۔ یہ صورت حال دیکھ کر ان لوگوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا، اسی دوران شام کا مشہور خطیب رجاء بن حیوہ ان کے پاس سے گزرا، پس جب مشہور شاعر جریر نے رجاء کو آپ کے پاس داخل ہوتے دیکھا تو برجستہ یہ شعر پڑھا:

یا أیها الرجل المرخي عمامته   هذا زمانك فاستأذن لنا عمرا

''اے بے خوف اور مطمئن شخص! اب تیرا زمانہ ہے ذرا عمر سے ہمارے لیے ملنے کی اجازت تو طلب کر۔''

رجاء اندر تو گیا مگر اس نے ان شعراء کے بارے میں کوئی بات نہ کی، اتنے میں شعراء کے اس وفد کے پاس سے عدی بن ارطاۃ گزرا تو جریر نے پھر فی البدیہہ یہ اشعار پڑھے:

یا أیها الرجل المرخي مطیته
هذا زمانك إني قد مضی زمني
أبلغ خلیفتنا إن کنت لاقیه
أنّي لدی الباب کالمصفود في قرن
لا تنس حاجتنا لقّیت مغفرة
قد طال مکثي عن أهلي و عن طني

''اے وہ شخص جس کی سواری کی لگامیں ڈھیلی ہیں اور وہ آزادانہ چل رہی ہے، اب تیرا زمانہ ہے اور میرا زمانہ بیت چکا ہے، اگر تیری خلیفہ سے ملاقات ہو تو اسے یہ خبر کر دینا کہ میں دروازے کے پاس گویا کہ رسیوں میں بندھا ہوں۔ (اور میری مشکیں کسی ہیں)۔ ہماری حاجت کو مت بھولنا جسے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ ہمیں اپنے وطن اور اہل وعیال کو چھوڑے کافی وقت ہو گیا۔'' (اور اب تک ہماری سنی نہیں گئی اور اب ہم واپس جانا چاہتے ہیں)۔''

یہ اشعار سن کر عدی نے اندر جا کر آپ کی خدمت میں عرض کیا، ''امیر المومنین! شعراء آپ کے دروازے پر کھڑے دہائیاں دے رہے ہیں، ان کے تیر زہر آلود اور اقوال پر اثر ہیں۔'' یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''اے عدی تیرا بھلا ہو! بھلا میرا شعراء سے کیا واسطہ۔'' عدی بولے: ''اللہ امیر المومنین کو عزت دے!

[1] حلیة الاولیاء: ۵/ ۳۱۵، ۳۱۶۔

بے شک نبی کریم ﷺ (ہمارے لیے ہر امر میں) اسوہ ہیں۔'' آپ نے پوچھا: ''(بھلا شعراء میں آپ ﷺ ہمارے لیے) کیسے (نمونہ ہیں)؟ عدی نے جواب دیا: ''عباس بن مرداس سلمی نے آپ ﷺ کی (اشعار میں) مدح بیان کی تھی تو آپ نے اسے ایک جوڑا مرحمت فرما کر اس کی زبان بند کر دی تھی۔''
آپ نے پوچھا: ''عدی کیا تمہیں عباس بن مرداس کے کچھ اشعار یاد ہیں؟'' عدی نے کہا، ہاں۔ پھر یہ اشعار سنائے:

رأيتك يـا خيـر البـرية كلـهـا
نشـرت كتـابًـا جـاء بـالحق معلّمًا
شـرعـت لـنـا دين الهدى بعد جـرنـا
عـن الـحـق لـمـا أصبح الـحـق مظلّمًا
ونـورت بـالتبيـان أمـراً مـدلسـاً
وأطـفـأت بـالـقـرآن نـاراً تـضـرمًا

''اے مخلوق خدا میں سے سب بہتر! میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے ایک ایسی کتاب پھیلائی جو حق کی علامت لے کر آئی۔ جب ہم نے حق پر ظلم ڈھا کر حق پر ظلم کے اندھیرے کر دیئے تو آپ ﷺ نے ہمارے لیے دین ہدایت کو مشروع کیا۔ آپ نے مشتبہ امر کو بیان حق کے نور کے ساتھ روشن کر دیا اور قرآن کریم کی بدولت جہنم کی بھڑکتی آگ کو بجھا دیا۔''
یہ اشعار سن کر آپ نے فرمایا: ''عدی تیرا بھلا ہو! دروازے پر کون لوگ ہیں؟'' عدی نے ان شعراء کے نام گنوانے شروع کر دیئے کہ دروازے پر عمر بن عبداللہ بن ربیعہ، فرزدق، اخطل اور جریر کھڑے ہیں۔ آپ نے سب کو واپس کر دیا اور صرف جریر کو اندر آنے کی اجازت دی۔ چنانچہ جریر اجازت ملنے پر یہ اشعار پڑھتا ہوا اندر داخل ہوا:

إن الـذي بـعـث الـنـبـي مـحـمـدًا
جـعـل الـخـلافة لـلإمـام الـعـادل
وسـع الـخـلائـق عـدلـه ووفـاؤه
حتـى أرعـوى فـأقـام ميل المـائـل
إنـي لأرجـو مـنـك خيـرًا عـاجلًا
والـنـفـس مـولـعة بـحب الـعـاجـل

''بے شک جس ذات نے جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو نبی بنایا تھا اسی ذات نے خلافت ایک

عادل امام کے سپرد کی ہے، اس نے ساری خلق خدا کو اپنے عدل وانصاف اور صفا و وفا سے نوازا اور ہر کج روی کجی کو دور کیا۔ بے شک میں آپ سے نقد خیر کی امید کرتا ہوں کیونکہ نفس نقد ملنے والی چیزوں پر فریفتہ ہوتا ہے۔''

جب جریر نے آپ کے سامنے یہ اشعار پڑھے تو فرمایا: ''اے جریر! تیرا بھلا ہو، اللہ سے ڈرو اور صرف سچی بات کہو۔'' [1] اس پر جریر نے ایک بار پھر یہ اشعار پڑھے:

أأذكر الجهد والبلوى التي نزلت
ام قد كفاني بما بلغت من خيري
كم باليمامة من شعثاء أرملة
ومن يتيم ضعيف الصوت والنظر
ممن يعدك تكفي فقد والده
كالفرخ في العش لم ينهض ولم يطر
يدعوك دعوة ملهوف كأنّ به
خبلًا من الجنّ أو مسا من البشر
خليفة اللّه ماذا تأمرون بنا
لسنا إليكم ولا في حار منتظر
ما زلت بعدك في هم يؤرقني
قد طال في الحي إصعادي و منحدري
لا ينفع الحاضر المجهود بادينا
ولا يعود لنا بادٍ على حضر
إنا لنرجو إذا ما الغيث أخلفنا
من الخليفة ما نرجو من المطر
نال الخلافة إذ كانت له قدرًا
كما أتى ربّه موسى على قدر
هذي الأرامل قد قضّيت حاجتها
فمن لحاجة هذا الأرمل الذكر

[1] المنتظم: ۷/ ۳۷.

الــخيــر مــا دمــت حيــا لا يــفــارقــنـا

بــورکــت يــا عــمــر الــخيــرات من عمر

''کیا میں اس مصیبت اور آزمائش کا ذکر کروں جو مجھ پر اتری ہے یا آپ کو میرے بارے میں جو خیر کی خبریں ملی ہیں ان پر کفایت کر جاؤں، یمامہ میں کتنی بدحال بیوائیں اور کمزور نظر اور آواز والے یتیم ہیں۔ آپ کے سامنے ان لاچاروں کا تذکرہ کافی ہے، جن کے باپ گم ہو گئے ہیں۔ اور اب وہ گھونسلے میں چڑے چڑیا کے اس بچے کی طرح ہیں جو نہ اٹھ سکتے ہیں اور نہ اڑ سکتے ہیں، وہ بے قراری کے ساتھ آپ کو پکارتے ہیں جیسے انہیں کسی جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو یا کسی انسان نے انہیں چھو کر مخبوط کر دیا ہو، اے اللہ کے خلیفہ! آپ ہمیں کیا حکم کرتے ہیں، نہ تو ہم ادھر کے رہے اور نہ اُن کے پاس جانے کے رہے جو مارے حیرت کے دہشت زدہ ہو کر ہماری راہ تک رہے ہیں، آپ کے بعد غموں نے میری نیند اڑا رکھی ہے اور میں اپنے محلے میں اونچا نیچا ہوتا رہتا ہوں، ہمارا شہری ہمارے دیہاتی کے کسی کام نہیں آتا اور نہ ہمارے دیہاتی ہمارے شہریوں کو ملنے آتے ہیں۔ جب بارشیں برسنا چھوڑ دیں تو ہم خلیفہ سے اسی بات کی امید کرتے ہیں جو بارشوں سے کرتے ہیں۔ آپ نے خلافت کو پایا کہ یہ آپ کے مقدر میں تھی، جیسے موسیٰ (نبوت پائے) تقدیر سے اپنے رب کے پاس خود چلے آئے۔ آپ نے ان بیوہ عورتوں کی حاجات کو تو پورا کر دیا، پر ان رنڈوے مردوں کی حاجات کا کیا ہوگا۔ جب تک آپ زندہ ہیں خیر ہم سے جدا نہ ہوگی۔ اے عمر! تیری زندگی میں خیروں کی برکتیں ہوں۔''

آپ نے یہ اشعار سن کر فرمایا: ''اے جریر! ابھی تو ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ تم کس چیز کے مستحق ہو۔'' تو جریر جھٹ سے بولا: کیوں نہیں اے امیر المومنین! میں مسافر ہوں اور میرا زاد راہ ختم ہو چکا ہے۔'' اس پر آپ نے جریر کو اپنے ذاتی مال سے سو درہم دیئے۔ جریر سو درہم لے کر باہر نکلا، دوسرے شعراء نے پوچھا ''پیچھے کیا صورت حال ہے؟'' جریر بولا: ''تمہارے لیے اچھی صورت حال نہیں (یعنی تم لوگوں کو انعام وغیرہ ملنے کی کوئی امید نہیں) میں خلیفہ کے پاس سے اس حال میں نکلا ہوں کہ وہ فقیروں کو تو نوازتا ہے پر شعراء پر خرچ نہیں کرتا اور میں ان سے راضی ہوں، پھر یہ شعر پڑھا:

رأيت رُقَى الشيطان لا تستفزه   وقد كان شيطاني من الجن راقيًا

''میں نے دیکھا کہ شیطانی تعویذ ان پر کارگر نہیں ہوئے، جبکہ میرا شیطان جو جن تھا خود تعویذ پڑھنے والوں میں سے تھا۔'' [1]

[1] المنتظم: ۷/ ۹۹.

بلا شبہ خلافت امویہ میں شعراء کے ساتھ معاملہ کرنے کا یہ بالکل نیا انداز تھا، اس سے قبل شعراء امراء وسلاطین کی بے جا تعریفیں اور جھوٹی خوشامدیں کر کے ان سے جھولیاں بھر بھر کے انعام بٹورتے تھے۔ یہ شعراء ان امراء کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے تھے۔ اور وہ امراء بھی ان جھوٹی تعریفوں کے سننے کے کچھ عادی ہو گئے تھے۔ لیکن جب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا دور آیا تو آپ نے شعراء کی اس دیرینہ جھوٹ پر مبنی عادت کو ختم کیا جس کا اندازہ مذکورہ بالا واقعہ سے خوب ہو سکتا ہے، چنانچہ آپ نے حسب عادت آنے والے شعراء پر یہ بات واضح کر دی کہ جھوٹی تعریف معاشرے کے اخلاق بگاڑ دیتی ہیں پھر ایسے معاشرے میں جھوٹ، فریب، نفاق دھوکا دہی اور ہر بد اخلاقی کا راج ہو جاتا ہے۔ آپ نے اس بدعادت کا خاتمہ کیا مگر افسوس کہ آپ کی وفات کے بعد۔ یہی شعراء امراء وملوک کے درباروں میں دوبارہ اسی پرانی آن بان سے آنے جانے لگے تھے۔ [1]

جریر نے اس بات کا خود اعتراف کیا کہ ان امراء کو دھوکا دینے اور کذب وافتراء کا امیر بنانے کے لیے شاعروں کے پیچھے دراصل شیطان کا عمل دخل ہوتا ہے، اور سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ شعراء کے اس شیطانی تصرف سے دور رہے ہیں۔ [2]

۲۱۔ زہد وتقویٰ اور نیکی کے اشعار سے آپ کا متاثر ہونا اور ''سابق بربری'' کے ساتھ تعلق

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے صرف ان شعراء کو اپنے قریب کیا جو زہد کی تعلیم پر مبنی اشعار کہتے تھے اور ان کے اشعار میں آخرت کی یاد، قیامت کا خوف اور موت کا تذکرہ ہوتا تھا، اس لیے سابق بربری [3] نامی شاعر آپ کے سب سے زیادہ قریب تھا۔ سابق اپنے اشعار میں آپ کو نصیحت کرتا تھا اور آپ اس کے شعر سن کر رو پڑتے تھے۔ ایک دن سابق نے آ کر آپ کو چند شعر سنائے ان میں سے آخری اشعار یہ ہیں:

فكم من صحيح بات للموت آمنًا
أتته المنايا بغتة بعدما هجع

فلم يستطع إذ جاءه الموت بغتة
فرارًا ولا منه بقوّته امتنع

فأصبح تبكيه النساء مقنّعا
ولا يسمع الداعي وإن صوته رفع

---

[1] التاريخ الاسلامي: ۱۵/ ۱۷٤ ۔ [2] التاريخ الاسلامي: ۱۵/ ۱۷٤ ۔

[3] سابق ایک درویش منش شاعر تھا۔ اس کا کلام حکمت ونصیحت سے لبریز ہوتا تھا۔ یہ بنی امیہ کے موالی میں سے تھا۔ اور بربری اس کا لقب تھا، نا کہ یہ بربر قوم سے تھا۔ رقہ میں سکونت تھی، یہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ملنے آتا تھا۔ (سير اعلام النبلاء: ۳/ ٦۹)

وقُرّب من لحدٍ فصار مقيله
وفارق ما قد كان بالأمس قد جمع

''کتنے ہی تندرست لوگ موت سے بے خوف ہو کر سو رہے لیکن سونے کے بعد موت نے اچانک ان کو آ دبوچا اور وہ اس اچانک موت سے بچ کر کہیں بھاگ نہ سکے اور نہ طاقت کے بل پر اسے روک سکے۔ پھر صبح کو لوگوں نے دیکھا کہ اس کے گھر کی عورتیں نقاب اوڑھے اس پر رو رہی ہیں مگر افسوس کہ وہ کسی پکارنے والے کی پکار نہیں سن پاتا چاہے اس کی آواز کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو، پھر اسے قبر کے قریب کر دیا جاتا ہے۔ (اور پھر اس میں اتار دیا جاتا ہے) پھر یہی قبر اس کی آرام گاہ بن جاتی ہے اور کل تک اس نے جو کچھ اکٹھا کیا تھا، آج اس سب کو چھوڑ چھاڑ کر قبر میں اکیلا پڑا ہے۔''

میمون بن مہران جو اس واقعہ کا راوی ہے، بیان کرتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ان اشعار کو سن کر اس قدر روئے کہ بے ہوش ہو گئے، اس پر ہم وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔ [1]

قارئین کرام کی روحانی تربیت کی غرض سے ہم ذیل میں سابق کا وہ طویل قصیدہ نقل کرتے ہیں جو مواعظ و حکم سے لبریز ہے اور جسے سن کر خود سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی بے حد متاثر ہوئے تھے، وہ قصیدہ یہ ہے:

''شروع اس اللہ کے نام سے جس کے ہاں سے سورتیں نازل ہوئی ہیں اور سب تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں، امابعد! اے عمر! اگر تو آپ جانتے ہیں کہ آپ کو کیا کرنا چاہیے اور کس سے بچنا چاہیے تو ضرور بچیے کہ احتیاط نفع دیتی ہے، تقدیر پر راضی رہو اور اس پر صبر کرو اگرچہ مقدر سے ناگواریاں بھی دیکھنی پڑیں۔ آدمی کتنی ہی خوش عیشی کی زندگی کیوں نہ گزار رہا ہو مگر اگلے ہی دن ایسے واقعات غیب سے پیش آ جاتے ہیں جن سے ساری خوشی مکدر ہو جاتی ہے۔ جو بات معلوم نہ ہو اسے لوگوں سے پوچھ لیا کیجیے، کیونکہ خبر اور علم لاعلمی کے اندھیرے کو کافور کر دیتا ہے۔ آدمی ٹھوکریں کھانے کے بعد ایک دن سنبھل جاتا ہے پر جاہل کو نصیحتیں اور عبرت کسی کام نہیں آتیں۔ ظالم اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا جبکہ طالب حق کو اپنی مراد مل کر رہتی ہے اور وہ مظفر و منصور ہو جاتا ہے۔ ہدایت میں دل کو شفا دینے والی عبرتیں ہیں جیسے موسم ربیع کی پہلی بارش ہر طرف ہریالی پھیلا دیتی ہے۔ تقویٰ سے آراستہ صاحبِ علم، تقوی سے بے بہرہ جاہل کی طرح نہیں ہوتا اور نہ بینا و دانا، اس اندھے جیسا ہوتا ہے جو بینائی سے محروم ہوتا ہے۔ ہدایت وہ عطیہ

[1] الكتاب الجامع لسيرة عمر: ٢/ ٦١٢.

وبخشش ہے جو ہدایت والے کو سیدھا رستہ دکھلاتی ہے اور گمراہی پانی کا وہ گھاٹ ہے جس پر آنے جانے کو صاحب ہدایت کبھی پسند نہیں کرتا۔ کبھی آدمی کو وہ بات ہلاک کر ڈالتی ہے جسے وہ معمولی اور حقیر سمجھتا ہے اور اے نفس! کبھی وہ شے بھی بڑھ رہی ہوتی ہے جس کو باندھا ہوتا ہے۔ نفس جتنی چیزیں بھی اکٹھی کر لے پر اس کا جی نہیں بھرتا اور وہ ہمیشہ مزید کا خواہش مند رہتا ہے۔ اور اگرچہ نفس کو فراغت بھی حاصل ہوتی ہے لیکن پھر بھی مزید کا متمنی ہی رہتا ہے بالکل ایسے جیسے حوادث زمانہ مسلسل بالوں کے رنگ کو بدلتے رہتے ہیں۔ اور ہر شے کا ایک حال ہوتا ہے جو اس کو ایسی حالت میں بدل کر رکھ دیتا ہے جس کو دیکھ کر نگاہ ٹھنڈی نہیں ہوتی ہے۔ ان حالات میں ذکر خدا دلوں کی حیات ہے جیسے بارش مردہ اور بنجر کو زندہ اور سرسبز کر دیتی ہے۔ علم دل کے اندھیرے کافور کرتا ہے۔ جیسے چاند کی روشنی ظلمت کی سیاہی کو مٹا دیتی ہے اور سوکھے روکھے اور سخت دل کو ذکر کبھی نفع نہیں دیتا۔ بھلا کسی واعظ کے وعظ سے آج تک کوئی پتھر بھی نرم ہوا ہے؟ زندگی کے مسافر کے لیے موت وہ پل ہے کہ جس پر سے چل کر ان امور کی طرف جانا ہے جن سے ڈرایا گیا ہے اور ان کے آنے کا انتظار بھی تھا۔ پس لوگ فوج در فوج اس پل پر سے گزرتے جا رہے ہیں اور انہیں وہ گھر اکٹھا کر رہا ہے جس کی طرف ہر شہری اور دیہاتی چلا جا رہا ہے جو کسی مضبوط قلعے میں بھی ٹھکانا بنا کے بیٹھا تھا موت نے اس کو بھی اس گھر کے حوالے کر دیا اور کسی میخوار کو اس کی مے نوشی اور مے کام نہ آئی حتی کہ جب میں بھی لذتوں میں ڈوبا ہوں گا اور میرے رخسار تکبر سے ٹیڑھے ہوں گے، موت سے میں بھی نہ بچا پاؤں گا۔ میں دیکھتا ہوں کہ ذکر میرے دل پر کوئی اثر نہیں کرتا حالانکہ پانی ٹپک ٹپک کر پتھر کو گھسا دیتا ہے اور اس پر بھی پانی کا اثر نظر آنے لگتا ہے۔ (لیکن میرا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گیا ہے) اگر ذکر آخرت میری آنکھوں کو اسی طرح بے خواب کر دیتا ہے جیسا کہ نقد منافع میری آنکھوں کی نیند اڑا دیتے ہیں تو میں اپنے دل کا علاج کر لیتا جس کو لمبی بیماریوں نے شدید نقصان پہنچایا ہے حالانکہ ہڈیوں کی کمزوری دور ہو جاتی ہے۔ جب ایک چیز پر دن اور رات اور صبح اور شام آتے جاتے ہیں تو اس کو پرانا ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ بظاہر آدمی دن بدن جوان ہوتا ہے لیکن دراصل اس کا ہر قدم زوال اور پستی کی طرف ہوتا ہے۔ ہر گھر نیا بننے کے بعد ویران ضرور ہوتا ہے اور جوانی کے پیچھے بڑھاپا اور موت ہے۔ اور وہ شاخ جو جڑوں کے تر ہونے کی وجہ سے سرسبز، اور نرم و نازک نظر آتی ہے۔ عنقریب اس کی جڑیں سوکھ جائیں گی اور وہ کھوکھلی سوکھی تانت کی طرح نظر آئے گی، زمانے نے کتنوں کا شیرازہ بکھیر کے رکھ دیا اور جو ابھی تک مجتمع ہیں عنقریب پراگندہ اور منتشر ہو جائیں

گے۔ کتنے مغرور بادشاہ جنھوں نے اپنے سروں پر تاج سجایا اور جنگ کے شعلے بھڑکائے۔ ان کے بچھونے اطلس و دیباج کے تھے اور وہ ریشمی پردوں میں چھپے تھے۔ اور ان کے مضبوط محل تھے۔ لیکن موت نے ان کو بھی آلیا اور اچانک ان پر جھپٹ پڑی۔ اور اب وہ لٹا ہارا مٹی میں رخسار رگڑتا گرا پڑا ہے۔ کیا تم آدم کے بعد بقا کی امید لگائے بیٹھے ہو اور کیا کسی ایسی اصل کی فروعات بھی باقی رہتی ہیں جو خود جڑوں سے کاٹی گئی ہوں۔ لوگوں کے گھر سیلابی ریلوں کے رستوں میں ہیں۔ تو کیا وہ گھر بھی باقی رہتے ہیں جن کو پانیوں پر تعمیر کیا جائے اور ان کی بنیادیں کچی ہوں۔
چاہے جتنا بھی جی لیجیے! بالآخر ایک ماں کی اولاد نے چاہے وہ جتنی بھی زیادہ ہو جائے جانا فنا کی طرف ہی ہے۔ حالات کا حال یہ ہے کہ جب وہ آتے ہیں تو تم پر ان کی حقیقت مشتبہ اور خلط ملط ہو جاتی ہے اور ان کی حقیقت واضح تب ہوتی ہے جب وہ گزر جاتے ہیں اور کئی عبرتیں چھوڑ جاتے ہیں آدمی دنیا میں جتنا بھی رہتا ہے امیدوں میں گھرا رہتا ہے۔ ایک سفر ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا سر پر آپڑتا ہے۔ دنیا کی لذت عیش ہمیشہ کے لیے نہیں، ان لذتوں کا انجام تلخ اور کڑوا ہوتا ہے۔ اور جب ایک زمانے کے لوگوں کی جماعتیں اپنا وقت پورا کر کے اس دنیا سے چل دیتی ہیں تو ان کے گھروں میں ان کی جگہ دوسری جماعتیں آبستی ہیں۔ کیا بات ہے کہ نصیحتیں تمہیں جھنجھوڑتی نہیں حالانکہ چرواہا اگر اپنی بکریوں کو ڈانٹے تو وہ ڈر جاتی ہیں اور بات مان لیتی ہیں۔ (مگر تم ہو کہ نصیحت سن کر بھی بات نہیں مانتے) تم لوگ موت کی بھینٹ ہو اور موت تم لوگوں کو آکر اپنے قبضے میں لے لیتی ہے جیسا کہ دنیا میں درندوں کے لیے بھینٹیں ہوتیں ہیں۔ زیادہ اِتراؤ نہیں اور دنیا کو چھوڑ دو کہ اس کا انجام برا ہے اور اکڑنا اور اترانا کفران نعمت ہے۔ تم اپنے میں کے شریفوں کی اقتدا کرو۔ کہ ہر قوم کے کچھ قابل اقتدا شریف لوگ ہوتے ہیں، تم لوگ ان کے منہج پر چلو اور دنیا کی خواہشات پر اس طرح صبر کرو جس طرح انہوں نے صبر کیا تھا۔ کیا بات ہے کہ میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ دنیا ان کو پیٹھ دے کر چلی جا رہی ہے اور دنیا پر پڑی ہر رسی ٹوٹتی جا رہی ہے۔ (یعنی دنیا جتنی بھی باندھ باندھ کر رکھو، تمہارے ہاتھوں سے ضرور نکل جائے گی)۔ اگر ان کے دین میں کوئی نقصان ہو جائے تو انہیں اس کا شعور تک نہیں ہوتا البتہ دنیا کے نقصان پر سب کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔'' [1]

(''سابق بربری'' کا عبرتوں اور نصیحتوں سے بھرا یہ طویل قصیدہ ختم ہوا۔ (مترجم)......)

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اکثر خود بھی شعر کہا کرتے تھے، آپ زیادہ یہ شعر پڑھتے تھے:

[1] سیرۃ عمر: ص ۱۸۷ از عفت وصال۔

ولا خیر في عیش امرئ لم یکن له
من اللّٰه في دار القرار نصیب

''جس شخص کے لیے آخرت میں رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی حصہ نہیں، اس کی زندگی میں کوئی خیر نہیں۔'' ❶

آپ کو یہ اشعار پڑھتے بھی سنا گیا ہے:

تُسَرُّ بما یَبلی و تفرح بالمنی
کما اغتر باللذات في النوم حالم
نهارك یا مغرور سهو و غفلة
ولیلُكُ نوم والرّدَی لك لازم
وسعیك فیما سوف تکره غبَّه
کذلك في الدنیا تعیش البهائم

''تم فانی چیزوں پر خوش ہوتے ہو اور منی نکلنے پر لذت اٹھاتے ہو جیسے وہ شخص لذتوں سے دھوکا کھاتا ہے جسے نیند میں احتلام ہو، اے دھوکے میں پڑے شخص! تیرا دن بھول اور غفلت میں گزرتا ہے اور رات نیند میں، تجھے ہلاکت مل کر رہے گی۔ تم ان چیزوں کے حصول میں دوڑے پھرتے ہو جن کا انجام تمہیں بے حد ناگوار گزرے گا۔ دنیا میں چوپائے ایسے ہی تو رہتے اور جیتے ہیں۔'' ❷

ایک جنازہ میں شرکت کے دوران آپ نے چند لوگوں کو دیکھا جنھوں نے دھوپ اور غبار سے بچنے کے لیے اپنے مونہوں پر ڈھاٹے باندھ رکھے تھے اور دھوپ کی تمازت سے بچنے کے لیے سایوں میں چلے گئے تھے تو آپ رو پڑے اور یہ اشعار پڑھے:

من کان حین تصیب الشمسُ جبهته
أو الغبارُ یخاف الشَّیْن والشعثا
ویألف الظلَّ کي تبقی بشاشته
فسوف یسکن یومًا راغماً جدثا
في قعر مُظلمةٍ غبراء موحشةٍ
یطیل في قعرها تحت الثَّری لُبْثا

❶ البدایة والنهایة: ۱۲/ ۷۰۷. ❷ ایضًا

تجهَّزي بجهاز تبلُغين به
يا نفس قبل الرّدى لم يُخلقي عبثا

''جو لوگ چہرے پر دھوپ یا غبار پڑنے سے بدنمائی اور پراگندگی سے ڈرتے ہیں اور اپنی بشاشت کو باقی رکھنے کے لیے سایوں میں چلے آتے ہیں، ایک دن آئے گا جب وہ قبر میں خاک آلود پڑے ہوں گے۔ اس قبر کے گڑھے میں جو گہرا، تاریک، وحشت ناک ہے اور نہ جانے کتنی طویل مدت تک وہ لوگ قبر کے اس تاریک گڑھے میں پڑے رہیں گے۔ اے نفس! اس سے قبل کہ تمہیں موت آجائے اتنی تیاری کر لے کہ جس کے ذریعے تو اپنی منزل تک پہنچ جائے کہ تمہیں یوں ہی بے کار پیدا نہیں کیا گیا۔'' ❶

۲۲۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور مشہور وشاعر دکین:

دکین خود بیان کرتا ہے کہ ''سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جب مدینہ کے والی تھے تو ایک موقعہ پر میں نے ان کی مدح میں چند اشعار کہے تو آپ نے مجھے پندرہ عمدہ مگر سرکش اونٹنیاں دیئے جانے کا حکم دیا جو ابھی تک سدھائی ہوئی نہ تھیں۔ اب میں نے ان پر سفر کرنا بھی پسند نہ کیا کہ کہیں مجھ پر بھڑ نہ جائیں اور نہ میں نے انہیں بیچنا پسند کیا کہ بڑی عمدہ تھیں۔ اتنے میں مضر کے چند دوست ہمارے پاس آئے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ مجھے بھی سفر میں اپنے ہمراہ کر لیجیے۔ بولے تو پھر آج رات تیار رہو۔ میں نے کہا کہ میں نے امیر کو الوداع نہیں کہا اور جانے سے پہلے یہ بہت ضروری ہے۔ (اس لیے تم صبح تک انتظار کر لو)۔ وہ بولے: ''امیر رات کو آنے والے سے بھی مل لیتے ہیں۔ (اس لیے تم چاہو تو اب بھی جا کر مل سکتے ہو اور الوداع کہہ آؤ) چنانچہ میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اجازت مانگی جو دے دی گئی، میں اندر داخل ہوا۔ آپ کے پاس اس وقت دو بزرگ بیٹھے ہوئے تھے جنہیں میں جانتا تھا۔ میں نے آپ کو الوداع کہا تو آپ نے فرمایا: ''اے دکین! میں بڑی پر جوش طبیعت کا مالک ہوں اگر خدا نے مجھے اس سے بھی بڑا رتبہ دیا تو میں تمہیں اسی آنکھ سے دیکھوں گا (جس سے اب دیکھ رہا ہوں یعنی میں اس وقت بھی تیرے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو اب تیرے ساتھ کیا ہے) تو میں نے عرض کیا ''اس بات پر کسی کو گواہ کر لیجیے!'' بولے: ''میں اس بات پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں''، میں نے عرض کیا کہ اس کی مخلوق میں سے بھی کسی کو گواہ کر لیجیے'' تو فرمایا: ''میں ان دو صاحبوں کو گواہ بناتا ہوں۔'' اس پر میں ایک صاحب کی طرف متوجہ ہو کر بولا: ''آپ ذرا اپنا تعارف کروا دیجیے۔'' انہوں نے جواب دیا: ''سالم بن عبداللہ۔'' تو میں نے کہا: ''آپ نے بڑے آدمی کو گواہ بنایا ہے۔'' میں نے دوسرے صاحب سے نام پوچھا تو انہوں نے اپنا نام ابو یحییٰ بتلایا۔ اور بتلایا کہ وہ امیر کے

❶ البداية والنهاية: ١٢/ ٧٠٦.

آزاد کردہ غلام ہیں۔“ [1]

پھر میں وہ اونٹنیاں لے کر وطن لوٹ آیا، اللہ نے مجھے ان اونٹنیوں میں بے حد برکت دی اور میں بہت سے اونٹوں اور غلاموں کا مالک بن گیا اور اب میں صحراء فلج [2] میں رہ رہا تھا۔ انہی دنوں کسی نے مجھے سلیمان ابن عبدالملک کے مرنے کی اطلاع دی۔ میں نے پوچھا کہ ان کے بعد کون امیر بنا ہے؟ تو اس نے بتلایا عمر ابن عبدالعزیز رحمہ اللہ۔ یہ سنتے ہی میں ان کی طرف چل پڑا۔ راستے میں مجھے جریر شاعر ملا جو آپ کے پاس سے ہو کر آ رہا تھا۔ میں نے پوچھا، ”اے ابوحرزہ! کہاں سے آ رہے ہو؟“ بولا: ”اس کے پاس سے جو فقیروں کو تو دیتا ہے پر شاعروں کو کچھ نہیں دیتا۔ البتہ تم یہ کہنا کہ میں مسافر ہوں۔ اس تاویل سے شاید تمہیں کچھ مل جائے۔“ غرض میں نے سفر جاری رکھا اور آپ کے گھر کے صحن میں جا پہنچا، دیکھا کہ آپ لوگوں کے جھرمٹ میں بیٹھے ہیں، ہجوم کی وجہ سے میں آپ کے قریب نہ جا سکا، تو میں نے دور سے پکار کر یہ اشعار پڑھے:

يــا عــمــر الـخـيـرات والـمـكـارم

وعُـمـر الـدَّسـائـع الـعـظـائـم

إنِّـي امـرءُ مـن قـطـن بـن دارم

أطـلـب دَيْـنٍ مـن أخ مـكـارم

إذ نـنـتـجـي والـلّٰـه غـيـر نـائـم

فـي ظـلـمـة الـلـيـل ولـيـل عـاتـم

”اے خیرات و برکات، مکارم اخلاق کے مالک عمر، اے بے پناہ بخششوں اور عطاؤں والے عمر! میں قطن بن دارم کا آدمی ہوں۔ اور میں تو ایک نیک بھائی سے اپنا وہ قرض مانگنے آیا ہوں جس کی بات تاریک رات کے اندھیرے میں ابو یحییٰ اور سالم کے ہوتے ہوئے ہوئی تھی اور اللہ اس وقت جاگ رہا تھا اور گواہ تھا۔“

اس پر ابو یحییٰ نے کھڑے ہو کر کہا: ”اے امیر المومنین! میرے پاس اس بدوی کی ایک شہادت ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”ہاں! میں اس کو جانتا ہوں۔ اے دکین! میرے قریب ہو، میں ویسا ہی ہوں جیسا میں نے تم کو ذکر کیا تھا بے شک میں جو مرتبہ بھی حاصل کر لیتا ہوں اس سے اگلے کا خواہش مند ہوتا ہوں، اور اب میں نے دنیا کی انتہا اور مقصود کو حاصل کر لیا ہے۔ اب میرا نفس اس سے آگے کا مشتاق ہے اور وہ ہے آخرت۔ اللہ کی قسم! میں لوگوں کے مال میں سے کچھ کم کر کے تمہیں نہ دوں گا ہاں میرے پاس دو ہزار درہم ہیں، میں ان میں سے آدھے تمہیں دے دیتا ہوں۔“ پھر آپ نے مجھے ایک ہزار دراہم دینے کا حکم ارشاد فرمایا، اللہ کی

---

[1] الشعر والشعراء لابن قتيبة: ٢/ ٦١١.

[2] یہ صحراء کی ایک جگہ کا نام ہے۔

قسم! جتنی برکت میں نے ان ایک ہزار دراہم میں دیکھی اتنی برکت کسی رقم میں نہ دیکھی۔ [1]

یہ اشعار اس دکین کے ہیں:

إذا المرء لم يدنس من اللُّوم عِرضُهُ
فكل ردائير تديه جميل
وإنْ هو لم يُضرع عن اللُّؤم نَفْسَهُ
فليس إلى حسن الثَّناء سبيل

"جب آدمی اپنی عزت وآبرو کو لوگوں کی ملامت سے گندا نہیں کرتا ہے تو وہ جو لباس بھی پہنتا ہے اسے سجتا ہے اور اگر وہ اپنی عزت کو ملامت سے نہیں بچاتا تو اسے لوگوں سے تعریف بھی حاصل نہیں ہوتی۔" [2]

معاشرتی تبدیلیوں میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے آثار

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے معاشرے میں کون کون سی تبدیلیاں برپا کیں ذیل میں ان میں سے چند اہم تبدیلیوں کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ قدوہ:

وہ یوں کہ معاشرے سے بری رسموں اور خراب چلن کو ختم کرنے کے لیے سب سے پہلے آپ نے خود اپنی ذات کو سب سے عمدہ اور بلند نمونہ بنا کر پیش کیا۔ چنانچہ آپ نے زہد وقناعت اور تقویٰ و ورع کی عمدہ مثال قائم کی اور اپنا، اپنے گھر والوں اور اپنے خاندان والوں کا محاسبہ کیا اور اپنی ذات سے لے کر اپنے آس پاس کے ماحول تک سب پر شریعت کو نافذ کیا۔

۲۔ تدریج:

آپ نے معاشرے کی اصلاح کے لیے تدریج کی سنت کو اپنایا۔ چنانچہ آپ نے بدعات کا خاتمہ کر کے سنتوں کو زندہ کیا، جس کا تفصیلی بیان گزشتہ میں گزر چکا ہے۔

۳۔ افراد معاشرہ کو سمجھنا:

آپ لوگوں کے ساتھ حکمت اور اچھی نصیحت کا رویہ اپناتے تھے۔ چنانچہ آپ ترغیب وترہیب دونوں سے کام لیتے۔ لوگوں کے نفوس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے انہیں کچھ دینار دے دیتے۔ البتہ حق، اقامت عدل اور ازالہ ظلم کے لیے اس کو لے بھی لیتے۔

---

[1] الشعر والشعراء: ۲/ ۶۱۲.

[2] الشعر والشعراء: ۲/ ۶۱۲.

۴۔ اولویات کی ترتیب:

یعنی پہلے کون سا امر مقدم ہے اور بعد میں کون سا۔ آپ نے ان سب امور میں تقدیم و تاخیر اور اولیت و بعدیت کی ترتیب قائم کی۔ چنانچہ آپ نے رد مظالم کو دوسرے سب کاموں پر مقدم کیا۔ اور اس باب میں ایک واضح اور صاف ستھری سیاسی روش اختیار کی۔ اور اس کا آغاز خود اپنی ذات، کنبہ اور خاندان سے کیا۔ آپ نے ظالم والیوں کو معزول کر کے ان کی جگہ نیک اور صالح عامل مقرر کیے۔ جن کی استعداد، امانت داری، عدل پروری اور علمی صلاحیت سے آپ ذاتی طور پر خوب واقف تھے تاکہ ظلم کا ازالہ، شریعت کا قیام اور عدل کا نظام قائم ہو۔

۵۔ اصلاحی اقدامات میں واضح رویہ:

آپ نے شوریٰ، حاکم کی بیعت اور حاکم کے اختیار میں امت کے حق کے مفاہیم کی تجدید کی۔ آپ نے متعدد ولایات پر نگران مقرر کیے۔ عدل کو عام کیا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو زندہ کیا، امت مسلمہ کے عقائد کی تصحیح کی۔ باطل عقائد کے خلاف جنگ کی، علماء کی طرف خاص توجہ دی اور ان کے لیے وظائف مقرر کر کے انہیں معاشی طور پر فارغ البال کر دیا تاکہ وہ اطمینان قلب کے ساتھ دعوت وارشاد اور تعلیم وتزکیہ کی ذمہ داریوں کو ادا کرتے رہیں۔

ان کے علاوہ آپ نے اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی میدانوں میں بھی بے شمار کارہائے نمایاں ادا کیے جن میں سے بعض کا ذکر گزشتہ اوراق میں گزر گیا ہے اور بعض کا آئندہ صفحات میں آ جائے گا۔

۶۔ قرآن وسنت کی پابندی:

آپ نے قرآن وسنت اور حضرات خلفائے راشدین مہدیین رضی اللہ عنہم کی سیرت کو لازم پکڑا۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے معاشرے کی اصلاح کے لیے جو اصلاحی اور تجدیدی اقدامات اختیار کیے ان سب کا مرجع شریعت اور اس کے قوانین کا وسیع دائرہ تھا۔

۲...... سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور علماء

ہم کہہ سکتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک کے دور میں علماء کو حکومتی ذمہ داریوں میں شریک کرنے کا اور سیاسی فیصلوں پر علماء کے اثر انداز ہونے اور ان کے قریب ہونے کا آغاز ہو چکا تھا۔ پھر جب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ بنے تو علماء نے حکومتی معاملات کے نظم وضبط میں ایک فعال، قوی اور گوناں گوں کردار ادا کیا۔ اور ان سب میں سرفہرست خود آپ تھے جنہیں معاصر علماء نے ایک جید، عبقری اور بڑا عالم اور فقیہ شمار کیا جس کو ایک عالم کی حیثیت سے نا کہ ایک بادشاہ کی حیثیت سے، امور خلافت سنبھالنے کی بھی کمال مہارت

حاصل تھی۔ اس لیے آپ کے دور میں امورِ مملکت میں علماء کی شرکت کا دائرہ بے حد وسیع ہوگیا۔ چنانچہ خلافت کا پایۂ تخت ہر وقت علماء سے معمور رہتا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے گرد علماء کا ہجوم رہتا تھا۔ آپ ان سے مشورے لیتے، وہ آپ کی اہم امور میں معاونت کرتے۔ دوسرے آپ اپنی خاص مجلس مشاورت سے غیر علماء کو ہمیشہ دور رکھتے تھے۔ اب میدان علماء کے ہاتھ میں تھا اور ان کے لیے خلافت کو خالص اسلامی اصولوں پر استوار اور مستحکم کرنے کا سنہری موقع تھا اور پھر انہوں نے ایسا کر کے بھی دکھایا، پھر ان کی مشارکت کا دائرہ حکومتی ذمہ داریوں سے بڑھ کر دوسرے امور تک پھیل گیا۔ چنانچہ خلافت کے مختلف عہدے اور مناصب ان کے سپرد کر دیئے گئے۔ اگر ہم یہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی حکومت ''علماء کی حکومت'' تھی۔ ایک اسلامی ملک کو کیسا ہونا چاہیے، سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا دورِ خلافت اور نظام حکومت اس کے سامنے ایک مثالی نمونہ ہے، جس میں بہترین طریقہ کے ساتھ شریعت کی سلطانی تنفیذی سلطانی کے ساتھ متحد تھی۔ [1]

خلافت وسلطنت میں علماء کا اس قدر بڑھتا اثر ونفوذ اور شرکت و مسئولیت پہلے اموی خلفاء کے دور میں نظر نہیں آتی۔ اور اس کی سب سے اہم وجہ خود سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی علماء کو اپنے قریب کرنے کی بے حد تمنا تھی۔ آپ علماء کو اپنا ہمراز، اخص الخواص اور مصاحب و وزیر بنانا چاہتے اور اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ علماء کو سیّدنا عمر سے اور آپ کے اعمال میں شرکت سے دور رہنے سے کوئی فائدہ نظر نہ آتا تھا۔ رہے وہ علماء جو اس قاعدہ اور اصل کی بنا پر خلفاء و امراء سے دور رہتے تھے کہ علماء کے ذمے علم کی حفاظت ہے اس لیے وہ پہل کر کے سلاطین کے پاس نہ جائیں گے بلکہ سلاطین کے ذمے ہے کہ وہ علم کی قدر کریں اور خود چل کر علماء کے پاس جائیں۔ تو ان کی شرط بھی سیّدنا عمر رحمہ اللہ کی ذات میں پوری تھی، وہ یوں کہ آپ خود علماء کی خدمت میں قاصد بھیج کر انہیں بلواتے تھے اور علماء کی بے حد تعظیم و توقیر کرتے تھے۔ اس لیے اس اصول پر کاربند علماء بھی آپ کے پاس بلا تکلف آتے جاتے تھے۔ رہے وہ علماء جو دین پر خوف کی بنا پر علماء وسلاطین سے اختلاط رکھنے سے اجتناب کرتے تھے۔ انہیں تو خاص طور پر اس بات کا مطلق اندیشہ نہ تھا۔ کیونکہ آپ کی محفل میں نشست و برخاست رکھنے والے کے علم اور دین دونوں میں اضافہ ہوتا تھا۔ اسی لیے علماء آپ کے پاس آتے جاتے تھے اور جو ذمہ داری آپ ان کے کندھوں پر ڈالتے تھے اس کو اٹھانا ضروری سمجھتے تھے۔ اور اس ذمہ داری کے قبول کرنے میں ان کے پاس کوئی عذر نہ تھا۔ [2] اور بقول ابن عساکر علماء کہا کرتے تھے کہ ''جب تک اس آدمی کے قول و فعل میں اختلاف و تضاد پیدا نہیں ہوتا ہمیں اس آدمی کو چھوڑنے کی ہرگز گنجائش نہیں۔'' [3]

ذرا ان میمون بن مہران کو ہی دیکھ لیجیے جو یہ کہا کرتے تھے کہ ''سلطان کے پاس مت جاؤ چاہے اس کو

---

[1] اثر العلماء فی الحیاة السیاسیة: ص ١١٤ . [2] ایضًا: ص ١٩٦ .

[3] مختصر تاریخ ابن عساکر نقلاً عن اثر العلماء: ص ١٩٧ .

طاعت کی طرف لانا ہی مقصود ہو۔'' اور جن کا یہ قول بھی ہے کہ ''نہ تو امیر سے کوئی جان پہچان رکھو اور نہ ان سے جو امیر کے واقف کار ہیں۔'' لیکن اس کے باوجود انہیں بھی سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مجالست اور مشارکت کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آتا۔ ❶ آپ کے دور میں علماء کی مشارکت کے متعدد مظاہر تاریخ کے اوراق میں ہمیں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند اہم مظاہر کو نقل کیا جاتا ہے:

ا۔ علماء کا خلیفہ کے قریب آنا اور اسلامی منہج پر چلنے میں خلیفہ کی کمر مضبوط کرنا:

علماء نے آپ کے اصلاحی کاموں میں بھرپور حصہ لیا اور آپ کی زبردست عملی تائید کی۔ دوسرے بعض علماء سے متاثر ہوکر بھی آپ نے چند اصلاحی کام کیے۔ ان میں عالم باعمل عراک بن مالک ❷ کا نام آتا ہے، چنانچہ عراک کے چچا زاد بھائی روایت کرتے ہیں کہ بنوامیہ سے لوٹی ہوئی رقوم واپس نکلوانے میں عراک بن مالک نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا زبردست ساتھ دیا اور اس باب میں وہ بنوامیہ کے شدید ترین مخالف تھے۔ اسی شدید مخالفت کا خمیازہ انہیں سیّدنا عمر رحمہ اللہ کے بعد کے اموی خلفاء کے ہاتھوں بھگتنا پڑا۔ چنانچہ یزید بن عبدالملک نے خلافت ہاتھ میں لینے کے بعد آپ کو ''دھلک'' ❸ جلا وطن کر دیا۔ عراک بن مالک غفاری، محدث، ثقہ، بہت بڑے شیخ اور کبار اور خیار تابعین میں سے تھے۔ عبادت گزار، شب بیدار اور دنیا سے بے رغبت تھے۔ آپ کے علم وتقویٰ سے جزیرہ دھلک کے لوگوں نے خوب فائدہ اٹھایا جہاں آپ کو جلا وطن کیا گیا تھا۔ ❹ آپ مسلسل روزے رکھتے تھے۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''میں نے عراک سے زیادہ نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا۔'' موصوف نے جلا وطنی کی حالت میں ہی ۱۰۶ ہجری میں یزید بن عبدالملک کے دور امارت میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ ❺

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے مقرب خاص میمون بن مہران سے ان کے بیٹے عمر روایت کرتے ہیں کہ میرے والد بیان کرتے ہیں: ''میں اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ امت کے امر پر رحم کرتے رہے حتیٰ کہ ایک دن میں نے آپ کے پاس چند خطوط پڑے دیکھے تو پوچھا کہ یہ آپ اپنے قلم سے کیسے خطوط لکھتے ہیں حالانکہ یہ کاغذ تو بیت المال کا ہے؟ تو اس کے بعد انہوں نے اپنے ترکہ سے خطوط لکھنے شروع کر دیئے جو آپ خلافت کے اطراف واکناف میں روانہ کرتے تھے اور آپ کے خط کی لمبائی بالشت بھر ہوتی تھی۔'' ❻

---

❶ البداية والنهاية نقلا عن اثر العلماء: ص ۱۹۷.

❷ عراک بن مالک غفاری، مدنی ہیں اور تابعین میں سے تھے۔

❸ دھلک: بحر یمن کا ایک جزیرہ، بے حد دشوار گزار، بنوامیہ اپنے مجرموں کو سزا دینے کے لیے اس جزیرہ کی طرف جلا وطن کر دیتے تھے۔ (سير اعلام النبلاء: ٥/ ٦٤)

❹ انتشار الاسلام في القرن الافريقي خلال القرون الثلاثة الاولى للهجرة: ص ۳۸، ۳۹.

❺ سير اعلام النبلاء: ٥/ ٦٤ ❻ ايضًا: ٥/ ۱۳۳.

علامہ ذہبی میمون بن مہران کے بارے میں لکھتے ہیں: ''امام، حجت، جزیرہ کے عالم اور مفتی'' تھے [1] اور خود عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ''جب یہ اور ان جیسے علماء دنیا سے گزر جائیں گے تو ان کے بعد لوگ جاہل اور بے عقل بن جائیں گے۔'' میمون عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے عمر میں بیس سال بڑے تھے۔ [2] میمون اسلاف امت میں سے تھے۔ کتاب و سنت کی خدمت میں زندگی گزار دی، اور اس بابت آپ کے متعدد واقعات اور پر اثر اقوال بھی ہیں آپ فرماتے ہیں: ''قدریوں کے ساتھ مت بیٹھو اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب و شتم سے سخت گریز کرو اور علم نجوم کو مت سیکھنا۔'' [3] ایک دن آپ نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو لکھا کہ ''میں نحیف ولاچار بوڑھا ہوں اور آپ نے میرے ذمہ قضا کا امر سونپ دیا ہے'' آپ الجزیرہ کے خراج اور قضاء کے محکموں پر تعینات تھے۔ سیّدنا عمر رحمہ اللہ نے اس کا جواب یہ لکھ بھیجا کہ ''میری طرف سے آپ کے ذمے ایسا کوئی کام نہیں جو آپ کو دشواری میں ڈال دے۔ پس آپ خراج میں طیب مال لے لیجیے اور صاف سیدھے معاملے میں فیصلے کیجیے اور جس مسئلہ میں گنجلک ہو، وہ میری طرف بھیج دیجیے، کیونکہ اگر لوگوں پر کوئی کام بھاری ہو جائے تو نہ دین حاصل ہوتا ہے اور نہ دنیا۔'' [4]

میمون بن مہران فرماتے ہیں: ''آدمی اس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے نفس کا محاسبہ اس سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ نہ کرے جتنا دو کاروباری شریک ایک دوسرے کا سختی کے ساتھ حساب کتاب کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ یہ تک جان لیتا ہے کہ اس کے شریک کا لباس اور کھانا پینا کہاں سے ہے۔'' [5] (پس آدمی اپنے نفس کا اس سے بھی سخت محاسبہ کرے)

آپ کا یہ قول بھی ہے: ''تین چیزیں ایسی ہیں جو نیک و بد دونوں کو ہر صورت واپس کی جائیں گی (اور ادا کی جائیں گی) امانت، عہد اور صلہ رحمی۔'' [6] کسی نے آپ سے یہ کہہ دیا کہ ''اے ابوایوب! جب تک آپ لوگوں میں زندہ ہیں اللہ انہیں خیر پر باقی رکھے گا۔'' تو آپ نے برجستہ کہا: ''دیکھو کیا کہتے ہو، لوگ تو اس وقت تک خیر پر باقی رہیں گے جب تک وہ اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے۔'' [7]

آپ فرماتے ہیں: ''جس نے بدی چھپ کر کی تو وہ توبہ چھپ کر کرے اور جس نے علانیہ بدی کی وہ توبہ بھی علانیہ کرے کیونکہ بندے عار دلاتے ہیں معاف نہیں کرتے جبکہ رب معاف کرتا ہے پر عار نہیں دلاتا۔'' [8]

جعفر بن برقان راوی ہیں کہ میمون بن مہران نے مجھے ارشاد فرمایا: ''اے جعفر! مجھے رو در رو ایسی بات

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۷۱۔ [2] ایضًا [3] ایضًا: ۵/ ۷۳۔ [4] ایضًا: ۵/ ۷۴۔
[5] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۷۴۔ [6] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۷۴۔ [7] ایضًا: ۵/ ۷۵۔
[8] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۷۵۔

کہو جو مجھے ناگوار گزرے کیونکہ آدمی اپنے بھائی کو نصیحت کرنے کا حق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتا جب تک وہ اسے رو در رو ناگوار بات نہ کہے۔'' ❶

ابوالملیح آپ کا یہ قول نقل کرتے ہیں: ''جب کوئی بادشاہ کے در پر جائے اور وہ نہ ملے تو اس آدمی کو چاہیے کہ وہ رب رحمٰن کے در پر آئے اور دو رکعت نماز پڑھ کر اس سے اپنی حاجت طلب کرے۔'' ❷

آپ کا قول ہے: ''اپنے نفس کو تین آزمائشوں میں مت ڈالنا، ایک تو سلطان کے پاس نہ جانا چاہے اسے نیک بننے کو کہنے جاؤ، کبھی خواہش نفس پر کان نہ دھرنا، تم نہیں جانتے کہ وہ تیرے دل کو کہاں پھنسا دے اور عورت کے پاس اکیلے میں مت جانا چاہے یہ کہو کہ جی میں تو اسے قرآن پڑھانے جاتا ہوں۔'' ❸

آپ فرماتے ہیں: ''پیغمبر ہو یا کوئی اور بنا صبر کے بڑی خیر نہیں پاتے۔'' ❹ آپ نے ۱۱۷ ہجری میں وفات پائی۔ ❺ اور ایک قول ۱۱۶ ہجری کا بھی ہے۔

۲۔ علماء کا آپ کو نصیحت کرتے رہنا اور خلافتی ذمہ داریوں کا احساس دلاتے رہنا:

بنوامیہ کے دور میں جس خلیفہ کو سب سے زیادہ نصیحتیں کی گئیں اور جس کی سب سے زیادہ رہنمائی کی گئی وہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہیں جس کی شہادت ان متعدد خطوط و رسائل سے ملتی ہے جس کا سلسلہ آپ میں اور علماء میں جاری رہتا تھا۔ اگر ہم صرف ان سب علماء کے نام اور ان کی نصیحتیں اور ان کے لکھے خطوط ہی گنوانے بیٹھ جائیں تو قصہ بے حد طویل ہو جائے گا۔ اس لیے ہم بطور مثال کے چند نامور علماء کے نام ذکر کرتے ہیں، ''سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب، محمد بن کعب قرظی، ابوحازم سلمہ بن دینار، قاسم بن مخیمرہ اور حسن بصری رحمہم اللہ وغیرہ۔ ان علماء کی توجیہات اور رہنمائیوں کا زیادہ تر تعلق سیّدنا عمر رحمہ اللہ کے سیاسی منہج سے ہوتا تھا۔ جس سے اس بات کی زبردست تائید ہوتی ہے کہ آپ کے سیاسی منہج کے سوتے علماء ربانی کی نصائح اور توجیہات سے پھوٹتے تھے۔ ❻

اب ذیل میں چند علماء کی ان نصائح کو نقل کیا جاتا ہے جو سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے لیے مشعل راہ بنتی چلی گئی تھیں۔

محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں: ''اے امیر المومنین! (لوگوں پر) دروازہ کھلا رکھیے گا، اور حجاب آسان رکھیے گا (یعنی دربان لوگوں کو آپ سے سہولت ملنے دیا کریں) مظلوم کی مدد کیجیے گا اور مظالم واپس کیجیے گا۔'' ❼

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ٥/ ٧٥. ❷ ایضًا ❸ ایضًا: ٥/ ٧٧.

❹ ایضًا: ٥/ ٧٨. ❺ ایضًا: ٥/ ٧٨.

❻ اثر العلماء فی الحیاۃ السیاسیۃ فی الدولۃ الامویۃ: ص ١٩٩.

❼ اثر العلماء فی الحیاۃ السیاسیۃ فی الدولۃ الامویۃ: ص ١٩٩.

قاسم بن مخیمرہ بھی ایسی ہی نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''ہمیں بزرگوں سے یہ بات پہنچی ہے کہ جو لوگوں کا والی بنے پھر ان کی حاجت اور فاقہ کو دور نہ کرے تو رب تعالیٰ اس کی حاجت اور فاقہ سے اس دن پردہ فرمالیں گے جس دن وہ اپنے رب سے ملے گا (یعنی قیامت کے دن)'' سیّدنا عمر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''پھر آپ کیا فرماتے ہیں (کہ میں کیا کروں)'' پھر آپ دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے، پھر اٹھ کر لوگوں میں چلے گئے۔ [1]

حسن بصری اپنے ایک خط میں آپ کو لکھتے ہیں: ''اما بعد! اے امیرالمومنین! آپ ہم عمر کے لیے بھائی، بڑے کے لیے بیٹا اور چھوٹے کے لیے باپ بن جائیے، ہر شخص کو اس کے جرم کے بقدر سزا دیجئے، اور غصہ اور طیش میں آ کر کسی کو بلا وجہ ایک کوڑا بھی نہ ماریے گا کہ کہیں یہی کوڑا دخول نار کا سبب نہ بن جائے۔'' [2]

گزشتہ صفحات میں یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے کہ آپ اس پہلو کو اپنی خلافت کا ایک عملی حصہ بنانے کے بے حد حریص تھے کہ کوئی عامل کسی فرد رعایا پر معمولی سا بھی ظلم نہ کرنے پائے۔ اس لیے آپ نے اس بابت اپنے عمال کو متعدد خطوط لکھے اور اس جانب انہیں بار بار متوجہ کیا۔ [3]

سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے نصیحتوں بھرے خط کے چند اقتباسات بھی سن لیجیے جو انہوں نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو لکھا تھا، سالم لکھتے ہیں: ''آپ سے پہلے لوگوں نے کچھ عمل کیے اور کچھ کام کیے، حتی کہ ان کی اگلی نسل نے جنہوں نے انہی باتوں کے ماحول میں پرورش پائی تھی، ان اعمال اور کاموں کو سنت (اور دین) سمجھ لیا۔ ان لوگوں نے دوسروں پر آسودگی کے دروازے بند کر دیئے۔ اور جب بھی یہ آسودگی کا ایک دروازہ بند کرتے اللہ ان پر آزمائش کا ایک دروازہ کھول دیتا، اگر آپ سے ہو سکے...... اور یہ اللہ کی مدد سے ہی ہو سکتا ہے...... کہ آپ لوگوں پر آسودگی کا دروازہ کھول سکیں تو ایسا کر دیجئے کہ آپ آسودگی کا جو دروازہ بھی کھولیں گے اللہ اس کے بدلے آپ پر آزمائش کا دروازہ بند کر دیں گے۔ جو آپ کو کسی عامل کو برطرف کرنے سے روکتا ہے۔ اور جب کسی کو اللہ کے لیے برطرف کریں گے اور اللہ کے لیے عامل بنائیں گے تو اللہ آپ کے اعوان وانصار پیدا کر دے گا اور انہیں آپ تک پہنچا بھی دے گا۔''

اسی خط میں یہ بھی لکھا ہے: ''آپ عراق کی طرف جس کو بھی والی بنا کر بھیجیں اس کو سزا کی دھمکی کے ساتھ اس بات سے سختی سے منع کر کے بھیجیں کہ وہ کسی کا ناحق مال چھینے یا کسی کا ناحق خون بہائے، اے عمر! اگر تمہیں کسی عامل کے بارے میں یہ خبر پہنچی کہ وہ ظلم کرتا ہے اور تم نے اسے نہ (روکا اور نہ) بدلا تو تمہارے لیے جہنم کے ہول سے نجات کا کوئی رستہ نہیں۔'' [4]

---

[1] سيرة عمر لابن الجوزی: ص ۱۱۳ .
[2] ایضًا: ص ۱۰۳ .
[3] اثر العلماء فی الحياة السياسية فی الدولة الاموية: ص ۱۹۹ .
[4] سيرة عمر لابن الجوزی: ص ۱۰۳ .

یہ توجیہات بعینہ وہی ہیں جن کو سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے رعایا کو غنی بنانے، اپنے عمال کی چھانٹی کرنے اور ان کا سخت محاسبہ کرنے کی بابت اپنی خلافتی سیاست میں اساسی درجے میں اپنا رکھا تھا۔ [1]

۳۔ حکومت کے مختلف عہدوں اور مناصب پر علماء کو متعین کرنا اور متعدد کاموں میں انہیں اپنا شریک کار بنانا:

آپ نے علماء سے فقط مشورہ لینے پر اور ان کے نصیحتیں کر دینے پر ہی اکتفاء نہ کیا بلکہ آپ نے اس سے آگے بڑھ کر انہیں مختلف اقالیم کا والی بنایا اور بعض کو بیت المال کا امر بھی سونپا، جس کا خلافت کی سیاست پر بے حد اچھا اثر مرتب ہوا اور بلاشبہ یہ خلافت کے اہم ترین مناصب تھے جن کو علمائے ربانی کے سپرد کر دینا آپ کے سیاسی منہج کا اہم ترین حصہ تھا۔ [2] اگر ہم خلافت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے والیوں کا جائزہ لیں تو ہمیں ان میں زیادہ تعداد علماء کی نظر آتی ہے۔ جیسے کوفہ کی ولایت ثقہ امام، امیرِ عادل عبدالحمید بن عبدالرحمن بن زید بن خطاب کے پاس نظر آتی ہے۔ [3] امام جلیل ابوبکر بن عمر بن حزم ہمیں مدینہ کی مسندِ ولایت پر رونق افروز ملتے ہیں۔ [4] افریقہ کی زمامِ ولایت امام کبیر اسماعیل بن ابی مہاجر نے اپنے ہاتھوں میں سنبھال رکھی ہے۔ [5] جزیرہ فراتیہ، آرمینیا اور آذربائیجان کی ولایت فقیہ محدث عدی بن عدی الکندی کے سپرد کی جاتی ہے۔ [6] امام قاضی عبادہ بن نسی نے اردن کی قلمرو قبول کی ہوئی ہے۔ [7] یمن پر ثقہ اور صالح جناب عروہ بن عطیہ سعدی والی نظر آتے ہیں۔ [8] اور رقہ کی امارت پر سالم بن وابصہ عبدی جیسے فاضل اور قاضی براجمان نظر آتے ہیں۔ [9] رہا بیت المال تو اس کے امور کو بھی متعدد علماء نے اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا، چنانچہ الجزیرہ کے خراج پر عالم جلیل میمون بن مہران مقرر تھے۔ [10] اور صالح بن جبیر صدائی جیسے ثقہ اور صالح عالم سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے خراج پر مقرر نظر آتے ہیں۔ [11] وہب بن منبہ یمن کے بیت المال پر اور میمون بن مہران ہمیں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ڈاک پر مقرر نظر آتے ہیں۔ [12] علماء کو ان مختلف ولایتوں پر مامور کرنے اور مختلف اقالیم کے بیت المال پر انہیں مقرر کرنے کا خلافت کے مالی اور ادارتی امور کو منضبط اور مرتب کرنے پر زبردست اثر مرتب ہوا جس کے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور خلافت کی سیاسی زندگی میں نہایت عمدہ نتائج حاصل ہوئے۔ [13]

---

[1] اثر العلماء: ص ۱۹۹ ۔
[2] ایضًا: ص ۲۰۰ ۔
[3] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۴۹ ۔
[4] المعرفة والتاریخ: ۱/ ۶۴۵ ۔
[5] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۲۱۳ ۔
[6] مختصر تاریخ دمشق: ۱۶/ ۳۲ ۔
[7] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۳۲۳ ۔
[8] تهذیب التهذیب: ۶/ ۱۸۶ ۔
[9] تاریخ دمشق نقلا عن اثر العلماء: ص ۲۰۱ ۔
[10] سیرة عمر لابن الجوزی: ص ۷۸ ۔
[11] اثر العلماء: ص ۲۰۲ ۔
[12] اثر العلماء: ص ۲۰۲ ۔
[13] ایضًا

۳...... خلافت امویہ اور دورِ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے مدارسِ علمیہ

میں نے سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مبارک سیرت میں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی ہے کہ کس طرح آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں جو خلافت راشدہ کا پایۂ تخت تھا، ایک مدرسہ قائم کیا، جہاں سے علماء، مبلغین، والی اور قاضی زیورِ علم سے آراستہ ہو کر نکلتے تھے۔ پھر مدارس کا یہ سلسلہ مکہ، مدینہ، بصرہ، کوفہ، شام اور مصر وغیرہ تک پھیل گیا۔ جہاں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوری توجہ کے ساتھ لوگوں کی تعلیم و تربیت کی اہم ذمہ داری کو سنبھالا۔ انہی علمی مدارس نے ان ممتاز علمی فقہی اور دعوتی جماعتوں کو تیار کیا جنھوں نے اسلام پھیلانے میں اس عسکری ادارے کی بھر پور معاونت و مساندت کی، جس کے ہاتھوں عراق، ایران شام، مصر اور بلادِ مغرب فتح ہوئے۔ چنانچہ وہ علماء صحابہ رضی اللہ عنہم جنھوں نے اپنی زندگیاں لوگوں کی دعوت و تربیت کے لیے وقف کر دیں تھیں وہ انہی مفتوحہ علاقوں سے ایک ایسی نسل تیار کرنے میں زبردست کامیاب ہوئے جس کو دین اسلام کا پورا شعور حاصل تھا۔ ان علماء صحابہ رضی اللہ عنہم نے زبان کی آڑ کے مسئلہ پر بھی قابو پا لیا چنانچہ جہاں ان صحابہ نے عجمی لغات پر عبور حاصل کیا وہیں بے شمار عجمیوں نے لغت اسلام ''عربی مبین'' کو سیکھ کر اس پر کامل دستگاہ حاصل کی۔ حتی کہ دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اس علمی تحریک کی قیادت کا منصب زیادہ تر انہی نومسلم عجمیوں نے سنبھالے رکھا۔ ان علمی اور فقہی مدارس نے مفتوحہ علاقوں کو بے حد متاثر کیا۔ انہی مدارس نے تابعین کی وہ نسل تیار کی جنھوں نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقدس علوم کو محفوظ بھی کیا اور بلا کم و کاست اگلی نسلوں کو منتقل بھی کیا۔ انہی شاندار محنتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرات تابعین کو ''سند'' کے اس مبارک سلسلہ میں نمایاں جگہ ملی جو امت تک اللہ کی کتاب اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نقل کرتی ہے۔ بے شک حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس علم کو جو انہوں نے بلا واسطہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا، امت تک منتقل کرنے کی فضیلت اللہ کی ذات مقدسہ کے بعد، اطراف و اکناف اسلامیہ جیسے مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، شام اور مصر وغیرہ میں پھیلے مدارس علمیہ کے بانیوں کو جاتی ہے۔ [1] خلافت امویہ کے دور میں حضرات تابعین عظام کی علمی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری رہا اور ان حضرات کے قائم کردہ مدارس علمیہ کے متخرجین نے عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی اشاعت دین کے فریضہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا، انہی میں سے اکثر علماء نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ان کے اس اصلاحی تجدیدی راشدی منصوبے میں زبردست معاونت کی جس کو انہوں نے منہاج نبوت سے اخذ کیا تھا۔ آیئے ذیل میں بعض اہم مدارس کے احوال کو اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

---

[1] الدور السیاسی للصفوة: ص ٤٦٢، ٤٦٣.

ا۔ شام کا مدرسہ:

یہ مدرسہ خلافت فاروقی میں قائم کیا گیا تھا، اس مدرسہ کے ممتاز مؤسس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو درداء اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی آتے ہیں، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جن جلیل القدر تابعین رحمہم اللہ نے اس مدرسہ کی دعوتی، علمی اور تربیتی ذمہ داریوں کو سنبھالا، ان میں سے مشہور تابعین یہ ہیں:

(الف) امام فقیہ ابو ادریس خولانی عائذ بن عبداللہ رحمہ اللہ:............ یہ دمشق کے قاضی اور عالم ہیں، حضرت ابودرداء، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم جیسے عظیم صحابہ کرام سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ شام میں سیّدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بعد جناب خولانی ہی افق علم پر چمکنے والے سب سے روشن ستارے تھے۔ حضرت ابوادریس خولانی رحمہ اللہ خود روایت کرتے ہیں: ''میں نے سیّدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کو پایا اور ان سے احادیث یاد کیں۔ اسی طرح مجھے حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہما سے بھی فیض یاب ہونے کی سعادت ملی اور میں نے ان دونوں حضرات سے بھی احادیث کو محفوظ کیا۔'' [1]

حضرت ابوادریس خولانی رحمہ اللہ حلال وحرام کا علم جاننے والے ثقہ فقہاء میں شمار کیے جاتے ہیں، قرآن کریم کی بے حد عمدہ تلاوت کرتے تھے۔ یزید بن عبیدہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ''میں نے ابوادریس خولانی رحمہ اللہ کو عبدالملک بن مروان کے عہد خلافت میں دیکھا۔ میں دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوا تو متعدد علمی حلقے لگے تھے، کہیں قرآن پڑھا جا رہا تھا تو کہیں علوم کا درس دیا جا رہا تھا، میں نے دیکھا کہ ابوادریس مسجد کے ایک ستون سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں، چنانچہ جب بھی کسی حلقہ میں آیت سجدہ آتی تو وہ آپ کے پاس پیغام بھیجتے کہ یہ آیت آپ پڑھ دیجئے۔ پھر آپ وہ آیت پڑھتے جس کو سب مسجد والے ہمہ تن گوش ہو کر سنتے۔ پھر سب اکٹھے سجدہ کرتے۔ پھر جب وہ سب کے سب قرآن پڑھنے سے فارغ ہو جاتے تو آپ کھڑے ہو کر سب میں وعظ ارشاد فرماتے۔'' [2]

یزید بن ابو مالک کہتے ہیں کہ ''ہم ابوادریس خولانی کی خدمت میں بیٹھتے تھے اور آپ ہمیں احادیث سنایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے ہمیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غزوہ کا حال بیان کیا یہاں تک کہ سب مجاہدین کے نام گنوا دیئے (اور ہمیں یوں لگنے لگا کہ جیسے یہ سارا منظر آپ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا) تو مجلس کے ایک کونے سے کسی صاحب نے یہ کہہ دیا: ''کیا آپ اس غزوہ میں شریک تھے؟'' فرمایا: ''نہیں'' اس پر وہ صاحب بولے ''میں اس غزوہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھا اللہ کی قسم! آپ کو یہ غزوہ مجھ سے زیادہ یاد ہے۔'' [3]

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٢٧٥. [2] ایضًا: ٤/ ٢٧٤. [3] ایضًا: ٤/ ٢٧٥.

عبدالملک بن مروان نے بلال بن ابی الدرداء کو قضاء سے معزول کر کے آپ کو قاضی بنا دیا تھا۔ [1] پھر عبدالملک نے آپ کو وعظ کہنے سے منع کر کے قضاء کو پوری یکسوئی کے ساتھ سنبھالنے کا حکم دے دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''آپ نے ہمیں اس بات سے تو منع کر دیا جس کی ہمیں رغبت ہے اور ذمے وہ لگا دیا جس سے ہم ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔'' [2] آپ نے ۸۰ ہجری میں اس عالم فانی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ دیا۔ [3]

(ب) فقیہ قبیصہ بن ذؤیب دمشقی:........... قبیصہ سیّدنا عمر بن خطاب، سیّدنا ابو درداء، سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اور بے شمار لوگوں سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ قبیصہ ثقہ تابعین میں سے تھے۔ آپ کا شمار مامون علماء اور کثیر الحدیث محدثین میں ہوتا تھا۔ شعبی کہتے ہیں، ''قبیصہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قضاء کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔'' [4] آپ کے بارے میں مکحول کا یہ قول ہے کہ ''میں نے قبیصہ سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا۔'' [5] اور ابن شہاب کا کہنا ہے کہ ''قبیصہ اس امت کے علماء میں سے تھے۔'' [6] آپ کی وفات کے بارے میں تین اقوال ہیں کہ ۸۶ یا ۸۷ یا ۸۸ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ [7]

(ج) رجاء بن حیوہ فلسطینی:............ اہل شام کے محدث اور کبار تابعین میں سے ہیں، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو درداء، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم اور ایک جماعت سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ [8]

آپ شامی، ثقہ، فاضل اور بے پناہ علم کے مالک تھے۔ [9]

رجاء بن حیوہ کا قول ہے کہ ''جو صرف ایسے لوگوں کے ساتھ بھائی چارہ رکھتا ہے جن میں کوئی عیب نہ ہو تو اس کے دوست کم ہوتے ہیں اور جو اپنے دوست کے اخلاص پر راضی نہیں ہوتا، اس کا دوست اس سے ناراض ہی رہتا ہے۔ اور جو اپنے دوستوں کی ہر لغزش پر انہیں سزا ضرور ہی دیتا ہے تو اس کے دشمن بہت زیادہ ہو جاتے ہیں۔'' [10]

عبدالملک بن مروان اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ہاں رجاء کا بے حد مرتبہ تھا۔ رب تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں بے شمار نیکی کے کام کروائے۔ پھر انہیں پیچھے کر دیا گیا تو یہ گوشہ نشین ہو گئے۔ [11]

رجاء نے ۱۱۲ ہجری میں وفات پائی۔ [12]

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٢٧٥. [2] ایضًا [3] ایضًا: ٤/ ٢٧٦.
[4] ایضًا: ٤/ ٢٨٣. [5] ایضًا [6] ایضًا
[7] ایضًا [8] ایضًا: ٤/ ٥٥٩.
[9] الفتوی، نشأتها وتطورها: ص ٨٥۔ از حسین ملاح.
[10] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٥٥٨. [11] ایضًا: ٤/ ٥٦٠. [12] ایضًا: ٤/ ٥٦١.

(د) مکحول شامی دمشقی: .... اہل شام کے عالم، زہری کے معاصر تھے اور تابعین کے وسطی طبقہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی۔ دمشق میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سب سے آخر میں وفات پانے والے یہی صحابی رسول حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ ❶

آپ نے اٹھانوے سال کی عمر میں ۸۵ ہجری میں انتقال فرمایا۔ ❷

مکحول کے بارے میں زہری کہتے ہیں ''علماء تو صرف چار ہی ہیں مدینہ میں سعید بن مسیّب، کوفہ میں شعبی، بصرہ میں حسن بصری اور شام میں مکحول۔'' ❸ مکحول اہل شام کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ آپ کے زمانے میں فتویٰ میں آپ سے زیادہ بصیرت وفراست کسی میں نہ تھی۔ ❹ آپ نے ۱۱۲ یا ۱۱۳ ہجری میں وفات پائی۔ آپ کے سن وفات میں اور بھی اقوال ہیں۔ ❺

(ھ) سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ: .... مدرسہ شامیہ ومدینہ کے عالم تھے۔ آپ کا شمار شامی علماء میں تب سے ہونے لگا جب آپ نے خلافت سنبھالنے کے بعد شام ہجرت کر لی تھی۔ فقہ میں معروف تھے اور سنت کی بے پناہ بصیرت حاصل تھی۔ اختلافی امور میں لوگوں کا مرجع آپ ہی تھے۔ ❻ خلافت امویہ کا پایہ تخت ہونے کی بنا پر شام کے مدرسہ نے بے پناہ ترقی کی۔

(و) بلال بن سعد سکونی: .... آپ امام ربانی، واعظ ومبلغ ابوعمرو دمشقی اہل دمشق کے شیخ ہیں، آپ کے والد ماجد صحابی تھے۔ آپ زبردست واعظ تھے اور عامۃ الناس کے لیے نہایت مفید اور پر اثر سچے قصے بیان کرتے تھے۔ آپ شام والوں کے لیے ایسے ہی تھے جیسے عراق والوں کے لیے حسن بصری تھے۔ آپ اہل شام کے قاری اور بلند آواز تھے۔ ❼

اوزاعی کہتے ہیں: ''میں نے بلال بن سعد سے زیادہ فصیح وبلیغ واعظ نہیں دیکھا۔'' ❽ آپ کا وعظ نہایت بلیغ نصیحت پر مشتمل ہوتا تھا، چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''اے ڈرنے والو! تم فنا کے لیے نہیں پیدا کیے گئے بلکہ تمہیں ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل کر دیا جائے گا، جیسا کہ تمہیں باپوں کی صلبوں سے ماؤں کے رحموں میں اور رحموں سے دنیا میں منتقل کیا گیا۔ پھر دنیا سے قبروں میں منتقل کر دیا جائے گا پھر قبروں سے میدان محشر میں اور وہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یا تو جنت میں یا پھر جہنم میں منتقل کر دیا جائے گا۔'' ❾

آپ کا یہ قول بھی ہے کہ یہ مت دیکھو کہ تم نے کتنا چھوٹا گناہ کیا یہ بلکہ یہ دیکھو کہ تم نے نافرمانی کس عظیم

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۳۸۶۔ ❷ ایضًا: ۳/ ۳۸۶۔
❸ ایضًا: ۵/ ۱۵۸۔ ❹ ایضًا: ۵/ ۱۵۹۔ ❺ ایضًا: ۵/ ۱۵۹۔
❻ الدعوۃ الی اللہ فی العصر العباسی الاول: ۱/ ۵۴۔
❼ سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۹۰۔۹۱۔ ❽ ایضًا: ۵/ ۹۱۔ ❾ ایضًا: ۵/ ۹۱۔

ذات کی کی ہے۔'' ❶

اوزاعی کہتے ہیں: ''میں نے بلال بن سعد کو یہ کہتے سنا: ''اللہ کی قسم! ہمارا یہی گناہ کافی ہے کہ اللہ نے ہمیں دنیا سے زاہد بنایا اور ہم دنیا کی رغبت رکھتے ہیں۔'' ❷ آپ نے تقریباً ایک سو چودہ یا پندرہ ہجری میں وفات پائی۔

۲۔ مدینہ کا مدرسہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دار فانی سے رحلت فرما جانے کے بعد مدینہ خلافت اسلامیہ کا پایہ تخت رہا۔ اور یہی مرکز خلافت بھی تھا۔ اسی شہر کی پاکیزہ فضاؤں میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نورانی عقلوں کو مزید جلا ملی اور ان میں استخراج احکام کی خداداد صلاحیتیں ابھر ابھر کر سامنے آنے لگیں اور وہ احکام فتوحات کی کثرت کی بنا پر اسلامی معاشرے میں پیدا ہونے والے نت نئے مسائل کے حل کے قرار واقعی مناسب تھے۔ خلافت فاروقی میں فقہاء صحابہ کی تعداد ۱۳۰ تک پہنچ گئی۔ اور ان میں بھی سات فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم سب سے ممتاز اور کثرت کے ساتھ فتویٰ دینے والے تھے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: ''سیّدنا عمر، علی، عبداللہ بن مسعود، سیدہ عائشہ صدیقہ، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم۔'' ❸

پھر حضراتِ تابعین عظام رحمہم اللہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم، دعوت اور تربیت کے سچے وارث اور جانشین بنے۔ ان علماء وفقہاء تابعین رحمہم اللہ میں سے جن خوش نصیبوں نے خوب شہرت پائی ان کے نام نامی یہ ہیں ''سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، عمرہ بنت عبدالرحمٰن بن سعد انصاریہ، قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، سلیمان بن یسار اور نافع مولیٰ ابن عمر رحمہم اللہ۔'' ❹ میں نے اسی کتاب کے آغاز میں ان تابعین عظام کے علمی کردار پر کافی حد تک روشنی ڈال دی ہے۔

۳۔ مکہ کا مدرسہ:

مکہ کے اس مدرسہ کی سب اہل ایمان کے دل میں بے حد عزت وتکریم تھی چنانچہ مکہ کے مقیم، بلد حرام کی زیارت اور حج وعمرہ کے لیے آنے والے سب کے سب اس مدرسہ کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بلکہ مکہ تو وہ شہر ہے جس کی محبت میں ہر وہ شخص گرفتار ہے جس نے اس کی زیارت کر لی ہے اور یا جو ابھی تک اس کی زیارت کرنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔ دور صحابہ میں اس شہر پر علم کا راج تھا۔ اور دور صحابہ کے آخر میں مکہ کا علم ترقی کی اوج ثریا کو چھو رہا تھا۔ حضرات تابعین اور ان کے ہونہار تلامذہ جیسے ابن ابی نجیح اور ابن جریج

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۹۱۔ ❷ ایضًا: ۵/ ۹۲۔

❸ المدینۃ النبویۃ فجر الاسلام والعصر الراشدی: ۲/ ۴۵۔

❹ الفتوی: ص ۸۱، ۸۲۔ از دکتور حسین ملاح۔

وغیرہ ❶ کے دور میں بھی مکہ کے علم کی ترقی کا حال یہی رہا۔ البتہ مکہ کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے کہ حبر الامہ، ترجمان القرآن سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس بلد امین کو اپنی علمی فقہی، حدیثی، قرآنی، دعوتی اور تربیتی کاوشوں کا مرکز بنالیا تھا جس کے واضح اثرات ہمیں حضرات تابعین کے دور میں نظر آتے ہیں۔ آپ نے علم تفسیر پر خصوصی توجہ دی۔ اور اپنے شاگردوں کی اس خاص فن میں خصوصی تربیت کی۔ پھر ایسے ایسے نابغہ روزگار پیدا ہوئے جو تفسیری مدارس کے سب تلامذہ پر سبقت لے گئے۔ علماء نے اس سبقت وفوقیت کے اگرچہ متعدد اسباب ذکر کیے ہیں لیکن ان میں سب سے اہم سبب خود سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں امامت وجلالت اور آپ کی استاذیت تھی۔ ❷ ذیل میں مدرسہ مکیہ کے اجل علمائے تابعین کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(الف) مجاہد بن جبر مکی: .... آپ نے تفسیر اور فقہ کو سیّدنا ابن عباس اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے حاصل کیا۔ آپ عالم فقیہ، ثقہ اور علم کا خوگر تھے۔ ❸ مجاہد خود بیان کرتے ہیں کہ ”میں نے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما پر تین مرتبہ پورا قرآن پڑھا کہ میں آپ کو ہر آیت پر روک کر یہ سوال کرتا کہ یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی اور اس کا مطلب کیا ہے۔“ ❹

قتادہ کہتے ہیں: ”باقی رہ جانے والے تابعین میں سے تفسیر کے سب سے بڑے عالم مجاہد ہیں۔“ ❺ مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ”میں سیّدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان کی خدمت کرنے کے جذبے سے حاضر ہوتا تھا مگر وہ خود میری خدمت کرنے لگ جاتے تھے۔“ ❻

مجاہد نے سلیمان بن عبدالملک اور سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ دونوں سے ان کے ادوارِ خلافت میں آکر ملاقات کی تھی، مجاہد سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وفات پر حاضر ہوئے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں: ”سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مجھ سے اپنے مرض الوفات میں پوچھا کہ لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں؟“ (کہ میرا یہ حال کس بنا پر ہے) تو میں نے کہا کہ ”لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”مجھ پر جادو نہیں۔“ پھر اپنے ایک غلام کو بلا کر پوچھا: ”تیرا بھلا ہو! تم نے مجھے زہر کیوں پلایا؟“ بولا: ”مجھے اس کام کے ایک ہزار دینار دیے گئے تھے اور مجھ سے آزادی کا بھی وعدہ کیا گیا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”وہ دینار میرے پاس لاؤ۔“ غلام جا کر وہ دینار لے کر آیا۔“ آپ نے وہ دینار بیت المال میں جمع کروا دیئے اور زہر دینے والے غلام سے فرمایا: ”کسی ایسی جگہ چلے جاؤ، جہاں تمہیں کوئی دیکھ نہ پائے۔“ ❼

❶ المدینة النبویة فجر الاسلام والعصر الراشدی: ۲/ ۴۸.
❷ تفسیر التابعین: ۱/ ۳۷۱۔ از محمد خضری.
❸ الفتوی: ص ۸۰۔ از محمد حسین ملّاح.
❹ سیر اعلام النبلاء: ۴/ ۴۵۱.
❺ سیر اعلام النبلاء: ۴/ ۴۵۱.
❻ ایضًا: ۴/ ۴۵۲.
❼ ایضًا: ۴/ ۴۵۳.

مجاہد کہتے ہیں: ''میں نہیں جانتا کہ اللہ نے مجھے ان دونوں میں سے زیادہ بڑی نعمت کون سی دی ہے، اسلام کی ہدایت یا ان خواہشات سے نجات۔'' ❶

علامہ ذہبی، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر حاشیہ لکھتے ہوئے رقم کرتے ہیں: ''مجاہد رحمہ اللہ کی خواہشات سے مراد تھی رافضیت، قدریت اور جہمیت۔'' ❷

عبدالوہاب بن مجاہد سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''میں ابا جان کے پاس بیٹھا تھا کہ آپ کا بیٹا یعقوب آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''ابا جان! ہمارے کچھ دوست ہیں جو اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہم زمین والوں اور آسمان والوں کا (یعنی مقربین ملائکہ اور دوسرے فرشتوں کا) ایمان ایک ہی ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''بیٹے! یہ لوگ میرے اصحاب نہیں۔ اللہ نے ان لوگوں کو جو ہر وقت گناہوں میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ (یعنی اہل زمین کو) ان لوگوں کی طرح نہیں بنایا جن سے کسی گناہ کا صدور ہی نہیں ہوتا۔'' ❸

مجاہد رحمہ اللہ نے تراسی سال ❹ کی عمر میں ۱۰۲ ہجری میں بحالت سجدہ جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ ❺

(ب) عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما:.......... عکرمہ مکی، تابعی، ثقہ اور تابعین میں سب سے زیادہ علم کے مالک ہیں، آپ حضرت ابن عباس، سیدہ عائشہ صدیقہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عمرو، حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ ❼

عکرمہ کہتے ہیں: ''میں چالیس سال تک علم حاصل کرتا رہا اور میں دروازے پر لوگوں کو فتویٰ دیا کرتا تھا جبکہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اندر گھر میں موجود ہوتے تھے۔'' عکرمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے خود فرمایا: ''جاؤ اور جا کر لوگوں کو فتویٰ دیا کرو، میں تیری مدد کروں گا۔'' میں نے عرض کیا: ''اگر لوگ اس سے دو چند بھی ہو جائیں تو تب بھی میں انہیں فتویٰ دوں۔'' آپ نے پھر فرمایا: ''جاؤ اور جا کر لوگوں کو فتویٰ دو، پس جو کام کی بات پوچھے اسے جواب دو اور جو لایعنی سوال کرے اسے جواب مت دینا یوں تو اپنی گردن سے لوگوں کی دو تہائی ذمہ داری اتار پھینکے گا۔'' ❽ (کہ زیادہ تر لوگ لایعنی سوال ہی کرتے ہیں)

عکرمہ کثرت کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ آپ عبدالرحمٰن حساس غافقی کے پاس جا کر فروکش ہوئے، وہاں سے افریقہ چلے گئے۔ ❾

عکرمہ پر ''صفریہ'' ہونے کی بھی تہمت لگائی گئی جو خوارج کا ایک فرقہ تھا، لیکن یہ تہمت کسی صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں۔ یہ تہمت ''یقال'' ❿ (کہا جاتا ہے) کے صیغہ کے ساتھ کتبِ تاریخ میں ملتی ہے جو تعبیر کا

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٤٥٥۔ ❷ ایضًا ❸ ایضًا
❹ ایضًا: ٤/ ٤٥٦۔ ❺ ایضًا ❻ طبقات ابن سعد: ٥/ ٤٦٧۔
❼ سیر اعلام النبلاء: ٥/ ١٣۔ ❽ ایضًا: ٥/ ١٥۔ ❾ ایضًا
❿ براءۃ السلف مما نسب الیھم من انحراف فی الاعتقاد: ص ٣٩۔

کمزور صیغہ ہے، جس سے یقین و اذعان اور ثبوت کی دولت حاصل نہیں ہوتی چنانچہ ابو حاتم رازی، ابن حبان، عجلی، ابن مندہ اور ابن عبدالبر جیسے ائمہ جرح و تعدیل نے عکرمہ کا بھرپور دفاع کیا ہے اور انہیں اس تہمت سے بری قرار دیا ہے۔ ابن حجر ''فتح الباری'' کے مقدمہ میں ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''عکرمہ سے کوئی (نظریاتی یا اعتقادی) بدعت ثابت نہیں۔'' [1] اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہمارے اصحاب میں سے ایسا کوئی بھی نہیں جو عکرمہ سے احتجاج و استدلال نہ کرتا ہو۔'' [2] عکرمہ نے ۱۰۵ ہجری میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ [3]

(ج) عطاء بن ابی رباح:.......... عطاء حرم کے مفتی اور ائمہ فقہاء میں سے ہیں۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، سیدہ ام سلمہ، سیدہ عائشہ صدیقہ، حضرت رافع بن خدیج، حضرت زید بن ارقم، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عمرو، حضرت جابر، حضرت معاویہ، حضرت ابو سعید اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ [4] عطاء ثقہ، فقیہ، عالم اور بہت زیادہ حدیث (بیان کرنے) والے تھے۔ اہل مکہ کا فتویٰ ان پر ختم تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عطاء رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اے اہل مکہ! تم اکٹھے ہو کر میرے پاس چلے آتے ہو حالانکہ تم میں عطاء موجود ہیں۔'' آپ کی جلالت علمی کی وجہ سے ہی بنو امیہ حج کے دنوں میں اس بات کا اعلان کروا دیتے تھے کہ لوگوں کو (مناسک حج کے بارے میں) عطاء کے سوا کوئی دوسرا فتویٰ نہ دے۔'' آپ نے ۱۱۵ ہجری میں وفات پائی۔ [5]

یہ مدرسہ مکیہ کے چند ان جلیل القدر تابعین کا اختصار کے ساتھ تذکرہ ہے جنہوں نے نسل نو کی تعلیمی، دعوتی اور تربیتی ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ [6]

۴۔ بصرہ کا مدرسہ

بصری مدرسہ علوم دینیہ کے ہر فن میں کوفہ کے مدرسہ کے ساتھ زبردست مقابلہ کرتا تھا۔ بے شمار صحابہ بصرہ جا کر فروکش ہو گئے تھے۔ جن میں حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت عمران بن حصین اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم کے نام سر فہرست ہیں۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو حسن بصری، سلیمان تیمی، ثابت بنانی، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، ابراہیم بن ابی میسرہ، محمد بن سیرین اور قتادہ وغیرہ جیسے جلیل القدر تابعین رحمہم اللہ کا شیخ اور استاذ تصور کیا جاتا ہے۔ [7] ذیل میں مدرسہ بصریہ کے چند سر برآوردہ تابعین کے تذکروں کو نذر قلم کیا جاتا ہے۔

---

[1] مقدمة فتح الباري: ص ٤٢٨ .
[2] سير اعلام النبلاء: ٥/ ٣١ .
[3] ايضًا: ٥/ ٣٤ .
[4] سير اعلام النبلاء: ٥/ ٧٩ .
[5] الفتوى: ص ٨١۔ از حسين ملاح .
[6] الدعوة الى الله فى العصر العباسى الاول: ١/ ٤١ .
[7] تفسير التابعين: ١/ ٤٢٣٩ .

(الف) محمد بن سیرین بصری: .... آپ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، آپ نے حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور بے شمار لوگوں سے حدیث سنی۔ [1] حبیب بن شہید روایت کرتے ہیں: ''میں عمرو بن دینار کے پاس بیٹھا تھا وہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! میں نے طاؤس جیسا آدمی نہیں دیکھا۔'' اسی مجلس میں ایوب سختیانی بھی بیٹھے تھے، یہ سن کر وہ کہنے لگے: ''اگر آپ نے ابن سیرین کو دیکھا ہوتا تو یہ نہ کہتے۔'' [2] عثمان البتی کہتے ہیں: ''بصرہ میں ابن سیرین سے زیادہ قضاء کو جاننے والا اور کوئی نہ تھا۔'' [3] حسن بصری رحمہ اللہ آپ کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔ ثابت بنانی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''جن دنوں حسن بصری حجاج کے ظلم کے خوف سے روپوشی کی زندگی گزار رہے تھے، ان کی ایک بیٹی کا انتقال ہوگیا، رجاء نے آکر بیٹی کی وفات کی اطلاع دی اور جنازہ پڑھانے کو بھی کہا۔ بیٹی کے مرنے کی خبر سن کر آپ رونے لگے حتیٰ کہ آپ کی آواز بلند ہوگئی۔ پھر آپ نے کہا کہ ابن سیرین سے کہو کہ وہ میری بیٹی کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔'' حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف ابن سیرین رحمہ اللہ کی عظمت کا یہ عملی اقرار تھا کہ وہ ابن سیرین کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ [4]

ابن سیرین رحمہ اللہ ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتے تھے۔ [5] آپ نے خوابوں کی تعبیر بیان کرنے میں بے مثال شہرت پائی اور اس باب میں کوئی آپ کا ثانی نہیں تھا۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں: ''ابن سیرین سے خوابوں کی تعبیر میں نہایت حیرت انگیز باتیں منقول ہیں اور اس فن میں آپ کو ربانی تائید حاصل تھی۔'' [6] ابن سیرین بڑے خوش لباس تھے، قیمتی پوشاکیں پہنتے، نفیس چادریں اوڑھتے اور دیدہ زیب عمامے باندھتے تھے۔ [7] ابن سیرین بڑے خوش طبع بذلہ سنج اور ظریف تھے۔ [8] اپنی والدہ کے ساتھ بے حد حسن سلوک کرتے تھے۔ آپ کی بیٹی حفصہ بیان کرتی ہیں، آپ کی والدہ حجازیہ تھیں، انہیں رنگین کپڑے بے حد پسند تھے، اس لیے ابا جان ان کے لیے بے حد نفیس اور نرم کپڑے خریدتے تھے۔ عید کے موقع پر والدہ کو کپڑے رنگ کروا دیتے، کبھی ان سے اونچی آواز میں بات نہ کرتے اور بات کرتے وقت بے حد جھک کر بات کرتے تھے۔ [9] ابن عون سے روایت ہے: اگر کوئی ابن سیرین کو اس وقت دیکھ لیتا جب وہ اپنی والدہ کے پاس ہوتے تھے تو انہیں پہچان نہ سکتا کہ وہ والدہ کے ساتھ اتنی پست آواز سے بات کرتے تھے جیسے بیماریوں نے انہیں نڈھال کر ڈالا ہو۔ [10]

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٦٠٦۔
[2] ایضًا: ٤/ ٦٠٨۔
[3] ایضًا
[4] ایضًا: ٤/ ٦١٠۔
[5] ایضًا: ٤/ ٦١٥۔
[6] ایضًا: ٤/ ٦١٨۔
[7] ایضًا: ٤/ ٦١٩۔
[8] ایضًا: ٤/ ٦١٣۔
[9] ایضًا: ٤/ ٦١٩۔
[10] ایضًا: ٤/ ٦٢٠۔

ابن عون ہی بیان کرتے ہیں: ''جب لوگ آپ کے پاس کسی کی برائی بیان کرتے تو آپ اس کی اچھائی ذکر کرنے لگتے، لوگ آپ کے پاس آ کر کہتے کہ ہم نے آپ کی غیبت کی ہے، ہمارے لیے اسے حلال کر دیجیے۔ (یعنی معاف کر دیجیے) تو فرماتے: بھلا میں تم لوگوں کے لیے ایک ایسی بات کیسے حلال کر دوں جس کو رب تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔'' [1] ابن سیرین رحمہ اللہ نے ۱۱۰ ہجری میں حسن بصری رحمہ اللہ کی وفات کے سو دن بعد اس دار فانی کو الوداع کہا۔ [2]

(ب) قتادہ بن دعامہ سدوسی:.......... آپ علم میں سمندر تھے، متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم اور کبار تابعین سے حدیث روایت کی۔ آپ ثقہ اور حدیث میں ''حجت'' تھے۔ [3]

امام احمد رحمہ اللہ آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: ''قتادہ تفسیر اور اختلاف علماء کے سب سے بڑے عالم تھے۔'' پھر آپ کے حفظ اور فقہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تم ان سے آگے کسی کو کم ہی دیکھو گے۔'' [4]

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''قتادہ اہل بصرہ کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ جو بھی سنتے یاد کر لیتے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا صحیفہ ان کے سامنے فقط ایک بار پڑھا گیا۔ آپ نے ایک بار سن کر ہی اس کو یاد کر لیا۔'' [5]

سلام بن مطیع بیان کرتے ہیں کہ قتادہ سات دن میں قرآن ختم کر لیتے تھے۔ اور رمضان میں ہر تین دنوں میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔'' [6]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''قتادہ حافظِ عصر اور مفسرین و محدثین کا قدوہ تھے۔'' [7] آپ عربیت، غریب الالفاظ، ایام عرب اور عربوں کے انساب کے سب سے بڑے عالم تھے۔ [8]

قتادہ حسن بصری کے بڑے شاگرد تھے، بارہ سال تک ان کی خدمت رہے اور تین سال تک ان کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ [9] ۱۱۸ ہجری میں وفات پائی۔ [10]

۵۔ کوفہ کا مدرسہ

کوفہ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ بیعت رضوان میں شریک ہونے والے تین سو اجل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ جبکہ ستر بدری صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اسی شہر کو اپنے قدوم میمنت لزوم کی سعادت بخشی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی علمی اور دینی تربیت کی بے حد فکر تھی۔ اسی لیے آپ

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٦٢٠.
[2] ایضًا: ٤/ ٦٢١.
[3] الفتوی: ص ٨٤۔ از حسین ملاح.
[4] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٢٧٧.
[5] ایضًا: ٤/ ٢٧٦.
[6] ایضًا: ٤/ ٢٧٠.
[7] ایضًا: ٤/ ٢٧٧.
[8] ایضًا: ٤/ ٢٨٣.
[9] ایضًا
[10] فصل الخطاب فی سیرت امیر المومنین عمر بن الخطاب: ص ٢٦٤.

نے سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیج دیا تھا۔ سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی شبانہ روز کاوشوں سے علم وفہم سے آراستہ ایک نسل تیار کر دی جس نے دعوت الی اللہ کو اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا۔ آپ کے مصاحبوں اور بعد میں آنے والوں پر آپ کے علم وفہم اور تقویٰ وعبادت کا گہرا اثر مرتب ہوا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کی ایک جماعت علم وفقہ اور زہد وتقویٰ میں بے حد مشہور ہوئی جن میں علقمہ بن قیس، مسروق بن اجدع، عبیدہ سلمانی، اسود بن یزید اور مرہ جعفی سرفہرست ہیں، ذیل میں کوفی مدرسہ کے چند مشہور تابعین کا ذکر کیا جاتا ہے:

(الف) عامر بن شرجیل شعبی:........... آپ اپنے دور کے علامہ اور سب سے بڑے فقیہ تھے۔ آپ سیدہ عائشہ صدیقہ، حضرت ابن عمر، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور صحابہ کی ایک جماعت سے حدیث روایت کرتے ہیں، ایک قول میں یہاں تک آتا ہے کہ آپ کی پانچ سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات ہوئی تھی۔ [1] اس لیے آپ کے علم وفقہ کے آثار بے شمار تھے۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں، ''میں نے دیکھا کہ کوفہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثرت کے باوجود لوگ ان سے فتویٰ پوچھتے تھے اور اتنے بے پناہ علم کے باوجود فتوی دیتے وقت طبیعت گھٹ جاتی تھی۔ اور اکثر اوقات تو یہ کہہ دیتے تھے: ''میں نہیں جانتا'' کیونکہ آپ کے نزدیک ''لا ادری'' ''نصف علم تھا۔ [2] شعبی کہتے ہیں: ''ہم فقہاء نہیں ہم تو بس حدیث سن کر آگے روایت کر دیتے ہیں۔ فقہاء تو وہ ہیں جو سن کر اور جان کر عمل کرتے ہیں۔'' [3]

اعمش شعبی کا ایک انوکھا نکتہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''ایک آدمی نے آ کر شعبی سے پوچھا کہ ابلیس کی بیوی کا نام کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ''میں اس کی شادی میں شریک نہ تھا۔'' [4] عامر کی تاریخ وفات میں تین اقوال ہیں ۱۰۴، ۱۰۵ اور ۱۰۶ ہجری۔ [5]

(ب) حماد بن ابی سلمہ:........... آپ فقیہ عراق ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ ابراہیم نخعی کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا۔ آپ ابراہیم کے ذہین ترین، فقیہ ترین، عقلمند ترین اور مناظرہ کے سب سے ماہر اصحاب میں سے تھے۔ [6] آپ ذہین، کریم اور سخی علماء میں سے تھے۔ رب تعالیٰ نے دولت وثروت جاہ وحشمت اور حسن وجمال کی نعمتوں سے نواز رکھا تھا۔ [7] علماء نے لکھا ہے کہ کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما تھے۔ اور ان کے سب سے فقیہ ساتھی علقمہ تھے۔ علقمہ کے سب سے فقیہ ساتھی ابراہیم اور ابراہیم کے سب سے فقیہ ساتھی حماد تھے۔ جبکہ حماد کے سب سے فقیہ ساتھی امام اعظم

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٢٩٨.
[2] الفتوی: ٨٣ از دکتور حسین ملاح.
[3] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٣٠٣.
[4] ایضًا: ٤/ ٣١٢.
[5] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٣١٨.
[6] الفتوی: ص ٨٣۔ از ملاح.
[7] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٢٣١.

ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ کے سب سے فقیہ ساتھی امام ابو یوسف تھے۔ پھر امام ابو یوسف کے اصحاب آفاق میں پھیل گئے۔ جن میں سب سے بڑے فقیہ امام محمد اور ان کے سب سے بڑے فقیہ ساتھی ابوعبداللہ شافعی رحمہ اللہ تھے۔ [1] حماد نے ۱۲۰ ہجری میں وفات پائی۔ [2]

٦۔ یمن کا مدرسہ

یمن کے مشہور علماء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سرفہرست جن حضرات کا نام نامی آتا ہے جن کی مومنانہ کاوشوں کی برکت سے یمن میں اسلام پھیلا، وہ یہ ہیں: حضرت معاذ بن جبل، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں دکتور عبداللہ حمیری کا مفید علمی رسالہ "الحدیث فی المحدثون فی الیمن فی عصر الصحابۃ" ذیل میں یمنی مدرسہ کے چند مشہور تابعی علماء کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(الف) طاؤس بن کیسان: .... یمن کے فقیہ اور قدوہ اور حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم، تابعین کے سردار اور ثقہ ہیں۔ حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو ہریرہ، حضرت زید بن ارقم، حضرت ابن عباس اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ آپ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قریبی ساتھیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ [3] آپ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت کرتے ہیں۔ [4] آپ ایرانی النسل تھے اور آپ کا تعلق اس خاندان سے تھا جس کو کسریٰ نے یمن حاصل کرنے کے لیے تیار کیا تھا۔ [5] آپ جلیل القدر فقیہ اور اہل یمن کے لیے باعثِ برکت تھے۔ [6] پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت وزیارت کی سعادت ملی۔ [7] سلیمان بن عبدالملک کے دور میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے طاؤس سے کہا: "اپنی ضرورت خلیفہ کے پاس جا کر پیش کرو۔" تو کہنے لگے: "مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔" عمر یہ جواب سن کر بے حد حیران ہوئے۔ [8]

طاؤس کہا کرتے تھے: "جوان کی عبادت تب ہی کامل ہوتی ہے، جب وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو جاتا ہے۔" [9] ایک دفعہ آپ نے بخل اور شح میں فرق واضح کرتے ہوئے فرمایا: "بخل یہ ہے کہ آدمی اس چیز کے دینے میں کنجوسی دکھلائے جو اس کے پاس ہے اور شح یہ ہے کہ آدمی دوسروں کی چیزیں بھی خود لے لینے کی تمنا کرے۔" [10]

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٢٣٦.
[2] ایضًا
[3] سیر اعلام النبلاء: ٥/ ٣٩
[4] ایضًا
[5] ایضًا: ٥/ ٣٨
[6] الفتوی: ص ٨٥.
[7] سیر اعلام النبلاء: ٥/ ٤٣.
[8] ایضًا: ٥/ ٤١.
[9] ایضًا: ٥/ ٤٢.
[10] ایضًا: ٥/ ٤٨.

قیس بن سعد آپ کے بارے میں کہتے ہیں: ''ہمارے درمیان طاؤس بالکل ایسے ہیں جیسے تم لوگوں میں ابن سیرین ہیں۔'' ابن المدینی کہتے ہیں کہ: سفیان سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے کسی کو بھی طاؤس کے برابر نہ سمجھتے تھے۔''[1] طاؤس امراء وسلاطین سے جدا رہتے تھے۔ البتہ جب انہیں کسی کام پر مجبور کیا جاتا تھا تو دوسری بات تھی۔ اور جب نصیحت کے لیے بلایا جاتا تو کسی کا پاس لحاظ کیے بغیر بے لاگ اور دو ٹوک نصیحت کرتے تھے۔ اور حق کہنے میں کسی کا خوف نہ کرتے۔ آپ نے ۱۰۶ ہجری میں مکہ میں وفات پائی۔[2]

(ب) وہب بن منبہ: .... آپ ایرانی النسل تھے۔ نام ابوعبداللہ وہب بن منبہ ہے۔ ذمار[3] میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ نے علم حاصل کیا، عبادت کو لازم پکڑا، اور گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ گزشتہ کتابوں کا علم بھی حاصل کیا۔[4]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ آپ کو ان جامع الفاظ کے ساتھ خراج عقیدت پیش کرتے ہیں: ''امام، علامہ، اخبار و روایات کے راوی اور قصص ومواعظ کہنے والے۔'' عجلی کہتے ہیں: ''تابعی، ثقہ، صنعاء کے قاضی۔'' اور شیرازی نے آپ کا ذکر یمن کے تابعی فقہاء میں کیا ہے۔[5] بڑی حکمت وذہانت کے مالک تھے، یمن میں خوارج کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا اور لوگوں کے ان کے گمراہ کن افکار ونظریات کی بابت خبردار کیا۔[6] قارئین کرام کے افادہ علمی کے لیے وہب بن منبہ کی ابوشمر خولانی سے ہونے والی گفتگو کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

''ہوا یہ کہ ابوشمر خولانی داؤد بن قیس کے ساتھ آپ کو ملنے آیا۔ داؤد نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے آپ سے یہ کہا: ''اے وہب! یہ ابوشمر خولانی ہے، اہل قرآن اور صاحب تقویٰ وصلاح ہے، اس کے باطن کا حال اللہ ہی جانتا ہے۔ حروریوں (یعنی خارجیوں) کی ایک جماعت ان ابوشمر خولانی سے ملی تھی اور انہوں نے ابوشمر سے یہ کہا تھا کہ جو زکوٰۃ تم لوگ ان امراء کو دیتے ہو، وہ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ یہ لوگ زکوٰۃ کو اس کے مصارف شرعیہ میں خرچ نہیں کرتے۔ وہ زکوٰۃ تم لوگ ہمیں دیا کرو۔'' ابوشمر نے یہ سارا قصہ مجھے سنایا۔ میری سمجھ میں اس کا جواب نہیں آیا۔ اے ابواللہ! میرا گمان ہے کہ ان کو میرے سے زیادہ آپ کی بات سے تسلی ہوگی۔ اس لیے انہیں سمجھائیے۔'' تب آپ ابوشمر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ''اے خولانی! کیا تم اس بڑھاپے میں حروری بننا چاہتے ہو اور ان کے خلاف ضلالت کی گواہی دینا چاہتے ہو جو تم سے بہتر تھے۔ بھلا

---

[1] الطبقات: ٥/ ٥٤١ . [2] سیر اعلام النبلاء: ٥/ ٤٩ .

[3] ذمار: یہ صنعاء سے دو مرحلے کے فاصلے پر واقع یمن کا ایک شہر ہے۔

[4] علماء الامصار للبستی: ص ١٢٣ . [5] طبقات الفقهاء: ص ٦٦ .

[6] اثر العلماء فی الحیاة السیاسیة: ص ٦٦٧ .

کل قیامت کے دن تم اللہ کو کیا جواب دو گے۔ جب اللہ تمہیں اور جن کے خلاف تم گواہی دے رہے ہو اپنے سامنے کھڑا کرے گا۔ اب اللہ تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دے گا اور تم اسے کافر کہو گے، اللہ اس کے ہدایت پر ہونے کی گواہی دے گا اور تم اس کے خلاف گمراہی کی گواہی دو گے، اور جب تیری رائے رب کے امر کے خلاف ہوگی تو کدھر جاؤ گے؟ اور جب تیری شہادت رب کی شہادت کے خلاف ہوگی تو کونسی زمین تمہیں پناہ دے گی اور کون سا آسمان تم پر سایہ کرے گا؟ اے خولانی! وہ حروری تمہیں کیا کہتے ہیں؟ خولانی بولا، وہ مجھے کہتے ہیں کہ میں صرف اس کی تصدیق کروں جس کی رائے ان کی رائے کے موافق ہو اور میں صرف ایسے ہی شخص کے لیے استغفار کروں۔'' تب آپ نے فرمایا: ''اے خولانی! تم نے ان کے بارے میں ٹھیک بتلایا (وہ ایسے ہی باتیں کرتے ہیں) اور یہ ان کی جھوٹی اور باطل محنت ہے۔ رہی ان کی زکوٰۃ کے بارے میں گمراہانہ رائے تو سنو! مجھے نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ رب تعالیٰ نے ایک یمنی عورت کو محض اس بنا پر دوزخ میں ڈال دیا تھا کہ اس نے بلی باندھے رکھی۔ [1] (پھر نہ تو خود اسے کچھ کھانے کو دیا اور نہ اس کو چھوڑ ہی دیا تاکہ وہ خود کچھ کھا پی لیتی اور وہ بھوکی مر گئی)۔ کیا وہ انسان جو اللہ کی عبادت کرتا ہے، اس کو ایک مانتا ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا، کیا اس کو بھوک میں کھلانا اللہ کو زیادہ محبوب ہے یا بھوکی بلی کو کھلانا اللہ کو زیادہ محبوب ہے؟ حالانکہ اللہ تو یہ فرماتا ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ (الانسان: ۸)

''اور باوجودیکہ ان کو خود کھانے کی خواہش (اور ضرورت) ہے (پھر بھی اللہ کے لیے) فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔''

رہا ان کا یہ گمراہ کن قول کہ استغفار صرف انہیں کے لیے کی جائے جس کے نظریات ان کے نظریات کے ہم آہنگ ہوں تو کیا وہ بہتر ہیں یا فرشتے جن کے بارے میں رب تعالیٰ یہ فرماتے ہیں:

﴿وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَن فِي الْأَرْضِ﴾ (الشوریٰ: ۵)

''اور جو لوگ زمین میں (بستے) ہیں ان کے لیے معافی مانگتے رہتے ہیں۔''

اور اللہ کی قسم! فرشتوں کو جب تک اس بات کا حکم نہ ملا ہو وہ ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ فرشتے تو ایسے ہیں:

﴿لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ﴾ (الانبیاء: ۲۷)

''اور فرشتے اللہ کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے، اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔''

اور ایک دوسری جگہ فرشتوں کے استغفار کی تفسیر یوں آتی ہے:

﴿وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ (الغافر: ۷)

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۲۴۲.

''اور مومنوں کے لیے بخشش مانگتے رہتے ہیں۔''

غرض آپ اس خولانی سے گفتگو اور بحث کرتے رہے یہاں تک کہ وہ بول اٹھا: ''تو پھر آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟'' آپ نے کہا: تم اپنی زکوٰۃ ان لوگوں کو دو جن کو رب تعالیٰ نے اس امت کے امر کا والی بنایا ہے۔ اور امت کو ان پر مجتمع کیا ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے والی بناتا ہے۔ لہٰذا جب تم نے زکوٰۃ ان کو دے دی تو تم زکوٰۃ کے ذمہ سے بری ہوگئے اور اگر تیرے پاس زکوٰۃ سے بھی زائد مال ہے تو اس سے اپنے ذو رحم قرابت داروں، موالیوں، پڑوسیوں اور مہمانوں کی خدمت کر اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کر۔'' اس پر وہ خولانی بول اٹھا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ میں حروریوں سے بری ہوں۔''[1] وہب بن منبہ نے ہشام بن عبدالملک کے عہد خلافت میں ۱۱۰ ہجری میں وفات پائی۔[2] ایک قول یہ ہے کہ والی یمن یوسف بن عمر کے تشدد سے آپ کی وفات ہوئی تھی۔[3] شاید یہ بات درست ہو کیونکہ وہب بن منبہ یوسف بن عمر کے ظلم و جور اور جبر و تشدد کے بے حد خلاف تھے۔[4]

۷۔ مصر کا مدرسہ

مصر کا مدرسہ ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں وجود میں آیا جو ایام فتح میں ہجرت کر کے مصر میں فسطاط اور اسکندریہ کے مقامات پر آباد ہوگئے تھے۔ ان میں حضرت عمرو بن عاص، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ مصر کو سب سے زیادہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے متاثر کیا۔[5] اس کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے یہاں دعوت کا بے حد کام کیا اور لوگوں کو دین اسلام کی طرف متوجہ کیا۔[6] پھر تابعین کا دور آیا اور ان میں بے شمار ائمہ اور دعاۃ پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک مشہور تابعی کا تذکرہ ذیل میں اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

یزید بن ابی حبیب:........ یہ ابو رجاء ازدی یزید بن ابی حبیب ہیں۔ آپ امام، حجت اور دیار مصریہ کے مفتی تھے۔ آپ کا شمار مصر کے جلیل القدر علماء میں ہوتا تھا۔ باوجودیکہ آپ موالی میں سے تھے اور حبشی تھے لیکن آپ کے تقویٰ نے آپ کو بے حد بلند مقام دلوایا۔[7] لیث بن سعد کہتے ہیں: یزید بن ابی حبیب ہمارے سردار اور ہمارے عالم ہیں۔[8] یزید نے ۱۲۸ ہجری میں وفات پائی۔[9]

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٥٥٥۔ [2] ایضًا: ٤/ ٥٥٦۔ [3] ایضًا
[4] اثر العلماء: ص٦٦٧۔
[5] عمر بن الخطاب للصلابی: ص ٢٧٠۔
[6] الدعوۃ الی اللہ فی العصر العباسی الاول: ١/ ٥٧۔
[7] سیر اعلام النبلاء: ٦/ ٣١۔ [8] ایضًا: ٦/ ٣٢۔
[9] ایضًا

۸۔ شمالی افریقہ کا مدرسہ

شمالی افریقہ میں فاتح جرنیل داخل ہوئے جن میں سرفہرست سیّدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا، پھر عبداللہ بن سعد بن ابی السرح رضی اللہ عنہ کا نام نامی آتا ہے۔ ان حضرات کے بعد حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ نے افریقہ میں فتوحات کے سلسلے کو آگے بڑھائے رکھا۔ پھر سیّدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما مصر اور افریقہ کے والی بنے آپ کے بعد سیّدنا عقبہ بن نافع فہری رضی اللہ عنہ آئے، انہوں نے قیروان شہر کی بنیاد رکھی۔ آپ کا لوگوں کے ساتھ بے حد اچھا سلوک تھا۔ آپ کا شمار ان خیار والیوں اور داعیوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور تلوار اور زبان دونوں سے دعوت دی۔ ان حضرات کے بعد افریقہ پر آنے والے سب والی اسی دعوتی اور جہادی منہج پر چلتے رہے۔ ❶

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دورِ خلافت میں ۱۰۰ ہجری میں اسماعیل بن ابی مہاجر والی افریقہ بن کر آئے۔ آپ نے اپنے عمل واخلاق اور زبان کے ساتھ لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ کی سیرت دیکھ کر لوگ آپ سے اور آپ کے دین سے بے حد محبت کرنے لگے۔ آپ بربریوں کو اسلام میں داخل کرنے کی بے حد تمنا رکھتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ آپ نے لوگوں کو احکام شرعیہ سکھلانے کا بے حد اہتمام کیا اور ان میں حلال وحرام کا شعور اجاگر کیا۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اسماعیل بن ابی مہاجر کے ساتھ دس تابعین کو بھی افریقہ بھیجا تھا۔ جو بڑے علم وفضل کے مالک تھے۔ ان دنوں اہل افریقہ علوم دینیہ سے بالکل بے بہرہ تھے انہیں شراب کے حرام ہونے تک کا علم نہ تھا۔ یہاں تک کہ ان مبارک ہستیوں نے افریقہ پہنچ کر ان خداناشناس لوگوں میں دینی فقہ اور علم کا شعور پیدا کیا انہیں حلال حرام کے احکام سکھلائے۔ ❷ فقہائے عشرہ کے بارے میں ان شاء اللہ آگے اپنے محل پر مفصل گفتگو ہوگی۔

بہرحال گزشتہ مذکورہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلاف کے نزدیک اگلی نسلوں تک علوم دینیہ منتقل کرنے میں اور دعوتی سرگرمیوں کو پورے جوش وجذبہ کے ساتھ جاری وساری رکھنے میں ان مدارس علمیہ کا بے حد اہم اور مرکزی کردار تھا اسی لیے ان حضرات نے خلافت اسلامیہ کی سب اقالیم میں مدارس کا ایک جال بچھا دیا۔ پھر یہیں سے انہی مدارس سے امت کا ذہین ترین طبقہ زیور علم سے آراستہ ہو کر نکلا، اور اس نے امت کی تعلیم وتدریس، وعظ وارشاد، افتاء واحکام کے اہم ترین مذہب کو سنبھالا اور ان میں دین اسلام کو عام کیا۔

---

❶ البیان المغرب للمراکشی: ۱/ ۱۹.

❷ البیان المغرب للمراکشی: ۱/ ۴۸.

۴.....قرآن کریم کی تفسیر میں تابعین کا منہج

قرآن کریم کی تفسیر کی بابت حضرات تابعین عظام رحمہم اللہ کا منہج بالکل واضح تھا۔ چنانچہ وہ قرآن کریم کی تفسیر خود قرآن سے، پھر سنت سے، پھر اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے، پھر لغت عربیہ سے اور پھر اجتہاد اور قوت استنباط سے کرتے تھے۔ ذیل میں ان سب مناہج کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

ا۔ قرآن کی قرآن ہی سے تفسیر

اس باب میں بھی تابعین مفسرین کے متعدد طریق تھے۔ ان میں سے چند پیش خدمت ہیں:

(الف) قرآن کریم کے نظائر:.......... جیسے قرآن کریم کی ایک آیت کی تفسیر ایک ایسی دوسری آیت سے کرنا جس میں ویسا ہی مضمون مذکور ہو، اگرچہ دونوں آیتوں کے الفاظ ایک دوسرے سے مختلف ہی ہوں۔ حضرات تابعین نے ایسی تفسیر کثرت کے ساتھ بیان کی ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ﴾ (البقرۃ: ۳۷)

''پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے۔''

مجاہد اس آیت کی تفسیر یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کلمات کا ذکر اس آیت میں ہے جو یہ ہیں:

﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

(الاعراف: ۲۳)

''دونوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے۔''

یہاں تک کہ آدم نے یہ دعا آخر تک پڑھی۔ [1]

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۝﴾ (الاسراء: ۱۱۰)

''اور اپنی نماز نہ بلند آواز سے پڑھ اور نہ اسے پست کر اور اس کے درمیان کوئی راستہ اختیار کر۔''

اس آیت کی تفسیر میں عکرمہ اور حسن بصری سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بلند آواز سے نماز پڑھتے تھے تو مشرکین مکہ کو اس سے بڑی تکلیف ہوتی تھی اس بنا پر آپ نے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آہستہ آواز سے نماز پڑھنا شروع کر دی اس پر رب تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَ لَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۝﴾ (الاسراء: ۱۱۰)

---

[1] تفسیر الطبری: ۱/ ۵۴۵.

اور سورۂ اعراف میں ارشاد فرمایا:

﴿وَ اذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ وَ لَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ۝﴾ (الاعراف : ٢٠٥)

''اور اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی سے اور خوف سے اور بلند آواز کے بغیر الفاظ سے صبح و شام یاد کر اور غافلوں سے نہ ہو۔''

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝﴾ (البقرۃ : ٩٤)

''کہہ دے اگر آخرت کا گھر اللہ کے ہاں سب لوگوں کو چھوڑ کر خاص تمھارے ہی لیے ہے تو موت کی آرزو کرو، اگر تم سچے ہو۔''

قتادہ رحمہ اللہ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد اس لیے فرمایا کیونکہ ان یہود ونصاریٰ نے یہ کہا تھا:

﴿لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى﴾ (البقرۃ : ١١١)

''یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جائے گا۔''

اور یہ بھی کہا:

﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ﴾ (المآئدۃ : ١٨)

''ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔''

اس پر انہیں یہ کہا گیا:

﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝﴾ (البقرۃ : ٩٤)

''تو اگر سچے ہو تو موت کی آرزو تو کرو۔'' [1]

(ب) الاشباہ: .... اشباہ سے مراد ایک آیت کی ان آیات سے تفسیر کرنا جو اس کے مشابہ ہوں۔ جیسے ایک آیت کی تفسیر ان آیات سے کرنا جو اس کے بعض معانی کو لیے ہوئے ہوں اور ان کے الفاظ بھی ملتے جلتے ہوں۔ [2]

جیسے مجاہد رحمہ اللہ کا ''نفس'' کی تفسیر ''غیر'' سے کرنا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ (النور: ١٢)

[1] فتح القدير: ١/ ١١٦.
[2] تفسير التابعين: ٢/ ٦١٥.

''جب تم نے وہ بات سنی تھی تو مومن مردوں اور عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا۔''

یعنی کیوں نہ انہیں نیک کہا۔ (کہ یہاں نفس بمعنی غیر یعنی دوسرا ہے، یعنی جب مومن مردوں اور عورتوں نے یہ بات سنی تو انہوں نے اس کے بارے میں کیوں نیک گمان نہ کیا جس کے بارے میں یہ بات کہی جا رہی تھی)۔ آگے قتادہ کہتے ہیں کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ رب تعالیٰ یہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ (النساء: ۲۹)

''اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔''

یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو (کہ یہاں بھی نفس سے مراد ''غیر'' یعنی دوسرا ہے) اور فرمایا:

﴿فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ (النور: ٦١)

''تو اپنے (گھر والوں) کو سلام کیا کرو۔''

یعنی ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔ ❶ (کہ یہاں بھی نفس سے مراد دوسرا یعنی غیر ہے)

پس ان آیات میں مجاہد رحمہ اللہ نے نفس کی تفسیر ''غیر'' سے کی ہے۔ اور اس کے استدلال میں قرآن کریم کی ان آیات کو ذکر کیا جو اس سے ملتی جلتی تھی اور وہ اس آیت کے معنی کے ایک جز پر دلالت کرتی ہیں۔ ❷

(ج) سیاق آیت سے تفسیر:.......... تفسیر کے اس طریق میں ایک مفسر آیت کے سیاق کو ملحوظ رکھتا اور اسے ماقبل کے ساتھ یا پھر مابعد کے ساتھ مربوط کرتا ہے، چاہے سیاق وسباق کا یہ لحاظ ایک ہی آیت میں یا آیات کے ایک مجموعہ میں ہو۔ ❸

جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ﴾ (الانعام: ۸۳)

''اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔''

مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر اس سے ماقبل کی یہ آیت ہے کہ وہ حجت یہ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (الانعام: ۸۲)

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا۔'' ❹

(د) بیان مجمل کے ساتھ تفسیر:.......... تفسیر کے اس طریق میں ایک مفسر قرآن کریم کی مجمل آیات میں غور وفکر کرتا ہے اور پھر دوسری ایسی آیات میں غور کرتا ہے جو اس آیت میں مذکورہ اجمال کا بیان بن سکیں،

---

❶ تفسیر الطبری: ۱۸/ ۹٦.
❷ تفسیر التابعین: ۲/ ٦۱٦،
❸ تفسیر التابعین: ۲/ ٦۱۷.
❹ تفسیر الطبری: ۱۱/ ۵۰۵.

یہ مجمل کو مبین پر محمول کرنے کی طرح ہے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا﴾ (نوح: ١٤)

''اور اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) کا پیدا کیا ہے۔''

مجاہد اس آیت کی تفسیر میں یہ کہتے ہیں کہ یہ طرح طرح کا پیدا کرنا یہ ہے کہ پہلے مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر لوتھڑے سے اسی طرح خلق کی تکمیل تک ہے۔ [1] قتادہ رحمہ اللہ کا اشارہ دراصل اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرف ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾

(المومنون: ١٢۔ ١٤)

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے انسان کو حقیر مٹی کے ایک خلاصے سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اسے ایک قطرہ بنا کر ایک محفوظ ٹھکانے میں رکھا۔ پھر ہم نے اس قطرے کو ایک جما ہوا خون بنایا، پھر ہم نے اس جمے ہوئے خون کو ایک بوٹی بنایا، پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنایا، پھر ہم نے ان ہڈیوں کو کچھ گوشت پہنایا، پھر ہم نے اسے ایک اور صورت میں پیدا کر دیا، سو بہت برکت والا ہے اللہ جو پیدا کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے۔''

(ھ) عام کی تفسیر خاص کے ساتھ:...... تفسیر کے اس نہج میں ایک مفسر اس آیت کو لیتا ہے جس کے ظاہر میں عموم ہوتا ہے۔ پھر وہ اس آیت کو ایک دوسری آیت میں مذکور دوسرے معنی پر محمول کرتا ہے جو پہلی آیت کے افرادِ معنی میں سے جس میں عموم ہوتا، ایک خاص فرد پر دلالت کرتی ہے۔ [2] جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ (النساء: ١٢٣)

''جو شخص برے عمل کرے گا۔ اسے اسی (طرح) کا بدلا دیا جائے گا۔''

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اس آیت میں (اگرچہ بظاہر عموم نظر آتا ہے مگر) مراد کافر ہے، پھر انہوں نے (دلیل میں) یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَ هَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾ (سباء: ١٧)

''اور ہم سزا کافر ہی کو دیا کرتے ہیں۔''

اور فرمایا کہ ''(گزشتہ آیت میں مذکور لفظ) مَنْ (کہ اس سے مراد) کفار ہیں۔ [3] (جیسا کہ اس آیت

[1] تفسیر الطبری: ٢٩/ ٢٣٧.
[2] تفسیر التابعین: ٢/ ٦٢١.
[3] تفسیر الطبری: ٩/ ٢٣٧.

میں بیان ہوا) حسن بصری رحمہ اللہ سے ایک اور روایت میں منقول ہے کہ ﴿وَ هَلْ نُجْزِیْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾ (سباء: ۱۷) ''اس سے مراد کفار ہیں نا کہ اہل صلوٰۃ۔'' ❶

پس پہلی آیت میں عموم تھا جو لفظ مَنْ سے حاصل ہوتا تھا تا کہ یہ لفظ مومن اور کافر دونوں کو عام ہو۔ پھر حسن بصری رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ یہاں ''مَنْ'' میں عموم نہیں بلکہ یہ کفار کے ساتھ خاص ہے اور اس کی دلیل میں انہوں نے سورۂ سبا کی آیت کو پیش کیا جس میں حصر کے ساتھ صرف کفار ہی مراد ہیں۔ چنانچہ حسن بصری رحمہ اللہ نے دوسری آیت میں مذکور اسلوب حصر سے استدلال کرتے ہوئے پہلی آیت کے عموم کو صرف کفار کے ساتھ خاص کر دیا۔ ❷ اس آیت کی تفسیر میں اس سے بھی زیادہ صریح عبارت حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ﴿وَ هَلْ نُجْزِیْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾ (سباء: ۱۷) یہ اس شخص کے لیے ہے جس کی ذلت ورسوائی کا رب تعالیٰ ارادہ فرما لیتا ہے البتہ جس کی عزت واکرام کا ارادہ فرماتے ہیں وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ﴾ (الاحقاف: ۱۶)

''(یہ) سچا وعدہ (ہے) جو ان سے کیا جاتا ہے۔'' ❸

(و) لازم کے ساتھ تفسیر: .... تفسیر باللازم سے مراد یہ ہے کہ مفسر جس آیت کی تفسیر بیان کرنے میں لگا ہوتا ہے اس کی تفسیر کو صراحتاً بیان نہیں کرتا بلکہ اس تفسیر کے بعض لازم معانی کو بیان کر دیتا ہے اور اس لازم معنیٰ کو کسی دوسری آیت کے ساتھ مربوط کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ (البقرة: ۱۵۶)

''ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

اس آیت کی تفسیر میں سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ''اگر یہ کلمہ (یعنی انا للہ......) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو دیا جاتا تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیا جاتا، کیا تم نہیں سنتے کہ انہوں نے (اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بعد بنیامین کی جدائی پر بجائے انا اللہ...... پڑھنے کے) یہ کہا:

﴿یٰٓاَسَفٰى عَلٰى یُوْسُفَ﴾ (یوسف: ۸۴)

''ہائے افسوس یوسف (ہائے افسوس)۔'' ❹

کہ جناب یعقوب علیہ السلام اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ (کا کلمہ) نہیں جانتے تھے وگرنہ جناب یوسف علیہ السلام کی گم شدگی پر بجائے افسوس کا اظہار کرنے کے اس کلمہ کو ضرور پڑھتے۔ ❺

---

❶ تفسیر الطبری: ۹/ ۲۳۸.
❷ تفسیر التابعین: ۲/ ۶۲۳.
❸ تفسیر التابعین: ۲/ ۶۲۳.
❹ تفسیر الطبری: ۳/ ۲۲۴.
❺ تفسیر التابعین: ۲/ ۶۲۳.

(ز) مبہم کی توضیح کرنے کے ساتھ تفسیر:......... حضرات تابعین عظام رحمہم اللہ نے تفسیر کے جن متعدد طرق کو اختیار کیا ان میں سے ایک طریق مبہم آیت کی دوسری آیت کے ذریعے تفسیر بیان کرنا ہے تاکہ آیت کا ابہام رفع ہو۔ ❶

اس کی مثال لفظ "حیـن" ہے جس میں ابہام ہے (کہ اس سے مراد زمانے کا کتنا عرصہ ہے) جناب عکرمہ رحمہ اللہ نے اس لفظ کے ابہام کو دور کرنے کے لیے ایک دوسری آیت سے استدلال کیا جو یہ بتلاتی ہے کہ "حیـن" سے مراد ایک سال ہے۔ چنانچہ عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مجھے بلوا بھیجا اور پوچھا: "اے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام! میں نے ان الفاظ کے ساتھ قسم کھالی ہے کہ "میں فلاں فلاں کام "حیـن "تک نہ کروں گا۔" اب "حیـن" سے کتنی مدت مراد ہے، مجھے معلوم نہیں کیا، آپ جانتے ہیں کہ اس سے کتنی مدت مراد ہے؟ میں نے عرض کیا: "حیـن" سے زمانے کا ایک وہ عرصہ مراد ہے جس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا ہے اور ایک وہ عرصہ مراد ہے جس کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ رہا وہ "حین" جس کی مدت کا ادراک نہیں کیا جاسکتا تو اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا﴾ (الدھر: ۱)

"کیا انسان پر زمانے میں سے کوئی ایسا وقت گزرا ہے کہ وہ کوئی ایسی چیز نہیں تھا جس کا (کہیں) ذکر ہوا ہو؟"

اللہ کی قسم! کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے کہ انسان کے پیدا ہونے سے پہلے تک کا زمانہ کتنا ہے۔ اور رہا وہ حین جس کی مدت کا ادراک کیا جاسکتا ہے، اس کا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا﴾ (ابراھیم: ۲۵)

"اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل (لاتا اور میوے) دیتا ہو"

اور پھل دینے کی یہ مدت ایک سال سے اگلے سال تک ہے۔" یہ سن کر سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: "اے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام! تم نے بالکل درست کہا اور کیا خوب کہا۔ ❷

(ح) کسی لفظ کے معنی کو بیان کرنا یا کسی مشکل لفظ کو واضح کرنا:......... تفسیر کی یہ قسم تابعین کی تفسیروں میں کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ چنانچہ وہ قرآن کریم کی کسی ایک آیت میں مذکورہ الفاظ کی تفسیر قرآن کریم ہی کی دوسری آیت میں مذکور الفاظ سے کرتے ہیں جن سے پہلی آیت کے الفاظ کے معانی واضح ہو جاتے ہیں۔ ❸ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

❶ تفسیر التابعین: ۲/ ٦٢٤.
❷ تفسیر الطبری: ١٦/ ٥٨١.
❸ تفسیر الطبری: ۲/ ٦٢٦.

﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾ (النازعات: ٦)

''جس دن زمین کو بھونچال آئے گا۔''

حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''یہ دو نفخے ہیں: پہلا نفخہ سب زندہ چیزوں کو مار دے گا۔ جبکہ دوسرا نفخہ ان کو زندہ کر دے گا۔ پھر اس کی دلیل میں انہوں نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ﴾ (الزمر: ٦٨)

''اور صور میں پھونکا جائے گا تو جو لوگ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہوں گے، مر کر گر جائیں گے مگر جسے اللہ نے چاہا، پھر اس میں دوسری دفعہ پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔''[1]

غرض قرآن کریم کی قرآن کے ذریعے تفسیر کرنے کی بابت تابعین کے تفسیری نمونے بے شمار ہیں، ہم نے ان میں سے چند ایک کو ذکر کیا ہے، جو مزید جاننا چاہتا ہے وہ ''تفسیر التابعین'' کا مطالعہ کرے۔[2]

۲۔ قرآن کریم کی سنت کے ذریعے تفسیر

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سنت قرآن کریم کی تفسیر و توضیح بیان کرتی ہے۔ شاطبی کہتے ہیں: ''سنت اپنے معنی میں قرآن کی ہی طرف راجع ہے۔ چنانچہ سنت قرآن کے مجمل کی تفصیل، اس کے مشکل کا بیان اور اس کے اختصار کی شرح ہے۔[3] اور اس کی بے غبار وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے کلام کو سب سے زیادہ جاننے والے اور کسی بھی دوسرے فرد سے اس کی نصوص کی کہیں زیادہ فہم رکھنے والے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر یہ کلام اترا، اور اس پر مستزاد یہ کہ رب تعالیٰ نے خود آپ کو اپنی کتاب کے معانی وحی فرمائے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی اس آیت کا مصداق ہیں:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم: ٣-٤)

''اور نہ وہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔''

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''مجھے قرآن اور اسی جتنا اور بھی (اس کے ساتھ) دیا گیا۔''[4] (جو اس قرآن کی تفسیر و توضیح ہے)۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر کوئی یہ پوچھے کہ قرآن کریم کی تفسیر کا سب سے عمدہ طریقہ کون

---

[1] تفسیر الطبری: ٣٠/ ٣١.

[2] تفسیر التابعین: ٢/ ٦٠٨، ٦٢٧.

[3] تفسیر التابعین: ٢/ ٦٢٨.

[4] سنن ابی داؤد: ٤٦٠٦.

سا ہے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کا سب سے صحیح طریقہ خود قرآن سے قرآن کی تفسیر بیان کرنا ہے"...... آگے چل کر لکھتے ہیں: "اگر یہ بات تم پر دشوار ہو تو تم سنت کو لازم پکڑو کیونکہ سنت قرآن کی شرح و توضیح ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بات کا بھی حکم دیا ہے، اس کو قرآن کریم سے سمجھنے کے بعد دیا ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِیْنَ خَصِیْمًاۙ۝﴾ (النسآء: ۱۰۵)

"بے شک ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، تا کہ تو لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرے جو اللہ نے تجھے دکھایا ہے اور تو خیانت کرنے والوں کی خاطر جھگڑنے والا نہ بن۔"

اور فرمایا:

﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ۝﴾ (النحل: ٤٤)

"واضح دلائل اور کتابیں دے کر۔ اور ہم نے تیری طرف یہ نصیحت اتاری، تا کہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دے جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے اور تا کہ وہ غور وفکر کریں۔"

اور فرمایا:

﴿وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۝﴾ (النحل: ٦٤)

"اور ہم نے تجھ پر کتاب نازل نہیں کی، مگر اس لیے کہ تو ان کے لیے وہ بات واضح کر دے جس میں انھوں نے اختلاف کیا ہے اور ان لوگوں کی ہدایت اور رحمت کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔" [1]

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سنت کو لینا واجب، اس پر عمل کرنا لازم اور اس کو فیصل بنانا فرض ہے بلکہ مشہور تابعی مکحول رحمہ اللہ سے تو یہاں تک مروی ہے: "قرآن کی تفسیر بیان کرنے میں جتنی سنت کی ضرورت ہے اتنی سنت کی تشریح کے لیے قرآن کی ضرورت نہیں۔" [2]

حضرات تابعین سے کثرت کے ساتھ ایسے اقوال منقول ہیں جو یہ بتلاتے ہیں کہ وہ حضرات کس قدر شدت کے ساتھ سنت کی متابعت اور پیروی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب ربیعہ نے زہری سے پوچھا: "آپ سے جب ایک مسئلہ پوچھا جاتا ہے تو آپ اس کا جواب دینے کے لیے کیا کرتے ہیں؟" تو انھوں نے فرمایا:

[1] الفتاوی: ۱۳/ ۳٦۳.　[2] تفسیر التابعین: ۲/ ٦۲۹.

''پہلے میں اس مسئلہ کی بابت جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت کو تلاش کرتا ہوں۔ اگر سنت نہ ملے تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو لیتا ہوں اور اگر کسی صحابی کا قول بھی نہ ملے تو پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کرتا ہوں۔'' ❶

حضرات تابعین عظام رحمہم اللہ کی نبی کریم ﷺ کی سنت کی طرف کس قدر عنایت اور اس کی قدر ورعایت تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہمیں یہ بات بہت کم دیکھنے میں ملے گی کہ انہوں نے قرآن کریم کی تفسیر بیان کرتے وقت کبھی کسی صحیح ثابت حدیث کی مخالفت کی ہو۔ ذیل میں اس کی چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں:

الف: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۝﴾ (الفاتحة : ٧)

''نہ ان کے (رستے پر چلانا) جن پر تو غصے ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کے۔''

اس آیت کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد مروی ہے: مَغْضُوْب عَلَيْهِمْ یہ یہود ہیں اور ضلال یہ نصاریٰ ہیں۔ ❷

یہی تفسیر مجاہد ❸ اور سعید بن جبیر ❹ سے بھی منقول ہے۔ ابن حاتم کہتے ہیں: مَغْضُوْب عَلَيْهِمْ اور ضالین کی اس مذکورہ تفسیر میں مجھے علماء میں کہیں اختلاف نظر نہیں آتا۔ ❺

ب: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (البقرة: ١٨٧)

''اور کھاؤ اور پیو، یہاں تک کہ تمھارے لیے سیاہ دھاگے سے سفید دھاگا فجر کا خوب ظاہر ہو جائے۔''

اس آیت کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ سے یہ ارشاد منقول ہے کہ ''یہ (سیاہ دھاری) رات کی تاریکی اور (سفید دھاری) دن کی سفیدی ہے۔'' ❻

اس تفسیر کے خلاف کسی تابعی کا ایک قول بھی مروی نہیں اور یہی تفسیر حسن ❼ اور قتادہ ❽ سے بھی منقول ہے۔

---

❶ جامع بيان العلم وفضله: ٢/ ٧٥.
❷ موارد الظمآن فی زوائد ابن حبان، رقم: ٢٢٤.
❸ تفسير الطبری: ١/ ١٨٨.
❹ الدر المنثور: ١/ ٤١.
❺ تفسير ابن ابی حاتم، رقم: ٢٢.
❻ صحيح البخاری، كتاب التفسير، الفتح: ٨/ ١٨٢.
❼ تفسير الطبری: ٣/ ٥١٠.
❽ تفسير الطبری: ٣/ ٥١٠.

ج: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ (الانعام: ۸۲)

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا۔''

اس آیت میں مذکورہ ظلم کی تفسیر خود نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمادی ہے، چنانچہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ آیت گراں گزری اور انہوں نے خدمت اقدس ﷺ میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوط نہ کیا ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''(ظلم سے مراد) یہ نہیں (جو تم سمجھے ہو) کیا تم لوگوں نے لقمان کا یہ قول نہیں سنا:

﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ (لقمان: ۱۳)

''(بیٹا! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا) شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔''❶

(غرض اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ سورۂ انعام کی مذکورہ آیت میں ظلم سے شرک مراد ہے) اور یہی تفسیر ابراہیم نخعی، قتادہ، مجاہد اور سعید بن جبیر جیسے اجل تابعین سے بھی منقول ہے۔''❷

د: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾ (الحجر: ۸۷)

''اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تجھے بار بار دھرائی جانے والی سات آیتیں اور بہت عظمت والا قرآن عطا کیا ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ سے حدیث مروی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت ابو سعید بن معلی رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا: ''کیا میں مسجد سے نکلنے سے قبل تمہیں قرآن کریم کی سب سے بڑی سورت نہ سکھلاؤں؟'' (راوی کہتے ہیں) پھر (جب) نبی کریم ﷺ مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے آپ ﷺ کو یاد دلایا (کہ آپ نے تو مجھے مسجد سے نکلنے سے قبل قرآن کریم کی سب سے بڑی سورت تعلیم فرمانی تھی) تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''(قرآن کریم کی سب سے بڑی سورت) ''الحمد للہ رب العالمین'' ہے، یہی ''سبع مثانی'' اور عظمت والا قرآن ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔''❸

سبع مثانی کی یہی تفسیر سعید بن جبیر، حسن، قتادہ اور مجاہد سے بھی مروی ہے۔❹

---

❶ صحيح البخاري، كتاب التفسير، الفتح: ۸/ ۲۹٤.

❷ تفسير التابعين: ۲/ ٦۳۹.

❸ صحيح البخاري، كتاب التفسير، الفتح: ۸/ ۳۸۱.

❹ تفسير التابعين: ۲/ ٦٤۱.

ھ: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (البقرة: ۱۴۳)

''اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔''

آیت میں مذکورہ لفظ ''امت وسط'' کی تفسیر ایک حدیث میں ''عدول'' [1] کے ساتھ آتی ہے۔ اور یہی تفسیر مجاہد، عطاء اور قتادہ نے بھی بیان کی ہے۔ [2] یہ چند مثالیں صرف اس لیے ذکر کی گئی ہیں کہ کس طرح حضرات تابعین عظام قرآن کریم کی تفسیر بیان کرتے وقت احادیث نبویہ پر اعتماد کیا کرتے تھے۔

۳۔ تفسیر قرآن اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ

حضرات تابعین عظام نے کتاب وسنت کو حاصل کرنے کا اور اسی طرح اجتہاد کرنے کا جو ملکہ بھی حاصل کیا، وہ سب کا سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت، ان کی وسیع معلومات ومہارت اور مناہج استدلالیہ کا نتیجہ تھا، تابعین نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے استنباط کے طریقے سیکھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو حاصل کیا پھر ان حضرات کی پاکیزہ زندگیوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وفرمودات کی سو فیصد عملی تطبیق بھی دیکھی۔ چنانچہ تابعین عظام نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رسالت ودعوت کو پورا پورا حاصل کیا، ان کے علم وفضل اور بزرگی وجلالت کو کما حقہ پہچانا، اسی لیے تو تابعی جلیل حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ''علماء تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔'' [3]

تابعین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو اپنے اقوال پر مقدم رکھا کرتے تھے۔ شعبی رحمہ اللہ کہتے تھے: ''جب کسی بات میں لوگوں کا اختلاف ہو جائے تو یہ دیکھنا کہ اس بات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا کیا تھا۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب تک مشورہ نہ کرلیا کرتے تھے کچھ نہ کرتے تھے۔'' اس اثر کے راوی اشعث کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات جب ابن سیرین رحمہ اللہ کے سامنے ذکر کی تو انہوں نے فرمایا: ''جب تم کسی شخص کو یہ کہتے دیکھو کہ میں عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ جانتا ہوں تو اس سے بچ کر رہنا۔'' [4]

اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کو لینے کی بابت تابعین کے منہج کا مدار یہ امور تھے۔

الف: جب ایک صحابی کی تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع ہو: .... کہ یہی بنیادی مطلوب اور منتہائے مقصود ہے اور اس کے بعد کوئی دوسرا قول بھی نہیں۔ یہی حکم سببِ نزول کی بابت صریح صیغہ کے ساتھ مروی صحابی کی تفسیر کا بھی ہے۔ [5] اسی طرح جن امور میں رائے کا مطلق دخل نہیں ہوتا اور ان امور

---

[1] مجمع الزوائد: ۶/ ۳۱۶.
[2] تفسیر التابعین: ۲/ ۶۴۱.
[3] اعلام الموقعین: ۱/ ۱۵.
[4] الحلیة: ۴/ ۳۲۰.
[5] یعنی ''اس آیت کا سبب نزول یہ ہے۔'' یا ''فلاں واقعہ ہوا جس بنا پر یہ آیت اتری'' یا اس طرح کے صریح صیغے۔

پر آ کر ٹھہر جاتے ہیں (اور آگے بڑھ کر اپنی رائے پیش نہیں کرتے) کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان امور میں ہرگز تجاوز نہیں کرتے (کہ ایسے امور میں بھی صحابی رسول کی بیان کردہ تفسیر اور ذکر کردہ قول معتبر اور قول فیصل ہوتا ہے) کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کے اترنے کا مشاہدہ کیا ہے، اس کی مثال یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ﴾ (الانعام: ٦١)

"اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تم پر نگہبان بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب تمھارے کسی ایک کو موت آتی ہے اسے ہمارے بھیجے ہوئے قبض کر لیتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔"

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "ملک الموت کے فرشتوں میں سے کچھ اعوان و مددگار ہوتے ہیں۔ (جن کے ساتھ مل کر وہ بندوں کی روح قبض کرتا ہے)۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی یہ تفسیر ابراہیم نے روایت کی ہے۔"[1]

یہی وجہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں ابراہیم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اسی قول کو بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور مزید کچھ ذکر نہیں کرتے، چنانچہ ابراہیم بھی یہی کہتے ہیں: "ملک الموت کے مددگار۔"[2] اسی طرح یہی تفسیر قتادہ مجاہد اور ربیع سے منقول ہے۔[3]

ب: جب صحابی سے مروی تفسیر اجتہاد کے باب سے ہو:..........اور وہ لغت کے مقتضیٰ پر جاری ہو تو اغلب یہ ہے کہ تابعین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیان کردہ ایسی تفسیر کی بھی مخالفت نہیں کرتے کیونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زبان و بیان اور فہم و فراست کے مالک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مجاہد جب اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ﴾ (الانعام: ٩٨) "پھر (تمہارے لیے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک سپرد ہونے کی۔" کی تفسیر بیان کرنے لگتے ہیں تو صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ تفسیر پر ہی اعتماد کرتے ہیں نا کہ کسی دوسرے کے قول پر۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "ٹھہرنے کی جگہ زمین میں ہے اور سپرد کیے جانے کی جگہ رب رحمٰن کے پاس ہے۔"[4] ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: "ٹھہرنے کی جگہ رحم مادر میں ہے اور سپرد کیے جانے کی جگہ صلب پدر میں ہے۔"[5]

یہ تفسیر دوسری روایت کے موافق ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ابن جبیر سے بھی یہی منقول ہے۔[6]

---

[1] تفسیر الطبری: ١١/ ٤١٠.
[2] ایضًا
[3] تفسیر التابعین: ٢/ ٦٥٨.
[4] ایضًا
[5] تفسیر الطبری: ١١/ ٥٧٠.
[6] ایضًا

ج: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول اقوال میں تعارض: ...... جب کسی آیت کی تفسیر میں منقول حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال میں تعارض ہو جائے تو اس وقت تابعین ان میں ترجیح کے مسلک کو اختیار کرتے ہیں، پھر یہ ترجیح کبھی تو لغت کی بنا پر ہوتی یا کسی حدیث کی بنا پر، یا کسی دوسرے صحابی کے قول کی بنا پر جو سب اقوال میں جمع کی صورت میں پیدا کر دے۔ پہلی صورت کی مثال (یعنی تعارض اقوال کے وقت لغت کے ذریعے ترجیح کی مثال) یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ﴾ (الاسراء: ۷۸)

''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) سورج کے ڈھلنے سے (رات کے اندھیرے تک ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی) نمازیں پڑھا کرو۔''

اب آیت میں مذکورہ لفظ ''دلــــوك'' کی بابت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعدد اقوال منقول ہیں چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ دلوک سے مراد غروب آفتاب ہے۔ [1] اور آپ سے یہ (بھی) مروی ہے کہ آفتاب کے دلوک سے مراد نصف النہار کے بعد اس کا ڈھلنا ہے۔ [2] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دلوک سے مراد غروب آفتاب ہے۔ [3] ایک روایت میں زوال آفتاب مراد ہے۔ [4] اب قتادہ نے دلوک سے زوال مراد لے کر آیت کی اس معنی کے ساتھ تفسیر بیان کی ہے۔ [5] لیکن اس کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بھی نقل کر دیا ہے کہ دلوک سے مراد غروب آفتاب ہے۔ [6] قتادہ کے اس تفسیر کو اختیار کرنے کا منشا شاید یہ ہو کہ لغت میں دلوک کا معنی میلان یعنی جھکاؤ لکھا ہے۔ تب پھر اس سے مراد ظہر کی نماز ہے (جو زوال آفتاب کے بعد پڑھی جاتی ہے) ابن جریر نے اس معنی کو راجح قرار دے کر پہلے قول کے ساتھ (کہ دلوک سے مراد غروب ہے) مناقشہ کیا ہے۔ [7]

تعارض اقوال کے وقت ترجیح اختیار کرنے کی دوسری صورت کسی مرفوع اثر کو لینا ہے، جیسا کہ قتادہ سعید بن مسیب سے بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''صلوۃ وسطیٰ سے کیا مراد ہے؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس کی تفسیر میں اختلاف تھا، پھر سعید بن مسیب نے اپنی دونوں ہاتھ کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر دکھایا [8] یا (کہ یہ اختلاف کافی زیادہ تھا) حسن بصری اس تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس سے مراد نماز عصر ہے۔ [9] اور اس باب میں وہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرتے ہیں (جن کی تعداد زیادہ ہے) اور سبب

[1] تفسیر الطبری: ۱۵/ ۱۳٤ .
[2] فتح القدیر: ۳/ ۲٥٤ .
[3] زاد المسیر: ٥/ ۷۲ .
[4] فتح القدیر: ۳/ ۲٥٤ .
[5] زاد المسیر: ٥/ ۷۲ .
[6] زاد المسیر: ٥/ ۷۲ .
[7] تفسیر الطبری: ۱٥/ ۱۳٦-۱۳۷ .
[8] زاد المسیر: ۱/ ۲۸۲ .
[9] تفسیر التابعین: ۲/ ٦٦۱ .

ترجیح یہاں وہ مرفوع اثر ہے۔ جس کو حسن بصری حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''صلوٰۃ وسطیٰ نمازِ عصر ہے۔'' ❶

پھر ترجیح کبھی کسی دوسرے صحابی کے ایسے قول کی بنا پر دی جاتی ہے جو آیت کے عموم کو اس کی بابت وارد خصوص پر مقدم کرتا ہے اور اس کے ذریعے جملہ اقوال میں جمع کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی مثال یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ (الکوثر: ۱)

''(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) ہم نے تم کو کوثر عطا فرمائی ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے کوثر کی یہ تفسیر منقول ہے کہ ''یہ جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔'' ❷ جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کوثر سے مراد خیر کثیر ہے جو رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی۔'' ❸ سعید بن جبیر نے بھی اسی قول کو لیا۔ چنانچہ کسی موقع پر ابو بشر نے سعید بن جبیر سے کہا کہ ''ہم سنتے تھے کہ ''کوثر'' جنت کی اس نہر کا نام ہے جو اس خیر سے ہے جو رب تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہے۔ ❹ پس یہاں پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے استنباء کرتے ہوئے سعید بن جبیر نے مذکورہ آیت کے عموم کو ترجیح دی اور اس بابت وارد اس اثر کو نہیں لیا جو خصوص کو بیان کرتا ہے۔ اور جب کسی آیت کی تفسیر میں کسی صحابی کا قول بھی نہیں ملتا تو جو اجتہاد کا اہل ہوتا ہے وہ اجتہاد کر لیتا ہے۔ ❺

غرض تفسیر کے باب میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی اقوال کو لینے اور ان پر اعتماد کرنے کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی اقوال و آثار اور اخبار و روایات کو نہایت دقت نظری کے ساتھ کتابوں میں محفوظ کر لیا گیا۔ پھر ان کے احوال کی نہایت عرق ریزی کے ساتھ معرفت حاصل کی گئی۔ ان کے درمیان فرق کو واضح کیا گیا، ان کے مناہج کا التزام کیا گیا، ان کے اقوال سے استفادہ کیا گیا اور مذاہب و مسالک کی بنیاد بھی اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم پر ہی رکھی گئی۔ ❻

۴۔ لغت العربیہ

تفسیر کے باب میں لغت پر اعتماد کرنے اور لغت کو تفسیر کا ایک مصدر قرار دینے میں حضرات تابعین کے مشارب متنوع و متعدد ہیں اور اس کے متعدد اسباب ہیں۔ جیسے لغت عرب کی معرفت، عربوں کی عادات

---

❶ تفسیر الطبری: ٥/ ١٩٤، رقم: ٥٤٣٨.

❷ زاد المسیر: ٩/ ٢٤٨. ❸ الدر المنثور: ٨/ ٦٤٩.

❹ زاد المسیر: ٩/ ٢٤٨. ❺ تفسیر التابعین: ٢/ ٦٦١.

❻ تفسیر التابعین: ٢/ ٦٧٢، ٦٧٧.

واخبار کی معرفت اور اشعار عرب کی واقفیت وغیرہ۔ پھر مزید یہ کہ لغت کی فقہ کی بھی معرفت ہو جیسے اشتقاق، ایجاز، حذف تقدیم، تاخیر وغیرہ اسباب [1] کہ جن کی بنا پر تابعین میں لغت کے ساتھ تفسیر کرنے کے مشارب متعدد اور متنوع ہوتے چلے گئے۔

۵۔ اجتہاد

تفسیر میں تابعین کے اجتہادات کا آغاز دور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہی شروع ہو گیا تھا، تابعین کے اجتہاد کے متعدد مواقع ہیں۔ اور ان میں غالب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ان کے اجتہاد پر سکوت فرمانا ہے۔ تابعین کے چند اہم تفسیری اجتہادات کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

الف: نص کی مراد کو بیان کرنا، کہ جب نص کی مراد اور دلالت لفظ کے اجمال یا ترکیب کی بنا پر خفی ہو۔

ب: نصوصِ قرآنیہ سے بعض احکام کا استنباط۔

ج: متشابہ کلمات و معانی کے درمیان فرق کو بیان کرنا اور نظائر کی تفسیر بیان کرنا۔

س: قرآن کریم کے دقیق علوم پر نہایت گہری توجہ، جیسے آیات کی تعداد اور کلمات قرآنیہ کی گنتی کی مباحث وغیرہ۔ [2]

تابعین کی تفسیر آیات میں اجتہاد کی امتیازی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

- اجتہاد کی عبارات کا تنوع اور تعداد۔
- ایجاز غیر مخل (یعنی ایسا اختصار جس سے معانی میں خلل واقع نہ ہو)۔
- گہرا غور و فکر اور تفسیر میں دقت نظری۔
- قوت استنباط

۵......سنت کی خدمت میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور حضرات تابعین عظام کی محنتیں

اوّل اوّل جناب رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کے علاوہ کچھ بھی لکھنے سے منع فرمایا کیونکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں قرآن اور غیر قرآن کی عبارات ایک دوسرے میں گڈمڈ نہ ہو جائیں۔ اور لوگ رب تعالیٰ کی کتاب کو لکھنے کے بجائے دوسری باتوں میں مشغول نہ ہو جائیں۔ پھر یہ امر منسوخ ہو گیا اور آپ ﷺ نے حدیث کی تدوین کی غرض سے قرآن کے علاوہ حدیث لکھنے کی بھی اجازت دے دی۔ اور اب حدیث لکھنا بھی جائز قرار دے دیا گیا۔ اب نبی کریم ﷺ کی طرف سے کتابت کی اجازت اور مطلق اباحت تھی۔ [3]

---

[1] تفسیر التابعین: ۲/ ٦٨٩، ٧٠٧۔ [2] ایضا: ۲/ ٧١١۔

[3] عمر بن عبدالعزیز، از عبدالستار شیخ، ص ٧٤۔

چنانچہ روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تدوین حدیث کو جائز سمجھا اور اپنے لیے احادیث کو لکھا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تلامذہ نے ان کے سامنے احادیث کو لکھا اور پھر حدیث کے لکھنے اور یاد کرنے کا سلسلہ تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔ ❶ پھر اہل علم عظیم شخصیات اور غیور مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے سنت مطہرہ کی تدوین، احادیث نبویہ کے جمع کرنے اور احادیث کو جعل سازی کے شائبوں تک سے پاک کرنے کے لیے حیرت انگیز محنتیں کیں۔ ان لوگوں نے اپنی ساری صلاحیتیں اس مقصد میں لگا دیں، اپنی راتوں کو بیدار کیا، دنوں کو بے آرام کیا، حتیٰ کہ خود کو خود نہ سمجھنا اور اپنا آپ بھلا کر دیوانہ وار حدیث کے حفظ و کتابت اور تدوین میں لگ گئے۔ پھر حدیث کی تلاش میں زمین کا چپہ چپہ چھان مارا۔ حدیث کے قبول اور ردّ کے لیے نہایت دقیق اصول و قواعد وضع کیے جن کو پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ پھر ان مبارک محنتوں کا نتیجہ امت مسلمہ کو رہتی دنیا تک کے لیے احادیث کے ان مشہور مجموعوں کی صورت میں ملا جن کے نام امت مسلمہ کے بچہ بچہ کی زبان پر ازبر ہیں۔ اور آج تک امت مسلمہ ان کو یاد کرتی اور پڑھتی چلی آرہی ہے۔ بے شک یہ سارا کام رب تعالیٰ کا ہے، پھر از حد شکر و سپاس کے مستحق وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان مجموعوں کو اکٹھا کیا۔ رب تعالیٰ کی ذات ہی ہے جو روزِ قیامت ان محیر العقول ہستیوں کی محنتوں کا قرار واقعی صلہ ان کو دے گی۔ ان شاء اللہ ❷

اگرچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تدوین حدیث کا رسمی آغاز خلافت امویہ میں عبدالعزیز بن مروان (سیّدنا عمر کے والد) کے ہاتھوں اس وقت ہو چکا تھا جب وہ مصر کے امیر تھے جس کی قدرے تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔ بہرحال یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ تدوین حدیث کا باضابطہ آغاز سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور خلافت میں ہوا تھا۔ اور یہ حقیقت آپ کے خطوط و رسائل، خطبات و مواعظ اور ارشادات و اوامر میں خوب روشن ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے جن میں آپ علم کی کتابت اور حدیث کی تدوین کی طرف بار بار آمرانہ و واعظانہ انداز میں مشاہیر علماء و محدثین کو متوجہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جیسے آپ فرماتے ہیں: ''اے لوگو! اس علم کو شکر اور کتابت کے ذریعے اپنے پاس باندھ کر رکھو۔'' ❸

پھر آپ نے لوگوں کو محض اس ارشاد و ترغیب تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ بحیثیت خلیفۃ المسلمین کے بعض ائمہ علماء کو اس بات کا سرکاری فرمان جاری کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن واحادیث کو جمع کریں۔ چنانچہ آپ نے نہایت دقت نظری کے ساتھ ان تابعین کو ڈھونڈ نکالا جو بے پناہ علم کے مالک تھے، ان کے دامن ذخیرۂ احادیث سے لبریز تھے اور وہ کتابت حدیث کے جواز کے قائل بھی تھے۔ دوسرے آپ کو اس بات کا

❶ عمر بن عبدالعزیز، از عبدالستار شیخ: ص ۷۵۔ ❷ ایضًا

❸ عمر بن عبدالعزیز، از عبدالستار شیخ: ص ۷۶۔

بھی ڈر تھا کہ ہمیشہ ایسے غضب کے حافظہ کے مالک لوگ کہاں ملیں گے جو ایک سے سن کر سب یاد کر لیں گے اور آگے نقل بھی کر دیں گے۔ اس لیے بھی احادیث کی کتابت کی اشد ضرورت تھی تا کہ بوقت احتیاج لکھی احادیث کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

پھر کتابت حدیث اور اس کی تدوین کا ایک اور اہم ترین سبب بھی تھا جو اپنی اہمیت میں پہلے مذکورہ سبب سے کسی طرح کم نہ تھا اور وہ تھا ''وضع حدیث اور جھوٹی احادیث کے گھڑنے کا پھیلتا رجحان'' جس کے نتیجہ میں صحیح کلام نبوی میں موضوع احادیث گڈ مڈ ہونے لگیں تھیں، قطع نظر اس کے کہ اس نہایت خطرناک رجحان کے اسباب جو بھی رہے ہوں خواہ وہ سیاسی اسباب تھے یا مذہبی اختلافات۔ بہر حال وضع حدیث کی دسیسہ کاری سے احادیث کے صحیح مجموعوں کو محفوظ اور غیر مخلوط رکھنا از حد ضروری بلکہ فرض کے درجہ میں تھا۔ اس بڑھتے رجحان سے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بے حد پریشان رہتے تھے اسی لیے آپ کو بلا تاخیر تدوین حدیث کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی تھی۔ امام زہری کا یہ کلام اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے: ''اگر ہمیں مشرق سے ایسی احادیث نہ پہنچتی جن کو ہم نہیں جانتے تو ہم صحیح احادیث کو نہ پہچان پاتے اور نہ میں کسی حدیث کو لکھتا اور نہ لکھنے کی اجازت ہی دیتا۔'' [1]

اس دور کے اکثر ائمہ محدثین کی بعینہ یہی رائے تھی جو زہری کی رائے تھی کہ انہیں احادیث نبویہ کے ضیاع کا ڈر پیدا ہو گیا تھا۔ اور انہیں یہ اندیشہ تھا کہ جھوٹی احادیث صحیح، ثابت اور سچی احادیث آپس میں خلط ملط نہ جائیں۔ غرض اسی اندیشہ نے علماء محدثین کو حدیث کے حفظ و کتابت اور تدوین پر آمادہ کیا۔ حتیٰ کہ اقتدارِ اعلیٰ پر متمکن شخصیات کی بھی یہی رائے قائم ہوگئی جن میں سرفہرست امام عادل، صاحب تقوی و ورع، عالم و مجتہد امیر المومنین خلیفۃ المسلمین سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تھے۔ چنانچہ آپ نے نبی کریم ﷺ کی مبارک احادیث اور سنن مطہرہ کی جمع و تدوین کے لیے نہایت سنجیدہ اور ٹھوس قدم اٹھایا اور سنت مطہرہ کی حفاظت کو خلافت کی سب سے بڑی اور اہم ترین ذمہ داری قرار دیا۔ [2]

آیئے ذیل میں تدوین حدیث کے لیے آپ کی بے نظیر اور عدیم المثال کاوشوں کی چند جھلکیاں ملاحظہ کرتے ہیں:

۱۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے امام ثبت، امیر مدینہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے قاضی ابوبکر بن حزم کو یہ حکم لکھ بھیجا کہ وہ احادیث کو جمع کریں۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ابوبکر بن حزم کو لکھا: ''نبی کریم ﷺ کی جو حدیث ہو اس کو لکھ لو کیونکہ مجھے ڈر ہے

---

[1] عمر بن عبدالعزیز، از عبدالستار شیخ: ص ۷۷.

[2] اصول الحدیث، از محمد عجاج خطیب: ص۱۷۶، ۱۷۷، ۱۸۶.

کہ علم مٹ جائے گا، علماء گزر جائیں گے اور صرف نبی کریم ﷺ کی حدیث کو قبول کرو۔ اور آپ لوگ علم پھیلانے بیٹھ جایئے۔ یہاں تک کہ اس چیز کا علم حاصل ہو جائے جو نہیں معلوم۔ کیونکہ علم ہلاک نہیں ہوتا، یہاں تک کہ علم مخفی ہو جائے۔ ❶

ابن سعد عبداللہ بن دینار سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو یہ خط لکھا کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث یا سنت یا عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی حدیث کو دیکھو اور اس کو لکھ لو کیونکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ علم مٹ جائے اور علم والے چلے جائیں گے۔'' ❷

۲۔ اسی طرح آپ نے ایسا ہی ایک خط امام حجت ابن شہاب زہری کو لکھا۔ چنانچہ ابن عبدالبر ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہمیں سنن جمع کرنے کا حکم دیا تو ہم نے سنن کو الگ الگ دفتروں میں لکھ لیا، پھر آپ کے زیر خلافت ہر ولایت میں ایک ایک دفتر بھیج دیا۔ ❸

ابوعبید کی روایت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ابن شہاب کو حکم لکھ بھیجا کہ وہ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کی بابت انہیں سنن کو جمع کر کے لکھ بھیجیں۔ امام زہری نے آپ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے یہ کام شروع کر دیا اور ایک طویل خط میں یہ ساری تفصیل لکھ بھیجی۔ ❹ یہیں سے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول کیا کہ پہلی صدی ہجری کے آخر میں یہ زہری ہی تھے جنہوں نے عمر کے کہنے پر سب سے پہلے حدیث کو مدون کیا۔ زہری کے بعد تدوین وتصنیف کا کام بڑی تیزی کے ساتھ جاری ہوگیا اور اس سے بے پناہ خیر حاصل ہوئی۔ پس ساری تعریف اللہ ہی کی ہے۔'' ❺

۳۔ بلکہ آپ نے تو تمام اہل مدینہ کو حدیث اور سنت جمع کرنے کا حکم لکھ بھیجا اور انہیں اس بات کی زبردست ترغیب دی کہ جو کچھ بھی کوئی جانتا ہے چاہے اسے چند احادیث ہی کیوں نہ یاد ہوں وہ انہیں جمع کر کے اس کار خیر میں شریک ہو۔ چنانچہ آپ نے اہل مدینہ کو لکھ بھیجا کہ دیکھو! نبی کریم ﷺ کی جو حدیث بھی ہو اس کو لکھ لو کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے اٹھ جانے کا ڈر ہے۔ ❻

۴۔ پھر آپ نے محض اتنی بات پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ خلافت اسلامیہ کے تمام بلاد وامصار میں یہ حکم لکھ بھیجا تاکہ ہر عالم اس کام میں لگ جائے کہ جو احادیث اس کے پاس ہیں یا اس نے ان احادیث کو

---

❶ فتح الباری: ۱/ ۱۹٤ـ۱۹۵.
❷ الطبقات اصول الدین: ص ۱۷۷، ۱۷۹.
❸ جامع بیان العلم: ۱/ ۹۱، ۹۲.
❹ الاموال: ص ۲۳۱ـ ۲۳۲.
❺ فتح الباری: ۱/ ۲۰۸.
❻ سنن الدارمی: ۱/ ۱۳۷.

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سن رکھا ہے انہیں جمع کر دے۔ ❶ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ حکم نامہ جاری کیا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو دیکھو، اس کو جمع کرو اور یاد کرو کیونکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ علم مٹ جائے گا اور علماء اٹھ جائیں گے۔'' ❷

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے لغت عربیہ کا بھی بے حد اہتمام کیا۔ چنانچہ آپ نے مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ عربی زبان سیکھیں اور اس میں مہارت پیدا کریں۔ اس غرض کے لیے آپ انہیں انعامات سے بھی نوازتے۔ اسی طرح جو عربی زبان صحیح نہیں بولتا تھا۔ اس کو سزا بھی دیتے اور اس کے وظیفے میں کمی کر دیتے کیونکہ آپ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ کتاب سنت کو سمجھنے کے لیے عربی کا سیکھنا اور جاننا بے حد اہم ہے۔ ❸

تدوین حدیث میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا نہج وطرز

آپ نے تدوین حدیث میں بے حد مضبوط، صاف سیدھا اور محتاط طرز اختیار کیا اور آپ نے اس کے لیے کڑی شرائط رکھیں اور اس کے لیے نہایت مفید پیمانے مقرر کیے۔ ذیل کی تفصیلات سے اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ آپ نے تدوین حدیث کے لیے نہایت پختہ علماء کا انتخاب کیا، چنانچہ تدوین حدیث کی نازک ذمہ داری آپ نے جن علماء کے کندھوں پر ڈالی، وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے علماء تھے۔ چنانچہ ایک ابوبکر بن حزم ہی کو لے لیجیے، جو علم کا برتن اور اپنے زمانے کے عبقری عالم تھے، امام مالک ان کے بارے میں کہتے ہیں: ''میں نے ابوبکر بن حزم سے زیادہ مروت والا اور کامل الحال کوئی شخص نہیں دیکھا اور جو خوبیاں ان میں تھیں میں نے وہ خوبیاں کسی اور میں نہیں دیکھیں۔'' آپ مدینہ کے والی، قاضی اور امیر حج تھے۔ اور آپ سچے اور بے پناہ حدیثوں والے تھے۔ ابن سعد کہتے ہیں: ابوبکر بن حزم ثقہ، عالم اور کثیر الحدیث تھے۔ آپ نے ۱۲۰ ہجری میں وفات پائی۔ ❹

پھر زہری جیسی نابغۂ روزگار شخصیت ہمیں اس نازک ترین کام پر مامور نظر آتی ہے ان کے فضائل ومناقب ہم گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔ یہیں سے ہمیں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حسن انتخاب کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

۲۔ دوسرے آپ نے جن علماء کے ذمے یہ کام لگایا انہیں مطلقاً جمع وتدوین کا حکم دیا۔ آپ نے اس فن

---

❶ عمر بن عبدالعزيز، از عبدالستار شيخ ص۷۹. ❷ فتح الباري: ۱/ ۱۹۵.

❸ عمر بن عبدالعزيز للشرقاوي: ص ۱۷۸.

❹ سير اعلام النبلاء: ۵/ ۳۱۳، ۳۱۴.

کے ممتاز افراد کو صرف ان احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا جو بے حد اہم تھیں۔ چنانچہ آپ نے ابوبکر بن حزم کو عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی احادیث جمع کرنے کو کہا کیونکہ عمرہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی احادیث کو سب سے زیادہ جاننے والی تھیں اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال مبارکہ کو سب سے زیادہ جاننے والی تھیں۔ دوسرے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے احوال کا سب سے زیادہ علم تھا۔ [1] اور مذکورہ عمرہ یہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن بن سعد بن زرارہ انصاریہ کی تربیت کا شاہکار تھیں۔ عمرہ کے دادا حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام صحابہ میں سے تھے۔ یہی سعد نقیب کبیر جناب اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ غرض ابن المدینی نے عمرہ کا خوب لمبا تذکرہ کیا ہے اور ان کے فضائل ومناقب پر بڑا پر شکوہ کلام کیا ہے۔ چنانچہ ابن المدینی کہتے ہیں: عمرہ کا شمار ان ثقہ علماء میں ہوتا ہے جن کے سینوں میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علوم ٹھاٹھیں مارتے تھے اور وہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علوم میں قابل اعتبار تھے۔ [2] زہری کہتے ہیں کہ میں عمرہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے انہیں علوم کا بحر ناپید کنارا پایا۔ [3] عمرہ نے ۹۸ یا ۱۰۶ ہجری میں وفات پائی۔ [4] ایک روایت یہ بھی ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ابوبکر بن حزم کو امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی احادیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا کیونکہ آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت، عدالتی فیصلوں اور صدقات کی بابت سیاست فاروقی کو جمع کرنا چاہتے تھے تاکہ آپ وہی احکامات صدقات کی بابت اپنے عمال کو لکھ بھیجیں۔ اسی لیے آپ نے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی بات کا مطالبہ کیا تھا کہ وہ آپ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے اور سیاست صدقات کی تفصیل لکھ بھیجیں۔ یہ امر آپ کے اس منہج سے کھل کر سامنے آتا ہے جو آپ نے اپنے جد امجد سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سیرت کی اقتدا میں اپنایا تھا۔ [5] اسی طرح آپ نے آلِ عمرو بن حزم کو بھی لکھ بھیجا کہ وہ آپ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صدقات کے بارے میں ایک کتاب لکھیں۔ تاکہ آپ اس کی روشنی میں خلافت کو چلائیں امور رعایا کے اور کو سنبھالیں۔ [6]

۳۔ تیسرے آپ نے احادیث مدون کرنے والے علماء کے ذمے یہ بات لگائی کہ وہ صحیح احادیث کو سقیم احادیث سے ممیّز وممتاز کریں۔ اور ثابت احادیث کو خوب کاوش سے تلاش کریں جیسا کہ دارمی کی روایت میں آتا ہے کہ آپ نے ابن حزم سے یہ کہا کہ ''مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حضرت رضی اللہ عنہ کی

---

[1] عمر بن عبدالعزیز، از عبدالستار شیخ: ص ۸۱۔
[2] عمر بن عبدالعزیز، از عبدالستار شیخ: ص۸۱۔
[3] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٥٠٨۔
[4] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٥٠٨۔
[5] عمر بن عبدالعزیز، از عبدالستار شیخ: ص ۸۱۔
[6] عمر بن عبدالعزیز، از عبدالستار شیخ: ص ۸۱۔

وہ احادیث لکھ بھیجو جو آپ کے نزدیک ثابت ہیں۔" اور امام احمد رحمہ اللہ "کتاب العلل" میں لکھتے ہیں کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ابن حزم کو لکھا کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور عمر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث آپ کے نزدیک ثابت ہو وہ مجھے لکھ بھیجو۔" [1]

بلا شبہ تدوین حدیث کے منہج کی پختہ، ثابت، صحیح، معتدل اور مستقیم بنیادوں پر تاسیس سے متعلق یہ نقطہ عظیم اہمیت کا حامل ہے۔ [2]

۴۔ تدوین حدیث سے متعلق آپ نے چوتھا نہج یہ اختیار کیا کہ حدیث کی صحت کی خوب تحقیق کی۔ کیونکہ خود آپ کا شمار کبار علماء میں ہوتا تھا۔ اور آپ کا علمی مرتبہ ان علماء سے کسی طرح کم نہ تھا جن کو آپ نے تدوین حدیث کی اہم ترین ذمہ داری سپرد کی تھی۔ لہٰذا احادیث کو مزید محقق کرنے کے لیے آپ نے احادیث جمع کرنے والوں کے ساتھ علمی مناقشہ بھی کیا۔ [3] چنانچہ ابو زناد عبداللہ بن ذکوان قرشی کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو دیکھا کہ انہوں نے فقہاء کو جمع کیا۔ ان لوگوں نے سنن کو جمع کر رکھا تھا۔ جب وہ لوگ کسی ایسی بات کو پیش کرتے جو معمول بہ نہ ہوتی تو فرماتے کہ یہ زائد ہے، اس پر عمل نہیں ہے۔" [4]

تدوین حدیث کے ثمرات

ان ابتدائی مبارک محنتوں نے پھر اپنا پھل دیا جو امام زہری کے دفتر احادیث کی صورت میں سامنے آیا۔ چنانچہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان کے متعدد نسخے اور نقول تیار کروائیں اور خلافت اسلامیہ کے بلاد و امصار میں ایک ایک نسخہ بھیج دیا۔ یاد رہے کہ متعدد علماء نے اپنے مسموعات کو اپنی یادداشتوں میں جمع کر رکھا تھا تاکہ بوقت ضرورت ان کی طرف مراجعت کر کے اپنے حافظے میں اور اتقان واستحکام پیدا کیا جا سکے۔ رہی وہ تدوین جو خلافت کے حکم سلطانی کے زیر سایہ پایہ تکمیل کو پہنچی پھر اس کے ثمرات خلافت اسلامیہ کی اقالیم تک پھیلے بلا شبہ وہ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے فرمان عالی مقام سے وجود میں آئی تھی۔ اور یہ بات بھی اس تدوین کے پاکیزہ ثمرات میں سے ہے کہ احادیث کی جمع وتدوین کے لیے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جو اصول وقواعد اور احکام وضوابط متعین کیے اور حدیث کے رد وقبول کے لیے آپ نے جو کڑا معیار مقرر کیا تھا وہ بعد میں آنے والوں کے لیے جمع حدیث کی وسیع اور مکمل ترین بنیاد اور پہلی اینٹ ثابت ہوئے۔ یہ سب آپ کی دوررس فہم، گہری نگاہ، غزارتِ علمی اور بے پناہ بصیرت وفراست کا نتیجہ تھا۔ بے شک یہ سب خدا کا ہی فضل وکرم تھا پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اگر سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مشورے سے جناب

---

1. نقلاً عن مقدمة المسند: ص ۲۰، ۲۳.
2. عمر بن عبدالعزيز، از عبدالستار شيخ: ص ۸۲.
3. ايضًا
4. ايضًا

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قرآن کو جمع کیا تھا...... اور یہ ان دونوں بزرگ ہستیوں رضی اللہ عنہما کا امت محمد یہ پر از حد احسان تھا...... پھر جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آ کر امت مسلمہ کو ایک صحیفہ، ایک حرف اور ایک لہجہ، لہجۂ قریش پر جمع کیا تو ہم یہ بات کہنے میں بالکل حق بجانب ہیں...... اور یہ ہمارا گمان ہے اور ہم اللہ کے سوا کسی کی پاکیزگی بیان نہیں کرتے...... کہ رب تعالیٰ نے یہ عظیم سعادت اور جلیل القدر عزت جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے لیے مقدر فرما رکھی تھی کہ آپ نے اپنے دور خلافت میں احادیث کی جمع و تدوین اور تحقیق و تنقیح کا سرکاری فرمان جاری کیا اور دین اسلام کے دوسرے بڑے اور اہم ترین تشریعی ماخذ ''سنت واحادیث نبویہ'' کی حفاظت وحمایت کا سرکاری سرپرستی میں اہتمام وانتظام کیا۔ بے شک یہ بڑے بندوں، عظیم علماء اور کبار مصلحین کا وہ نصیب ہے جو انہیں رب ذوالجلال والاکرام کی توفیق سے ہی ملتا ہے۔ اور یہ سعادت تب ہی نصیب میں آتی ہے جب اپنے دل رب کے لیے خالص کر لیے جائیں۔ پھر رب تعالیٰ انہیں حق کی توفیق سے نوازتا ہے، انہیں خیر کی راہ دکھلاتا ہے، ان کی محنتوں کو سیدھی راہ پر ڈالتا ہے اور ان کے امور کو رشد و ہدایت بہم مہیا کرتا ہے۔ ❶

لیبیا کے مشہور شاعر احمد رفیق مہدوی نے کیا خوب کہا ہے:

''رب تعالیٰ کو جب کسی بندے کا باطن پسند آجاتا ہے تو اس پر رب فتاح کی عنایات کے آثار صاف نظر آتے ہیں اور جب کسی مصلح کی نیت اللہ کے لیے صاف ہو جاتی ہے تو رب کے بندے اپنی روحوں سمیت اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔'' ❷

بلاشبہ ''رسمی تدوین'' کو سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور خلافت کا ایک عظیم کارنامہ اور بڑی کامیابی سمجھا جاتا ہے۔ ❸

سنت نبویہ کی خدمت میں تابعین کا کردار

حضرات تابعین عظام نے حدیث نبوی کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حاصل کیا تھا ان لوگوں نے سند حدیث کو نہایت دقت، احتیاط اور اتقان کے ساتھ ضبط کیا۔ حدیث نبوی ان حضرات کی گردنوں پر ایک امانت تھی اور اس کو اگلی نسلوں تک پہنچانا ان کی اہم ترین ذمہ داری تھی بالخصوص اس وقت یہ ذمہ داری اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر گئی جب ان کے دور میں ایک طرف سیاسی وکلامی اختلافات نے سر اٹھا لیا تھا تو دوسری طرف زندیقوں کی یورشیں دم نہ لینے دے رہی تھیں اور باوجودیکہ دین و دولت دونوں زندقہ سے بیزار تھے۔ زندیقیت اسلام پر چڑھی چلی آرہی تھی۔ جبکہ تیسری طرف کئی تعصبات نے جنم لے لیا تھا جن میں قومی، لسانی،

---

❶ عمر بن عبدالعزيز، از عبدالستار الشيخ: ص ٨٣.

❷ الثمار الزكية للحركة السنوسية: ص ١٩٨.

❸ عمر بن عبدالعزيز، ص: ٨٣.

قبائلی، علاقائی اور نسلی تعصبات سرفہرست تھے اور چوتھی طرف شکم پرستوں کا ٹڈی دل گروہ تھا جو محض پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے نہ جانے کیسے کیسے واہی تباہی قصے گھڑ گھڑ کر لوگوں میں پھیلائے جا رہے تھے۔ اور رہی سہی کسر علم سے بے بہرہ درویشوں نے پوری کر دی تھی۔ الغرض! حضرات تابعین کو حدیث نبوی کی حفاظت کے لیے ان چوطرفہ محاذوں پر بیک وقت لڑنا پڑ رہا تھا۔ ان گوں ناگوں اسباب کے نتیجہ میں حدیث نبویہ میں دروغ بافی، کذب بیانی اور حدیث سازی کی نقب لگانے کی راہیں ہموار ہونے لگیں تھیں۔ ان گمبھیر حالات میں حضرات تابعین عظام رحمہم اللہ نے اپنی اہم ترین ذمہ داری کو پوری شدت کے ساتھ محسوس کیا اور انہوں نے اس نازک ترین امانت کو بلاکم وکاست اگلی نسلوں تک پہنچانے کا عزم مصمم کر لیا۔ چنانچہ حضرات تابعین عظام رحمہم اللہ ان کذابوں اور جعلسازوں [1] کے آگے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے اور ان کی ایک نہ چلنے دی۔ اور کھرے کو کھوٹے سے الگ کر کے رکھ دیا۔ ہم حضرات تابعین عظام کی ان عظیم مساعی مشکورہ [2] کا خلاصہ مذکورہ ذیل عناوین کے تحت بیان کر سکتے ہیں۔

ا۔ اسناد کا التزام اور اس کا مطالبہ

الف: ....ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''پہلے لوگ اسناد کے بارے میں نہیں پوچھا کرتے تھے لیکن جب فتنوں نے سر اٹھایا تو اب لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہمیں اپنی حدیث کے رجال بتلاؤ کہ وہ کون ہیں؟ پس اگر تو وہ اہل سنت میں سے نکلتے تو ان کی حدیث کو لے لیا جاتا اور اگر وہ اہل بدعت میں سے نکلتے تو ان کی حدیث کو نہ لیا جاتا۔'' [3]

ب: .... عتبہ بن ابی الحکم سے روایت ہے کہ ''وہ اسحاق بن ابی فروہ کے پاس بیٹھے تھے۔ پاس ہی زہری بھی تشریف رکھتے تھے۔ اتنے میں ابن ابوفروہ نے اس طرز کے ساتھ حدیث سنانا شروع کی ''قال رسول الله......'' تو زہری نے انہیں وہیں ٹوکتے ہوئے کہا: ''اے ابن ابی فروہ! اللہ تیرا ستیاناس کرے، تو اللہ پر کتنا دلیر ہے کہ اپنی حدیث کی سند تک بیان نہیں کرتا۔ تو ہمیں ایسی احادیث سناتا ہے۔ جن کی نہ نکیلیں ہیں اور نہ مہاریں [4] (یعنی بغیر اسناد بیان کیے شتر بے مہار کی طرح حدیث بیان کیے جا رہے ہو)۔

۲۔ علمی حلقوں کا انعقاد

ابن سیرین کہتے ہیں: ''جب میں کوفہ آیا تو میں نے دیکھا کہ شعبی کا علمی حلقہ بے حد عظیم ہے حالانکہ ان

---

[1] یہ مترجم کی اصطلاح ہے اس سے مراد واضعین حدیث ہیں۔

[2] التابعون وجهودهم فى خدمة الحديث النبوى: ص ٥٤۔ از شایجی۔ یہ رسالہ مختصر ہونے کے باوجود بے حد قیمتی اور مفید ہے۔

[3] صحيح مسلم فى مقدمة، باب بيان الاسناد من الدين: ١/ ١٥.

[4] معرفة علوم الحديث للحاكم: ص ٦.

دنوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کثرت کے ساتھ موجود تھے۔''❶ اور زہری کا بیان ہے کہ ''سعید بن جبیر روزانہ دو مرتبہ فجر کے بعد اور عصر کے بعد وعظ فرمایا کرتے تھے۔''❷

۳۔ حدیث کو اسی طریقہ پر ادا کرنے کی حرص

یعنی روایت باللفظ کا اہتمام، اور اگر روایت باللفظ میسر نہ ہو سکی تو روایت بالمعنی کا التزام کرنا، البتہ اس باب میں حضرات تابعین عظام معروف شرائط وضوابط کی پوری پوری رعایت رکھتے تھے۔❸ چنانچہ ابن عون سے روایت ہے کہ ابراہیم، شعبی اور حسن حدیث کو بالمعنی روایت کرتے تھے۔ جبکہ قاسم، ابن سیرین اور رجاء حدیث کو باللفظ روایت کرتے تھے۔''❹ لیث بن ابی سلیم کا قول ہے کہ ''طاؤس حدیث کو حرف بہ حرف بیان کرتے تھے۔''❺ جریر بن حازم کہتے ہیں: ''میں نے حسن کو حدیث بیان کرتے سنا کہ اصل ایک ہوتی جبکہ کلام خود ساختہ ہوتا تھا۔''❻ (یعنی حسن حدیث کو بالمعنی روایت کرتے تھے۔)

۴۔ رواۃ کے احوال کی معرفت کے لیے جرح وتعدیل کے علمی معیار مقرر کرنا

❀ راویوں کی روایات کا ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ وموازنہ کرنا۔ چنانچہ ابن شہاب زہری کہتے ہیں، ''جب ایک حدیث مجھے عمرہ بیان کرے پھر عروہ بیان کرے تو میرے نزدیک عمرہ کی حدیث عروہ کی حدیث کی تصدیق کرتی ہے۔ پھر جب میں نے دونوں کی حدیث میں غور کیا تو مجھے عروہ علم حدیث کا بحر بیکراں نظر آئے۔''❼

❀ ایک ہی راوی کی بیان کردہ حدیث کا ایک مدت بعد اسی کی بیان کردہ حدیث سے موازنہ ومقارنہ کرنا، جیسے ہشام بن عبدالملک نے زہری کے حافظہ کا امتحان لینا چاہا تو انہیں بلا کر کہا کہ میرے بچوں کے لیے بعض احادیث املاء کرا دیجیے، چنانچہ زہری نے تقریباً چار سو احادیث املا کروا دیں، پھر ہشام نے تقریباً ایک ماہ بعد زہری کو دوبارہ بلوا کر کہا کہ وہ کتاب کسی وجہ سے ضائع ہو گئی۔ آپ ذرا مہربانی کر کے وہی احادیث دوبارہ املاء کروا دیجیے۔ چنانچہ زہری نے وہی احادیث دوبارہ املاء کروا دیں۔ جب ہشام نے دونوں صحیفوں کا موازنہ کر کے دیکھا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ دونوں میں ایک لفظ کا بھی فرق نہ تھا۔❽

❀ اسی طرح اسناد اور متون کو بدل کر بھی راوی کے حفظ اور اتقان کا اندازہ کیا کرتے تھے۔ حماد بن سلمہ سے

---

❶ تاریخ الاسلام: ص ۱۲٦ .
❷ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٣٣٦ .
❸ التابعون وجهودهم: ص ٥٨ .
❹ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٥٥٩ .
❺ سیر اعلام النبلاء: ٥/ ٤٦٥ .
❻ الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع: ٢/ ٢١ .
❼ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٤٣٦ .
❽ السنة ومكانتها في التشريع: ص ٢٠٩ .

مروی ہے، وہ کہتے ہیں، ''میں نے سنا کہ یہ قصہ گو لوگ حدیث کو صحیح یاد نہیں رکھتے چنانچہ میں ثابت پر احادیث کو بدل بدل کر پیش کرتا کہ کبھی انس کو ابن ابی لیلی بنا دیتا اور کبھی اس کے برعکس کرتا اور احادیث کو ثابت پر خلط ملط کر دیتا۔ مگر ثابت وہی احادیث میرے سامنے سند اور متن کو صحیح کر کے سنا دیتے۔ ❶

❀ جو حدیث کو چھوڑ کر قرآن میں لگ جائے وہ بدعتی ہے، یہ بھی جرح و تعدیل کا ایک کڑا معیار تھا۔ ابو قلابہ بیان کرتے ہیں کہ ''جب تو کسی کو حدیث سنائے اور وہ کہے کہ چھوڑو جی حدیث کو، کتاب اللہ لاؤ، تو جان لو کہ وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔'' ❷

❀ حدیث میں لگنے سے پہلے قرآن ضرور یاد کریں، حفص بن غیاث سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں نے اعمش کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے حدیث بیان کیجیے'' تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ ''کیا تم نے قرآن حفظ کر رکھا ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ نہیں، تو فرمایا: ''جاؤ جا کر پہلے قرآن یاد کرو، پھر آنا میں تمہیں حدیث بیان کروں گا۔'' حفص کہتے ہیں: میں اٹھ کر چلا گیا اور قرآن حفظ کرنے میں لگ گیا۔ جب قرآن حفظ کر لیا تو پھر حاضر ہوا۔ اعمش نے پہلے میرے حفظ قرآن کا امتحان لیا۔ میں نے ٹھیک ٹھیک قرآن سنا دیا۔ تب انہوں نے مجھے حدیث سنانا شروع کی۔ ❸

۵۔ افتاء وقضاء

حضرات تابعین کرام رحمہم اللہ نے اس اہم شعبہ کو بھی سنبھالا۔ چنانچہ لوگوں کے مسائل میں انہیں فتوے دیئے اور ان کے خصومات میں فصل بھی کیا۔ علقمہ بن قیس نخعی ہی کو دیکھ لیجیے ابراہیم اور شعبی جیسے ائمہ نے ان سے تفقہ حاصل کیا۔ علقمہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد لوگوں کی امامت اور فتویٰ کے منصب کو سنبھالا، علقمہ اپنی سیرت و کردار اور اخلاق و عادات میں سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔ آپ کے تلامذہ آپ سے علم سیکھ کر فقیہ بن جاتے حالانکہ اس وقت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کثرت کے ساتھ موجود تھے۔ ❹

ابو زناد سے روایت ہے کہ ''مدینہ میں جن سات فقہاء سے لوگ اپنے مسائل پوچھا کرتے تھے اور انہی کے اقوال قول فیصل ہوا کرتے تھے، وہ یہ ہیں: سعید بن مسیّب، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عروہ، قاسم، عبیداللہ بن عبداللہ خارجہ بن زید اور سلیمان بن یسار۔'' ❺ بے شک لوگوں کو ان کے مسائل میں فتویٰ دینا، اور عہدۂ قضا کو سنبھالنا ایسے امور نہ تھے جو تن آسانی، راحت جاں اور آرام پرستی کے ساتھ سرانجام دیئے جا سکتے، بلکہ یہ

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ٥/ ٢٢٢.
❷ سیر اعلام النبلاء: ٦/ ٧٤٢.
❸ المحدث الفاصل، باب اوصاف الطالب وآدابه: ص ٢٠٣.
❹ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٤٣٨.

دونوں امور تو بے آرامی، بے خوابی، جفاکشی اور محنت کے طالب ہیں۔ بلاشبہ ان ذمہ داریوں کو ادا کرنا آسان نہیں تھا۔ ❶

۶۔ کس کی حدیث حجت اور کس کی غیر حجت، اس کے لیے رواۃ کا حال جاننا ضروری ہے ❷

حدیث نبوی کی بابت یہ بھی ایک بڑی اہم خدمت تھی جو حضرات تابعین نے جان جوکھوں میں ڈال کر ادا کی کہ انہوں نے رواۃ کے احوال کو پوری جانکاہی کے ساتھ جانچا اور پرکھا اور یہ واضح کیا کہ کس راوی کی حدیث حجت ہے اور کس کی غیر حجت ہے۔ ذیل میں اس بابت حضرات تابعین کے چند اقوال سپرد قلم کیے جاتے ہیں:

الف: .... محمد بن سیرین کہتے ہیں: ''میں نے دیکھا کہ اہل کوفہ پانچ لوگوں کو مقدم رکھتے ہیں ایک وہ جو حارث اعور سے حدیث کی سند شروع کرے، دوسرے وہ جو عبیدہ سے، تیسرے وہ جو علقمہ سے، پھر وہ جو مسروق سے اور پانچویں وہ جو شریح سے حدیث کو شروع کرے۔'' ❸

ب: .... قتادہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''جب چار لوگوں کی روایات میرے پاس جمع ہو جائیں تو میں دوسروں کی طرف مطلق التفات نہیں کرتا اور نہ مجھے ان کے مخالفین کی پروا ہوتی ہے۔ وہ چار یہ ہیں: ''حسن، سعید بن مسیب، ابراہیم اور عطاء۔'' یہ لوگ ائمہ امصار ہیں۔'' ❹

حضرات تابعین کی حدیث نبوی میں کی جانے والی یہ اہم ترین خدمات کا ایک مختصر تذکرہ ہے۔ اس کی مزید تفصیل ''السنة قبل التدوین ❺'' میں دیکھی جا سکتی ہے جو دکتور محمد عجاج خطیب کی تصنیف لطیف ہے۔ اور ''التابعون وجهودهم فی خدمت الحدیث النبوی'' کا مطالعہ بھی اس بابت بے حد مفید ہے۔

۶...... تابعین کا طرز تزکیہ وسلوک

اس کی مثال میں حسن بصری کے مدرسہ تزکیہ وسلوک کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

حسن بصری خلافت امویہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں:

حسن بصری کو سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے معاصرین میں شمار کیا جاتا ہے۔ خلافت امویہ کی دینی اور معاشرتی زندگی پر آپ کے گہرے اثرات تھے۔ آپ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، ابوسعید کنیت، حسن بن سعید نام اور بصری نسبت ہے۔ کبار تابعین میں سے تھے۔ اہل بصرہ کے امام اور اپنے وقت کے حبر الامہ تھے۔ والدہ کا نام ''خیرہ'' تھا۔ جو ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔

❶ التابعون وجهودهم: ص ٦٤ .
❷ التابعون وجهودهم .
❸ سير اعلام النبلاء: ص ٤/ ٩١ .
❹ سير اعلام النبلاء: ٥/ ٨٣ .
❺ السنة قبل التدوين، ص: ١٤٤ـ ١٩٩ .

خلافت فاروقی میں ۲۱ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کی والدہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ کسی کام سے باہر گئیں۔ حسن بصری اس وقت دودھ پیتے بچے تھے۔ والدہ کو تاخیر ہوئی تو بھوک کے مارے رونے لگے۔ جس پر سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انہیں گود لے کر دودھ پلا دیا۔ یوں حسن بصری ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بیٹے بن گئے۔ اسی کی برکت تھی کہ حسن بصری بے حد فصیح و بلیغ اور بے پناہ علم کے مالک تھے۔ بدیہی بات ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ نے امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے پاکیزہ گھروں میں پرورش پائی اور انہی پاکیزہ ہستیوں کے چشمہ علم و عمل سے سیراب ہوئے۔ اور ان مبارک ہستیوں کے اخلاق سے خود کو آراستہ کیا۔ جبکہ دوسری طرف مسجد نبوی میں بھی آمد و رفت تھی۔ جہاں ابھی تک کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے فیوض و برکات کے ساتھ رونق افروز تھے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کو اجل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کا موقع ملا۔ جن میں سیّدنا ابوموسیٰ اشعری، عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم جیسی شخصیات کے نام گرامی اور اسم سامی آتے ہیں۔ آپ کے والدین بعد میں بصرہ منتقل ہوگئے۔ اسی نسبت سے بصری کہلانے لگے۔ بصرہ ہجرت کے وقت آپ کی عمر چودہ سال تھی۔ وہاں آپ نے جامع مسجد کو لازم پکڑ لیا اور مسجد کی چوکھٹ بن کر رہ گئے بالخصوص آپ نے حبر الامہ، ترجمان القرآن سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حلقہ درس کو لازم پکڑ لیا۔ پھر تھوڑی مدت بھی نہ گزری کہ آپ علم کا بحر ذخار بن گئے اور لوگ پروانوں کی طرح آپ پر ٹوٹنے لگے۔ ہر طرف آپ کے علوم کا چرچا ہونے لگا۔ دور نزدیک سے آنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ آپ کے قول و فعل میں کمال مطابقت تھی، جو کرتے نہ تھے وہ کہتے بھی نہ تھے۔ آپ کا ظاہر و باطن مثل آئینہ عیاں اور یکساں تھا۔ اگر کسی نیکی کو کہتے تو سب سے بڑھ کر اس پر عمل خود کرتے۔ اگر کسی برائی سے روکتے تو خود بھی اس سے ہزاروں میل دور رہتے، بے نیاز دل کے مالک تھے، کسی کے مال پر نظر نہ تھی، بے حد زاہد و درویش، البتہ لوگ آپ کے علم و عمل کے محتاج تھے۔ [1]

ا۔ لوگوں کے دل متاثر ہونے کے اسباب

رب تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ خوبیوں سے نوازا جن کی بدولت آپ نے لوگوں کے دل جیت لیے اور معاشرے میں دینی اقدار اور اہل دین کے مقام و مرتبہ کو بلند کیا۔ بے پناہ علم کے مالک تھے۔ بالخصوص حدیث و تفسیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب دین کی نشر و اشاعت اور دعوت و اصلاح کا ذمہ وہی اٹھا سکتا تھا جو ان دونوں علوم میں زبردست فوقیت و برتری رکھتا تھا۔ متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ متعدد اکابر کے معاصر تھے۔ آپ کے مواعظ اور حالات زندگی سے عیاں ہوتا ہے کہ آپ نے اس دور کا گہرا مطالعہ کیا تھا، اس کی روح تک جا پہنچے اور جان گئے کہ ایک اسلامی معاشرہ کن خطوط پر چل کر ترقی کرتا ہے۔

[1] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٥٦٣، ٥٨٨.

اور کس نکتہ سے ایک معاشرہ ترقی کی ڈگر سے ہٹتا ہے۔ آپ کی معلومات بے حد وسیع تھیں، زندگی کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ معاشرے کے مختلف طبقات اور ان کے اخلاق وعادات پر گہری نظر تھی۔ آپ کسی ماہر اور تجربہ کار طبیب کی طرح معاشرتی بیماریوں اور ان کے علاج دونوں سے واقف تھے۔ [1]

بے شمار خوبیوں کے ساتھ ساتھ بے حد شیریں کلام، پر اثر گفتگو، حلاوت دھن اور فصاحت وبلاغت کے مالک تھے، بات کرتے جیسے موتی جھڑتے، آپ کے وعظ کا ہر ہر لفظ سننے والوں کے دلوں میں اترتا چلا جاتا۔ ابوعمرو بن علاء کہتے ہیں: ''میں نے حسن بصری اور حجاج سے زیادہ فصیح کوئی نہیں دیکھا۔ اور حسن حجاج سے بھی زیادہ فصیح تھے۔'' [2] حسن بصری وسیع معلومات اور وفورِ علم میں رب کی ایک نشانی تھے۔ ربیع بن انس کہتے ہیں: ''میں دس سال تک حسن بصری کے پاس آتا جاتا رہا اور میں نے ان سے ہر دن ایسی نئی بات سنی جو اس سے پہلے نہ سنی تھی۔'' محمد بن سعد کہتے ہیں: ''حسن بصری ایک جامع شخصیت کے مالک، عالم، بلند مرتبہ فقیہ، ثقہ اور مامون، عابد وزاہد، بے پناہ علم کے مالک، شیریں سخن، فصیح وبلیغ، خوش کلام، خوش الحان، خوش بیان حسین وجمیل اور خوش صورت وسیرت تھے۔ مکہ آئے تو لوگوں نے منبر پر بٹھلایا۔ آپ کے گرد ایک جم غفیر اکٹھا ہوگیا، سب کی زبان پر یہ کلمات تھے: ''ہم نے ایسا شخص نہیں دیکھا'' ابوحیان توحیدی ثابت بن قرہ سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ''حسن بصری علم وتقویٰ، زہد وورع، عفت وپاکدامنی اور فقہ ومعرفت کے چمکتے ستارے تھے۔'' آپ کی مجلس مختلف ماہرین علوم سے پر ہوتی تھی۔ کوئی حدیث کا ماہر تھا تو کوئی تاویل یعنی تفسیر کا، کوئی حلال وحرام کا درس دے رہا ہے تو کوئی فتوے بیان کر رہا ہے۔ کسی سے احکام قضاء اور حکمتیں سیکھی جارہی ہیں تو کسی سے وعظ ونصیحت سنی جارہی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ آپ ان سب میں کسی روشن چراغ کی طرح چمک رہے ہوتے تھے۔ شاہانِ وقت اور امراء وحکام کے سامنے نہایت دوٹوک انداز اور ناقابل تردید الفاظ کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں آپ کے واقعات ناقابل فراموش ہیں۔ [3] اور ان سب پر مستزاد یہ کہ آپ نہایت پختہ عزائم اور ولولہ انگیز روح کے مالک تھے اور دراصل آپ کی اسی صفت کا لوگوں کے دلوں پر سب سے زیادہ اثر تھا اور لوگوں کے دلوں میں آپ کی عقیدت ومحبت کے پس پردہ آپ کی یہی صفت تھی جس نے جیوں کو مسحور اور دلوں کو آپ کا اسیر وگرویدہ بنا رکھا تھا۔ آپ کبار مخلصین میں تھے۔ جو کہتے دل سے کہتے اور وہ بات سیدھی مخاطب کے دل میں جا اترتی تھی۔ جب آپ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا آخرت کا ذکر کرتے تو دلوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیتے، سننے والوں کے دل پارہ پارہ ہو جاتے اور نگاہیں ساون بھادوں کی طرح برسنے لگتیں۔ [4]

---

[1] رجال الفکر والدعوۃ: ۱/ ۶۷۔ [2] نظرات فی التصوف الاسلامی: ص ۲۲۱۔ از دکتور محمد القھوجی۔

[3] رجال الفکر والدعوۃ: ۱/ ۶۸۔ [4] رجال الفکر: ۱/ ۶۸۔

مطرّ وَرّاق کہتے ہیں: ''حسن یوں آتے جیسے عالم آخرت سے آئے ہوں اور ہر بات یوں بتلاتے جیسے آنکھوں سے دیکھ آئے ہوں۔'' ❶

عوف کہتے ہیں: ''میں نے حسن سے زیادہ جنت کے طریق کو جاننے والا کوئی نہیں دیکھا۔'' ❷

آپ کو ایمان کی حلاوت اور اس کی لذت نصیب تھی۔ جذبے اور وجدان سے بولتے تھے۔ خالی اور بے مغز نہیں۔ اسی لیے بصرہ میں سب سے بڑا علمی حلقہ آپ کا تھا اور لوگ آپ کی طرف یوں کھنچے چلے آتے تھے، جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے۔ اہل دل اور مخلصین کا ہر زمانہ میں یہی حال ہوتا ہے۔ آپ کے وعظ کی سب سے بڑی خوبی علماء نے یہ بیان کی ہے کہ آپ کا کلام کلام نبوی کے مشابہ ہوتا تھا۔ چنانچہ امام غزالی "احیاء علوم الدین" میں لکھتے ہیں: ''حسن بصری کا کلام سب سے زیادہ پیغمبروں کے کلام کے مشابہ ہوتا تھا۔ اور آپ کی سیرت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کے سب سے زیادہ مشابہ ہوتی تھی۔ آپ کے بارے میں اس بات پر سب علماء کا اتفاق ہے۔'' ❸

آپ کی انہی بے پناہ خداداد خوبیوں، فضائل و کمالات اور شمائل و صفات کا ہی نتیجہ تھا کہ لوگوں کے دل آپ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ رب تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ مقبولیت سے نوازا اور آپ کی پر کشش شخصیت نہایت قوی اور محبوب تھی۔ لوگ آپ کے سحر میں گرفتار رہتے۔ ان کی شیفتگی و وارفتگی کا عالم یہ تھا کہ سب کے کندھے آپ کے آگے جھکے رہتے حتی کہ ثابت بن قرہ حکیم حرانی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ''بے شک حسن بصری امت محمدیہ کے وہ مایہ ناز سپوت ہیں جن پر روز آخرت میں دوسری امتوں کے لوگوں پر فخر کیا جائے گا۔'' ❹

حسن بصری کے دلوں کو اس قدر متاثر کرنے اور لوگوں کے دلوں میں اتر جانے کا اہم ترین سبب یہ تھا کہ آپ نے لوگوں کے نازک احساسات کو جھنجھوڑا، ان کی دکھتی رگوں پر ضرب لگائی، ان کی صحیح نبض شناسی کی، ان کے جذبات واحساس کی گہرائیوں میں اترے، معاشرے کی جڑوں تک کا جائزہ لیا، لوگوں پر ان کے عیوب وامراض کو طشت ازبام کیا اور کسی مہربان اور رفیق حکیم کی طرح انہیں ان کی برائیوں پر مطلع کیا، پھر معاشرے کے امراض کی تشخیص کر کے لوگوں کو یوں ہی نہ چھوڑ دیا بلکہ کسی ماہر اور تجربہ کار طبیب اور شفیق و ہمدرد ناصح کی طرح ان امراض کا علاج تجویز کیا۔ آپ کے زمانہ میں واعظین و مبلغین کا ایک انبار تھا مگر عجیب بات ہے کہ جو تاثیر آپ کے وعظ ونصیحت میں تھی وہ کسی کے وعظ میں نہ تھی۔ کیونکہ آپ لوگوں کے دل چھو لیتے تھے اور زندگی کی حقیقتوں میں اتر کر بات کرتے، معاشرے پر گرد کی طرح چھائے ماحول پر کڑی تنقید کرتے اور اس کا

❶ سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٥٧٣۔ ❷ ایضًا: ٤/ ٥٧٥۔
❸ رجال الفکر والدعوۃ: ١/ ٦٨۔ ❹ رجال الفکر والدعوۃ: ١/ ٦٨۔

قرار واقعی جائزہ لیتے۔ جس نے لوگوں کو شہوتوں میں ڈبو کر رکھ دیا تھا اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ شاید دنیا کی زندگی ہی ہمیشہ رہنے والی زندگی ہے، اس عیش و آرام اور شہوت و لذت کو کبھی فنا نہیں۔ بلاشبہ یہ مرض معاشرے میں کسی وبا کی طرح پھیل گیا تھا۔ اس لیے آپ لوگوں کو آخرت یاد دلاتے، ان کے سامنے موت کا تذکرہ کرتے تاکہ لذتوں میں ڈوبے ہوش میں آئیں اور جھوٹی امیدوں اور میٹھے خوابوں میں مستغرق غفلت سے بیدار ہوں، ان کی وہمی اور سرابی عیاشیوں کا ذائقہ مکدر ہو اور ان کی عارضی زندگی کا مزا کرکرا ہوتا کہ انہیں آخرت کی حقیقی لذتوں کا صحیح ادراک حاصل ہو۔ آپ جاہلیت کے ہمیشہ برسر پیکار رہے اور جاہلیت صرف اس کے آگے گھٹنے ٹیکتی ہے جو اس سے ستیزہ کاری پر اتر آئے اور جاہلیت صرف اسی کا دم بھرتی ہے جو اس کے آگے مسلح ہو کر کھڑا ہو جائے اور وہ مرد میدان تھا حسن بصری۔ وگرنہ جاہلیت کسی سے متاثر نہیں ہوتی اور سب کو پچھاڑ دیتی ہے۔ اسی لیے آپ کی مجلس توبہ واستغفار کی مجلس ہوتی تھی۔ لوگ آتے اور برسوں پرانی نافرمانی کی عادات سے توبہ کرتے اور نافرمانیوں اور جاہلیت کی زندگی سے یکسر منہ موڑ لیتے۔ اور خود پر سے گناہوں کا لبادہ اتار پھینکتے۔ حسن بصری کی اصلاحی کاوشوں کے اثرات سمندر کی بپھری اور متلاطم موجوں کی طرح برائیوں کے خس وخاشاک کو بہا کر لے گئیں۔ آپ محض وعظ وارشاد پر ہی اکتفاء نہ کرتے تھے بلکہ اپنے ہم مجلسوں کی پوری پوری تربیت بھی کرتے۔ بلاشبہ آپ نے دعوت وارشاد اور علمی واخلاقی اور روحانی تربیت کو جمع کیا۔ بے شمار خلق خدا نے آپ کی پر اثر صحبت وتربیت کے فیض سے اپنا آپ سنوارا جن کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے اور انہوں نے ایمان کی حلاوت چکھی اور خود کو اسلام کی حقیقت سے آراستہ و پیراستہ کیا۔ ❶

۲۔ حسن بصری رحمہ اللہ کے نزدیک مسنون تصوف کے آثار

حسن بصری کا شمار ان نابغۂ روزگار علمائے سلوک اور متصوفین میں ہوتا ہے جنھوں نے نفس کی بیماریوں کی تشخیص بھی کی اور ان کا علاج بھی تجویز کیا۔ آپ نے شہوتوں کے مسموم اثرات سے مردہ ہو جانے والے دلوں کو حیات جاویداں بخشی، انہیں بلند ربانی معانی سے روشناس کرایا۔ آپ کا عقیدہ بدعات وخرافات اور ہر قسم کے نظریاتی واعتقادی انحرافات سے پاک اور سلامت تھا۔ آپ اپنی تعلیم وتربیت میں کتاب وسنت کے شدت کے ساتھ پابند تھے۔ بے شک مسنون تصوف کی بنیاد کتاب وسنت کا التزام ہوتی ہے، جو عقیدہ وعبادت اور معاملہ وسلوک میں سلف صالحین کے منہج کے موافق ہو۔ ان امور کو ہم حسن بصری رحمہ اللہ کی سیرت کے آئینہ میں صاف دیکھ سکتے ہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ نے تصوف وسلوک میں جن امور کا خاص طور پر اہتمام کیا، ان کو ذیل میں اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

---

❶ رجال الفکر والدعوۃ: ۱/ ۷۵.

الف: دلوں کی سختی اور موت اور ان کا احیاء

کسی آدمی نے حسن بصری رحمہ اللہ سے شکایت کی کہ میرا دل بڑا سخت ہے، تو آپ نے اس سے فرمایا: ''ذکر کے ساتھ اپنے دل کے قریب ہو۔''[1] پھر فرمایا: ''دل مرتے بھی ہیں اور زندہ بھی ہوتے ہیں۔ پس جب مر جائیں تو انہیں فرائض پر جا اتارو اور جب دیکھو کہ فرائض سے زندہ ہوگئے ہیں تو انہیں فرائض کے بعد نوافل کا عادی بناؤ۔''[2] رب تعالیٰ نے سخت دل کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ (البقرة: ٧٤)

''پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوگئے گویا کہ وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی سخت (ہیں)۔''

پھر آگے رب تعالیٰ دلوں کے زیادہ سخت ہونے کی وجہ بھی بیان فرماتے ہیں، ارشاد ہے:

﴿وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ (البقرة: ٧٤)

''پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہوگئے تو وہ پتھروں جیسے ہیں، یا سختی میں (ان سے بھی) بڑھ کر ہیں اور بے شک پتھروں میں سے کچھ یقیناً وہ ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بے شک ان سے کچھ یقیناً وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ باتیں نہ کرو کیونکہ ذکر خدا کے بغیر زیادہ کلام دل کے لیے سختی (کا باعث) ہے اور بے شک اللہ سے سب سے زیادہ دور بندہ وہ ہے جو سخت دل (والا) ہو۔''[3]

دل کی سختی کے اسباب بے شمار ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

اللہ کے ذکر بغیر زیادہ کلام کرنا، اللہ کے ساتھ عہد کر کے توڑ ڈالنا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً﴾ (المآئدة: ١٣)

''تو ان لوگوں کے عہد توڑنے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔''

اسی طرح زیادہ ہنسنا، زیادہ کھانا، بالخصوص حرام کھانا، گناہوں کی کثرت وغیرہ[4] حسن بصری رحمہ اللہ نے اپنے کلام اور مواعظ وارشاد میں ان سب اسباب کو ذکر کیا ہے۔ اسی طرح دلوں کی سختی دور کرنے والے اسباب بھی متعدد ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند اسباب کو ذکر کیا جاتا ہے۔

قلب وزبان کو ذکر الٰہی سے تر رکھنا:......... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] الزهد، للحسن البصري: ص ١٢٣. [2] الزهد، للحسن البصري: ص ١٢٤.

[3] سنن الترمذي، رقم: ٢٤١١- حديث حسن غريب.

[4] مجموعة رسائل الحافظ ابن رجب الحنبلي: ١/ ٢٦١-٢٦٢.

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ﴾ (الزمر: ۲۳)

''اللہ نے سب سے اچھی بات نازل فرمائی، ایسی کتاب جو آپس میں ملتی جلتی ہے، (ایسی آیات) جو بار بار دہرائی جانے والی ہیں، اس سے ان لوگوں کی کھالوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ''بے شک ان دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے۔'' عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! دلوں کے اس زنگ کو کیونکر دور کیا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کی کثرت (کے ساتھ)۔'' ❶

حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''اے لوگو! میں تم لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں اور میں تم میں سے سب سے بہتر اور سب سے زیادہ نیک نہیں۔ بے شک میں اپنی جان پر بہت زیادہ زیادتی کرنے والا ہوں، میں اپنے نفس کو سدھارنے والا نہیں، نہ اس کو فرائض کی ادائیگی اور رب کی اطاعت پر ابھارتا ہوں اگر بات یہ ہوتی کہ ایک بھائی اپنے بھائی کو تب ہی نصیحت کر سکتا ہے جب پہلے اپنے نفس کو سدھارے تو دنیا میں واعظ معدوم ہو جاتے اور یاد دلانے والے کم پڑ جاتے اور دعوت الی اللہ دینے والے ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتے اور نہ کوئی رب کی اطاعت کی ترغیب دیتا نظر آتا اور نہ کوئی اس کی معصیت سے روکنے والا ہی ملتا، لیکن جب اہل بصیرت جمع ہوتے ہیں اور اہل ایمان ایک دوسرے کو یاد دلاتے ہیں تو اس سے دل زندہ ہوتے ہیں، غفلت سے ہوشیاری نصیب ہوتی ہے اور بھول چوک سے امن ملتا ہے۔ اللہ تمہیں معاف کرے، اے لوگو! مجلس ذکر کو لازم پکڑو بسا اوقات ایک معمولی کلمہ بھی جو سننے کو مل جائے نفع دے جاتا ہے اور اللہ سے ڈرنے کا حق ادا کرو اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔'' ❷

ایک وعظ میں فرماتے ہیں: ''پاک ہے وہ ذات جس نے عارفین کو اپنی طرف یکسو ہو جانے کی حلاوت اور اپنی خدمت کی لذت نصیب کی، جس نے ان کی ہمتوں کو ذکر الٰہی کے ساتھ باندھ کے رکھ دیا اور ان کے دلوں کو ہر شے سے بیگانہ کر دیا۔ پس ان عارفین کے نزدیک کوئی شے اس کی مناجات سے زیادہ لذیذ نہیں اور اس کی خدمت سے بڑھ کر ان کی آنکھیں اور شے سے ٹھنڈی نہیں ہوتیں اور نہ ان کی زبانوں پر رب تعالیٰ کی اس ذات کے ذکر سے زیادہ سہل کوئی چیز ہے جو ہر اس عیب سے بلند و برتر ہے جو یہ ظالم کہتے ہیں۔'' ❸

---

❶ شعب الایمان للبیهقی، رقم: ۱٤۲. ❷ الزهد للحسن البصری: ص۷۹.

❸ الزهد: ص۷۹.

ایک دفعہ فرمایا: ''ایمان اور وجد کی لذت کو تین باتوں میں تلاش کرو: (۱) نماز میں (۲) ذکر میں (۳) اور قراءت قرآن میں، پس اگر تو تمہیں ان تینوں باتوں میں ایمان کی لذت وحلاوت ملتی ہے تو چلتا رہ وگرنہ جان لے کہ تیرے دل کا دروازہ بند ہے اس کو کھولنے کی کوئی تدبیر کر۔'' [1]

سب سے افضل ذکر قرآن کریم کی تلاوت اور اس پر عمل ہے، چنانچہ حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''جو یہ جاننا چاہے کہ وہ (حق یا گمراہی میں سے) کس بات پر ہے تو وہ اپنے عمل کو قرآن پر پیش کرے تو اسے پتا چل جائے گا کہ اس کا پلڑا اوپر ہے یا نیچے۔'' [2]

ایک دفعہ فرمایا: ''اللہ اس بندے پر رحم کرے جس نے خود کو کتاب اللہ پر پیش کیا۔ پس اگر تو اس کا عمل قرآن کے موافق نکلا تو اس نے اللہ کی حمد بیان کی اور اللہ سے مزید عمل کی توفیق مانگی اور اگر اس کا عمل قرآن کے مخالف نکلا تو توبہ کی اور جلد ہی نافرمانی سے لوٹ آیا۔'' [3]

آپ فرمایا کرتے تھے: ''اے لوگو! یہ قرآن مومنوں کے لیے شفا اور متقیوں کے لیے امام اور رہنما ہے۔ پس جس نے قرآن سے ہدایت لی وہ ہدایت پر ہے، اور جس نے قرآن سے منہ موڑا وہ بدبخت اور آزمائشوں کی آماج گاہ ہے۔'' [4]

آپ فرماتے ہیں: ''قرآن کی قراءت وتلاوت کرنے والے تین قسم کے لوگ ہیں، کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے قرآن کو لوگوں سے مانگنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے اور کچھ لوگ وہ ہیں جو اس کے حروف کو تو سدھار کر پڑھتے ہیں پر انہوں نے اس کی حدود کو برباد کر دیا اور اس کے ذریعے حکام سے بخششیں لیں اور لوگوں پر بڑائی جتلائی۔ ایسی قسم کے حاملین قرآن بے شمار ہیں اللہ ان کی جمعیت زیادہ نہ کرے اور ان کے غیر کو اپنی رحمت سے دور نہ کرے۔ اور تیسری قسم لوگ وہ ہیں جنہوں نے قرآن کی قراءت کی، اس کی آیات میں غور و تدبر کیا اور اس کے ذریعے اپنے دلوں کا دوا دارو کیا۔'' [5]

حسن بصری رحمہ اللہ قیام اللیل کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اگر تو نہ تورات کا قیام کرتا ہو اور نہ دن کا روزہ رکھتا ہو تو جان لے کہ تو محروم ہے اور گناہوں اور خطاؤں نے تجھے اپنا قیدی بنا رکھا ہے۔'' [6]

ایک آدمی نے آپ سے یہ کہا: ''ابوسعید! مجھ پر قیام لیل بے حد بوجھل ہے مجھ میں اس کی سکت نہیں؟'' تو آپ نے فرمایا: ''اے بھائی! توبہ کر، استغفار کر کہ یہ تو بری علامت ہے۔'' [7] اور فرمایا: ''آدمی کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے جس کی نحوست سے وہ قیام اللیل سے محروم کر دیا جاتا ہے۔'' [8]

---

[1] الزهد: ص ۷۹ . [2] الزهد: ص ۱٤۲ . [3] ايضًا
[4] الزهد: ص ۱٤۷ . [5] الزهد: ص ۱٤۸ . [6] الزهد: ص ۱٤٦ .
[7] الزهد: ص ۱٤٦ . [8] الزهد: ص ۱٤٦ .

موت کو کثرت سے یاد کرنا:.......... نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''لذتوں کو توڑنے والی چیز (یعنی موت) کو کثرت کے ساتھ یاد کرو۔''❶

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''موت نے دنیا کو رسوا کر دیا اور عقل مند کے لیے اس میں خوشی کی کسی بات کو باقی نہیں رہنے دیا۔''❷ صالح بن رسم کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری کو یہ بیان کرتے سنا: ''اللہ اس شخص پر رحم کرے جس کو کثرت کے ساتھ نظر آتے لوگوں نے دھوکے میں نہ ڈالا، اے ابن آدم! تو اکیلا مرے گا، قبر میں اکیلا اترے گا اور روزِ محشر اکیلا اٹھایا جائے گا۔ اور تیرا حساب بھی اکیلے ہوگا۔ اے ابن آدم! تیرا نام رکھ دیا گیا ہے اور تجھے چاہ لیا گیا ہے۔''❸

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آدمی موت کو کثرت کے ساتھ یاد کرنے کے اثر کو اپنے عمل میں دیکھ لیتا ہے اور جو لمبی لمبی امیدیں رکھتا ہے اس کا عمل خراب ہوتا ہے۔''❹

کہتے ہیں کہ حسن بصری نے ایک بوڑھے کو ایک جنازہ میں دیکھا تو تدفین سے فراغت کے بعد آپ نے اس سے کہا: ''اے بوڑھے! میں تم سے رب کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ اس مردے کی یہ تمنا ہے کہ اسے دنیا میں دوبارہ بھیج دیا جائے تاکہ یہ مزید عمل صالح کر سکے اور اپنے گزشتہ گناہوں پر توبہ واستغفار کر سکے۔'' بوڑھا بولا: ''اللہ کی قسم! ہاں۔'' تب آپ نے فرمایا: ''ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم اس مردے جیسے نہیں بنتے۔'' پھر آپ یہ کہتے ہوئے مڑ گئے: ''کیسی نصیحت؟ بھلا اگر دل زندہ ہوتے تو اس سے بڑھ کر بھی کوئی نصیحت تھی؟ لیکن جن دلوں کو پکارا جا رہا ہے وہ مر چکے ہیں۔''❺

اور فرمایا: ''جو یہ جانتا ہے کہ اسے موت کے گھاٹ اترنا ہے، قیامت اس کے وعدے کی جگہ ہے، اور رب جبار کے حضور اسے کھڑا ہونا ہے، تو اس کے لائق یہ ہے کہ وہ دنیا میں خوب حسرت کرے اور عمل صالح کی خوب رغبت کرے۔''❻

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں نے ایسی یقینی بات نہیں دیکھی جس میں شک کی گنجائش نہ ہو۔ پھر وہ ایسے شک میں بدل گئی ہو جس میں کوئی یقین نہ ہو، اور وہ یقینی بات موت ہے جس پر ہمارا یقین ہے لیکن اس کے باوجود ہم موت کے علاوہ کے لیے عمل کرتے ہیں۔''❼

آپ فرماتے ہیں: ''اے اللہ کے بندو! رب تعالیٰ نے موت کے علاوہ تمہارے کسی عمل کے لیے وقت مقرر نہیں کر رکھا اس لیے عمل کرتے جاؤ کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

❶ سنن الترمذی، رقم: ۲۳۰۷.
❷ الزهد: ص ۲۰.
❸ الزهد: ص ۲۱.
❹ ایضًا
❺ الزهد: ص ۲۱.
❻ الزهد: ص ۲۲.
❼ الزهد: ص ۲۲.

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ (الحجر: ۹۹)

''اور اپنے پروردگار کی عبادت کیے جاؤ، یہاں تک کہ تمہاری موت (کا وقت) آجائے۔''

حسن بصری کہا کرتے تھے کہ ''اے ابن آدم! تو اکیلا مرے گا اور تیرا حساب بھی اکیلے ہوگا۔ اے ابن آدم! اگر سب لوگ اللہ کے فرمانبردار بن جائیں اور تو اکیلا نافرمان ہو تو وہ تیرے کچھ کام آنے والے نہیں اور اگر سب لوگ اللہ کے نافرمان بن جائیں اور تو اکیلا فرمانبردار ہو تو ان کی نافرمانی تمہیں کچھ نقصان نہیں دینے والی۔ اے ابن آدم! گناہوں سے بچ کہ یہ تیرا خون اور گوشت پوست ہے اگر تو گناہوں سے بچ گیا تو تیرا خون اور تیرا گوشت بھی بچ جائے گا۔ اور اگر دوسری بات ہوئی تو بے شک یہ ایسی آگ ہے جو بجھے گی نہیں۔ ایسا جسم ہے جو پرانا نہ ہوگا اور ایسی جان ہے جس کو موت نہیں۔''[1]

حسن بصری فرماتے ہیں: ''اگر تین باتیں نہ ہوتیں تو ابن آدم کبھی اپنا سر نہ جھکاتا (ہمیشہ اکڑ میں ہی رہتا) اور وہ تین باتیں ہیں موت، مرض اور فقر کہ اگر یہ تین باتیں نہ ہوں تو یہ چھلانگیں مارتا پھرے۔''[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ﴾ (لقمان: ۳۳)

''تو کہیں دنیا کی زندگی تمھیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور کہیں وہ دغا باز اللہ کے بارے میں تمھیں دھوکا نہ دے جائے۔''

یہ آیت تلاوت کر کے حسن بصری کہا کرتے تھے: ''یہ کس نے کہا ہے؟ یہ اس نے کہا ہے جس نے دنیا کو پیدا کیا ہے اور وہ دنیا کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔''[3]

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''دنیا کے مشغلوں سے بچو کہ دنیا کے جھمیلے بے شمار ہیں، پس جس نے بھی اپنے اوپر دنیا کے جھمیلوں کا ایک دروازہ کھولا، تو وہ اس پر دس دروازے اور کھولے گا۔''[4]

قبروں کی زیارت کرنا اور اہل قبور کے احوال میں غور کرنا:............ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''قبروں کی زیارت کیا کرو کہ یہ موت یاد دلاتی ہیں۔''[5] اور ایک روایت میں ارشاد ہے: ''میں نے (پہلے) تم لوگوں کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا تو (اب) قبروں کی زیارت کر لیا کرو کہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔''[6]

حسن بصری رحمہ اللہ قبروں کی زیارت بہت زیادہ کیا کرتے تھے جب فرزدق کی بیوی نوار بنت اعین بن

---

[1] الزهد: ص ۲۳ . [2] الزهد: ص ۲٤ .
[3] الزهد: ص ۲٥ . [4] الزهد: ص ۲٦ .
[5] صحيح مسلم، رقم: ۹۷٦ . [6] صحيح مسلم: ۲/ ٦۷۲ .

ضبعیۃ المجاشعی کا انتقال ہوا جس نے اس بات کی وصیت کر رکھی تھی کہ اس کا جنازہ حسن بصری پڑھائیں گے تو آپ نے اس کے جنازہ میں شرکت کی۔ جنازہ میں بصرہ کے سربرآوردہ لوگ بھی تھے۔ اب حسن تو اپنے خچر پر سوار تھے جبکہ فرزدق اپنے اونٹ پر تھا۔ آپ نے فرزدق سے پوچھا، ''لوگ کیا کہتے ہیں؟'' فرزدق نے جواب دیا کہ ''لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ آج اس جنازہ میں ایک تو سب سے اچھے انسان نے شرکت کی ہے اور ان کی مراد آپ ہیں، دوسرے سب سے برے انسان نے شرکت کی ہے اور ان کی مراد میں ہوں۔'' تب آپ نے فرمایا: ''اے ابوفراس! نہ تو میں سب سے اچھا ہوں اور نہ تم سب سے برے ہی ہو۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''(اے ابوفراس!) تم نے اس دن کے لیے کیا تیار کر رکھا ہے؟'' بولا: ''اسی سال سے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت تیار کر رکھی ہے:'' غرض جنازہ پڑھانے کے بعد لوگ تو نوار کی قبر کی طرف چلے گئے تاکہ اسے دفنائیں اور فرزدق یہ اشعار پڑھنے لگا:

''اگر اللہ نے مجھے معاف نہ کیا تو مجھے قبر کے بعد والے حالات سے ڈر لگ رہا ہے کہ اس وقت آگ بھڑک اٹھے گی اور قبر کو بے حد تنگ کر دیا جائے گا۔ اور یہ حالات یقیناً خود قبر سے بھی زیادہ سخت ہیں اور جب قیامت کے دن میرے پاس ایک سخت لے جانے والا آئے گا جو فرزدق کو نہایت بے رحمی سے گھسیٹ کر لے جائے گا۔ اور اس گھر کی اولاد تباہ ہو جائے گی جس کو زنجیروں میں جکڑ کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا اور ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور ان کو جہنم کی طرف تارکول کا لباس پہنا کر جو پھٹا ہوا ہوگا لے جایا جائے گا اور تم دیکھو گے کہ جب وہ جہنم میں پیاس کی شدت میں کھولتی ہوئی پیپ پئیں گے تو اس کی حدت کی شدت سے ان کا اندر کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔''

یہ اشعار سن کر حسن اتنا روئے کہ آپ کے آنسوؤں سے زمین تر ہوگئی۔ پھر آپ فرزدق سے لپٹ گئے اور فرمایا، اس سے قبل تم مجھے سب سے زیادہ ناپسند تھے پر اب تم مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو۔'' [1]

حسن بصری قبروں سے نصیحت پکڑتے اور ان کے احوال میں گہرا غور و فکر کرتے۔ ابو عوانہ کہتے ہیں: حسن بصری فرماتے ہیں ''امیر مصر بشر بن مروان (خلیفہ عبدالملک بن مروان کا بھائی) ہمارے پاس آیا۔ اس وقت وہ بھرپور جوان تھا۔ بشر نے ہمارے پاس چالیس دن تک قیام کیا۔ پھر قدموں میں ایک چوٹ لگنے کے سبب وفات پا گیا۔ ہم تجہیز و تکفین کے بعد انہیں دفنانے قبر کی طرف لے چلے۔ جب ہم قبرستان پہنچے تو دیکھا کہ چار سوڈانیوں نے ایک جنازہ اٹھایا ہوا ہے۔ اتنے میں ہم نے بشر کا جنازہ نیچے رکھ کر اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ تو انہوں نے بھی اپنا جنازہ رکھ کر اس پر نماز ادا کی۔ پھر ہم بشر کو ان کی قبر کی طرف اور وہ سوڈانی اپنے

[1] الحسن البصری: ص ٣٤٥۔ نقلا عن البدایة والنهایة از دکتور مصطفی الخن.

جنازہ کو اس کی قبر کی طرف لے گئے۔ ہم نے بشر کو دفن کیا اور لوٹ گئے، انہوں نے بھی اپنے جنازہ کی تدفین کے بعد واپسی کی راہ لی۔ اتنے میں میں نے ذرا مڑ کر دیکھا تو حیران رہ گیا کہ بشر کی اور اس حبشی کی قبر میں کوئی فرق بھی تو نہیں تھا۔'' پس میں نے اس سے زیادہ عجیب منظر کبھی نہیں دیکھا۔ [1]

علماء نے اور بھی متعدد امور ذکر کیے ہیں جن کو دل کی سختی دور کرنے میں زبردست تاثیر حاصل ہے جیسے یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ احسان کرنا، برباد بستیوں کو نگاہِ عبرت سے دیکھنا، ہلاک شدہ قوموں کے کھنڈر دیکھنا اور دنیا سے گزر جانے والوں کے ٹھکانے دیکھ کر عبرت پکڑنا وغیرہ۔ [2]

ب: اخلاص، رب کی اطاعت اور باہمی صلح کرانے اور فکر کرنے کی دعوت دینا

اخلاص:.......... مکارم اخلاق میں اخلاص کو زبردست تاثیر حاصل ہے اخلاص دل کو مضبوط کرتا ہے اور آدمی کو رب کی خوشنودی کے لیے نیکیاں کرنے پر ابھارتا ہے اور دل میں یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ نیکی کرنے کے بعد کسی کے شکریہ یا جزاء کا انتظار نہ کیا جائے۔

اخلاص احکام الٰہی کو بجا لانے، اس کی رضا طلب کرنے اور آخرت کی نعمتوں کو پانے کے لیے حلم و بردباری، عفو و درگزر اور بلند اخلاق اپنانے کے لیے انسان کا سینہ کھولتا ہے۔ پھر اس کی محبت، نفرت اور ہر حال صرف اللہ کے لیے ہو جاتا ہے۔ [3] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○﴾ (الانعام: ۱۶۲۔ ۱۶۳)

''کہہ دے بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے، جو جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔''

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس نے خود کو لوگوں کے سامنے ایسی بات کے ساتھ آراستہ کیا جو اللہ اس سے نہیں جانتا (یعنی اس بات پر اس کا عمل نہیں وگرنہ اللہ اس کے ہر عمل کو ضرور جانتا ہے) تو وہ ویسا ہی ہے۔'' (یعنی جھوٹا ہے اور اس کا وہ عمل اللہ کے لیے نہیں بلکہ مخلوق کے لیے ہے)۔ [4] آپ فرمایا کرتے تھے: ''بعض صالحین سے مروی ہے، وہ فرماتے تھے کہ سب سے افضل زہد زہد کا چھپانا ہے۔'' [5] کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے لوگوں میں وعظ کیا تو ایک شخص نے درد بھرا گہرا سانس لیا تو آپ نے اس سے یہ کہا کہ

---

[1] البیان والتبیین: ۳/ ۱۴۷.
[2] مجموع رسائل الحافظ ابن رجب: ۱/ ۲۶۴۔۲۷۰.
[3] الاخلاق بین الطبع والتطبع: ص ۲۱.
[4] حیاۃ الحسن البصری، روضۃ الحصری: ص ۱۷۰.
[5] حیاۃ الحسن البصری: ص ۱۷۰.

''اے بھائی! ایسا کرنے سے تیری کیا نیت تھی؟ اگر تو سچا تھا تو تو نے اپنے نفس کو مشہور کیا اور اگر تو جھوٹا تھا تو تو نے اس کو ہلاک کر ڈالا، لوگ مخفی رہنے کی کوشش کیا کرتے تھے ان کی آواز تک کسی کو سنائی نہ دیتی تھی۔ تم سے پہلے لوگ پورا قرآن پڑھ جاتے تھے اور ان کے پڑوسیوں کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ اور ایک شخص دین میں فقیہ ہو جاتا تھا۔ پر اس کے دوست کو اس بات کا علم تک نہ ہوتا۔ کسی نے ان میں سے ایک آدمی سے یہ کہا: اے بھائی تیری نماز میں توجہ بے حد کم ہوتی ہے اور تیرا خشوع بھی اتنا اچھا نہیں ہوتا۔ تو اس نے جواب دیا کہ: ''ارے تم کیا جانو کہ میرا دل کہاں تھا۔'' ❶

حسن بصری رحمہ اللہ رجاء بن حیوہ کا یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ''انہوں نے نماز فجر کے بعد کسی کو مسجد میں اونگھتے دیکھا تو کہا: ''اللہ تجھے عافیت دے! ہوشیار ہو کر بیٹھ کہیں کوئی یہ سمجھے کہ تم رات بھر جاگ کر عبادت کرتے رہے ہو اس لیے اب اونگھ آ رہی ہے اور تیرا عمل ضائع ہو جائے۔'' ❷

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مجھے بیان کیا گیا کہ ایک آدمی دوسرے کے پاس سے گزرا جو یہ آیت تلاوت کر رہا تھا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا﴾ (مریم: ۹۶)

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے عنقریب ان کے لیے رحمان محبت پیدا کر دے گا۔''

تو سننے والے نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں اللہ کی ایسی عبادت کروں گا کہ دنیا یاد رکھے گی، پھر اس نے نمازوں کو لازم پکڑ لیا اور پے در پے روزے رکھنے لگا۔ اور جب بھی دیکھو نماز اور ذکر میں لگا ہے۔ لیکن ہوا یہ کہ وہ جن کے پاس سے بھی گزرتا تو وہ یہ کہتے: ''ذرا اس ریاکار کو تو دیکھو کہ اس کی ریاکاری کی بھی حد نہیں۔'' یہ سن کر وہ نفس کی طرف متوجہ ہوتا اور کہتا: ''تیری ماں تجھے گم کرے! میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرا ذکر صرف شر کے ساتھ ہوتا ہے اور تیری نیت فاسد اور تیرا اعتقاد خراب ہے۔ تو اپنے عمل کے ذریعے رب کا طلب گار نہیں۔ پھر وہ اسی طرح عمل کرتا رہا البتہ مزید یہ ہوا کہ اس کی نیت درست ہوگئی اور اب وہ اللہ کے لیے عبادت کرنے لگ گیا۔ تو اب لوگوں کا حال بھی بدل گیا اور رب تعالیٰ نے لوگوں کے دل میں اس کی قبولیت رکھ دی۔ اور اب وہ جہاں سے بھی گزرتا تو لوگ یہ کہتے: ''اللہ اس پر رحم کرے۔'' پھر کہتے: ہاں اب، ہاں اب (کہ اب تیرا عمل نیک ہے)۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''اللہ کے لیے خالص ہو کر عمل کیا کرو۔'' ❸

---

❶ الزھد: ص۱۵۹۔ ❷ ایضًا

❸ الزھد: ۱۶۰۔

آپ فرماتے ہیں: ''اے ابن آدم! تو عبادت گزاروں کا لبادہ پہنتا ہے اور عمل فاسقوں والا کرتا ہے۔ عاجز بندوں کی طرح انکساری دکھاتا ہے اور دیکھتا دھوکے میں پڑے لوگوں کی طرح ہے۔ تیرا ناس ہو کہ یہ مخلصوں کی شان نہیں، بے شک تو روز قیامت اس ذات کے سامنے کھڑا ہوگا جو آنکھ کی خیانت اور سینوں کی پوشیدہ باتوں تک کو جانتا ہے۔'' ❶

حسن بصری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ ''سعید بن جبیر کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو بیماروں اور بے جان لوگوں کی طرح عبادت کر رہا تھا تو آپ نے اسے کہا: ''اے بھتیجے! اسلام زندہ ہے اسے زندہ (بنا کے) رکھ اور مار نہیں اللہ تجھے مارے اور (کبھی) زندہ نہ کرے۔''

آپ فرمایا کرتے تھے: ''جس نے بھرے مجمع میں اپنی مذمت بیان کی، دراصل اس نے اپنی مدح بیان کی اور برا کیا۔'' ❷

ا۔ طاعت الٰہی پر ابھارنا:............ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ (النسآء: ٥٩)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾ (الشوریٰ: ١٠)

''اور وہ چیز جس میں تم نے اختلاف کیا، کوئی بھی چیز ہو تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے، وہی اللہ میرا رب ہے، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ﴾ (المومنون: ٦٠)

''اور وہ کہ انھوں نے جو کچھ دیا اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے دل ڈرنے والے ہوتے ہیں۔''

❶ الزهد: ١٦٠. ❷ ایضًا

حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے کہ یہاں "ایتاء" یہ "اعطاء" کے معنی میں ہے (جیسا کہ ترجمہ میں واضح ہے) اور "وَقُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مومن وہ ہیں جو نیکیاں کر کے بھی اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ان کی نیکیاں انہیں اپنے رب کے عذاب سے نجات نہ دلا سکیں۔ ❶

آپ فرماتے ہیں کہ ''جب شیطان تمہیں ایک تو اس حال میں دیکھے کہ تم عبادت میں مداومت کرتے ہو اور پھر تمہیں کبھی اکتاتے اور کبھی عبادت ترک کرتے بھی دیکھے تو تب وہ تم میں طمع کرنے لگتا ہے۔'' ❷ حسن بصری ہرم بن حیان کا قول نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے جہنم کی آگ کی جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ جس سے بھاگنے والا سو رہا ہے اور جنت جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی کہ اس کا طلب کرنے والا سو رہا ہے۔'' ❸

آیئے ذیل میں حسن بصری رحمہ اللہ کا ایک عبرت آموز اور ایمان افروز واقعہ پڑھتے ہیں:

''جب عمر بن ہبیرہ عراق کا والی بنا تو اس نے آپ کو اور شعبی دونوں کو بلوا بھیجا۔ اور انہیں ایک مکان میں تقریباً ایک ماہ تک ٹھہرائے رکھا۔ پھر ایک دن خادم نے اندر داخل ہو کر امیر کے آنے کی اطلاع دی۔ ابن ہبیرہ اپنے عصا پر ٹیک لگائے اندر داخل ہوا۔ اور سلام کر کے ان کے آگے ادب سے بیٹھ گیا۔ پھر گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہنے لگا کہ امیر المومنین یزید بن عبدالملک نے ایک پروانہ بھیجا ہے کہ اس پر عمل درآمد یقینی بنایا جائے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کی تنفیذ میں (دوطرفہ) ہلاکت ہے کہ اگر امیر کی مانوں تو خدا کا نافرمان بنتا ہوں اور اگر امیر کی نافرمانی کروں تو اللہ کا فرمانبردار بنتا ہوں۔ کیا آپ دونوں میرے لیے امیر کی اطاعت کی کوئی گنجائش پاتے ہیں؟ تو پہلے شعبی بول اٹھے اور انہوں نے ابن ہبیرہ کی موافقت میں ذرا ڈھیلی بات کر دی (جس سے ابن ہبیرہ کی تسلی کا کچھ نہ کچھ سامان نکلتا تھا اور اس میں یزید کی اطاعت کی کچھ گنجائش نظر آتی تھی) لیکن ابن ہبیرہ کی تسلی نہ ہوئی اور اس نے آپ کی طرف مخاطب ہو کر کہا: ''اے ابوسعید تم کیا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا: ''جناب امیر! شعبی نے بات کر دی ہے اور آپ نے سن لی ہے۔'' ابن ہبیرہ بولا: نہیں! میں آپ کا جواب بھی سننا چاہتا ہوں۔ تب آپ نے فرمایا: ''اے ابن ہبیرہ! تو پھر میں تو یہ کہتا ہوں کہ عنقریب تم پر رب کے فرشتے اتریں گے جو بے حد سخت اور تند ہوں گے رب کے حکم سے سرمو اختلاف نہ کریں گے، وہ تمہیں ان کشادہ محلات سے نکال کر تنگ و تاریک قبر میں لے جائیں گے۔ اے ابن ہبیرہ! اگر تو اللہ سے ڈرے گا تو وہ تمہیں یزید بن عبدالملک سے بچا لے گا، لیکن یزید تمہیں اللہ سے نہ بچا سکے گا۔ اے ابن ہبیرہ! اس بات سے بے خوف مت ہو کہ اگر اللہ تمہیں یزید کی اطاعت میں برے عمل کرتے دیکھ لے تو تمہیں انتقام اور ناراضگی کی نگاہ سے نہ دیکھے گا۔ پھر وہ تم پر توبہ کے دروازے بند کر دے گا۔ میں نے اس امت کے پہلے پہلے ان لوگوں کو

❶ الزھد: ص ۷٤. ❷ الزھد: ص ۷٥. ❸ ایضًا

(یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو) پایا ہے جو دنیا سے اس سے کہیں زیادہ منہ موڑ کر بھاگتے تھے حالانکہ دنیا ان کی طرف دوڑی آتی تھی۔ جتنا تم دنیا پر مرے جاتے ہو حالانکہ دنیا تو تم لوگوں کو پیٹھ دیئے چلی جا رہی ہے۔ اے ابن ہبیرہ! میں تمہیں اس مقام سے ڈراتا ہوں جس سے اللہ نے تمہیں ڈرایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ خَافَ وَعِيْدِo﴾ (ابراهيم: ١٤)

''یہ اس شخص کے لیے جو (قیامت کے دن) میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور میرے عذاب سے خوف کرے۔''

''اے ابن ہبیرہ! اگر تم اللہ کی اطاعت کر کے اس کی معیت حاصل کر لو تو وہ تمہیں یزید بن عبدالملک کے فتنہ سے بچا لے گا۔ اور اگر تم نے اللہ کی نافرمانی کر کے یزید کا ساتھ دیا تو اللہ تمہیں اس کے حوالے کر دے گا۔''

راوی کہتا ہے کہ ''ابن ہبیرہ یہ سن کر اس قدر رویا کہ داڑھی تر ہو گئی اور وہ آنسو گراتا گراتا اٹھ کھڑا ہوا، پھر اگلے دن اس نے ان دونوں بزرگوں کو جانے کی اجازت بھی دے دی اور دونوں کے لیے تحائف بھی بھیجے، البتہ شعبی رحمہ اللہ کے لیے کچھ کم جبکہ حسن بصری رحمہ اللہ کے لیے زیادہ تحائف تھے۔ یہ دیکھ کر شعبی نے مسجد میں جا کر یہ وعظ کیا: ''اے لوگو! جو اللہ کو مخلوق پر (یعنی دنیا) ترجیح دے سکے تو وہ ایسا ضرور کرے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! حسن جو جانتے تھے میں اس سے جاہل بنا رہا۔ البتہ میں نے ابن ہبیرہ کی خوشنودی چاہی تو اللہ نے مجھے اس سے دور کر دیا۔'' [1]

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اللہ کے امر کی مخالفت نہ کرو کہ اس کے امر کی مخالفت ایک ایسے گھر کو آباد کرنے کا ارادہ ہے جس کو ویران کرنے کا اللہ نے فیصلہ کر رکھا ہے۔'' [2] ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًاo﴾ (الاسراء: ٢٥)

''تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخش دینے والا ہے۔''

حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اواب وہ ہے جو اپنے علم اور عمل دونوں کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو۔'' [3]

آپ فرمایا کرتے تھے: ''اللہ اس بندے پر رحم کرے جو تگڑا تھا اور اس نے اپنی قوت کو رب کی اطاعت میں لگا دیا یا کمزور تھا تو خود کو اس کی نافرمانی سے روکے رکھا۔'' [4]

---

[1] الزهد: ص ٧٦.
[2] ايضًا
[3] الزهد: ص ٧٧.
[4] الزهد: ص ٧٧.

عبرت ونصیحت حاصل کرنا اور غور وفکر کرنا:.......... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ (آل عمران : ۱۹۰)

''بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے بدلنے میں عقلوں والوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ (الذاریات : ۲۱)

اور خود تمہارے نفوس میں (اس کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں) تو کیا تم دیکھتے نہیں؟''

بے شک کائنات، اپنی ذات میں اور رب تعالیٰ کی بے شمار پھیلی نشانیوں میں غور وفکر کی نگاہ ڈالنا ایمان کا ایک قوی داعیہ ہے۔ کیونکہ ان موجودات میں خالق کی ذات کی ایسی عظمت کا نشان ملتا ہے جو اس کی قدرت وعظمت کا پتا دیتی ہیں۔ جیسے کائنات کا عقلوں کو حیران کر دینے والا مضبوط و مستحکم اور نہایت عمدہ مربوط اور منضبط نظام جس میں کہیں اختلاف، اضطراب، تخلف، تصادم، کمزوری اور جھول دکھائی نہیں دیتا، جو رب تعالیٰ کے وسیع علم اور شامل وکامل حکمت کا پتا دیتا ہے۔ پھر اس نظام کائنات میں ودیعت کیے گئے بے شمار منافع اور بے پناہ نعمتیں جو گننے میں نہیں آسکتیں جو رب تعالیٰ کی بے پناہ اور وسیع رحمت اور اس کے وجود اور احسان پر دلالت کرتی ہیں یہ سب باتیں اس بات کی داعی ہیں کہ اس کائنات اور اس میں رکھی بے شمار نعمتوں کے خالق ومالک کا ادب کیا جائے، اس کو مانا جائے، اس کی عبادت کی جائے، اس کا شکر ادا کیا جائے۔ زبان کو اس کے ذکر سے تر رکھا جائے اور دین کو اس کے لیے خالص کر کے اس کی عبادت کی جائے۔ بے شک یہی ایمان کی روح اور اس کا بھید ہے۔ [1]

یہی تفکر واعتبار کی وہ عبادت ہے جن کی طرف حسن بصری رحمہ اللہ نے دعوت دی، اور لوگوں کو اس عبادت پر ابھارا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''بے شک سب سے افضل عمل ورع اور تفکر ہے۔'' [2] اور فرمایا: ''جس کو اپنے رب کی معرفت حاصل ہوگئی وہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے اور جس نے دنیا کو دیدہ عبرت وا کر کے دیکھ لیا وہ دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اور مومن وہ ہے کہ جب تک وہ غافل نہ ہو لہو ولعب میں مبتلا نہیں ہوتا اور جب فکر کرتا ہے تو غمگین ہو جاتا ہے۔'' [3]

آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ اس بندے پر رحم کرے جس نے غور کیا اور فکر کی اور پھر عبرت پکڑی پھر بصیرت

---

[1] شجرة الایمان للسعدی: ص۴۹.

[2] الزهد: ص ۸۲. [3] الزهد: ص ۸۳.

حاصل کی اور پھر صبر کیا۔ اور جن لوگوں نے بصیرت حاصل کر کے بھی صبر نہ کیا ان کے دلوں میں گھبراہٹوں نے ڈیرے ڈال لیے۔ پھر وہ اپنا مطلوب نہ پا سکے۔ اور جو چھوڑ آئے اس کی طرف لوٹ بھی نہ سکے۔ پس وہ دنیا وآخرت دونوں میں نامراد ٹھہرے، اور یہی کھلا صاف اور صریح گھاٹا ہے۔" ❶

آپ کا قول ہے: "ایک گھڑی کا غور وفکر کرنا رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔" ❷

آپ فرماتے ہیں: "غور وفکر کرنا یہ تیرا آئینہ ہے جو تجھے تیری نیکیاں اور بدیاں سب دکھلا دیتا ہے۔ پس جس نے غور وفکر کا سہارا لیا بامراد ہوا اور جس نے غور وفکر سے غفلت برتی وہ رسوا ہوا۔" ❸

علم اور علماء:............ حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ "فہم" علم کا برتن ہے اور "علم" عمل کا رہنما ہے اور "عمل" خیر کا قائد ہے، اور خواہش نفس گناہوں کی سواری ہے اور مال اکڑ بازوں کی بیماری ہے، دنیا آخرت کا بازار ہے اور اس شخص کے لیے پوری پوری ہلاکت ہے جس نے رب کی نعمتوں کے ساتھ اس کی نافرمانیوں پر کمر کس لی۔" ❹

آپ فرماتے ہیں کہ "پہلے لوگ جب علم حاصل کرتے تھے تو انہیں اپنے خوف، عمل، زبان، نگاہ اور نیکی سب میں علم نظر آتا تھا۔" ❺

ج: لمبی لمبی امیدوں کی ممانعت اور تکبر کی مذمت

لمبی لمبی امیدوں کی ممانعت: حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مومن دنیا میں پردیسی ہے وہ اسے اپنا تابع بنانے کا پختہ ارادہ نہیں کرتا اور نہ دنیا والوں کی ریس کرتا ہے اور نہ دنیا کے دھوکے میں آتا ہے، لوگ اس سے راحت میں ہوتے ہیں اور وہ خود میں مگن رہتا ہے۔ مبارک ہے اس کے لیے جس نے حلال کمایا اور زائد کو اپنے فقر وفاقہ کے دن کے لیے آگے بھیج دیا اور اس زائد مال کو وہاں رکھا جہاں رکھنے کا رب نے حکم دیا تھا نا کہ وہاں خرچ کر ڈالا جو نقصان کا باعث بنا۔" ❻

آپ فرماتے ہیں: "جس نے لمبی لمبی امیدیں باندھیں وہ اپنے عمل کو خراب کر بیٹھا۔" ❼ آپ ایک نہایت عبرت آمیز بات فرماتے ہیں کہ "اے ابن آدم! تو "چند دن" ہے۔ پس جو دن بھی گزرتا جائے گا تو اتنا گھٹتا اور کم ہوتا جائے گا۔" ❽

تکبر کی ممانعت: حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اے ابن آدم! تو کس بنا پر اکڑتا ہے حالانکہ تم دو مرتبہ پیشاب کے رستے سے گزرے ہو۔" ❾

---

❶ الزهد: ص ٨٣ . ❷ ایضًا ❸ ایضًا
❹ الزهد: ص ٩٢ . ❺ ایضًا ❻ الزهد: ص ٨١ .
❼ الزهد: ص ٨٢ . ❽ الزهد: ص ٨١ . ❾ الزهد: ص ٩٠ .

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ نے نعیم بن رضوان کو اکڑ کر چلتے دیکھا تو فرمایا: ''ذرا ان صاحب کو تو دیکھو کیسے اکڑ کر چل رہا ہے حالانکہ اس کے ہر عضو میں اللہ کی ایک نعمت اور شیطان پر ایک لعنت ہے۔'' ❶

۳۔ حسن بصری رحمہ اللہ کے ممتاز شاگرد

حسن بصری رحمہ اللہ ان علمائے سنت میں سے تھے جن کو علم سلوک کا بڑا اہتمام تھا، اسی لیے آپ کے گھر میں ایک خاص مجلس منعقد کی جاتی تھی جس میں صرف زہد و سلوک پر ہی گفتگو کی جاتی تھی۔ ❷ علمائے اہل سنت کی ایک جماعت جو علم و عمل کے روشن ستارے اور نیر تاباں تھے، حسن بصری رحمہ اللہ کے مدرسہ تصوف و سلوک سے بے حد متاثر ہوئے۔ ذیل میں ان میں سے چند ایک کا تذکرہ اختصار کے ساتھ قارئین کی نظر کیا جاتا ہے:

الف: ایوب سختیانی:

آپ امام حافظ سید العلماء ابوبکر بن ابی تمیمہ کیسان ہیں۔ ❸ حدیث میں ثقہ اور ثبت تھے۔ جامع عادل، متقی، پرہیزگار اور کثیر العلم تھے۔ ❹ اگر آپ سے ایسی بات پوچھی جاتی جو آپ جانتے نہ ہوتے تو بلا تکلف فرما دیتے کہ ''میں علماء سے پوچھ کر بتلاؤں گا'' اور اکثر تو ''لا ادری'' فرما دیتے تھے۔ حتی کہ حماد بن یزید کہہ اٹھے کہ ''میں نے ایوب اور یونس سے زیادہ کسی کو ''لا ادری'' کہتے نہیں سنا۔'' آپ اپنے زہد کو لوگوں سے مخفی رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''اپنے زہد کو چھپا رکھنا یہ اس کے ظاہر کرنے سے بہتر ہے۔'' ❺ آپ نے چالیس حج کیے تھے۔ حضرت عبیداللہ بن عمر حج کے دنوں میں ان لوگوں سے مل کر بے حد خوش ہوتے تھے جن کے دل ایمان کے نور سے روشن تھے جن میں ایک ایوب سختیانی بھی تھے۔ ❻ آپ یزید بن ولید بن عبدالملک کے دوست تھے لیکن جب یزید خلیفہ بنا تو آپ نے یہ دعا مانگی: ''اے اللہ! تو یزید کو ہمارا ذکر بھلا دے۔'' ❼ آپ لوگوں کے ساتھ بے حد خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ ❽

ب: ایوب سختیانی کے چند ملفوظات اور مختلف امور میں آپ کا موقف

اہل سنت کا ادب و احترام:.......... ایوب کہتے ہیں: ''جب بھی مجھے اہل سنت میں سے کسی کے مرنے کی اطلاع ملتی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے میرے بدن کا کوئی ٹکڑا اکٹ کر الگ ہو گیا ہو۔'' ❾

اہل ہوا اور بدعتیوں کے بارے میں آپ کا موقف:.......... ایوب کہتے ہیں کہ ''بدعتی اپنی بدعت میں جس قدر بڑھتا جاتا ہے اللہ سے اتنا ہی دور ہوتا جاتا ہے۔'' ❿ آپ ابو قلابہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ

❶ الزهد: ص ۹۰. ❷ سير اعلام النبلاء: ٤/ ٥٧٩.
❸ سير اعلام النبلاء: ٦/ ١٥. ❹ الطبقات: ٧/ ٢٤٦.
❺ تاريخ التصوف الاسلامي: ص ١٨٩ از دكتور بدوى.
❻ الحلية: ٣/ ٤. ❼ الحلية: ٣/ ٦. ❽ تاريخ التصوف الاسلامي: ص١٨٩.
❾ الحلية: ٣/ ٩. ❿ الحلية: ٣/ ٩.

''اہل ہوا کے پاس نہ تو اٹھو بیٹھو اور نہ ان سے بحث مباحثہ ہی کرو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ یا تو وہ تم لوگوں کو ان بدعتوں کی طرف گھسیٹ لے جائیں گے جن میں وہ خود ڈوبے ہوئے ہیں یا پھر اس حق کو تم لوگوں پر مشتبہ کر دیں گے جس کی تمہیں معرفت حاصل ہے۔''[1] ابوقلابہ کا یہ قول سنا کر ایوب کہتے ہیں کہ ''اللہ کی قسم! ابوقلابہ عقل والے فقہاء میں سے تھے۔''[2]

مسلمانوں کے ساتھ ملتے ہوئے ان سے اللہ کے لیے محبت کرنا:.......... ایوب کہتے ہیں: ''جب حج کا موسم آتا ہے تو وہاں جانے کو میرا دل اور بھی زیادہ چاہنے لگتا ہے تاکہ وہاں ان دوستوں سے ملوں جن سے ابھی تک نہیں مل سکا۔''[3]

عبادت گزاری:.......... آپ کی عبادت گزاری کی کثرت مشہور تھی، آپ عبادت بہت اچھے طریق سے کرتے تھے۔ آپ کی شدید خواہش ہوتی تھی کہ اپنی عبادت کو لوگوں سے چھپا کر رکھیں اور پورے اخلاص کے ساتھ عبادت کریں۔[4] آپ اہل بصرہ کے سردار، بڑے عبادات گزار، تبع تابعی اور ان فقہاء میں سے تھے جو علم و فضل اور زہد و عبادت میں خاص شہرت رکھتے تھے۔''[5]

ایوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت کی بنا پر کثرت کے ساتھ حج اور عمرہ کیا کرتے تھے، ارشاد ہے: ''حج اور عمرہ کو لگاتار کرو۔''[6]

اسی لیے آپ نے چالیس تک حج کیے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ آپ اپنی شب بیداری کو نہایت چھپا کر رکھتے تھے، چنانچہ جب صبح ہوتی تو یوں آواز نکالتے جیسے ابھی ابھی بیدار ہوئے ہوں۔[7]

زہد:.......... ایوب فرماتے ہیں: دنیا میں زہد تین قسم کا ہے، ان میں سے اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ بلند اور عظمت والا زہد یہ کہ اللہ کو چھوڑ کر بندوں کی عبادت سے زہد اختیار کرنا ہے (یعنی سب سے بے نیاز ہو کر ایک اللہ کی عبادت میں لگ جانا ہے) چنانچہ ہر بادشاہ، صنم، حجر، شجر اور وثن کی عبادت سے زہد اختیار کر لینا (یعنی ان سب سے بے نیاز ہو جانا) اللہ کے نزدیک سب سے اونچا زہد ہے۔ زہد کا دوسرا درجہ یہ لینے اور دینے میں رب تعالیٰ نے جو چیز حرام قرار دی ہے اس سے زہد اختیار کرنا ہے۔ پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''اے قاریوں کی جماعت! تمہارا یہ زہد کہ حلال سے زہد اختیار کرنا یہ اللہ کے نزدیک زہد کا سب سے کم درجہ ہے۔''[8]

---

[1] الامام ایوب السختیانی، از دکتور سلیمان العربی: ص ٤٧.
[2] البدع والنهی عنها، لابن وضاح: ص ٤٨.
[3] الامام ایوب السختیانی: ص ٤٨.
[4] ایضًا: ص ٥٠.
[5] مشاهير علماء الامصار: ص ١٥٠۔ رقم: ١١٨٣.
[6] مسند احمد: رقم ١٦٧۔ الحديث صحيح بشواهد.
[7] المعرفة والتاريخ: ٢/ ٢٤١.
[8] حلية الاولياء: ٣/ ٧.

ایوب سختیانی کے بارے میں حسن بصری کی شہادت:............ حسن بصری ایوب کے بارے میں کہتے ہیں، ''یہ نوجوانوں کا سردار ہے۔'' [1] اور یہ بھی کہا کہ ''ایوب اہل بصرہ کے نوجوانوں کا سردار ہے۔'' [2] جبکہ خود ایوب اپنے شیخ کے بارے میں الفاظ کا یہ نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں کہ ''حسن جب بولتے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے موتی جھڑتے ہوں جبکہ ان کے بعد ایسے لوگ بھی آئے جو جب بولتے تھے تو یوں لگتا تھا کہ جیسے قے کر رہے ہوں۔'' [3] ایوب کہتے ہیں کہ میں چار سال تک آپ کی مجلس میں مارے ہیبت کے ایک سوال بھی نہ کر سکا۔'' [4]

وفات حسرت آیات:............ ایوب نے ساری زندگی تعلیم و تعلم، وعظ وارشاد، اصلاح و تربیت، دعوت و تبلیغ، خوف وخشیت، سنت کے التزام، اہل سنت کے احترام، اہل بدعت اور بدعات کی بیخ کنی اور علم و عمل میں اخلاص کے ساتھ گزار دی۔ آپ نے ۱۳۱ ہجری میں بصرہ میں طاعون کے سبب وفات پائی۔ [5]

ابونعیم نے حماد بن زید تک اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ''ابوحمزہ جمعہ کے دن نماز سے پہلے میمون کے پاس گئے اور کہنے لگے، ''میں نے گزشتہ شب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ''حضور کیسے تشریف لانا ہوا؟ تو فرمانے لگے: ''ہم ایوب سختیانی کا جنازہ پڑھنے آئے ہیں'' راوی کہتے ہیں: ابوحمزہ کو ابھی تک ایوب کے وفات پا جانے کا علم نہ تھا۔ چنانچہ میمون کہتے ہیں: ''وہ تو گزشتہ شب وفات پا گئے۔'' [6]

ب، مالک بن دینار: آپ نیکوکار علماء کے نشان اور ثقہ تابعی تھے، مصاحف لکھتے تھے اور اسی بابت بے پناہ شہرت کے مالک بھی تھے۔ [7]

اقوال واحوال

مدح وذم سے بے پرواہی:............ مالک کہتے ہیں: ''جب سے میں نے لوگوں کو پہچانا ہے تو ان کی مدح سرائی سے خوشی ہوتی ہے اور مذمت سے دل گیری ہوتی ہے کیونکہ یہ دونوں قسم کے لوگ افراط و تفریط کا شکار ہوتے ہیں۔ جب عالم علم کو عمل کے لیے سیکھتا ہے تو علم اس میں عاجزی پیدا کرتا ہے اور جب وہ غیر عمل کے لیے سیکھتا ہے تو اس کے فخر و غرور میں اضافہ ہوتا ہے۔'' [8]

درد دل:............ مالک کہتے ہیں: ''جب دل میں درد نہ ہو تو وہ ویران ہو جاتا ہے۔'' اور فرمایا:

---

[1] طبقات ابن سعد: ۷/ ۲٤۷.
[2] حلیة الاولیاء: ۳/ ۳.
[3] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ۵۷۷.
[4] حلیة الاولیاء: ۳/ ۱۱.
[5] الوافی بالوفیات: ۱۰/ ۵٤، ۵۵.
[6] سیر اعلام النبلاء: ٦/ ۲۳.
[7] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۳٦۲.
[8] ایضًا

''جس نے خود کو دنیا کی رونق اور زیب و زینت سے دور کر لیا وہ ہوائے نفس پر غالب آ گیا۔'' ❶

ہم نے چور کو چرا لیا:.......... کہتے ہیں کہ آپ کے گھر میں ایک چور گھسا، بہت ڈھونڈا پر اسے چرانے کو کچھ نہ ملا، وہ پریشان بیٹھا تھا کہ آپ نے اسے آواز دی: ''بھائی! اگر دنیا کی کوئی چیز ہاتھ میں نہیں آئی تو آخرت کی ہی کوئی چیز لے لو؟'' وہ بولا: ٹھیک ہے تو آپ نے فرمایا: ''وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو۔'' اس نے ایسا ہی کیا، پھر تھوڑی دیر بعد آپ مسجد کو چل دیے، کسی نے پوچھا: ''یہ صاحب کون ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''آئے تو تھے ہماری چوری کرنے پر ہم نے ان کو چرا لیا۔'' ❷

دنیا کی سب سے پاکیزہ چیز رب کی معرفت ہے:.......... مالک کہتے ہیں، ''دنیا والے دنیا کی سب سے پاکیزہ اور لذیذ ترین چیز چکھے بغیر ہی دنیا سے چلے گئے۔'' پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا: ''رب کی معرفت۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مالک بن دینار کے ساتھ محبت:.......... مالک بیان کرتے ہیں کہ میں اور ثابت بن یزید رقاشی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ہماری طرف ایک نظر دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ تم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے کس قدر مشابہ ہو، تم لوگ مجھے اپنے کئی بیٹوں سے زیادہ محبوب ہو۔ البتہ فضیلت میں وہ لوگ تم جیسے ہیں میں صبح کی دعاؤں میں تم لوگوں کو ضرور یاد رکھوں گا۔'' ❸

ذریعہ معاش:.......... آپ چار ماہ میں قرآن کریم کا ایک نسخہ لکھ لیتے تھے۔ پھر آپ اس کی اجرت سبزی فروش کو جمع کروا دیتے اور اس سے کھاتے رہتے۔ سال بھر میں آپ کے سالن کا خرچ دو فلس ہوتا تھا جو نمک ہوتا تھا۔ ❹

وفات:.......... آپ کی وفات میں دو اقوال ہیں، ۱۲۷ ہجری کا اور ۱۳۰ ہجری کا۔ ❺ آپ علمائے اہل سنت میں سے تھے اس لیے آپ کی سیرت کے بارے میں ان آثار و روایات کی طرف مطلق نہ دیکھا جائے جو واہی اور روح اسلام کے خلاف ہیں۔ ❻ بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ علم سلوک کے بڑے عالم اور حسن بصری کے مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے۔ آپ کا شمار انس بن مالک رضی اللہ عنہ، احنف بن قیس، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین اور قاسم بن محمد جیسے علمائے اہل سنت کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔ ❼

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ٥/ ٣٦٣. ❷ ایضًا

❸ سیر اعلام النبلاء: ٥/ ٣٦٤. ❹ ایضًا

❺ سیر اعلام النبلاء: ٥/ ٣٦٤.

❻ تاریخ التصوف الاسلامی: ص ٢٠٧.

❼ سیر اعلام النبلاء: ٥/ ٣٦٢.

ج: محمد بن واسع:

آپ امام ربانی اور قدوہ ہیں۔ ❶ میں نے عبدالملک کے دور کی فتوحات کے ضمن میں ان کا تفصیلی ترجمہ ذکر کیا ہے۔ ابن واسع قتیبہ بن مسلم کے لشکر کے ایک دلیر مجاہد تھے۔ آپ مدت تک خراسان میں رہے۔ ❷
مالک بن دینار کہتے ہیں: ''قاری تین قسم کے ہیں، رحمٰن کا قاری، دنیا کا قاری اور حکمرانوں کا قاری۔ اے لوگو! میرے نزدیک محمد بن واسع رب رحمان کا قاری ہے۔'' ❸ حسن بصری آپ کو قراء کی زینت کہا کرتے تھے۔ ❹
محمد بن واسع کہتے ہیں: ''جب بندہ اپنا دل اللہ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے تو اللہ بندوں کے دل اس کی طرف پھیر دیتے ہیں۔'' اور فرماتے ہیں: ''تقویٰ کے ساتھ دعا ہو تو تھوڑا عمل بھی کافی ہے۔'' ❺

یہ حسن بصری رحمہ اللہ کے چند مشہور شاگردوں کا نہایت مختصر تذکرہ ہے جن کے زہد و سلوک نے لوگوں کی زندگیوں کو بے حد متاثر کیا، آج اس ناپید ہوتے علم کو زندہ کرنے کی ہمیں پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ بالخصوص جبکہ آج اس علم کو ان لوگوں نے سنبھال رکھا ہے۔ جو فاسد عقائد، بیمار تصورات اور کج افکار کے مالک ہیں۔ لہٰذا امت کو اسی نہج تربیت کی اشد ضرورت ہے۔ جس کے اصول و فروع کتاب وسنت، سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی کرنے والے راسخ علمائے دین کی سیرت سے ماخوذ ہوں تاکہ دور حاضر کے ان مادی حملوں کا مقابلہ کیا جا سکے ان اور شہوانی طوفانوں کے آگے سد سکندری بن کر کھڑے ہو سکیں جن کو عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعے روئے زمین کے چپے چپے پر پھیلا دیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ امت کی ترقی اور اس کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے ضروری ہے کہ شہوتوں کے آگے بند باندھا جائے۔ اور دلوں کو نفسانی امراض سے پاک کر کے ان میں اعلیٰ روحانی صفات جیسے خوف ورجاء اور اخلاص وانابت جیسی بلند معنوی خوبیوں کو پیدا کیا جائے۔

۴۔ حسن بصری رحمہ اللہ کی اعتزال سے براءت کا بیان

معتزلہ بزعم خویش یہ سمجھتے ہیں کہ حسن بصری بھی قدر کی بابت ان کے ہم خیال اور ہم مذہب ہیں۔ چنانچہ معتزلہ داؤد بن ابی ہند سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''میں نے حسن بصری کو سنا، وہ یہ کہہ رہے تھے ''سوائے معاصی اور ذنوب کے ہر شی اللہ کی قضاء وقدر سے ہے۔'' ❻ یہ لوگ چند خطوط بھی اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں جو ان کے بقول حسن بصری نے عبدالملک بن مروان کو بھیجے تھے جن میں آپ نے قدر کے

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ٦/ ١١٩.
❷ تاریخ التصوف الاسلامی: ص ٢١٧.
❸ الحلیۃ: ٢/ ٣٤٥.
❹ تاریخ التصوف الاسلامی: ص ٢١٤.
❺ سیر اعلام النبلاء: ٦/ ١٢١.
❻ المنیۃ والامل: ص ١٢ لابن المرتضٰی.

بارے میں معتزلہ کا نظریہ پیش کیا ہے، ان لوگوں کا کہنا ہے کہ حسن بصری رحمہ اللہ کے یہ رسائل مشہور ہیں۔ ❶ شیخ محمد ابوزہرہ اس بات کو ثابت کرنے میں بڑے پر جوش نظر آتے ہیں کہ حسن بصری قدر کے باب میں معتزلہ کے ہم مذہب تھے۔ ❷

دلائل و براہین سے خالی ان دعووں کے رد کے دلائل کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

الف: حسن بصری رحمہ اللہ کے معتزلہ سے بری ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ خود معتزلہ قطعیت کے ساتھ حسن بصری کو اپنے عقائد و مسائل کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ابن مرتضٰی کو دیکھتے ہیں کہ جب وہ حسن بصری اور ان کی طرف منسوب قدر کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں:

> ''اگر تو یہ کہے کہ ایوب سختیانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ساتھ قدر پر گفتگو کرنا چاہی تو انہوں نے کسی قسم کی بات کرنے سے گریز کیا۔'' تو میں اس کا یہ جواب دوں گا کہ ''روایت کیا جاتا ہے کہ انہیں سلطان کا ڈر تھا اس لیے اس موضوع پر وہ گفتگو کرنے سے باز رہے۔'' ❸

(مولف موصوف ڈاکٹر صلابی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں) لیکن کیا حسن بصری کا شمار ان لوگوں میں کیا جا سکتا ہے جو اظہار حق کے باب میں سلاطین سے ڈرتے ہوں؟ حسن بصری تو ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے سلاطین کے سامنے ڈٹ کر حق کا اظہار کیا اور اس فرض کو ادا کرنے میں کبھی ادنیٰ قسم کی کوتاہی کے بھی مرتکب نہ ہوئے تھے۔

ب: رہے وہ خطوط جن کو حسن بصری کی طرف منسوب کر کے ان کی آڑ میں حسن بصری کو معتزلی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے، تو علامہ شہرستانی ان خطوط پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''میں نے وہ خط خود دیکھا ہے جس کو بظاہر حسن بصری کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جس میں حسن بصری عبدالملک کے قدر اور جبر کی بابت پوچھے گئے سوالات کے جوابات دے رہے ہیں اور ان کے وہ جوابات معتزلہ کے مذہب کے موافق ہیں اور ان میں وہ آیات قرآنیہ اور دلائل عقلیہ سے استدلال کرتے بھی نظر آتے ہیں اور شاید وہ واصل بن عطا کو لکھا گیا ہے۔'' لیکن یاد رہے کہ حسن بصری ان لوگوں میں سے ہرگز نہ تھے جو اس عقیدہ میں اسلاف کے مخالف ہوں کہ ''اچھی بری تقدیر سب اللہ کی طرف سے ہے۔'' اور یہ وہ عقیدہ ہے جس پر اسلاف کا اجماع ہے۔ ❹ (بھلا اس اجماعی عقیدے کی حسن بصری جیسا آدمی کیونکر مخالفت کر سکتا ہے) حقیقت یہ

---

❶ القضاء والقدر فی ضوء الکتاب والسنة ومذاهب الناس: ص ١٨٦.

❷ تاریخ الجدل، ص: ٣٢١- ٣٢٢.

❸ المنية والامل: ص ١٥.

❹ القضاء والقدر فی ضوء الکتاب والسنة، ص ١٨٦.

ہے کہ اس خط کی حسن بصری کی طرف نسبت ہی پایہ صحت کو نہیں پہنچتی اور معتزلہ جن اقوال کو حسن بصری کی طرف منسوب کرتے ہیں ان سب کی اسناد منقطع ہے۔ مثلاً ابن مرتضی کی اس طول طویل روایت کا حال ہی دیکھ لیجئے کہ جب وہ اہل عدل وتوحید کو شمار کرتے ہیں تو ان کی صف میں حسن بصری رحمہ اللہ کو بھی کھڑا کرتے ہیں۔ پھر ان کا طول طویل ترجمہ نقل کرتے ہیں اور جب انہیں اہل عدل میں سے ثابت کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو یہ لکھ دیتے ہیں: ''حسن بصری کے اہل عدل ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جس کو علی بن جعد نے بیان کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں نے حسن بصری کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو یہ گمان رکھتا ہو کہ معاصی اللہ کی طرف سے ہیں تو وہ روز قیامت سیاہ چہرے کے ساتھ آئے گا، پھر انہوں نے اپنی بات کی دلیل میں یہ آیت تلاوت کی:

﴿وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ (الزمر: ٦٠)

''اور قیامت کے دن تو دیکھے گا کہ وہ لوگ جنھوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ان کے چہرے سیاہ ہوں گے، کیا جہنم میں ان متکبروں کے لیے کوئی ٹھکانا نہیں؟''

مذکورہ علی بن جعد جو اس روایت میں یہ کہتا نظر آتا ہے کہ ''میں نے حسن کو سنا'' اس کی تو حسن بصری رحمہ اللہ سے ملاقات اور سماع ہی ثابت نہیں۔ [1] لہٰذا یہ روایت ہی منقطع ہے۔ [2] اور ایسی روایت سے حسن بصری رحمہ اللہ کا معتزلی ہونا ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

ج: ابن قتیبہ حسن بصری رحمہ اللہ کے بارے میں ذکر کرتے ہیں کہ ''انہوں نے ابتدا میں قدر کے بارے میں کچھ گفتگو کی تھی، پھر اس سے رجوع کر لیا تھا۔'' لیکن اس کے فوراً بعد ہی ابن قتیبہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''عطاء بن یسار اور معبد جہنی آپ کے پاس آ کر آپ سے یہ پوچھا کرتے تھے کہ ''اے ابوسعید! یہ ملوک وامراء مسلمانوں کے خونوں سے اپنے ہاتھ رنگتے ہیں، ان کے مال لوٹ لیتے ہیں اور نہ جانے کیا کیا کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے ہیں: ''ہمارا یہ سب کیا دھرا رب کی تقدیر سے ہے۔'' تو آپ برجستہ کہتے: ''یہ اللہ کے دشمن جھوٹ بولتے ہیں۔'' [3] آگے ابن قتیبہ لکھتے ہیں: یہ اور اس جیسے دوسرے اقوال کی بنا پر آپ کو قدری کہا جاتا ہے۔ [4]

حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی اس جیسی ایک روایت اور بھی ہے، آپ فرماتے ہیں: ''اور بالکل سچ فرماتے ہیں کہ ''رب تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عربوں کی طرف مبعوث فرمایا، اس حال میں کہ اہل عرب قدر اور جبر کا عقیدہ رکھتے تھے، وہ کہتے تھے کہ یہ جو بت پرستی ہم کر رہے ہیں یہ رب کی مشیت اور اس کے حکم سے

---

[1] القضاء والقدر: ص ١٨٧ . [2] القضاء والقدر: ص ١٨٧ .
[3] القضاء والقدر: ص ١٨٧ . [4] القضاء والقدر: ص ١٨٧ .

ہے، اسی نے ہم کو اس پر ابھارا ہے۔ اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَ نَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف: ۲۸)

''اور جب وہ کوئی بے حیائی کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو اس پر پایا اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ کہہ دے بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا، کیا تم اللہ کے ذمے وہ بات لگاتے ہو جو تم نہیں جانتے۔''[1]

لیکن کیا ان دونوں روایات میں ایسی کوئی بات ہے جو حسن بصری رحمہ اللہ کے قدری ہونے پر دلالت کرے؟ اس کا جواب بالکل واضح اور بدیہی ہے کہ آپ نے ان دونوں اقوال میں دراصل ان لوگوں کا رد کیا ہے جو اپنے کفر اور معاصی کے لیے تقدیر کو آڑ اور دلیل بناتے ہیں۔ اس بات کے باطل ہونے میں کوئی شک نہیں اور حسن بصری کا کلام برحق ہے۔[2]

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''کئی لوگوں پر قدری ہونے کی تہمت لگائی گئی حالانکہ وہ قدری نہ تھے بلکہ بات یہ تھی کہ وہ گناہوں کے لیے تقدیر کو آڑ بنانے کے قائل نہ تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ''کیا ابن ابی ذویب قدری تھے؟'' تو انہوں نے جواب دیا کہ ''جو آدمی بھی گناہوں کے بارے میں شدید رائے رکھتا ہے۔ لوگ اسے قدری کہنا شروع کر دیتے ہیں اسی لیے تو لوگوں نے حسن بصری رحمہ اللہ کو بھی قدریہ کہہ دیا تھا۔''[3]

د: اب اس غلط گمان کے رد میں چند روایات ملاحظہ کیجئے! غفرہ کے آزاد کردہ غلام عمر سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''اہل قدر خود کو حسن بصری کی طرف منسوب کرتے تھے۔ حالانکہ ان کے خیالات تو یہ تھے، چنانچہ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اے ابن آدم! رب کی ناراضی مول لے کر کسی کو راضی مت کر اور رب کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت مت کر، اور کسی پر اللہ کا فضل دیکھ کر اس کی تعریف میں نہ لگ جا، اور جس نعمت سے تو محروم ہے اس بارے کسی کو ملامت نہ کر، بے شک مخلوقات اور ان کے اخلاق (اور رویے) سب کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ پس اللہ نے ان کو جن اخلاق پر پیدا کیا تھا، وہ اسی پر اس دنیا سے گزر گئے، جو اپنی روزی بڑھانا چاہتا ہے وہ ذرا اپنی عمر تو بڑھا کے دکھا دے، یا اپنا رنگ بدل کے دکھا دے یا اپنی بنیادوں اور پوروں کو بڑھا کر دکھا دے۔''[4]

ھ: پھر یہ بھی سب جانتے ہیں کہ سب معتزلہ کا پانچ بنیادی باتوں پر اتفاق ہے جن میں ایک ''دو درجوں میں ایک درمیانی درجے کا قائل ہونا'' ہے جبکہ حسن بصری رحمہ اللہ اس قول کو بدعت اور اس کے قائل کو اہل سنت

---

[1] القضاء والقدر: ص ۱۸۸.
[2] ایضًا
[3] منهاج السنة: ۱/ ۳۶۲.
[4] الطبقات الکبری: ۷/ ۱۷۵.

سے خارج سمجھتے ہیں اور اسی اصل سے اختلاف ہی واصل بن عطاء کے آپ کی مجلس سے جدا ہونے کا سبب بنا تھا۔ بھلا اس بنیادی اختلاف کے ہوتے ہوئے حسن بصری کو علمائے معتزلہ میں کیونکر شمار کیا جا سکتا ہے؟ ❶

و: سب سے اہم بات یہ ہے کہ کتب روایات میں مشہور ہے کہ بعض قدری معتزلہ آپ کے بارے میں کذب بیانی اور دروغ بافی میں لگے رہتے تھے۔ عبداللہ بن امام احمد رحمہ اللہ نے "کتاب السنة" میں اس بات کے ثبوت میں متعدد روایات ذکر کی ہیں۔ جن میں سے ایک روایت وہ ہے جسے وہ حمید سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: ''حسن مکہ آئے تو مکہ کے فقہاء حسن بن مسلم اور عبداللہ بن عبید نے مجھے کہا کہ حسن آئے ہوئے ہیں کیا اچھی بات ہو جو آپ ان سے اس بات کی درخواست کرتے کہ ایک دن وہ ہمیں بھی دے دیتے تاکہ اس میں ہم ان کے پاس بیٹھتے اور گفتگو کرتے۔ میں نے حسن سے جا کر کہا: ''اے ابوسعید! یہ آپ کے بھائی چاہتے ہیں کہ آپ ایک دن انھیں بھی دیں۔'' حسن بصری نے ایک دن کا ان سے وعدہ کر لیا۔ چنانچہ وعدہ کے دن علماء آپ کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ اس دن آپ نے جو فصیح و بلیغ گفتگو کی ویسی گفتگو کرتے نہ میں نے پہلے کبھی آپ کو دیکھا اور نہ کبھی بعد میں۔ لوگوں نے ان سے خوب سوالات کیے۔ صرف ایک مسئلہ میں آپ سے خطا ہوئی۔ ایک آدمی نے آپ سے پوچھا: ''اے ابوسعید! شیطان کا خالق کون ہے؟ آپ نے دو مرتبہ سبحان اللہ پڑھا پھر فرمایا: ''کیا اللہ کے سوا بھی کوئی دوسرا خالق ہے۔'' پھر فرمایا: ''شیطان کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور خیر اور شر کا خالق بھی اللہ ہی ہے۔'' اس پر ایک آدمی بول پڑا: ''اللہ ان معتزلیوں کا ستیاناس کرے کہ ان شیخ پر کس قدر جھوٹ بولتے ہیں۔'' ❷

ایک شخص عمرو بن عبید سے حسن بصری کے واسطے سے حدیث نقل کیا کرتا تھا۔ حمید نے ان صاحب کو منع کرتے ہوئے کہا کہ ''عمرو سے حدیث روایت نہ کیا کرو کیونکہ یہ حسن بصری رحمہ اللہ پر جھوٹ بولتا ہے۔'' ❸

عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ حماد بن زید سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں: ''کسی نے ایوب سختیانی سے پوچھا کہ یہ عمرو بن عبید حسن بصری رحمہ اللہ سے یہ حدیث روایت کرتا ہے کہ ''نبیذ پی کر نشے میں آنے والے کو کوڑے نہ مارے جائیں گے''، تو ایوب کہنے لگے: ''ابن عبید جھوٹ بولتا ہے میں نے خود حسن کو یہ کہتے سنا ہے کہ ''نبیذ پی کر نشے میں آنے والے کو کوڑے مارے جائیں گے۔'' ❹

یہ روایات اس بات کی شاہد ہیں کہ حسن بصری کے قدری ہونے کا یا اس بات کا دعویٰ کہ وہ قدریہ کا قول کرتے تھے پایہ صحت کو نہیں پہنچتا۔ ❺ دراصل قدریہ حسن بصری کو اپنی طرف منسوب کر کے اپنا نام اونچا کرنا

---

❶ موقف المعتزلة من السنة النبوية: ص ۲۷ .
❷ كتاب السنة لابن الامام احمد: ۲/ ۱۲۶ .
❸ كتاب السنة: ۲/ ۱۳۱ .
❹ ايضا: ۲/ ۱۳۲ .
❺ القضاء والقدر فی ضوء الكتاب والسنة: ص ۱۹۱ .

چاہتے تھے۔ وگرنہ وہ حسن بصری رحمہ اللہ کو اپنے میں کیوں شمار کرتے؟ [1] معتزلہ نے تو نہ جانے اور کس کس کو محض زورا زوری سے معتزلی بنا ڈالا ہے، ان کی جرأت کو داد دیجئے کہ انہوں نے اپنے پہلے طبقہ کے لوگوں میں حضرات خلفائے راشدین تک کو شمار کر ڈالا ہے اور کتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زبردستی معتزلی بنائے بیٹھے ہیں۔ [2] کیا اس دھونس اور دھاندلی کی بھی کوئی حد ہے؟ یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ان نامسعودوں نے ایسی بابرکت شخصیات کو محض یہ باور کروانے کے لیے معتزلی بنا ڈالا کہ معتزلہ (ان کے منہ میں خاک) اس امت کا سب سے متقی اور نیکوکار طبقہ ہے۔ [3]

امت مسلمہ اور بالخصوص طالبان علوم دینیہ کا ہر ہر فرد اس بات کو خوب جانتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دامن اس ''بد'' عقیدے کے داغ سے پاک تھا، بلکہ وہ تو نہج نبوت پر چلنے والی جماعت اہل سنت کے سردار، سرخیل، رہنما اور میر کارواں تھے۔

۵۔ حسن بصری رحمہ اللہ کے نزدیک امام عادل کا تصور

ہم دیکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے خلیفہ بننے کے بعد حسن بصری آپ کے بہت قریب آ جاتے ہیں آپ کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں اور آپ کے لیے ''امام عادل'' بننے کا ایک نہج مقرر کرتے ہیں۔ یہ حسن بصری رحمہ اللہ کا وہ ایجابی کردار تھا جو ہر عالم ربانی سے مطلوب ہوتا ہے جن کا وظیفہ حیات اصحاب اقتدار کی نصرت اسلام پر معاونت و مساعدت کرنا ہوتا ہے۔ بلا شبہ حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ کردار ان کے کامل ہونے کی دلیل ہے اور بتلاتا ہے کہ آپ کی اسلامی شخصیت کس قدر مکمل تھی۔ آپ نے وعظ وارشاد، تعلیم و تربیت اور جہاد کے تینوں محاذوں کو بیک وقت سنبھال رکھا تھا، لوگوں کی معاشرتی زندگی کی اصلاح آپ کی اولین ترجیح تھی۔ آپ نے لوگوں کے دلوں کے امراض تشخیص بھی کیے اور ان کے علاج بھی تجویز کیے۔ آپ نے ظالم حکمرانوں کے خلاف زبردست انقلابی تحریکیں بھی چلائیں۔ لیکن جب آپ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے قریب آئے، مظالم کے خلاف ان کی کمر مضبوط کی اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اصلاحی اور تجدیدی کاموں میں ان کے دست و بازو بنے تو آپ کی سیاسی شخصیت اور بھی زیادہ نکھر کر سامنے آئی: چنانچہ آپ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں: ''اے امیر المومنین! جان لیجئے کہ رب تعالیٰ نے امام عادل کو ہر کج کے لیے سدھار، ہر ظالم کے لیے اعتدال، ہر مفسد کے لیے صلاح، ہر کمزور کے لیے طاقت، ہر مظلوم کے لیے انصاف اور ہر پریشان حال کے لیے جائے قرار بنایا ہے۔ اے امیر المومنین! امام عادل اس چرواہے کی طرح ہوتا ہے جو اپنے اونٹوں پر بے حد شفیق اور مہربان ہوتا ہے۔ وہ اپنے جانوروں کا ایسا دوست ہوتا ہے جو انہیں

---

[1] القضاء والقدر: ص ۱۸۹۔ [2] ایضاً

[3] مذاہب الاسلامیین: ۱/ ۴۰۔ از عبدالرحمن بدوی۔

عمدہ ترین چراگاہ میں چرانے لے جاتا ہے، انہیں خاردار اور زہریلی گھاس سے بچا بچا کے رکھتا ہے، درندوں سے ان کی حفاظت کرتا ہے اور سردی گرمی سے ان کو محفوظ رکھتا ہے۔‘‘

اے امیر المومنین! جان لیجئے کہ اللہ نے حدود کو اس لیے اتارا ہے تاکہ ان کے ذریعے خبائث وفواحش کو روکے۔ تو جب خود آپ کے مقربین ان فواحش کے مرتکب ہوں گے تو ان کا سد باب کیونکر ہوگا؟ اور اللہ نے قصاص کے حکم کو اتارا اور اس میں بندوں کی حیات رکھ دی لیکن تب کیا ہوگا جب وہی لوگ قتل کرنے پر اتر آئیں جنہوں نے قصاص لینا تھا؟ اے امیر المومنین! موت، اس کے بعد کی زندگی اور اس وقت کے سازوسامان اور اعوان وانصار کی قلت کو یاد رکھ۔ پس موت اور موت کے بعد کی بڑی گھبراہٹ کے لیے توشہ ابھی سے لے لے۔

اے امیر المومنین! جان لے کہ جس منزل میں تو اب ہے، اس کے علاوہ بھی تیری ایک منزل ہے جس میں تم کو لمبے زمانے تک قیام کرنا ہے جب تیرے دوست تمہیں چھوڑ جائیں گے اور تجھے ایک گڑھے میں اکیلا تنہا پھینک جائیں گے۔ پس تو اس وقت کے لیے توشہ اکٹھا کر لے جو تیرے لیے اس دن کام آئے گا، جب آدمی اپنے بھائی، ماں باپ اور بیوی بچوں سے بھاگے گا۔ اے امیر المومنین! یاد کر جب قبروں کی چیزوں کو یعنی مردوں کو باہر نکالا جائے گا اور دلوں کے بھید ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ پس اس دن سب بھید طشت از بام ہو جائیں گے اور ہماری کتاب ہمارے ہر چھوٹے بڑے عمل کو ظاہر کر دے گی۔

اے امیر المومنین! آج تمہیں مہلت ہے اس سے قبل کہ موت آجائے اور امیدیں ٹوٹ جائیں۔ اے امیر المومنین! بندوں میں جاہلیت والا حکم نہ لگانا، ان کے ساتھ ظالموں والا سلوک نہ کرنا، کسی جابر سرکش کو ان کمزوروں پر مسلط نہ کرنا کہ یہ ظالم کسی عہد اور رشتہ کا ذرا پاس لحاظ نہیں کرتے، وگرنہ تم ان ظالموں کے گناہوں کو بھی اپنے کندھوں پر لے کر لوٹو گے۔ تمہیں وہ لوگ دھوکے میں نہ ڈالیں جو خود تو مزے اڑائیں اور ان کا وبال تمہارے سر ڈال دیں اور وہ تمہاری آخرت کی نعمتوں کو برباد کر کے دنیا میں عیش کرتے پھریں۔ آج جو اقتدار اور طاقت تمہیں حاصل ہے اسے مت دیکھ۔ دیکھنا ہے تو کل کو دیکھ کہ تیری قدرت کا اس وقت انجام کیا ہوگا جب تو موت کی زنجیروں میں گرفتار ہوگا۔ اور فرشتوں، پیغمبروں اور رسولوں کے مجمع میں رب کے آگے کھڑا کیا جائے گا اور اس زندہ اور قائم کے سامنے چہرے جھکے ہوں گے۔

اے امیر المومنین! اگرچہ میں تمہیں نصیحت کرتے ہوئے اس درجے تک تو نہیں پہنچ سکا جس تک مجھ سے پہلے عقل والے پہنچے لیکن اتنا ضرور ہے کہ میں نے تیری خیر خواہی اور شفقت میں کوئی کمی نہیں کی۔ میرے اس خط کو یوں سمجھنا جیسے کوئی دوست اپنے بیمار دوست کو اس کی بیماری کا علاج بتلاتا ہے اور اسے کڑوی اور ناگوار دوائیں پلاتا ہے محض اس امید پر کہ میرے دوست کو صحت مل جائے اور اسے عافیت نصیب ہو۔

السلام علیک یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ [1]

آیئے ذیل میں اس خط کے اہم اور بنیادی ورئیسی معانی کا قرار واقعی جائزہ لیتے ہیں:

الف: ایک امام کی سب سے اہم صفت اس کا عادل ہونا ہے البتہ اس کا عدل پدرانہ شفقت اور مادرانہ رحمت کے ساتھ ملا ہوا ہو۔

ب: لوگوں میں سب سے زیادہ جس کو اللہ کی حدود کی پیروی کرنی چاہیے وہ خود امام ہے۔ کیونکہ اگر امام حدود اللہ کی اتباع نہیں کرے گا تو رعایا تو بدرجہ اولیٰ حدود اللہ کی اتباع نہیں کرے گی۔

ج: امام قصاص دلواتا ہے، اس لیے اسے کسی کی ناحق جان لینے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں۔ کیونکہ قصاص میں لوگوں کی حیات ہے تو جو خود زندگی کو موت دے، وہ بھلا حیات کیسے فراہم کرے گا؟

ح: عوام کی اصلاح اور بگاڑ امام کی اصلاح اور بگاڑ پر موقوف ہے۔ پس ٹھیک جس وقت امام اپنے افعال کا جوابدہ ہوتا ہے، عوام کے افعال کا بھی جوابدہ ہوتا ہے۔ یہیں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پھر امام کی ذمہ داری، جوابدہی اور مسئولیت کس قدر بڑی ہوگی۔

س: یہ مسئولیت بالخصوص ولاۃ وامراء کی تعیین کے وقت کھل کر ظاہر ہوتی ہے۔ پس والیوں اور امراء کے ہر ہر عمل کا سب سے پہلے وہ امام جواب دہ ہے جس نے ان کو متعین کیا تھا۔ اس لیے امام پر واجب ہے کہ وہ متکبروں اور سرکشوں کو کمزوروں پر مسلط نہ کرے۔ دوسرے اس لیے بھی کہ غرور ونخوت رکھنے والے رب تعالیٰ کی حرمات کا ذرا پاس لحاظ نہیں رکھتے اور نہ وہ اپنے اعمال اور احکام میں رب تعالیٰ کی ذات کو سامنے رکھتے ہیں۔ لہٰذا اگر امام نے ایسے ہی سرکش، متکبر اور جابر ومستبد کو والی یا امیر بنا دیا تو امام اس کے بھی سب گناہوں کو اپنے کندھے پر اٹھانے کے لیے تیار ہو جائے۔ [2]

۶۔ حسن بصری رحمہ اللہ کا سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سامنے دنیا کا حال بیان کرنا

حسن بصری رحمہ اللہ ایک خط میں دنیا کا حال بیان کرتے ہوئے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو لکھتے ہیں:

''امابعد! اے امیر المومنین! یہ دنیا کوچ کا گھر ہے اور یہ کسی حال میں بھی قیام کی جگہ نہیں۔ آدم علیہ السلام یہاں بطور سزا کے اتارے گئے تھے۔ اس لیے اس دنیا سے بچو، کیونکہ اس کو چاہنے والا، اسے چھوڑ جانے والا ہے، اس کا غنی تنگدست ہے۔ اس دنیا میں سعادت مند وہی ہے جو اس سے ذرا تعلق نہ رکھے، اگر ایک سمجھ دار اور باریک بین اس دنیا کا جائزہ لے تو اس کے سامنے یہ حقیقت کھل کر آئے گی کہ جو اس دنیا کو عزت دیتا ہے، یہ دنیا اسے ہی ذلیل کرتی ہے، جو اس کو جمع کرتا ہے، یہ دنیا اسے ہی بکھیر دیتی ہے، یہ زہر ہے جسے وہ کھاتا ہے جسے اس کے زہریلے ہونے کا علم نہیں اور اس میں وہی رغبت رکھتا ہے جو اس کی حقیقت سے ناآشنا ہے۔ اللہ کی

[1] الحسن البصری لابن الجوزی: ص ٥٦ .

[2] تاریخ التصوف الاسلامی: ص ١٨٠ .

قسم! یہ زہر اس کی جان لے کر رہے گا، اس لیے اے امیر المومنین! اس دنیا میں اس شخص کی طرح رہیے جو اپنے زخموں کی دوا دارو کرتے وقت کسی ایسی تھوڑی راحت کو لینے سے بھی اس ڈر سے احتیاط کرتا ہے کہ کہیں تھوڑی سی یہ راحت لمبی تکلیف کا باعث نہ بن جائے۔ اس کی مصیبت پر صبر کرنا یہ اس کی آزمائش میں مبتلا ہونے سے زیادہ سہل ہے، عقل مند وہ ہے جو اس سے بچے اور اس کی زیب و زینت پر فریفتہ نہ ہو کیونکہ یہ دنیا بے حد دغا باز دھوکے باز، فریبی، عیار، چالباز اور مکار ہے۔ یہ امیدوں اور دلاسوں کے ساتھ بن سنور کے سامنے آتی ہے، یہ اس سجی سنوری اور سولہ سنگھار کیے ہوئے دلہن کی طرح ہے جس کی طرف نگاہیں اٹھتی ہیں اور دل جس پر فریفتہ ہوتے ہیں، اس اللہ کی قسم! جس نے جناب محمد ﷺ کو حق دے کر بھیجا! یہ دلہن اپنے خاوندوں کی قاتل ہے، اے امیر المومنین! دنیا کے پچھاڑ دینے سے اور اس بات سے ڈریے کہ کہیں وہ آپ کو پٹخ کر نیچے نہ دے مارے، اور اس میں لغزش کھانے سے بچیے! اس کی آسودگی کے ساتھ سختی اور مصیبت ملی ہے، اس کی بقاء ہلاکت اور بربادی تک لے جانے والی ہے۔ اے امیر المومنین! جان لیجئے کہ دنیا کی امیدیں جھوٹی، اس کی آرزوئیں باطل، اس کی شفافیت گدلی، اور لذت و عیش بے فیض، منحوس اور تھوڑی ہے۔ اس کو چھوڑنے والا باتوفیق اور اس چمٹنے اور لپٹنے والا ہلاک اور غرق ہے۔ بے شک حاذق و دانا وہ ہے جو اس بات سے ڈرے جس سے اللہ نے ڈرایا ہے۔ اس سے بچے جس سے بچنے کا رب نے حکم دیا ہے اور دار الفناء سے دار البقاء کی طرف جانے کی تیاری میں لگ جائے۔ پس موت کے وقت اسے ہر بات کا یقین آ جائے گا۔

اے امیر المومنین! یہ دنیا عقوبت کا گھر ہے، اسے وہ اکٹھا کرتا ہے جو نادان ہو، اس سے وہ دھوکا کھاتا ہے جو بے علم ہو۔ دانا و بینا وہ ہے جو اس دنیا میں اس شخص کی طرح رہتا ہے جو اپنے زخموں کے علاج کی خاطر کڑوی دوا پر صبر کرتا ہے کیونکہ اسے امید ہوتی ہے کہ یہ دوا اسے صحت دے گی خواہ کڑوی ہی ہے اور وہ دنیا کے انجام بد سے ڈرتا ہے۔ اے امیر المومنین! اللہ کی قسم! یہ دنیا ایک خواب ہے اور بیداری تو آخرت ہے جبکہ موت اس خواب اور بیداری کے درمیان واسطہ ہے اور بندے ہیں کہ پراگندہ بکھرے بکھرے، بے تعبیرے اور پریشان خوابوں کے دیکھنے میں مست ہیں اے امیر المومنین! میں آپکو وہی بات کہنے جا رہا ہوں جو کسی حکیم دانا نے کہی تھی:

"اگر تم نے اس عظیم دن سے نجات پائی تو ٹھیک وگرنہ میرا نہیں خیال کہ تمہیں نجات مل گئی ہے۔"

امیر المومنین سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو جب حسن بصری کا یہ خط پہنچا تو آپ اس کو پڑھ کر اس قدر روئے کہ حاضرین کو آپ پر ترس آنے لگا، پھر فرمایا: "اللہ حسن بصری پر رحم کرے! وہ ہمیشہ ہمیں خواب غفلت سے جگاتے ہیں اور لاپرواہی پر متنبہ کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! حسن کیسے شفیق اور مہربان ہیں، کیسی دور کی نصیحت کرتے ہیں، کتنی سچی اور فصیح و بلیغ ہمدردی کرتے ہیں" آپ نے حسن بصری رحمہ اللہ کے خط کا یہ جواب لکھ بھیجا:

''آپ کا فوائد سے لبریز نصیحت نامہ ملا، میں نے اس سے اپنے دل اور نفس کی بیماریوں کا علاج تلاش کیا، آپ نے دنیا کا کس قدر ٹھیک حال بیان کیا ہے، سمجھ دار وہی ہے جو اس میں ڈر ڈر کر رہتا ہے جیسے اس دنیا کے ہر فرد کی لکھی موت اسے آ ہی گئی ہو...... والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''

جناب حسن نے امیر المومنین کے خط کو پڑھ کر کہا کہ ''امیر المومنین کی بھلائی اور خوبی اللہ ہی کے لیے ہے! کتنی سچی بات لکھی ہے اور کیسے انہوں نے نصیحت کو قبول کیا ہے، بے شک رب تعالیٰ نے ان جیسے آدمی کو مسلمانوں کا والی بنا کر ان پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ اور ان کی سلطانی کو امت کے لیے باعث رحمت و برکت بنایا ہے۔ [1] اور اس خط کے جواب میں یہ جامع اور مختصر ترین نصیحت لکھ بھیجی:

''امابعد! بے شک ایک عظیم ہولناک بات (یعنی جہنم) اور ایک مطلوب امر (یعنی جنت) آپ کے سامنے ہے، اور آپ کو ان دونوں باتوں کا مشاہدہ ضرور ہوگا، یا تو نجات کی صورت میں (جنت جا کر) یا پھر ہلاکت کی صورت میں (جہنم میں جا کر)۔'' [2]

۷۔ حسن بصری رحمہ اللہ کے زمانے میں برپا ہونے والی بغاوتوں کے بارے میں آپ کا موقف

حسن بصری رحمہ اللہ کی رائے یہ تھی کہ فساد کو تلوار کے زور پر نہیں مٹایا جا سکتا، فساد تو توبہ اور رجوع الی اللہ اور اہل فساد کو نیک نصیحت کر کے ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''اس شخص کا معاملہ کس قدر عجیب ہے، جو تلوار کے بل پر تبدیلی لانا چاہتا ہے۔ تبدیلی تو توبہ کرنے سے آئے گی۔'' [3]

نبی کریم ﷺ نے امراء سے ناگوار امور دیکھنے پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ''جس نے امیر میں کسی ناگوار بات کو دیکھا تو چاہیے کہ وہ (اس پر) صبر کرے کیونکہ تم میں سے جو بھی جماعت سے ایک بالشت بھی الگ ہونے کی حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔'' [4]

ان جیسی احادیث میں غور کرنے کے بعد حسن بصری رحمہ اللہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایسے ظالم حکمرانوں کا عوام پر مسلط ہونا یہ ان پر رب کی سزا ہے اور ایسی صورت میں توبہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''اگر لوگوں کو سلطان سے کوئی آزمائش پیش آئے تو جب تک وہ حکمران رہتے ہیں عوام صبر کرے، یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے آسانی آ جائے۔ لیکن یہ لوگ بے صبر ہو کر تلوار اٹھا لیتے ہیں اور اس پر اعتماد کر بیٹھتے ہیں، اللہ کی قسم! یہ کسی دن بھی کبھی کوئی خیر نہ لا سکیں گے۔'' [5]

ابن اشعث کی بغاوت کے بارے میں حسن بصری رحمہ اللہ کی رائے کو ہم گزشتہ میں بیان کر چکے ہیں، آپ کی رائے یہ تھی کہ جب تک یہ حکمران جمعہ اور جماعت کو قائم رکھتے ہیں، اموال غنیمت کی حفاظت اور ان

---

[1] الزهد: ١٦٩ . [2] ايضًا [3] الطبقات الكبرىٰ: ٧/ ١٢٥- ١٣١ .
[4] صحيح البخاري، رقم: ٦٧٢٤ . [5] شذرات الذهب: ١/ ١٣٧ .

کی جائز تقسیم کرتے ہیں اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ❶ ان کے خلاف خروج جائز نہیں۔ ❷
بغاوتوں کے ساتھ تعامل کی بابت حسن بصری رحمہ اللہ کے منہج پر حاشیہ رقم کرتے ہوئے سید مودودی لکھتے ہیں:
''آپ کو ان بغاوتوں کی افادیت میں شک تھا۔'' ❸

یزید بن مہلب کی بغاوت اور شورش کو آپ بڑے دکھ کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ کیونکہ امام عادل امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یزید کی فساد انگیزیوں کے سبب اسے زنداں میں ڈال دیا تھا۔ اور اس لیے بھی کہ یزید غیر مامون آدمی تھا۔ اندیشہ تھا کہ اگر وہ مسلمانوں کے اموال کا متولی بن گیا تو ان کو بے جا خرچ کرے گا۔ اور ان سے گل چھرے اڑائے گا۔ ❹

حسن بصری رحمہ اللہ کے نزدیک ابن مہلب کا غصہ نفسانی اور لذت کام ودہن کے لیے تھا۔ چنانچہ حسن بصری رحمہ اللہ سعد بن معاذ کی گردن پر سہارا لیے جامع مسجد گئے جہاں لوگ جمع تھے، آپ نے پوچھا، ''کیا ان میں ہمارا کوئی آدمی ہے؟'' تو آپ کو یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ اس مجمع میں آپ کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ ❺

اس وقت یزید بن مہلب منبر پر بیٹھا خطبہ دے رہا تھا۔ آپ نے کمال دلیری اور اظہار حق کا مظاہرہ کرتے ہوئے منبر کے قریب جا کر ابن مہلب کو بلند آواز کے ساتھ مخاطب کیا اور کہا: ''اللہ کی قسم! ہمارے نزدیک تیرا والی بننا درست نہیں۔ جبکہ خود تیرے اوپر ایک والی موجود ہے (یعنی والی اور خلیفہ کے ہوتے ہوئے تیرا بغاوت کرنا درست نہیں)۔ پھر آپ نے اس سے بھی زیادہ جرأت کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ آپ باہر نکلے۔ جہاں لوگ دو صفوں میں بیٹھے یزید کے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے اور وہ سب یہ کہتے جا رہے تھے ''حسن ہمیں عمرین کی سنت کی دعوت دیتا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''ارے یہ وہی یزید تو ہے جو کل تک ان لوگوں کی گردنیں مارتا تھا جن کو تم دیکھ رہے ہو، پھر انہیں بنی مروان کی طرف بھیجتا تھا تاکہ ان کو مروا کر بنی مروان کی رضا حاصل کرے۔'' پھر آپ نے مزید غصہ میں آ کر کہا: میں نے ان کی مخالفت کی، تم بھی ان کی مخالفت کرو۔'' پھر فرمایا میں تمہیں عمرین رضی اللہ عنہما (حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کی سنت کی دعوت دیتا ہوں۔ اور عمرین رضی اللہ عنہما کی سنت یہ ہے کہ اسے پابند سلاسل کر کے قید میں ڈال دیا جائے اور اسے لوہے کی زرہ میں رکھا جائے۔ ❻

پھر آپ نے بغاوت کے ساتھ اپنی اور بھی زیادہ نفرت اور کراہت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''لوگو!

❶ حياة الحسن البصري، از روضة الحضري، ص ١٩٤.
❷ حياة الحسن البصري: ص ١٩٤.
❸ الخلافة والملك للمودودي: ص ١٤٩.
❹ حياة الحسن البصري: ص ١٩٦.
❺ تاريخ الطبري: ٧/ ٤٩١
❻ وفيات الاعيان: ٣/ ٢٨٠.

اپنے گھروں میں بیٹھ رہو، اپنے ہاتھوں کو (خون ناحق سے) روک لو، اپنے آقا و پروردگار رب تعالیٰ سے ڈرو، اس ختم ہوتی اور ہاتھوں سے نکلتی دنیا کی خاطر ایک دوسرے کی گردنیں مت مارو جس میں دل کی طمع کم ہی پوری ہوتی ہے۔ دنیا والوں کو بقاء نہیں اور نہ دنیا ان کی کمائیوں سے راضی ہے۔ بے شک اکثر دنیا والے خطباء، سفیر، نادان، گم کردہ، سرگشتہ، حیران و پریشان اور متکبر ہیں۔ ان میں سے سلامت وہی ہے جو لوگوں میں ناآشنا گم نام، اور کسی کونے کھدرے میں چھپا ہوا ہو، اور اگر وہ مشہور و نامور ہو تو پھر متقی ضرور ہو۔'' ❶

یہ خطبہ دینے کے بعد آپ نے یزید کے خلیفہ مروان بن مہلب کو سختی آمیز لہجہ میں مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: ''مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ گم راہ ریا کار بوڑھا لوگوں کو روکے ہوئے ہے، اللہ کی قسم! اس کا حال تو یہ ہے کہ اگر اس کا پڑوسی اس کے مکان کی چھت کی ایک کڑی نکال لے تو اس کی نکسیر ہی بند نہ ہو۔ خدا کی قسم! یا تو یہ ہمارا برا ذکر کرنے سے اور ہم پر اپنے اوباش لوگوں اور فرات و بصرہ کے پیامبروں کو مسلط کرنا بند کر دے وگرنہ میں ان پر کھردری اور کندریتی چلا دوں گا۔ ❷ یہ سخت وعظ سن کر لوگ اٹھے اور حسن بصری رحمہ اللہ کے ساتھ ہو گئے اور کہنے لگے: ''اگر ان لوگوں نے آپ کو ذرا بھی تکلیف دینا چاہی تو آپ کے حکم سے ہم ان کا مقابلہ کریں اور آپ کی حفاظت کریں گے اور آپ کا بال تک بیکا نہ ہونے دیں گے۔'' یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''پھر تو وہی بات ہو جائے گی کہ جس بات سے میں تم لوگوں کو روکنے آیا ہوں خود ہی اس کی مخالفت کروں، کہ میں تم لوگوں کو تو یہ حکم دوں کہ ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارو، پھر اسی بات کی تمہیں دعوت بھی دوں کہ میری وجہ سے ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔'' ❸ (غرض میں تمہیں اس خونریزی کی ہرگز اجازت نہ دوں گا نہ اپنے لیے اور نہ کسی دوسرے کے لیے)۔

یہ تھا حسن بصری رحمہ اللہ کا ہر قسم کے فتنہ کے بارے میں موقف، آپ نے مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے لیے جان توڑ محنت و کوشش کی اور انہیں ہر قسم کی تفرقہ بازی سے شدت کے ساتھ روکا۔ ❹

سلم بن ابی ذیال سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ایک آدمی نے حسن بصری سے پوچھا، میں اور چند شامی لوگ یہ گفتگو سن رہے تھے کہ ''اے ابوسعید! آپ یزید بن مہلب اور ابن اشعث کے فتنوں (اور بغاوتوں) کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: (ان فتنوں میں) نہ اِن کا ساتھ دینا اور نہ اُن کا۔'' اتنے میں ایک شامی نے لقمہ دیتے ہوئے کہا، اور نہ امیر المومنین کا اے ابوسعید!'' (یعنی اگر امیر المومنین بھی کوئی فتنہ برپا کر دے تو کیا اس کا بھی ساتھ نہ دیا جائے) تو آپ نے برجستہ فرمایا: ''ہاں! امیر المومنین کا بھی نہیں۔'' ❺

---

❶ تاریخ الطبری: ۷/ ۴۹۸ ۔ ❷ ایضًا ❸ تاریخ الطبری: ۷/ ۴۹۹ ۔
❹ حیاۃ الحسن البصری: ص۱۹۸ ۔ ❺ الطبقات الکبری: ۷/ ۱۲۱ ۔

یہ تھا حسن بصری رحمہ اللہ کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے باب میں امن وسلامتی پر مبنی منہج وموقف۔
یہاں پر اس نکتہ کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ آپ نے مسلح بغاوتوں کی حمایت کیوں نہ کی؟ تو اس کے چند اسباب ہیں جن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

الف: حکمرانوں کے خلاف خروج کی دعوت دینے سے ملک اور بلاد وامصار میں انارکی اور لاقانونیت پھیلتی ہے جس سے امن برباد اور امورِ حیات تباہ ہو جاتے ہیں۔ لاقانونیت کے زمانے میں ایک گھڑی بھر میں جس قدر مظالم ڈھائے جاتے ہیں اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا جاتا ہے اتنا جبر واستبداد سالوں کی حکومتوں میں نہیں کیا جاتا۔

ب: آپ کی رائے یہ تھی کہ حکمرانوں کے خلاف خروج کا رواج جس قدر بڑھتا جائے گا، اسی قدر خلافت اسلامیہ کا ڈھانچہ کمزور پڑتا جائے گا اور خود مسلمانوں میں بغض وعداوت کو اسی قدر تقویت ملے گی، جس سے ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی اور آبروریزی کا چلن عام ہو جائے گا۔

ج: اور اس لیے بھی کہ خروج کے زمانے میں مسلمانوں کی ناحق خونریزی کی جاتی ہے اور لوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری رہتی ہے۔ اور اکثر خروج کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عامۃ الناس ایک ظالم کے ہاتھوں سے نکل کر اس سے بھی بدتر ظالم کے پنجہ استبداد میں جکڑے جاتے ہیں۔

د: آپ کے نزدیک اس فساد کی اصلاح کا آسان اور سہل رستہ یہ تھا کہ اگر حکمرانوں کی اصلاح ممکن نہ ہو تو خود رعایا کی اصلاح کی جائے۔ وگرنہ فساد وخروج رعایا وحکمران دونوں طبقوں کو متاثر کرتا ہے۔ آپ کا اعتقاد تھا کہ جب تک خود قوم نہ سدھرے حکمران نہیں سدھرتے۔ بہرحال دونوں کی اصلاح میں باہم تلازم ضرور ہے۔ [1]

۸۔ جس قوم میں ایسا آدمی ہو وہ کیونکر بھٹک سکتی ہے

خالد بن صفوان کہتے ہیں: ''میری مسلمہ بن عبدالملک سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے: ''اے خالد! ہمیں حسن بصری کے بارے میں تو کچھ بتلاؤ؟'' میں نے کہا: ''اللہ تیرا بھلا کرے۔ میں تمہیں ان کے بارے میں وہ بات بتلاتا ہوں جس کا مجھے خود علم ہے۔ میں ان کا پڑوسی بھی تھا اور ہم مجلس بھی، میں جانتا تھا کہ ان کا ظاہر وباطن ایک اور قول وعمل یکساں تھا۔ جب کسی کام کا ارادہ کرتے تو کر کے چھوڑتے اور جب کوئی کام شروع کر لیتے تو اس پر مداومت کرتے۔ جس بات کا دوسروں کو حکم دیتے، سب سے زیادہ خود اس پر عمل کرتے اور جس چیز سے روکتے، دوسروں کے ساتھ خود بھی اس سے رک جاتے۔ میں نے انہیں دیکھا کہ لوگوں سے بے حد مستغنی تھے۔ جبکہ لوگ ان کے (علوم ومعارف اور تزکیہ وتربیت کے) محتاج تھے۔'' ابھی میں نے اتنا ہی کہا

[1] تاریخ الجدل: ص ۳۲۳.

تھا کہ مسلمہ بول اٹھے: ''بس بس! بھلا جس قوم میں ایسا آدمی موجود ہو وہ کیونکر بھٹک سکتی ہے؟'' [1]

ہشام بن حسان کہتے ہیں:

''میں نے حسن بصری رحمہ اللہ کو قسم اٹھا کر یہ کہتے سنا: ''جس نے بھی درہم و دینار کو عزت دی اللہ اسے ذلیل کر کے چھوڑے گا۔'' [2]

حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول کس قدر عبرت آموز ہے کہ ''درہم و دینار بے حد برے دوست ہیں کہ جب تک ان دونوں کو اپنے سے جدا نہ کر دیں یہ کسی کام کے نہیں۔'' [3]

۹۔ وفات حسن بصری رحمہ اللہ

ہر شخص کو موت آنی ہے، بالآخر آپ کو بھی مرض الوفات نے آلیا۔ آپ کا بیٹا پہلو میں بیٹھا آپ کی تیمارداری کر رہا تھا اور آپ بستر پر لیٹے کثرت کے ساتھ ''انا للہ'' پڑھتے جاتے تھے۔ اس پر بیٹا بولا: ''ابا جان! کیا آپ جیسا آدمی بھی دنیا سے جدا ہونے پر ''انا للہ'' پڑھتا ہے؟'' آپ نے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے جواب دیا: ''بیٹے! میں اپنے نفس پر ''انا للہ'' پڑھ رہا کہ اس جیسا میں نے نہیں دیکھا۔'' [4]

ابان بن محبر حسن سے روایت کرتے ہیں کہ ''جب آپ پر جان کنی کا عالم طاری ہوا تو آپ کے اصحاب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ''اے ابوسعید! (دنیا سے جا رہے ہو، جاتے جاتے) ہمیں چند ایسی باتیں بتا جایئے جو (آپ کے بعد) ہمارے کام آتی رہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''میں تمہیں تین باتوں کا توشہ دیتا ہوں، ان کو سننے کے بعد میرے پاس سے اٹھ کر چلے جانا (تو سنو! وہ تین باتیں یہ ہیں): (۱) جس بات سے دوسروں کو روکو سب سے زیادہ خود اس سے دور رہنا۔ (۲) جس بات کا دوسروں کو حکم دو، سب سے زیادہ اس پر عمل خود کرنا۔ (۳) اور جان لو کہ تمہارا ہر قدم دو میں سے ایک قسم کا ہے۔ یا تو وہ تمہارے حق میں ہے، یا پھر تمہارے خلاف ہے، خوب دیکھ لو کہ صبح و شام کہاں آتے جاتے ہو۔'' [5]

آپ کی روح پرواز کر جانے سے پہلے آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ ذرا افاقہ ہوا تو کہنے لگے: ''تم لوگوں نے مجھے باغوں، چشموں اور عزت والے مقام سے بیدار کر دیا۔'' [6] اور بقول آپ کے فرزند ارجمند عبداللہ بن حسن بصری کے [7] آپ نے یکم رجب المرجب ۱۱۰ ہجری جمعہ کی رات کو [8] تقریباً اٹھاسی سال کی حیات مستعار پا کر جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ آپ کی وفات سے کچھ دیر پہلے ایک آدمی نے ابن سیرین رحمہ اللہ سے اپنے اس خواب کی تعبیر پوچھی کہ ''میں نے ایک پرندے کو دیکھا کہ اس نے مسجد کی سب سے

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٥٦٦ ۔ [2] ایضًا: ٤/ ٥٧٦ ۔ [3] ایضًا
[4] ایضًا: ٤/ ٥٨٧ ۔ [5] حلیۃ الاولیاء: ٢/ ١٥٤ ۔ [6] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٥٨٧ ۔
[7] تذکرۃ الحفاظ: ص٧٢ ۔ [8] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٥٨٧ ۔

خوبصورت کنکری کو چنا اور چونچ میں لے کر اڑ گیا۔'' تو انہوں نے فرمایا: ''اگر تیرا خواب سچا ہے تو سمجھ لو کہ حسن بصری وفات پا گئے۔'' پھر تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ہر طرف حسن بصری کی وفات کا شور برپا ہو گیا۔ ❶

آپ کو آپ کے دو مایہ ناز شاگردوں ایوب سختیانی اور حمید الطّویل نے غسل دیا۔ جبکہ نماز جمعہ کے فوراً بعد نضر بن عمر مقری نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ❷ حمید کہتے ہیں: حسن بصری رحمہ اللہ نے جمعرات کے دن کی رات کو وفات پائی (یعنی وہ شب جمعہ تھی) جمعہ کے دن ہم آپ کے غسل اور تکفین وغیرہ سے فارغ ہو گئے۔ اور نماز جمعہ کے بعد جنازہ پڑھا کر آپ کی تدفین کر دی آپ کے جنازہ میں بصرہ کے سب لوگ شریک تھے۔ تدفین وغیرہ کی مشغولیت کی بنا پر اس دن بصرہ کی جامع مسجد میں عصر کی نماز ادا نہ کی جا سکی۔ اور جب سے میں نے اسلام میں آنکھ کھولی تھی۔ شاید یہی وہ دن اور یہی وہ نماز تھی جو مسجد میں ادا نہ کی گئی تھی کیونکہ اس دن سب لوگ جنازہ گاہ کی طرف نکل گئے تھے اور مسجد میں نماز پڑھنے والا کوئی رہ نہ گیا تھا۔ ❸

اللہ حسن بصری رحمہ اللہ پر رحم فرمائے جو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور علمائے ربانی کے ورثاء کے لیے ایک بلند ترین نمونہ تھے، حسن بصری بڑے عظیم آدمی تھے۔ تمہیں ان کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی۔ زہد و ورع، علم وحکمت اور ادب وشجاعت میں عدیم النظیر شخصیت تھے۔ ❹

حسن بصری کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی علمی روحانی اور تربیتی خدمات ''دولت فقہاء'' میں سرانجام دیں جس کے خلیفہ اور صاحب امر سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تھے۔ حسن بصری نے وعظ وتلقین کرنے، نصیحت وارشاد کرنے اور ہر خیر کی طرف متوجہ کرنے میں نہ تو کبھی زندگی کا کوئی لمحہ اور موقع ضائع کیا اور نہ کبھی اس فریضہ کو سرانجام دینے میں بخل سے کام لیا۔

۷..... عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور فتوحات اور قسطنطنیہ کے محاصرے کا اٹھا دینا

خلافت سنبھالتے ہی سب سے پہلے آپ نے دور دراز کے علاقوں میں خلافت کی توسیع کا سلسلہ بند کیا اور اس بات کی کوشش کی کسی طرح سے جنگی محاذوں سے اسلامی افواج کو واپس بلا لیا جائے اور اس باب میں آپ نے سب سے پہلے قسطنطنیہ کا محاصرہ ختم کر کے وہاں پر مامور افواج کی بھاری تعداد کو واپس بلا لیا جن کو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بھائی مسلمہ کی قیادت میں قسطنطنیہ کی فتح کے لیے روانہ کیا تھا۔ یہ محاصرہ گزشتہ دو سال سے بے نتیجہ جاری تھا۔ اور اس محاصرہ کو جاری رکھنے کے لیے اسلامی افواج کو بے شمار مصائب

❶ تاریخ الذهبی نقلا عن حياة الحسن البصری: ص ۲۰۲ .

❷ وفيات الاعيان: ۲/ ۷۲ . ❸ سير اعلام النبلاء: ٤/ ٥٨٧ . ❹ حياة الحسن البصری: ص ۵۰۳ .

ومصائب، دشواریوں اور مشکلات سے دو چار ہونا پڑ رہا تھا۔ چنانچہ خلافت سنبھالتے ہی آپ نے مسلمہ بن عبدالملک کو قسطنطنیہ سے واپس چلے آنے کا سرکاری فرمان بھیج دیا، سلیمان نے قسطنطنیہ کی طرف بری اور بحری دونوں قسم کی فوجیں روانہ کی تھیں۔ قسطنطنیہ کے محاذ پر بڑی مشکلات اور بھوک سے دو چار ہونا پڑا۔ حتی کہ نمازیوں نے بھوک سے لاچار ہو کر چوپائے وغیرہ تک کھائے تھے۔ حتی کہ سواریاں کم پڑ گئیں تھیں سلیمان بن عبدالملک کے اس جنگی جنون سے سیّدنا عمر رحمہ اللہ بے حد مغموم رہتے تھے۔ چنانچہ خلافت سنبھالتے ہی آپ نے دیکھا کہ اس جنگ کو جاری رکھنا بے سود ہے اور اس میں مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں۔ اور اس میں مزید تاخیر کی ہرگز گنجائش نہیں۔ اس لیے آپ نے مسلمہ کو خط لکھنے میں عجلت سے کام لیا۔ [1] اور اسے واپس آنے کو کہا اس وقت مسلمہ سرزمین روم میں اسلامی فوجوں کے ساتھ فروکش تھا۔ آپ نے ان کی مدد کے لیے عمدہ گھوڑے اور بہت سارا راشن بھی بھیجا اور وہاں کے لوگوں کو بھی حکم دیا کہ وہ مسلمہ اور اس کے لشکر کی مدد کریں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے پانچ سو عمدہ نسل کے گھوڑے بھیجے۔ [2] اور خلیفہ بن خیاط کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ۹۹ ہجری کا ہے۔ [3] آپ نے سمح بن مالک خولانی کو اندلس کا والی بنایا تھا اور ان کو حکم لکھ بھیجا کہ اندلس خالی کر دیں۔ دراصل یہ آپ کی مجاہدین پر شفقت تھی۔ کیونکہ آپ کو اندیشہ تھا کہ دشمن ان پر غالب آ جائیں گے۔ اور پیچھے سمندر ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی بروقت مدد پہنچنا بھی بے حد مشکل تھا۔ [4] البتہ سمح بن مالک خولانی نے اندلس کو بالکل خالی کر دینا مناسب نہ سمجھا اور خلیفہ کو یہ لکھ بھیجا: ''یہاں مسلمان کثرت سے ہیں اور اطراف واکناف میں پھیل گئے ہیں، اس لیے آپ اس تجویز کو چھوڑ دیجیے اور ساتھ ہی اس نے اندلس کو افریقی عمال سے خالی کر دیا۔ [5]

ادھر مشرق میں والی خراسان عبدالرحمٰن کو آپ نے یہ خط لکھا کہ وہ ماوراء النہر سے مسلمانوں کو ان کی اولادوں اور خاندانوں سمیت واپس لے آئے۔

لیکن ان لوگوں نے یہ کہہ کر آنے سے انکار کر دیا کہ (خراسان کے صدر مقام) ''مرو'' میں اتنے خاندانوں کے آباد ہونے کی گنجائش نہیں۔ عبدالرحمٰن نے ماوراء النہر کے مسلمانوں کا یہ جواب آپ کو لکھ بھیجا تو آپ نے اس کے جواب میں یہ خط روانہ کیا کہ ''اے اللہ! میں نے اپنا ذمہ پورا کر دیا اور اب مسلمانوں کو مزید جنگوں میں نہ لے جانا۔ ان کے لیے اتنے علاقے کافی ہیں جو اللہ نے ان کے لیے فتح کر دیئے ہیں۔ [6] اور خلیفہ بن خیاط لکھتا ہے کہ ''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جراح بن عبداللہ حکمی کو صرف اتنا لکھا:

[1] سيرة عمر لابن عبدالحكم: ص ٣٢ . [2] تاريخ الطبرى نقلا عن عمر بن عبدالعزيز للعلى: ص ١٤٠ .
[3] تاريخ خليفة: ص ٣٢٦ . [4] تاريخ افتتاح الاندلس لابن القوطية: ص ١٢-١٣ .
[5] فجر الاندلس لحسين مؤنس: ص ١٣٦-١٣٧ .
[6] تاريخ الطبرى نقلا عن عمر بن عبدالعزيز للعلى: ص ١٤١ .

(مزید) جنگ نہ کرو۔'' اور ان علاقوں کو مضبوطی سے قبضہ میں رکھو جو تم فتح کر چکے ہو۔ ❶

اب سندھ کے محاذ کا حال بھی سن لیجیے! آپ نے ملوک سندھ کو اسلام کی دعوت کے ساتھ اس شرط پر خلافت اسلامیہ کی فرمانبرداری کی طرف بلایا کہ وہاں کی حکومت انہی لوگوں کے قبضہ میں رہے گی۔ اور ان کے حقوق و واجبات وہی ہوں گے جو باقی سب مسلمانوں کے ہیں۔ اہل سندھ تک سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیرت و کردار اور مذہب کی خبریں پہنچ چکیں تھیں۔ چنانچہ آپ کی دعوت پر جیشہ بن داہر اور دوسرے ملوک اسلام لے آئے اور اپنے نام بدل کر عربوں جیسے نام رکھ لیے۔ سندھ کی حدود پر سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طرف سے عمرو بن مسلم باہلی عامل تھا۔ ❷

یہاں پر اس نکتہ کی وضاحت کر دینا بھی نہایت ضروری ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا مجاہدین کو مزید جنگی کاروائیوں سے روکنے اور دور دراز کے محاذوں پر تعینات مجاہدوں کو ان کی سرفروشانہ کاروائیوں سے ہٹا کر انہیں خلافت کی خدمت میں استعمال کرنے اور مسلح جنگی کاروائیوں کو روک کر پرامن مذاکرات کا رستہ کھولنے کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ آپ اس عسکری ادارے کا وجود ختم کر دینا چاہتے تھے جس کی بنیادیں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے جا ملتی تھیں اور جس ادارے کا خلافت اسلامیہ کی حفاظت و حمایت اور توسیع و ترقی میں اور اسلامی قلمرو میں امن کے استقرار میں مرکزی اور اہم ترین کردار تھا اور ہر دور میں رہے گا۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مجاہدین اور ان سے متصل تمام اداروں کا مدنی حیات کی بنیادوں کے ساتھ گہرا تعلق تھا کسی بھی مملکت کے لیے اپنی سرحدات کی حفاظت اور پیش آمدہ خطرات سے نبٹنے کے لیے ''عسکری ادارے'' کا وجود ناگزیر ہے۔ اس لیے افواج اور ان سے متصل تمام اداروں کا وجود باقی رکھنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ اسلامی قلمرو کے تمام بلاد و امصار افواج اسلام کی چھاؤنیاں بن کر باقی اور قائم رہے اور کسی بھی جگہ سے کسی قسم کے براہ راست یا متعلقہ فوجی ادارے کو ہرگز بھی ختم نہ کیا گیا۔ اور نہ ان کی رہائشی یا اداراتی تنظیمات میں کسی قسم کی تبدیلی ہی کی گئی۔ (اس مقام پر یہ نازک اور اہم حقیقت بھی سامنے رہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا دور خلافت تکوینی طور پر بے حد مختصر تھا۔ جو گوناں گوں اضطرابات اور انتشارات کی زد میں رہا۔ آپ نے ایک ایسے وقت میں زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لی تھی جب خلافت اسلامیہ کا معاشرتی اور اخلاقی داخلی اور بیرونی دونوں قسم کا نظام شدید ابتری اور بگاڑ کا شکار تھا جس کی تجدید و اصلاح کی اشد ضرورت تھی۔ شاید انہیں داخلی ہنگاموں اور تجدیدی و اصلاحی کوششوں نے آپ کو مختلف محاذوں پر جنگی تحریکوں کو پورے اہتمام کے ساتھ جاری رکھنے کی مہلت نہ دی تھی۔ اور آپ سب محاذوں پر پوری توجہ نہ دے سکے تھے۔

❶ تاريخ خليفة: ص ٣٢٦.   ❷ فتوح البلدان: ص ٤٢.

نا کہ یہ بات تھی کہ آپ عسکری اداروں کے وجود کو غیر مفید سمجھتے تھے اور نہ یہ بات تھی کہ آپ کی دشمنوں کی یورشوں اور یلغاروں پر نظر نہ تھی۔ آپ تو بس مزید توسیعی اقدامات میں وقتی طور پر ایک قسم کا وقفہ چاہتے تھے تا کہ پہلے خلافت کو اندرونی طور پر مستحکم کیا جائے۔ پھر اسلامی قلمرو کی توسیع کی طرف توجہ دی جائے)۔ ❶

چنانچہ جب ترکوں نے آذر بائیجان کے مسلمانوں پر غارت ڈال کر مسلمانوں کی ایک جماعت کو قتل کر دیا اور ان کے اموال بھی لوٹ لیے تو آپ نے اسی وقت حاتم بن نعمان باہلی کو ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ حاتم ان پر بلائے بے درماں بن کر ٹوٹے۔ سوائے معدودے چند کے جو بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ کسی کو بھی نہ چھوڑا اور سب کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیا۔ اور جو بچ گئے وہ گرفتار کر کے آپ کے سامنے پیش کیے گئے، جن کی تعداد پچاس بتلائی جاتی ہے۔ ❷ ۱۰۰ ہجری میں رومیوں نے لاذقیہ کے ساحل پر حملہ کر کے شہر کو تباہ کر دیا اور وہاں کے مسلمان باشندوں کو گرفتار کر لیا تو آپ نے اس شہر کی تعمیر نو اور مضبوطی کا حکم دیا۔ ❸ ۱۰۱ ہجری میں جب گرمیوں میں اہل حمص نے حملہ کیا تو آپ نے ان کی سرکوبی کے لیے ولید بن ہشام معیطی اور عمرو بن قیس کندی کو روانہ کیا۔ ❹ اور حکم دیا کہ وہ اہل طرندہ ❺ کو ان کے ناچاہنے کے باوجود وہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیں تا کہ وہ رومیوں کی یلغاروں اور شورشوں سے محفوظ رہیں۔ ❻

رومی اکثر ''مصیصہ'' پر غارتیں ڈالتے تھے آپ نے اس شہر کو ختم کرنے اور ڈھا دینے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن پھر آپ نے یہ ارادہ ترک کر دیا اور ''کفربیا'' کی جانب اہل مصیصہ کے لیے ایک جامع مسجد تعمیر کی اور اس میں پانی کا ایک بہت بڑا حوض بھی بنوایا جس پر آپ کے نام کی تختی لگی تھی۔ ❼ اور اسی شہر کو انطاکیہ کی جانب سے رومیوں کی آئے روز کی جارحیت روکنے کے لیے ایک فوجی چھاؤنی میں تبدیل کر دیا۔ ❽

اگر چہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے رومیوں کے ساتھ جاری فوجی سرگرمیوں کو ایک حد تک محدود کر دیا تھا، اور آپ نے قسطنطنیہ کا حصار بھی اٹھا لیا تھا اور بلاد روم میں مزید قلعوں کی تعمیر کا کام بھی روک دیا تھا، لیکن اس سب کے باوجود آپ اپنا حق لینے اور اس کا دفاع کرنے میں بے حد حساس اور پر جوش تھے، جیسا کہ ابن عبدالحکم کی ایک نابینا قیدی سے متعلق روایت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جس کا تفصیلی قصہ گزشتہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ جس میں آپ نے رومی حاکم کو قاصد کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ ''اگر تم اس مظلوم نابینا

---

❶ علامہ علی محمد الصلابی نے اس مقام پر نہایت اختصار سے کام لیا ہے اس لیے ہم نے قوسین میں اس وضاحت کو پیش کرنا ضروری سمجھا۔ (مترجم)

❷ تاریخ خلیفة: ص ٣٢٦ .
❸ فتوح البلدان: ص ٢٠ .

❹ تاریخ الطبری نقلا عن عمر بن عبدالعزیز للعلي: ص ١٤٢ .

❺ **طرندہ:** دولت رومانیہ کا ایک قریبی علاقہ۔
❻ فتوح البلدان: ص ٢٢٠ .

❼ فتوح البلدان: ص ١٦٣ .
❽ العلاقات العربیة البیزنطیة: ص ١١٩ .

مسلمان قیدی کو ہمارے پاس نہ بھیجو گے تو اللہ کی قسم! میں اتنا بڑا لشکر بھیجوں گا جس کا پہلا دستہ تمہارے پاس اور آخری دستہ میرے پاس ہوگا۔'' [1]

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیاست مرحلہ وار تھی جو خلافت اسلامیہ کی سرحدوں کی حفاظت کرنے، عقلوں کو فتح کرنے اور اسلام میں داخل ہونے والی نسل نو کے دلوں کو زندہ کرنے اور ان کے نفوس کے تزکیہ کی بنیادوں پر قائم تھی۔ اسی لیے آپ نے اپنی مساعی اور سرگرمیوں کا آغاز خلافت اسلامیہ میں آباد دیہاتیوں اور تعلیماتِ اسلامیہ کی از حد محتاج قوموں کی طرف علماء اور مبلغین کو بھیجنے سے کیا۔

۸......عمومی دعوت کا اہتمام

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خلافت اسلامیہ کی وحدت کو مضبوط بنانے، امن قائم کرنے اور امت کے ہر ہر فرد تک علم کی دولت پہنچانے کے لیے داخلی امور کی اصلاح کی طرف خاص توجہ دی۔ اور اس غرض کے حصول کے لیے ہر ممکن رستہ اختیار کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ عدل کی فضا قائم کی اور مسلمانوں کے مختلف طبقات میں چلی آتی دیرینہ عداوتوں کو بھی حتی الامکان ختم کرنے کی تدبیریں اختیار کیں۔ آپ کا ہدف لوگوں کے دل، ان کی عقلیں اور ان کے نفس تھے۔ جن کو آپ نے تعلیماتِ اسلامیہ کے ذریعے فتح کر لیا۔ اور اس غرض کے لیے آپ نے عظیم منصوبے تشکیل دیئے۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ محض خیالی پلاؤ پکانے والے انسان نہ تھے بلکہ آپ ایک عملی انسان تھے۔ سوچتے اور بہت دور کی سوچتے تھے لیکن عملی اقدامات سوچ کی حدود سے بھی آگے کے اٹھاتے تھے۔ چنانچہ پہلے آپ رستہ ہموار کرتے پھر مناسب ماحول پیدا کرتے اور پھر ایک منصوبے کو عملی شکل دیتے۔ آپ ایسے اسباب اکٹھے کرتے جن کی مدد سے عملی تطبیق کی صورتیں پیدا ہوتی چلی جاتی تھیں۔ ذیل میں ان اسباب کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے جن کی مدد سے آپ اپنے دعوتی اور تربیتی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب رہے۔

ا۔ مبلغین کے لیے ''قانون تفرغ'' کا قیام واجراء

تفرغ سے مراد یہ ہے کہ خلافت اسلامیہ نے علماء، دعاۃ اور مبلغین کو معاشی ذمہ داریوں سے آزاد کر دیا اور ان کی کفالت کا ذمہ خود اٹھا لیا تاکہ وہ دل و دماغ کی کامل آسودگی اور فراغت کے ساتھ اپنے ان فکری اور دعوتی منصوبوں پر کام کر سکیں جن کا انتخاب یا تو انہوں نے خود کیا تھا یا پھر خلافت اسلامیہ نے ان کو وہ اہم منصوبے سپرد کیے تھے۔ چنانچہ اس غرض کے لیے آپ نے ایک باقاعدہ محکمہ تشکیل دیا جس کے ذمے علماء کی علمی حیثیت اور دعوتی ذمہ داریوں کے حساب سے ان کے مشاہرے اور تنخواہیں مقرر کرنا اور ان کو باقاعدگی

---

[1] العلاقات العربية البيزنطية: ص ۱۳۱ .

کے ساتھ ان تک پہنچانا تھا۔ ❶ چنانچہ قرآن کے حافظ و قاری کے ذمے لوگوں کو قرآن پڑھانا، یاد کرانا اور اس کے احکام کی تعلیم دینا تھا۔ محدث کے ذمے احادیث نبویہ کے درس واملاء کی مجالس قائم کرنا اور ان کو پھیلانا تھا۔ فقیہ کے ذمے کتب دینیہ میں غور وفکر کر کے احکام کا استنباط اور پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرنا تھا تاکہ وہ لوگوں کو ان کے امور دینیہ کی تعلیم دیں اور لوگ کامل بصیرت کے ساتھ رب تعالیٰ کی عبادت کریں۔ جب کہ ایک طالب علم اور متعلم کے ذمہ تھا کہ وہ سب کام چھوڑ چھاڑ کر کامل یکسوئی کے ساتھ صرف اور صرف علم حاصل کرے۔

اب سب کی معاشرتی ذمہ داریاں اور معاشی ضروریات بھی تھیں۔ چنانچہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان سب طبقوں کی مالی اور معاشی کفالت خلافت اسلامیہ کے ذمہ کر کے انہیں ہر قسم کے فکر وغم سے آزاد کر دیا تاکہ وہ خود بھی اور ان کے اہل خانہ بیوی بچے سب لوگ ایک باعزت اور پر وقار زندگی گزار سکیں۔

سبحان اللہ! سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کیا خوب کیا......!

ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس پر وقار تدبیر سے آپ نے ہر اس شخص کے جذبات کو مہمیز اور انگیخت کیا جس کے دل میں دین اسلام اور تعلیماتِ اسلامیہ کو پھیلانے کی ادنیٰ سی بھی آرزو تھی۔ ❷

آپ نے تمام بلاد اسلامیہ میں یہ اعلان کر دیا کہ جو بھی جامع مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کی تعلیم و تربیت کرنے کی ذمہ داری کو سنبھالے گا اور لوگوں میں علوم کی اشاعت اور دین میں تفقہ پیدا کرے گا اور مسلمانوں کی اولادوں کو قرآن کریم پڑھنا سکھلائے گا اس کو بیت المال سے ماہانہ سو دینار دیئے جائیں گے۔ ❸ ابوبکر بن ابی مریم سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حمص کے والی کو یہ حکم لکھ بھیجا کہ اہل صلاح کے لیے بقدر کفایت وظیفہ بیت المال سے جاری کرو تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ قرآن وحدیث کے درس وتدریس میں مشغول رہیں۔'' ❹

ابن ابی مریم سے روایت ہے کہ آپ نے والی حمص کو یہ بھی لکھ بھیجا: ''جن لوگوں نے خود کو فقہ کی خدمت میں وقف کر رکھا ہے اور انہوں نے دنیاوی کاموں کو ترک کر کے کوئی دینی خدمت سنبھال رکھی ہے۔ ان کے احوال کی جستجو کرو اور انہیں ماہانہ ایک سو دینار وظیفہ بیت المال سے دو تاکہ وہ آسودگی قلب کے ساتھ اپنی دینی خدمات میں مشغول رہیں۔ لہٰذا میرا یہ خط ملتے ہی ان کا وظیفہ جاری کر دو، کیونکہ سب سے اچھی خیر وہ ہے جس کو بلا تاخیر جاری کر دیا جائے...... والسلام علیک ❺

❶ ملامح الانقلاب الاسلامی فی خلافة عمر بن عبدالعزیز: ص ۱۸٤ .

❷ عمر بن عبدالعزیز، از عبدالستار شیخ: ص ۷۲ .

❸ ملامح الانقلاب الاسلامی: ص ۱۸٤ . ❹ اصول الحدیث: ص ۱۷۸ .

❺ البدایة والنهایة نقلاً عن عمر بن عبدالعزیز، از عبدالستار شیخ: ص ۷۲ .

اسی طرح جو لوگ نبی کریم ﷺ کے مغازی بیان کرتے تھے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مناقب سناتے تھے، اور جو لوگ واعظین ومبلغین تھے آپ نے ان سب کے لیے بیت المال سے وظائف جاری کیے۔ ابن شیبہ ذکر کرتے ہیں: ''جب آپ مدینہ میں تھے تو آپ نے ایک آدمی کو عبرت آمیز قصے بیان کرنے کو کہا اور اس کام کے لیے اس کا ماہانہ دو دینار وظیفہ مقرر کیا۔ پھر جب ہشام بن عبدالملک خلیفہ بنے تو انہوں نے اس شخص کا وظیفہ چھ دینار سالانہ کر دیا۔'' ❶

ابن عبدالبر نے یحییٰ بن ابی کثیر سے ایسا ہی ایک خط روایت کیا جس میں خادمانِ علوم اسلامیہ کے لیے وظائف مقرر کرنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ ابن ابی کثیر بیان کرتے ہیں: ''سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے عمال کو یہ خط لکھا کہ طالبان علوم دینیہ کے لیے وظائف جاری کرو تاکہ وہ فراغت قلبی کے ساتھ علوم دینیہ کے حصول میں لگے رہیں۔'' ❷

۲۔ علوم دینیہ کی نشر واشاعت پر علماء کو ابھارنا

آپ نے علماء کو اس بات کی زبردست ترغیب دی کہ وہ علوم دینیہ کو لوگوں میں عام کریں۔ اور وہ مساجد کو تعلیم کے مراکز بنائیں جہاں بیٹھ کر وہ لوگوں کو ان کے امور کی تعلیم دیں۔ طلباء کو پڑھائیں۔ احادیث کا املاء کروائیں اور سنت کو زندہ کریں۔ ❸

عکرمہ بن عمار یمنی بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا خط سنا ہے، آپ فرماتے ہیں: امابعد! اہل علم کو اس بات کا حکم دو کہ وہ مساجد میں علم پھیلائیں۔ کیونکہ (اس سے قبل) سنت کو مار دیا گیا تھا۔'' ❹ (اب اس کو زندہ کیا جائے)

ابن عبدالبر جعفر بن برقان رقی تک (رقہ یہ شرقی سوریا کا ایک شہر ہے، اس کی طرف نسبت کر کے رقی کہتے ہیں) سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہماری طرف یہ خط لکھا ہے: ''امابعد! آپ کے ہاں جو اہل علم وفقہ ہیں انہیں اس بات کا حکم کیجیے کہ وہ اپنی مجالس ومساجد میں ان علوم کی نشر واشاعت کریں جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں۔'' ❺

۳۔ امت کو علوم دینیہ کی اہمیت کی طرف متوجہ کرنا

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اگر تم سے ہو سکے تو عالم بنو وگرنہ متعلم بنو اور نہیں تو ان سے محبت ہی کرو اور کچھ نہ ہو سکے تو ان سے بغض مت رکھنا'' پھر فرمایا: ''جس نے یہ بات مان لی اللہ اس کے

❶ اخبار المدینۃ نقلاً عن عمر بن عبدالعزیز: ص ۷۳۔
❷ جامع بیان العلم: ۱/ ۲۲۸۔
❸ عمر بن عبدالعزیز، از عبدالستار شیخ: ص ۷۳۔
❹ اصول الحدیث: ص ۱۷۸۔
❺ جامع بیان العلم: ۱/ ۱۴۹۔

لیے تجارت کا رستہ پیدا کرے گا۔'' ❶

۴۔ علمائے ربانی کو شمالی افریقہ بھیجنا

آپ نے شہروں بلکہ دیہاتوں تک کی طرف علماء کو بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں۔ چنانچہ آپ نے یزید بن ابی مالک اور حارث بن محمد کو اہل بادیہ کی تعلیم سنت کے لیے روانہ کیا اور ان کا وظیفہ بھی مقرر کیا۔ جس کو یزید نے تو لے لیا لیکن حارث نے لینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ''اللہ نے جو علم مجھے سکھایا ہے میں اس کی تعلیم پر کوئی معاوضہ نہ لوں گا۔'' جب آپ کو دونوں کی بابت بتلایا گیا تو فرمایا: ''جو یزید نے کیا اس میں کوئی حرج نہیں اور اللہ ہمیں حارث جیسے اور بہت سارے لوگ دے۔'' ❷

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ جواب واضح کرتا ہے کہ ایک مسلمان حکمران کے اندازِ فکر میں کس قدر نرمی اور لچک ہونی چاہیے، اور اس میں فکری جمود جیسے نظریاتی مرض کا نہ ہونا از حد ضروری ہے۔ چنانچہ ایک طرف آپ نے امور دینیہ کی خدمات کا معاوضہ لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا، وہیں دوسری طرف آپ نے اس بات کی دعا بھی کی کہ اللہ ایسے لوگ کثرت کے ساتھ پیدا کرے جو دینی خدمات کو بلا معاوضہ محض اللہ کے لیے سرانجام دیں۔ ❸

چنانچہ آپ نے امام ربانی، مفتی ثبت جناب نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مصر بھیجا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نافع کو مصر بھیجا تا کہ وہ انہیں سنن کی تعلیم دیں۔ ❹ اور مدرسہ مصریہ کے تقریباً بیس فقہاء تابعین کو شمالی افریقہ بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن واحادیث کی اور علم دین کی تعلیم دیں تا کہ اس خیر میں وہ بھی شامل ہو جائیں جو ان کے حجازی، شامی اور عراقی مسلمان بھائیوں کو حاصل ہے اور شہر یعنی حجاز، شام اور عراق علم کے قلعے تھے۔ ❺ آپ نے وہاں کے لوگوں کو علوم دینیہ سے آراستہ کرنے اور ان کی عقلوں اور دلوں کو فتح کرنے کے لیے دس علمائے ربانی روانہ کیے اور ان اقالیم کے تعلیمی منصوبے کے لیے مندرجہ ذیل اہداف کو اپنے سامنے رکھا:

الف: ان لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ان علمائے ربانی کا انتخاب کیا جو علم و فقہ اور دعوت و تربیت میں مشہور تھے۔

ب: بربری قبائل سے ناخواندگی کو ختم کرنے اور انہیں لغت عربیہ میں ماہر بنانے کے لیے طویل المیعاد تعلیمی منصوبے تشکیل دیے۔ تا کہ عربیت پر دسترس پانے کے بعد انہیں قرآن کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا آسان

---

❶ سیرة عمر بن عبدالعزیز لابن عبدالحکم نقلاً عن عمر للزحیلی: ۷۴.
❷ سیرة عمر، لابن عبدالحکم: ص ۱۶۰.
❸ ملامح الانقلاب الاسلامی: ص ۱۸۴.
❹ سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۹۷۹.
❺ عمر بن عبدالعزیز، از عبدالستار شیخ، ص: ۶۹۔

ہو جائے۔

ج: لوگوں کو رب تعالیٰ کی مضبوط ترین رسی ''قرآن کریم'' کے ساتھ جوڑنے کا خصوصی اہتمام کیا۔ اس غرض کے لیے آپ نے بلاد اسلامیہ میں جابجا حفظ و تجوید کے مکاتب کھولے۔

د: اہل سنت کے عقائد کو خوب کھول کر بیان کیا۔

ھ: اور لوگوں کو حلال و حرام کی تعلیم سے آراستہ کیا۔ [1]

بہر حال سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی شمالی افریقہ میں کی جانے والی ان مساعی کی برکات کا ظہور ہونے لگا۔ ذیل میں شمالی افریقہ بھیجے جانے والے فقہاء اور ان پر متعین کیے جانے والے نیک امراء کا ترجمہ اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

اسماعیل بن عبیداللہ بن ابی مہاجر.........سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے محرم ۹۹-۱۰۰ ہجری میں انہیں افریقہ کا امیر مقرر کیا۔ اسماعیل بے حد نیک تھے، ابن خلدون لکھتے ہیں: ''اسماعیل کے دور امارت میں سب بربر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے، سیّدنا عمر نے اہل افریقہ کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے ان کے ساتھ دس فقہاء اور علماء بھی روانہ کیے تھے جو لوگوں کو حلال و حرام کی تعلیم دیتے تھے۔ [2] اسماعیل بے حد عابد و زاہد، نیک اور متورع عالم تھے، تواضع و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری تھی، دین اسلام پھیلانے کے بے حد حریص تھے، آپ نے لوگوں کے ساتھ بے حد عادلانہ سلوک کیا، آپ کو احادیث نبویہ خوب یاد تھیں، اصحاب ستہ (سوائے ترمذی کے) اور امام احمد وغیرہ نے آپ سے حدیث روایت کی ہے، ابن عساکر آپ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ''ہمیں قرآن کی طرح حدیث بھی یاد کرنی چاہیے۔'' آپ نے قیروان میں تینتیس سال کی مدت تک معلم اور ناشر سنت بن کر قیام کیا، اور ۱۳۱ ہجری میں وہیں وفات پائی۔ [3]

اسماعیل دینی و ایمانی صلاحیتوں اور علم و ورع کے جامع تھے، آپ کی کاوشوں کے نتیجہ میں شمالی افریقہ میں اسلام بڑی مضبوط بنیادوں پر پھیلا، بلاشبہ اسماعیل کی شخصیت امراء و احکام کے لیے ایک نمونہ ہے۔

ابو ثمامہ بکر بن سوادہ جذامی (متوفی ۱۲۸ ہجری):.........آپ نے شمالی افریقہ میں تیس سال سے زیادہ عرصہ تک ایک عالم محدث، مفسر، مفتی اور فقیہ کی حیثیت سے قیام کیا، وہاں کی عوام نے آپ کی شخصیت سے بھرپور استفادہ کیا، اور آپ سے حدیث بھی روایت کی۔ ابو ثمامہ نے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے حضرت عقبہ بن عامر، حضرت سہل بن سعد ساعدی، حضرت سفیان بن وہب خولانی رضی اللہ عنہم وغیرہ کی احادیث کو قیروان

[1] الشرف والتسامی بحرکۃ الفتح الاسلامی، از دکتور صلابی: ص ۳۰۶۔ ۳۰۷.

[2] تاریخ الفتح العربی فی لیبیا: ص ۱۴۸.

[3] مدرسۃ الحدیث بالقیروان، ۲/ ۱۴- ۲۲.

میں بیان کیا۔ اسی طرح سعید بن میتب، ابن شہاب زہری وغیرہ اور تابعین کی ایک جماعت سے بھی حدیث روایت کی۔ آپ کے شیوخ کی تعداد چالیس تک بتلائی جاتی ہے۔ بے شمار اہل قیروان نے آگے آپ سے حدیث کو روایت کیا جن میں عبدالرحمٰن بن زیادہ اور ابوزرعہ افریقی کے نام سرفہرست ہیں۔ ابوثمامہ حدیث میں ثقہ تھے۔ اسی لیے امام مسلم اور چار محدثین نے ان سے حدیث لی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً اور امام احمد اور طبرانی وغیرہ نے ان کی حدیث نقل کی ہے، باوجودیکہ آپ نے قیروان میں طویل قیام کیا، پھر بھی آپ کو مصری شمار کیا جاتا ہے، آپ نے قیروان (افریقہ) میں وفات پائی۔'' [1]

ابوسعید جُعثل بن عامان الرعینی القتبانی (متوفی: ۱۱۵ ہجری):.........ابوالعرب اور ابن حجر وغیرہ نے انہیں تابعین میں شمار کیا ہے، البتہ انہوں نے ان صحابہ کا نام ذکر نہیں کیا جن سے جعثل روایت کرتے ہیں، جعثل محدث، فقیہ اور مقری تھے۔ آپ قیروان میں فوج کے عہدۂ قضا پر تعینات تھے۔ آپ نے پندرہ سال سے زیادہ عرصہ تک قیروان میں علم کی روشنی پھیلائی۔ اہل قیروان میں سے عبیداللہ بن زمر، عبدالرحمٰن بن زیاد، اور بکر بن سوادہ نے جو آپ کے ہم درس بھی تھے، آپ سے حدیث کو روایت کیا، اکثر ائمہ جرح وتعدیل نے آپ کو ثقہ شمار کیا ہے، ائمہ اربعہ اور امام احمد وغیرہ نے آپ سے حدیث روایت کی ہے۔ ۱۱۵ ہجری میں خلافت ہشام کے زمانہ میں رحلت فرما گئے۔ [2]

حبان بن جبلہ قرشی:.........قریشیوں کے آزاد کردہ غلام تھے، ۱۲۵ یا ۱۲۲ ہجری میں قیروان میں وفات پائی۔ اہل مصر کی تعلیم وتربیت کے لیے بھیجے گئے تھے، آپ نے شمالی افریقہ میں متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حدیث کو بیان کیا، جن میں حضرت ابن عباس، حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو اور ان کے والد ماجد جناب عمرو رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں، آپ نے تقریباً پچیس سال تک قیروان میں علم پھیلایا، لوگوں نے آپ سے خوب استفادہ کیا، عبدالرحمٰن بن زیاد، عبیداللہ بن زحر اور موسیٰ بن علی بن رباح وغیرہ نے آپ سے حدیث کو روایت کیا، ناقدین حدیث نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ''الادب المفرد'' میں ابن سنجر نے اپنی ''مسند'' میں اور حاکم نے ''المستدرك'' میں آپ سے حدیث روایت کی ہے۔ [3]

ابومسعود سعد بن مسعود تجیبی (متوفی بالقیروان):.........آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے حدیث روایت کی جن میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں، آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً احادیث روایت کیں حتیٰ کہ بعض کو آپ کے صحابی رسول تک ہونے کا وہم ہوگیا، اسی لیے اکثر مصادر میں اس بات پر بالخصوص متنبہ کیا گیا ہے کہ آپ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں، قیروان میں سکونت اختیار کر لی اور قرب وجوار میں خوب اسلام پھیلانا، آپ کی مجلس حکیمانہ وعظ وارشاد سے معمور ہوا کرتی تھی۔ امراء پر

[1] مدرسة الحديث بالقيروان: ۲/ ۱۴۔ ۲۲. [2] ایضاً [3] ایضاً

بے حد شدید تھے، مسلم بن یسار افریقی، عبید اللہ بن زحر، اور عبدالرحمٰن بن زیاد وغیرہ اہل قیروان نے آپ سے حدیث کو روایت کیا ہے، جامع ابن واہب میں آپ کی مرویات ہیں، دباغ نے یہ تو ذکر کیا ہے کہ آپ نے قیروان میں وفات پائی۔ لیکن انہوں نے آپ کی تاریخ وفات کو ذکر نہیں کیا۔ [1]

طلق بن جعبان فارسی:.......... ایک روایت میں جعبان کی جگہ جابان کا لفظ بھی مذکور ہے لیکن صحیح پہلا لفظ ہی ہے جیسا کہ ''الاکمال'' میں مذکور ہے، آپ تابعی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کا شرف حاصل تھا، آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے علم سیکھا، آپ کی اکثر مرویات تابعین سے ہیں۔ فقیہ اور عالم تھے۔ اہل قیروان میں موسیٰ بن علی اور ابن انعم نے آپ سے روایت کی ہے، اصحاب تاریخ نے آپ کی قیروان میں مدت قیام اور تاریخ وفات دونوں کو ذکر نہیں کیا۔ [2]

عبدالرحمٰن بن رافع تنوخی (متوفی بالقیروان: ۱۱۳ ہجری):.......... آپ کی کنیت ابوالجہم ہے، ۸۰ ہجری میں حسان بن نعمان کے دور میں قیروان آئے، آپ کا شمار قیروان کے جلیل القدر قاضیوں میں ہوتا ہے، تقریباً تینتیس سال تک قیروان میں علم کی شمعیں جلائے رکھیں۔ بے شمار خلق خدا کو آپ سے فائدہ ہوا۔ آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی اور ایک جماعت صحابہ کی احادیث کو قیروان میں بیان کیا۔ اہل قیروان میں سے عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی، عبداللہ بن زحر کنانی، اور بکر بن سوادہ جذامی وغیرہ نے آپ سے احادیث کو روایت کیا، آپ قیروان کے سب سے پہلے قاضی تھے۔ [3]

عبداللہ بن مغیرہ بن ابی بردہ کنانی:.......... آپ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے خلیفہ بننے سے بھی کافی مدت پہلے سے قیروان میں مقیم تھے، آپ کا شمار قیروان کے مشہور عادل اور متقی علماء میں ہوتا تھا۔ ۹۹ ہجری میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے آپ کے علم وفضل اور دین وتقویٰ کو دیکھتے ہوئے آپ کو قیروان کا قاضی مقرر کر دیا۔ ۱۲۳ ہجری تک آپ نے قضاء کا عہدہ سنبھالے رکھا، پھر یہ عہدہ چھوڑ دیا۔ آپ عابد وزاہد اور متورع عالم تھے، پچیس سال سے زائد عرصہ تک اہل قیروان میں کتاب وسنت کے علوم کو پھیلائے رکھا۔ ابن حبان نے آپ کو ثقہ شمار کیا ہے اور علماء نے آپ کے علم وفضل اور دین وتقویٰ کی گواہی دی ہے۔ [4]

ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید معافری حبلی (متوفی بالقیروان: ۱۰۰ ہجری):.......... ابتدا ہی میں قیروان چلے آئے تھے، شاید ۸۶ ہجری میں موسیٰ بن نصیر کے ساتھ تھے، کیونکہ آپ فتح اندلس میں شریک تھے، پھر قیروان آ کر سکونت اختیار کر لی اور یہیں پر ایک گھر اور ایک مسجد تعمیر کی۔ پھر آپ کو بھی اس تعلیمی وفد

---

[1] مدرسة الحديث بالقيروان: ٢/ ١٤-٢٢.

[2] عصر الدولتين الاموية والعباسية وظهور فكر الخوارج: ص ٤٥.

[3] عصر الدولتين: ص٤٥.

[4] عصر الدولتين: ص ٤٦.

میں شامل کر لیا گیا جو شمالی افریقہ کی تعلیم و تربیت پر تعینات کیا گیا تھا، البتہ آپ کی اس رسمی تعیناتی کے صرف ایک سال بعد ۱۰۰ ہجری میں وفات ہوگئی تھی، لیکن اس کے باوجود مالکی آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''اہل افریقہ نے آپ سے بھرپور استفادہ کیا۔'' آپ نے اہل قیروان میں علوم کو پھیلایا اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حدیث کو بیان کیا جو قیروان میں داخل نہ ہوئے تھے، اور جو قیروان تشریف لائے تھے ان کی حدیث کو تو خوب پھیلایا، آپ نے حضرت ابن عمر، حضرت عقبہ بن عامر، حضرت ابن عمرو اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہم کی احادیث کو بیان کیا، جب کہ اہل قیروان میں سے عبدالرحمٰن بن زیاد، ابوکریب جمیل بن کریب قاضی (متوفی ۱۳۹ ہجری) وغیرہ نے آپ سے حدیث کو بیان کیا، آپ بے حد نیک صالح اور سنت پھیلانے کے بے حد حریص تھے، آپ نے قیروان کی علمی زندگی بالخصوص علم حدیث کو بے حد متاثر کیا، آپ نے مجالس علمیہ کے انعقاد کے لیے قیروان میں ایک مسجد تعمیر کی۔ علمائے نقد نے آپ کی توثیق پر اجماع نقل کیا ہے، مسلم، محدثین اربعہ امام احمد وغیرہ نے اور ابن وہب نے اپنی ''جامع'' میں آپ سے حدیث نقل کی ہے۔ [1]

وہب بن حي معافري:.......... ابن ابی حاتم نے ذکر کیا ہے کہ بعض نے آپ کے نام کو الٹا کر حي بن وہب ذکر کیا ہے، لیکن ابوزرعہ نے اس کی تصحیح کر کے اسے وہب بن حي بتلایا ہے۔ افریقہ میں بہت پہلے جہاد کی غرض سے آئے تھے، کیونکہ "الریاض" اور "المعالم" کی روایت کے مطابق آپ کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (المتوفی ٦٨ ہجری) سے اہل مغرب کے برتنوں کے بارے میں سوال کرنے کا ذکر ہے۔ آپ سیّدنا عمر رحمہ اللہ کے علمی وفد میں سے ایک تھے، قیروان رہ پڑے، خوب علم پھیلایا اور یہیں آسودۂ خاک ہوگئے۔ آپ نے اہل قیروان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی حدیث کو بیان کیا، آپ نے مرسل احادیث بھی روایت کیں، اہل قیروان میں سے عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی وغیرہ نے آپ سے حدیث بیان کی ہے، مآخذ علمیہ آپ کی جرح و تعدیل میں سے کچھ بھی ذکر نہیں کرتے۔ [2]

یہ ان دس فقہاء کا ایک اجمالی تذکرہ ہے جو تابعین میں سے بلند پایہ علماء تھے جن کو سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے شمالی افریقہ بھیجا تھا، آپ کا ان فقہاء کا ساتھ بڑا نیک گمان تھا، یہ دوسروں کے لیے نیک نمونہ تھے ان لوگوں نے اہل بلاد کو احکام دینیہ کی تعلیم دی۔ [3] ان لوگوں کے قرآن کریم، اس کی تفسیر اور حدیث شریف کی نشر و اشاعت میں اور عملی سنتوں اور عقائد صحیحہ کے پھیلانے میں زبردست آثار ہیں۔ ان علماء نے بربروں میں احکام اسلام کو راسخ کرنے اور بیرونی غارتوں کا مقابلہ کرنے میں شمالی افریقہ کے امراء کی زبردست مدد کی۔

---

[1] عصر الدولتين، ص: ٤٦.
[2] مدرسة الحديث بالقيروان: ٢/ ١٤-٢٢.
[3] عصر الدولتين: ص ٤٧.

مالکی روایت کرتے ہیں کہ جب ۱۲۴ ہجری میں طنجہ کے مقام پر خارجیوں نے حنظلہ بن صفوان کے خلاف خروج کیا تو حنظلہ نے انہی علماء کو اکٹھا کیا جن کو سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے شمالی افریقہ بھیجا تھا۔ ان علماء نے مسلمانوں کی علمی اور عملی رہنمائی کے لیے یہ رسالہ لکھا: ''کتاب و سنت کے سب علماء جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں دس قسم کی آیات مذکور ہیں جن میں یہ مضامین ہیں: ''امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جنت کی بشارت، جہنم کا ڈراوا، اگلوں پچھلوں کی خبریں، محکم آیات جن پر عمل واجب ہے، متشابہ آیات جن پر ایمان لانا واجب ہے، حلال پر عمل کرنے کا حکم دینے والی آیات اور حرام سے روکنے والی آیات اور امثال و مواعظ'' پس جس نے امر بالمعروف کرنے والی آیات کی اطاعت کی اور روکنے والی آیات نے اس کو روک دیا تو وہ جنت کی بشارت دینے والی آیات کی بشارت لے لے اور اس نے جہنم سے ڈر کر دکھلا دیا، اور جس نے قرآن کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا اور اختلافی امور میں علم کو اللہ کی طرف پھیر دیا اور ساتھ ہی واضح طاعت اور نیک نیت بھی رکھی تو بے شک وہ کامیاب ہوا اور فلاح پا گیا۔ اور اس نے نجات پائی اور اسی کو دنیا و آخرت کی زندگی نصیب ہوئی۔ ''والسلام'' [1]

بے شک یہ رسالہ ایک زبردست علمی وثیقہ اور دستاویز شمار کیا جاتا ہے جو بتلاتا ہے کہ اس علمی وفد کی علمی بنیاد کیا تھی اور ان کے سامنے کون سے شرعی مقاصد تھے، اس رسالہ کی افادیت کے پیش نظر اس کو پورے افریقہ کے منبروں پر پڑھ کر سنایا گیا تھا۔ [2]

۵۔ ہند وغیرہ کے ملوک و حکام کی طرف سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دعوتی خطوط

آپ نے ہند کے ملوک و حکام کو دعوتی خطوط روانہ کیے اور انہیں اس شرط پر اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی کہ ان کے علاقوں پر انہی کی حکومت برقرار رہے گی اور ان کے حقوق و واجبات بھی وہی ہوں گے جو باقی مسلمانوں کے ہیں جیسا کہ گزشتہ میں بیان کیا جا چکا ہے، آپ کی سیرت و عدالت کا چرچا سن کر جیشبہ بن داہر اور دوسرے ملوک ''اسلام'' لے آئے۔ [3] اور اپنے عربی نام رکھ لیے۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور یزید بن عبدالملک کے ادوار تک ملوک سندھ مسلمان بن کر اپنے اپنے علاقوں پر حکمران رہے۔ [4] آپ نے ان لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ان کی طرف علماء روانہ کیے۔ [5] اسی طرح آپ نے ماوراء النہر کے ملوک کو بھی دعوت اسلام کے خطوط لکھے جس کے نتیجے میں بعض حاکموں نے اسلام قبول کر لیا۔ [6] جبکہ قیصرِ روم ''الیون'' کی طرف آپ نے عبدالاعلیٰ بن ابی عمرہ کی قیادت میں دعوتِ اسلام کے لیے ایک وفد بھیجا تھا۔ [7]

---

[1] ریاض النفوس للمالکی: ۱/ ۱۰۲۔ ۱۰۳ . [2] عصر الدولتین: ص ۴۸ . [3] فتوح البلدان: ص ۴۲۸ .
[4] الکامل فی التاریخ نقلا عن عمر بن عبدالعزیز وسیاسته فی ردّ المظالم: ص ۱۷۳ .
[5] عمر بن عبدالعزیز وسیاسته فی رد المظالم: ص ۱۷۳ . [6] فتوح البلدان: ص ۴۱۵ .
[7] البدایة والنهایة نقلا عن عمر بن عبدالعزیز وسیاسته فی رد المظالم: ص ۱۷۳ .

۶۔ غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب

آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں غیر مسلموں کی مالی امداد کر کے ان کی خوب تالیفِ قلب کی تاکہ کسی طرح یہ لوگ اسلام لے آئیں۔ ابن سعد، عیسیٰ بن ابی عطاء سے روایت کرتے ہیں، جو شامی اور اہل مدینہ کے دیوان پر مامور تھے، وہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ ''کبھی کبھی آپ غیر مسلموں کی تالیفِ قلب کے لیے انہیں مال عطا فرماتے تھے۔'' [1] اور ایک روایت میں ہے کہ ''آپ نے ایک نصرانی بطریق کو اسلام پر لے آنے کے لیے ایک ہزار دینار دے کر اس کی تالیفِ قلب کی۔'' [2]

۷۔ ذمیوں کے لیے اصلاحات

ذمیوں کی بابت آپ نے بے حد انصاف سے کام لیا، چنانچہ مسلمان ہو جانے والے ذمیوں پر سے جزیہ کو ختم کیا جس سے ذمی بے حد متاثر ہوئے اور وہ اسلام میں پہلے سے زیادہ شوق وذوق کے ساتھ داخل ہونے لگے۔ اگرچہ اس سے بیت المال کی آمدنی اچھی خاصی متاثر ہوئی لیکن آپ نے اس کی مطلق پروا نہ کی۔ چنانچہ آپ نے والی خراسان جراح بن عبداللہ حکمی کو باضابطہ حکم لکھ بھیجا کہ نومسلم ذمیوں کو جزیہ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ [3] پھر ذمیوں کو اسلام لے آنے کی دعوت بھی دی، اور والی خراسان کو یہ حکم بھی لکھ بھیجا کہ ''وہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر کوئی مسلمان ہوتا ہے تو اس کا جزیہ ختم کیا جائے اور اس کے حقوق وواجبات مسلمانوں جیسے مقرر کیے جائیں۔'' [4] جس کے نتیجہ میں ہزاروں لوگ بخوشی اسلام میں داخل ہوئے اور خود والی خراسان کے ہاتھ پر چار ہزار ذمیوں نے اسلام قبول کیا۔ [5] ایسا ہی مغرب میں بھی ہوا۔ چنانچہ والی مغرب اسماعیل بن عبداللہ بن ابی مہاجر کے ہاتھ پر بے شمار بربروں نے اسلام قبول کیا۔ [6]

یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ حکمت اور نیک نصیحت کے ساتھ اسلام کی دعوت دینے میں کتنی گہری نگاہ رکھتے تھے جس کے نہایت قابل قدر ایجابی نتائج نکلے، بلکہ بعض تو ایسے پختہ مسلمان بنے کہ جہاد میں شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے اور بعض نے رعایا ہوتے ہوئے اور مسلمانوں میں رہتے ہوئے مجاہدین کی زبردست مالی امداد کی۔ انہی نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں خلافت اسلامیہ کے یہ ذمی دوسروں سے بدرجہ اولیٰ اسلام کی دعوت دیئے جانے کے لائق تھے۔

---

[1] الطبقات: ۵/ ۳۵۰.

[2] ایضًا

[3] تاریخ الطبری نقلا عن عمر بن عبدالعزیز و سیاسته فی رد المظالم: ۱۷٤ .

[4] الطبقات: ۵/ ۳۸٦.

[5] ایضًا

[6] فتوح البلدان: ص ۲۳۲، ۲۳۳ .

یوں اس حکیمانہ اور خیر خواہانہ اسلوب کے ساتھ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اسلام بھی پھیلاتے رہے اور جہاد کے محاذ پر بھی ڈٹے رہے، اور اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے آپ نے ان علمائے ربانی کی خدمات لیں جو خلافت امویہ کے دور میں قائم کردہ مدارس علمیہ کے متخرجین تھے، ان مبلغ علماء نے آپ کے دعوتی و علمی منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

چھٹی فصل:

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دَور کی مالی اصلاحات

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مالی سیاست شخصی اور خود ساختہ نہ تھی بلکہ آپ کے سامنے پوری اسلامی قلمرو تھی۔ اس لیے آپ ہر قدم خوب سوچ سمجھ کر اٹھاتے تھے اور جس کام کا بھی عزم کرتے اس کے لیے ضمانتیں مقرر کرتے۔ [1] آپ کی مالی سیاست کا مدار مندرجہ ذیل امور پر تھا:

کتاب وسنت کا التزام:.........اور اس رستے میں ہر قسم کی قربانی دینے سے مطلق دریغ نہ کرنا۔ اور یہ بات آپ کے ان خطوط سے واضح ہو کر سامنے آتی ہے جو آپ نے اپنے عاملوں کو لکھے، چنانچہ ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد حضرات خلفائے راشدین مہدیین رضی اللہ عنہم نے ایسی سنتیں مقرر کی ہیں جن پر چلنا کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھام لینا اور اللہ کے دین کو مضبوط کرنا ہے، لہٰذا کسی کو ان سنن میں تغییر وتبدیلی کرنے کا یا ان کے کسی حکم کے خلاف چلنے کا کوئی حق نہیں۔'' [2]

عدل وانصاف کی اقدار کو راسخ کرنا اور ظلم وستم کی روش کو ختم کرنا:.........آپ کی سیاست کی اصل اساس و بنیاد یہی امر تھا، چنانچہ آپ کی تمام کاوشیں اور اہداف اسی اصل واساس کے ساتھ مربوط اور جڑے ہوئے تھے۔ بلا شبہ ظلم کا قلع قمع کرنا اور حق کو قائم کرنا شریعت کے اصول اور اس کے مقاصد رئیسہ میں سے ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید: ۲۵)

''بلا شبہ یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کو نازل کیا، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔''

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''شریعت کی بنیاد واساس، معاش ومعاد میں بندے کی مصلحتوں اور حکمتوں پر ہے جو سب کی سب عدل، رحمت، حکمت اور مصلحت ہیں۔ لہٰذا جو مسئلہ بھی عدل سے ظلم کی طرف، رحمت سے زحمت کی طرف، مصلحت سے مفسدہ کی طرف اور حکمت سے لغویت کی طرف نکل جائے وہ شریعت

---

[1] السیاسة الاقتصادیة والمالیة لعمر بن عبدالعزیز: ص ۲۷.

[2] سیرة عمر لابن عبدالحکم: ص ۳۸.

میں سے نہیں ہو سکتا۔'' ❶

جب بھی غلطی واضح ہو جاتی، آپ فوراً حق کی طرف رجوع کر لیتے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''میرے لیے اس (فیصلے پر لگی لاکھ وغیرہ کی) مہر کو توڑنے اور اس صادر شدہ فیصلے کو رد کرنے سے زیادہ آسان اور سہل دوسری کوئی چیز نہیں جس کا میں فیصلہ دے دوں، پھر حق کو اس کے ماسوا میں دیکھوں تو میں اس فیصلہ کو فی الفور ختم کر دیتا ہوں۔'' ❷

۱......سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اقتصادی سیاست کے اہداف

ہم ذیل کے عناوین کے تحت اس کا قرار واقعی جائزہ لے سکتے ہیں:

ا۔ قومی آمدنی اور دولت و ثروت کی عادلانہ تقسیم

آپ نے قومی وسائل و ذرائع، آمدنیوں اور دولت کو ایسے عادلانہ طریقے سے تقسیم کیا جو رب تعالیٰ کی مرضی کے عین مطابق تھا، آپ نے حق و انصاف کی اقدار کو زندہ اور قائم کیا جو آپ کی زندگی کا نصب العین تھا، آپ نے گزشتہ خلفاء کی ناررروائیوں اور رعایا پر ان کے سلبی اثرات کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا، چنانچہ آپ سلیمان بن عبدالملک کی تقسیم دولت کی بابت سیاست پر تنقید کرتے ہوئے ان سے کہتے ہیں: ''میں نے دیکھا ہے کہ آپ کی اہل ثروت پر نوازشات کہیں زیادہ ہیں جبکہ آپ نے فقراء کو یکسر بھلا دیا ہوا ہے اور ان کو ان کے فقر و فاقہ کے حوالے کر دیا ہے۔'' ❸

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس بات کا ادراک کر لیا تھا کہ معاشرے میں طبقاتی تقسیم قومی خزانے کی غیر منصفانہ تقسیم کا نتیجہ ہے، چنانچہ آپ نے اپنی نئی سیاست کی بنیاد فقراء و مساکین کو انصاف فراہم کرنے پر رکھی، آپ نے اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل عملی اقدامات اٹھائے:

- آپ نے امراء اور بڑے طبقوں کے لوگوں کا قومی دولت پر قبضہ کرنے کا رستہ بند کیا، ظلماً چھینی گئی املاک اور اموال کو امراء اور اہل ثروت کے پنجہ استبداد سے واگزار کرایا اور ان کو ان کے مالکوں تک پہنچایا اور اگر ان جائیدادوں کے مالک نہ مل سکے تو ان کو بحقِ سرکار ضبط کر کے بیت المال میں جمع کرا دیا یا پھر ان اموال اور جائیدادوں کو رفاہِ عامہ کے لیے مختص کر دیا۔
- فقراء، مساکین اور تنگ دستوں پر زیادہ خرچ کیا، محروموں کو دوسری کی بہ نسبت زیادہ نوازا۔ یہاں تک کہ ان کی گزر بسر آسانی سے ہونے لگی اور اس غرض کے لیے آپ نے زکوٰۃ اور بیت المال کی

---

❶ اعلام الموقعین: ۳/ ۳. ❷ سیرة عمر لابن الجوزی: ص ۱۱۳.

❸ سیرة عمر لابن عبدالحکم: ص ۱۳۵.

آمدنیوں کی دوسری مدات سے خدمت لی۔ ❶

یہ تھی آپ کی اقتصادی سیاست اور ردمظالم کے باب میں آپ کا منہج جس کی کافی تفصیل گزشتہ اوراق میں بیان کی جا چکی ہے، آپ کا ہدف تھا کہ ضرورت مندوں تک بقدر کفایت روزی ضرور پہنچے۔ چنانچہ ایک دن آپ نے لوگوں میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ ہمارا دولت مند طبقہ جمع ہو کر اپنی دولت فقراء پر تقسیم کر دے یہاں تک کہ ہم اور غریب غرباء سب برابر ہو جائیں۔ (اور اس کام کے لیے سب سے پہلے میں حاضر ہوں) اور میں ان کے سب سے زیادہ قریب ہونا چاہتا ہوں۔'' ❷

آپ نے اس کی علمی اور عملی تطبیق بھی کی۔ اور عمال کو لکھ بھیجا کہ مقروضوں کے قرض ادا کرنے کا بیت المال کی طرف سے انتظام کیا جائے، اس پر ایک عامل نے خط لکھ بھیجا کہ کیا ایسے مقروض کا قرضہ بھی دیا جائے جس کے پاس رہنے کو گھر، سواری اور خادم بھی ہو؟'' تو آپ نے جواب دیا کہ ''ہاں! رہنے کو گھر گزران کو سامان، خدمت کے لیے خادم اور جہاد کے لیے گھوڑا ہونا ہر مسلمان کی بنیادی ضرورت ہے، اگر ایسا آدمی بھی مقروض ہو تو اس کا قرض بھی ضرور ادا کرو۔'' ❸

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی قومی دولت کی تقسیم کی بابت سیاست کا بنیادی ہدف لوگوں کی کفایت کرنا تھا تا کہ ہر شخص کو گھر، سواری اور اثاثۃ البیت میسر آ سکے۔ جن کو آج کی اصطلاح میں ''بنیادی ضروریات'' کہتے ہیں۔ یعنی آپ کا بنیادی ہدف لوگوں کو ان کی بنیادی ضروریات فراہم کرنا تھا اور بنیادی ضرورت اس شی کو کہتے ہیں جس کے بغیر زندگی گزارنا دوبھر ہو جائے۔ ❹

۲۔ اقتصادی ترقی اور معاشرتی خوشحالی کو یقینی بنانا

آپ نے اس اہم ہدف کو حاصل کرنے کے لیے متعدد وسائل استعمال کیے، اقتصادی ترقی کے لیے مناسب ماحول فراہم کرنا بھی ناگزیر تھا اور اس کے لیے فتنوں کی سرکوبی، مظلوموں کی دادرسی، ردمظالم اور امن کا قیام بنیادی ضرورت تھا، تب ہی رعایا اپنے حقوق کی بابت مطمئن اور اپنے ٹھکانوں، مکانوں، دوکانوں اور گردوپیش کے ماحول میں بے خوف ہو کر زندگی گزار سکتی ہے، اسی طرح آپ نے عوامی، شہری اور ملکی ترقیاتی کاموں میں بھی بے حد دلچسپی لی جن کو آج کل کی زبان میں ''بنیادی ترقیاتی کام'' کہا جاتا ہے۔ جیسے سڑکیں تعمیر کرنا، ذرائع رسل ورسائل و مواصلات تشکیل دینا، نہریں کھدوانا، کنویں تعمیر کرانا، عوام کو پانی پہنچانا وغیرہ

❶ السياسة الاقتصادية والمالية لعمر بن عبدالعزيز: ص ٣٥.

❷ الادارة الاسلامية فى عز العرب، از محمد على كرد: ص ١٠٣.

❸ سيرة عمر لابن عبدالحكم: ص ٤٢.

❹ السياسة الاقتصادية والمالية لعمر: ص ٣٨.

کہ کسی بھی ملک کی اقتصادی ترقی ان بنیادی ترقیاتی کاموں کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ آپ نے شرعی حدود وقیود میں رہتے ہوئے ہر شخص کو اقتصادی ترقی کی پوری پوری آزادی دی جس سے بلاد و امصار میں بے شمار خوشحالی آئی۔ اس کا تفصیلی بیان گزشتہ میں ''کسب وتجارت کی آزادی'' کے ذیل میں گزر چکا ہے۔

۲......خلافت کی اقتصادی ترقی کے لیے وسائل کا بیان

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خلافت کی اقتصادی ترقی کے لیے جن وسائل کو اختیار کیا، ان کا بیان ذیل میں اختصار کے ساتھ کیا جاتا ہے:

ا۔ اقتصادی ترقی کے لیے مناسب ماحول فراہم کرنا

اس غرض کے لیے آپ نے مندرجہ ذیل عملی اقدامات کیے:

الف: حقداروں کو ان کے حقوق دلوانا:.......... چنانچہ آپ نے امن وامان کی فضا قائم کی، حق وانصاف کی اقدار کو راسخ کیا۔ لوگوں کو ان کے چھینے ہوئے حقوق دلوائے اور ان کا نام ''مظالم'' رکھا۔ [1] اس بابت گزشتہ میں ''ردِ مظالم کی بابت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیاست'' کے عنوان کے تحت سیر حاصل گفتگو کی جا چکی ہے۔

ب: مشروط اقتصادی آزادی:.......... اس بابت آپ نے اپنے عاملوں کو لکھا: ''رب تعالیٰ کی اتاری کتاب کی اطاعت میں سے یہ بات ہے کہ لوگوں کو پورے اسلام کی دعوت دی جائے اور یہ کہ لوگ بری اور بحری تجارت کی غرض سے اپنا مال لے کر نکلنا چاہیں تو ان کو منع نہ کیا جائے اور نہ روکا جائے۔'' [2]

ایک اور موضوع کے تحت گزشتہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ نے پلوں اور سڑکوں پر سے گزرنے کے لیے ہر قسم کے ٹیکس کو ختم کر دیا تھا کیونکہ آپ برے عاملین خلافت کے حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے۔ [3]

یہ کہ آپ نے مارکیٹ کی نرخ بندی میں کوئی مداخلت نہ کی۔ اور لوگوں کو اشیائے صرف کے بھاؤ مقرر کرنے کی مکمل آزادی دی جس کی قدرے تفصیل ''کسب وتجارت کی آزادی'' کے ذیل میں عبدالرحمن بن شوبان کی روایت سے بیان کی جا چکی ہے۔

البتہ آپ نے تجارت اور کسب کی اس آزادی کو شرعی قوانین اور حدود وقیود کے ساتھ مقید کیا ہوا تھا، اسی لیے آپ نے حرام اشیاء کی خرید وفروخت پر سخت پابندی لگا دی۔ جن میں سر فہرست ساری برائیوں کی جڑ ''شراب'' تھی۔ چنانچہ آپ نے اس کی حرمت وضرر کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں پر اس کے لین دین کی سخت ممانعت عائد کر دی کیونکہ یہی شراب حرام مال کھانے اور ناحق خون کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ چنانچہ

[1] السياسة الاقتصادية والمالية: ص ٤٣ . [2] سيرة عمر لابن عبدالحكم: ص ٩٤ .

[3] الادارة الاسلامية، از محمد كرد: ص ١٠٥ .

آپ نے یہ سرکاری حکم جاری کیا کہ "شراب کی ممانعت کے بعد جو بھی شراب پیتا (یا بیچتا اور خریدتا) پکڑا گیا اس کو سخت جسمانی سزا دینے کے بعد اس پر بھاری مالی جرمانے بھی عائد کیے جائیں گے۔ اور ہم ایسے شخص کو دوسروں کے لیے بھی عبرت بنائیں گے۔ ❶

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ان عملی اقدامات کے بعد خلافت میں اقتصادی ترقی کی راہ ہموار ہوئی، رکاوٹیں دور ہوئیں، لوگوں کو کام کرنے اور بقدر محنت کمانے کی مکمل آزادی ملی، جس سے تجارت کے حجم میں اضافہ ہوا، خلافت کی درآمدات و برآمدات کی شرح میں تیزی آئی، مزید برآں یہ کہ لوگوں کی آمدنیوں کے بڑھنے سے زکوٰۃ کی مقدار میں بھی اضافہ ہوا۔ اور جب فقراء و مساکین میں پہلے سے کہیں زیادہ زکوٰۃ تقسیم ہوئی تو ان کے معیارِ زندگی میں بھی بہتری آئی۔ ان کی قوت خرید میں اضافہ ہوا اور اب سہولیات زندگی تک تنگدست طبقے کی رسائی بھی بآسانی ہونے لگی، اس پر مستزاد یہ کہ اشیائے ضروریات وصرف کی طلب اور محنت کی طلب میں بھی اضافہ ہوا جس سے اقتصادی ترقی کے ساتھ ساتھ معیشت کی سطح بلند ہوئی اور خوشحالی میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ ❷

۲۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی جدید زرعی سیاست

آپ نے قومی زرعی پیداوار کی ترقی کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے:

الف: خراجی زمین بیچنے کی ممانعت:.......... لوگوں نے عبدالملک بن سلیمان، ولید اور مروان سے ذمیوں سے زمین خریدنے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے اس شرط پر اجازت دے دی کہ وہ ان کی قیمتوں کو بیت المال میں جمع کروائیں گے۔ جب آپ خلیفہ بنے تو آپ نے یہ معاملہ اپنے حال پر ہی رہنے دیا کیونکہ اب ان اموال سے عورتوں کی مہر، قرضوں کی ادائیگی کی جا رہی تھی اور مواریث کا مسئلہ بھی ان اموال سے وابستہ ہو چکا تھا، اس لیے آپ اس معاملہ کو ختم نہ کر سکتے تھے۔ البتہ ۱۰۰ ہجری کو آپ نے ایک خط اپنے عاملوں کو لکھا کہ "۱۰۰ ہجری کے بعد جس نے بھی (ان زمینوں میں سے) کچھ خریدا تو اس کی بیع مردود ہوگی۔" اور اس سال کو "مدت کا سال" کا نام دیا۔ چنانچہ اس کے بعد لوگ خراجی زمینوں کی بیع وشراء سے رک گئے۔ ❸

جب مالکان زمین نے آپ سے اس بات کا مطالبہ کیا کہ آپ ان پر صدقہ کی بجائے خراج مقرر کریں تو آپ نے انہیں یہ جواب لکھ بھیجا کہ "میں ان زمینوں سے زیادہ، جن کو رب تعالیٰ نے ان کے لیے فے (یعنی مال غنیمت) بنایا ہے، کسی چیز کو اسلام کو بنیادی ضروریات فراہم کرنے والا نہیں سمجھتا۔" اس پر ابوعبیدہ لکھتے

---

❶ سیرة عمر لابن عبدالحکم: ص ۱۰۳ .

❷ سیاسة الانفاق العام فی الاسلام ، از عوف کفراوی : ص ۳۷۲ .

❸ الخراج للریس: ص ۳۹۰ .

ہیں کہ گویا کہ ان زمینوں کے بارے میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا مذہب یہ تھا کہ یہ زمینیں مال فے ہیں اس لیے آپ نے ان زمینوں کو مالکان کو زمینیں بیچنے سے منع فرما دیا۔'' ❶

آپ نے میمون بن مہران کو لکھا کہ ''لوگوں کو یہ زمینیں مت بیچنے دو کہ یہ تو مسلمانوں کے مال فے کو بیچ رہے ہیں۔'' ❷ اسی طرح جو ذمی مسلمان ہوتے تھے آپ ان کی زمینوں کو خراجی کی بجائے عشری بنانے پر بھی تیار نہ ہوتے تھے۔ ❸ اور ان پر خراج اور عشر دونوں کو باقی رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''خراج تو زمین پر ہے اور عشر پیداوار پر ہے۔'' ❹ یوں آپ نے زرعی پیداوار کے بنیادی وسیلہ کو بجائے چھوٹی چھوٹی مالکیتوں کے حوالے کرنے کے اس کو عوام کی ملک عام بنا دیا۔ ❺

ب: کسانوں پر خصوصی توجہ اور زرعی ٹیکسوں میں کمی:.......... آپ سے پہلے کے اموی خلفاء نے کسانوں کو قسم قسم کے ٹیکسوں کے بوجھ تلے پیس کر رکھا ہوا تھا، حتیٰ کہ کسانوں نے عاجز آ کر کاشتکاری سے ہاتھ اٹھا لیے، یوں زمینیں بنجر اور ویران ہونے لگیں، جس سے خلافت کے مالی وسائل کو شدید نقصان پہنچنے لگا۔ اموی خلفاء کے ظالمانہ ٹیکسوں کے ہاتھوں تنگ آ کر کسان اپنے مویشیوں اور کپڑوں تک کو بیچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ ❻ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خلافت سنبھالتے ہی سب سے پہلے تمام غیر شرعی ٹیکسوں کا خاتمہ کیا اور اس بابت جملہ اصلاحات کو کتابی شکل میں تمام بلاد و امصار کے عاملوں کو لکھ بھیجا۔ اموی خلفاء کس کس نام سے ٹیکس لیتے تھے اس کا اندازہ اس خط سے لگایا جا سکتا ہے، آپ لکھتے ہیں: ''اہل کوفہ پر زرعی ٹیکسوں کی بابت بے حد ظلم ڈھایا گیا ہے یہ سب خبیث طریقے برے عاملوں کے جاری کردہ ہیں جن کو فوری طور پر ختم کیا جائے، خراج میں صرف سات مثقال وزن کا درہم ہی وصول کیا جائے۔ اس کے علاوہ زمینوں کی پیمائش کرنے والوں کی اجرت کے نام کا ٹیکس یا نقدی پرکھنے والے صراف کی اجرت کے نام پر کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ اور آج کے بعد نیروز اور مہرجان ❼ ایرانی مجوسیوں کی عید کے دن کے نام کے ہدیے بھی بند۔ آج کے بعد ٹیکس وصولی کی چٹ کی قیمت بھی ٹیکس دہندگان سے وصول نہ کی جائے گی اور مقامی بیت المال کے خرچے بھی عوام پر نہ ڈالے جائیں گے۔'' ان کے علاوہ آپ نے بصرہ میں مروج اقرار نامہ اور کفالت کے طریق کو بھی کالعدم قرار دیا

---

❶ الاموال لابی عبید، ص ۱۲۱، رقم: ۲۵۶.

❷ الاموال لابی عبید: ص ۱۲۲۔ رقم: ۲۵۷.

❸ السیاسة المالیة والاقتصادیة لعمر: ص ۵۰.

❹ الاموال لابی عبید: ص ۱۱٤۔ رقم ۲۳۵.

❺ الخراج: ص ۲۳۹.

❻ الضرائب فی السواد، للدوری: ص ۵۷.

❼ نیروز یا نوروز، ایرانی شمسی سال کا پہلا دن جو اکیس مارچ کو ہوتا ہے، عید نوروز ایرانیوں کا سب سے بڑا تہوار ہوتا ہے۔ مہرجان: کسی قابل ذکر واقعہ کے جشن یا تقریب کو کہتے ہیں یہ فارسی کا لفظ ہے اور یہ جشن ایرانی مناتے ہیں۔ (القاموس الوحید: ص ۱۵۸۸، ۱۷۲٤) (مترجم) ایرانی ان دونوں تہواروں پر ہدیے پیش کرتے ہیں۔ (صلابی)

(جس میں خراج کی وصولی کے لیے ذمہ میں واجب مقدار کا کسی کو کفیل بنا کر اس سے اتنی رقم لے لی جاتی تھی)۔ آپ نے خراج کی مقدار کا اندازہ کرنے کے رائج طریق کو بھی ختم کر دیا۔ وہ یوں کہ خراج کی وصولی کرنے والے پھلوں کا نرخ بہت زیادہ لگا کر اس کی نقد قیمت مزارعین سے وصول کرتے یوں انہیں مارکیٹ ریٹ سے مہنگے داموں خراج کی رقم دینی پڑتی جو کسانوں کی کمر توڑ کے رکھ دیتی۔

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خراج کا نرخ وہ مقرر کیا جو بازار میں چل رہا ہو، چنانچہ آپ نے ایک عامل کو لکھا: ''مجھے اس بات کا علم ہوا کہ تمہارے عامل ایرانیوں سے خراج کی رقم وصول کرتے وقت بازار کے بھاؤ سے زیادہ قیمت وصول کرتے ہیں۔'' پھر آپ نے اس بات کی تحقیق کے لیے بشر بن صفوان اور عبداللہ بن عجلان کو بھیجا۔ جنہوں نے جا کر جائزہ لیا اور زیادہ قیمت کو رد کر کے بازار کا بھاؤ مقرر کیا۔ [1]

اسی طرح آپ نے اہل یمن پر مقرر کیے گئے ناجائز ٹیکسوں کو بھی ختم کیا جیسے ان لوگوں سے عشر کی زمینوں کے مالک ہونے کے باوجود خراج لیا جاتا تھا۔ چنانچہ آپ نے عامل یمن کو خط لکھا کہ ''آپ نے مجھے خط لکھ کر اس بات کی خبر دی ہے کہ آپ کو یمن جانے کا اتفاق ہوا۔ اور وہاں آپ کے دیکھنے میں یہ بات آئی کہ ان لوگوں پر جزیہ کی طرح خراج کے نام پر ٹیکس کی ایک خاص مقدار مسلط کی گئی ہے جو انہیں ہر حال میں دینی ہے، چاہے جئیں یا مریں اور چاہے پیداوار ہو یا نہ ہو۔ سبحان اللہ! ثم سبحان اللہ! میرا یہ خط ملتے ہی باطل کو حق میں بدل دیجیے۔ پس آپ حق پر عمل شروع کر دیجیے چاہے اس کی زد میں یا آپ آ جائیں اور چاہیں ہماری روحیں نکل جائیں اور چاہے مجھے سرزمین یمن سے مٹھی بھر ''کستم'' [2] پہنچے۔ اللہ شاہد ہے کہ اگر وہ برحق ہے تو مجھے اتنی معمولی شی سے بھی بے حد خوشی ہوگی...... والسلام'' [3]

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے گزشتہ ظالمانہ رویوں پر کس قدر شدت کے ساتھ انکار کیا اور اپنے عاملوں کو بھی اس بابت لکھ بھیجا۔ بلاشبہ ان ظالمانہ ٹیکسوں نے خلافت کی اقتصادی حالت پر نہایت برے اثرات مرتب کیے تھے۔ چنانچہ کسانوں نے تنگ آ کر کاشتکاری چھوڑ دی جس سے پیداوار میں زبردست کمی آئی اور بیت المال کو شدید خسارے کا سامنا کرنا پڑا۔ جبکہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ حق پر چلنے پر مصر تھے۔ آپ ٹیکس کی مقدار نہیں بلکہ پیداوار کی شرح فیصد اور کیفیت کو سامنے رکھتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ آپ ظالمانہ ٹیکسوں کو اکٹھا کرنے کے ہرگز بھی روادار نہ تھے۔ [4]

---

[1] الضرائب فی السواد: ص ٦٥ .

[2] کستم: ایک پودا جس کے بیجوں سے قدیم زمانہ میں روشنائی بنائی جاتی تھی اور بالوں کو خضاب کیا جاتا تھا۔ (القاموس الوحید: ص ١٣٨٧ ...... (مترجم)

[3] سیرة عمر لابن عبدالحکم، ص: ١٢٦ .

[4] السیاسة الاقتصادیة والمالیة لعمر: ص ٥٢ .

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ''ظالمانہ ٹیکسوں کو ختم کرنے کی سیاست'' نے خلافت کی اقتصادی ترقی میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ❶

ج: بنجر زمینوں کی آباد کاری، تعمیر اور اصلاح:.......... آپ نے لوگوں کو اس بات کی زبردست ترغیب دی کہ وہ بنجر زمینوں کو آباد کریں اور ان میں کاشتکاری کر کے انہیں مفید، کارآمد اور پیداواری بنائیں۔ چنانچہ آپ نے عاملِ کوفہ کو خط لکھا: ''بنجر زمین کو پیداواری اور پیداواری زمین کو بنجر زمین پر محمول مت کرو۔'' ❷ بنجر زمین پر اس کی پیداوار کے بقدر خراج مقرر کرو اور اس کی آباد کاری کا انتظام کرو یہاں تک کہ وہ پیداوار کے لائق ہو جائے اور پیداواری زمین کے مالکان سے نرمی کے ساتھ صرف خراج ہی لو اور ان پر ان ہی لوگوں کو آباد رکھو۔'' ❷

آپ نے یہ بھی لکھ بھیجا: ''جس نے کسی زمین کو پانی لگا کر اس پر قبضہ کر لیا وہ اسی کی ہے۔'' حکیم بن زریق سے روایت ہے وہ کہتے ہیں: ''میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا وہ خط پڑھا ہے جو انہوں نے میرے والد کو لکھا تھا کہ ''جس نے کھیتی کر کے یا کوئی عمارت بنا کر مردہ زمین کو زندہ کیا تو وہ اسی کی ہے جب تک کہ اس کو کسی نے اپنے پیسوں سے خریدا نہ ہو یا اس کے ایک حصہ کو زندہ کر کے دوسرے کو چھوڑ دیا ہو۔ پس جن لوگوں نے اس زمین کو زندہ کیا ہے انہیں اس میں کھیتی کرنے یا عمارت بنانے کی اجازت دو۔'' ❸

آپ نے لاوارث زمینوں سے فائدہ اٹھانے کی زبردست ترغیب دی۔ البتہ آپ کے نزدیک لاوارث زمینوں پر ملکیت بیت المال کی باقی رہے گی۔ اور جو اس میں کاشت کر کے فصل اگاتا ہے، وہ زمین اسے بطور جاگیر نہیں دی جائے گی۔ البتہ آپ نے ایسی زمینوں کو نصف پیداوار کی شرط پر بطور مزارعت کے دینے کا حکم دیا۔ اور یہ بھی کہا کہ اگر کوئی تیار نہیں ہوتا تو ثلث پر مزارعت کی پیش کش کرو، پھر بھی اگر کوئی تیار نہیں ہوتا تو ربع پر آجاؤ اور اگر ہوتے ہوتے عشر پر بھی کوئی تیار نہیں ہوتا تو پھر کسی کو عطیہ کر دو۔ اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی اس میں کاشت کرنے کو تیار نہیں ہوتا تو پھر بیت المال کے خرچ پر اس میں کھیتی باڑی کرو۔'' ❹

یہیں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو غیر آباد زمینیں آباد کرنے کا کس قدر اہتمام تھا، کسانوں کے ساتھ آپ کے حسن سلوک اور انہیں ظالمانہ ٹیکسوں سے آزاد کرنے کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شامی فوجی دستہ کسی شخص کی کھیتی کے پاس سے گزرا اور اس کو برباد کرتے ہوئے آگے چل دیا۔ جب اس آدمی نے فوجیوں کی اس ناروا حرکت کی خبر آپ کو دی تو آپ نے دس ہزار دراہم اس شخص کے نقصان کے عوض میں ادا کیے۔ ❺

---

❶ السیاسة الاقتصادیة والمالیة لعمر: ص ٥٣.
❷ الاموال لابی عبید، رقم: ١٢٠ ص ٥٧.
❸ الاموال: رقم ٧١٧۔ ص: ٣٦٩.
❹ الخراج: ص ٩٩۔ از یحیٰ بن آدم.
❺ سیرة ومناقب عمر لابن الجوزی: ص ١١٧.

آپ مزارعین کو قرضے فراہم کرتے تھے، چنانچہ آپ نے والی عراق کو لکھا کہ "دیکھو! جس شخص کے ذمہ جزیہ ہو اور وہ اپنی زمین میں کھیتی کرنے سے عاجز ہو تو اسے اتنی رقم قرض میں دے دو جس سے وہ زمین میں کھیتی کا آغاز کر سکے کیونکہ ہمیں ایک یا دو سال کے لیے ان لوگوں کی ضرورت نہیں۔" ❶

د: چراگاہیں:......... آپ نے اس بات سے سختی کے ساتھ منع کیا کہ کوئی شخص اپنی ذاتی وجاہت یا حکومتی اثر ورسوخ کی وجہ سے کسی چراگاہ پر قبضہ جما کر نہ بیٹھ جائے۔ بلکہ آپ نے قدرتی چراگاہوں کو سب مسلمانوں کے لیے عام وقف کر دیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ چراگاہیں سب مسلمانوں کے لیے عام ہیں۔ ہوتا یہ تھا کہ پہلے ایک آدمی باڑ لگوا کر اس پر قبضہ کر لیتا اور اس میں اپنے صدقہ کے اونٹوں کو چراتا جس میں ظاہر ہے اسے نفع اور قوت حاصل ہوتی۔ جس پر دوسرے لوگ اسے طعنہ دیتے تھے۔ اس لیے میرے خیال میں بہتر یہ ہے کہ ان چراگاہوں سے باڑ ہٹا کر ان کو سب کے لیے عام کر دینا چاہیے حتیٰ کہ حاکم وقت بھی ان چراگاہوں سے رعایا کا ایک فرد بن کر فائدہ اٹھائے۔ یہ رب کی رحمت ہے جو برستی ہے اور گھاس اگتی ہے اس لیے سب بندے اس میں برابر ہیں۔" ❷ البتہ جب آپ نے سب چراگاہوں کو مباح کر دیا تو نقیع ❸ کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا۔ کیونکہ صدقہ کے اونٹوں کے لیے یہ چراگاہ خود جناب رسالت مآب ﷺ نے مقرر فرمائی تھی۔ ❹ بہرحال چراگاہ کو ممنوعہ علاقہ قرار دینے سے وہ ایک جماعت کے لیے خاص ہو جاتا ہے اور وہ اس سے نفع اٹھاتے ہیں۔ غرض چراگاہ کو خاص کرنا یہ زمین کو اباحیت سے ملکیت عامہ کی طرف منتقل کرنا ہے تاکہ وہ زمین مسلمانوں کی ایک جماعت پر وقف رہے۔ ❺

ھـ: بنیادی ترقیاتی کام:......... آپ نے والی مدینہ ہونے کے زمانے سے ان خطوط پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا کہ لوگوں کو ان کی بنیادی اور شہری ضروریات زندگی بہم پہنچائی جائیں، اور خلیفہ بننے کے بعد تو اس کا اور بھی زیادہ اہتمام کیا کہ تاجروں، کسانوں اور مسافروں کے رفاہِ عامہ کے امور سرانجام دیئے جائیں۔ مدینہ کی ولایت کے زمانہ میں ولید بن عبدالملک نے آپ کو خط لکھ کر اس بات کا حکم دیا کہ دشوار رستوں اور اونچے نیچے ٹیلوں کو ہموار کیا جائے اور مدینہ میں کنویں کھودے جائیں۔ چنانچہ آپ نے بئر حفیر کھدوایا جس کا پانی بے حد میٹھا تھا۔ ❻

اسی طرح آپ نے ولید کے حکم سے پانی کا ایک فوارہ یعنی چشمہ بھی بنوایا اور اس کے پانی کو جاری کیا،

---

❶ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی: ص ۲۰۲. ❷ سیرۃ عمر لابن عبدالحکم: ص ۹۸.

❸ نقیع، یہ مدینہ سے دو راتوں کی دوری پر بلاد مزینہ کی ایک بستی کا نام ہے۔

❹ فتح الباری: ۵/ ۳۴.

❺ الاتجاہ الجماعی فی التشریع الاقتصادی: ص ۲۴۲.

❻ الحیاۃ الاقتصادیۃ والاجتماعیۃ فی نجد، والحجاز فی العصر الاموی: ص ۵۶.

مسجد نبوی کی توسیع کی، اس کے مناروں کو بلند کیا، اس کی محرابوں کو جوف دار بنایا۔ آپ نے مسافروں اور حاجیوں کے لیے مہمان خانوں سراپوں اور ہوٹلوں کا بھی انتظام کروایا۔ ❶

اسی طرح امیر المومنین کے حکم سے خلافت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ تک دریائے نیل اور بحیرہ قلزم کے درمیان خلیج کھودنے کا کام بھی جاری رہا تاکہ مصر سے مکہ تک اشیاء خور ونوش کا پہنچانا آسان ہو۔ ❷ اور جب والی بصرہ نے آپ کو خط لکھ کر اس بات کی اجازت مانگی کہ اہل بصرہ اپنے لیے ایک نہر کھودنے کا مطالبہ کر رہے ہیں تو آپ نے اس کی اجازت دے دی اور اس نہر کا نام ''نہر عدی'' رکھا۔ ❸

۳...... آمدنیوں اور پیداواری ذرائع کی بابت سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مالی سیاست

اقتصادی اہداف کے حصول میں آمد وخرچ کی مالی سیاست کا بڑا اہم دخل ہے۔ ❹ اسی لیے آپ نے عوام پر زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے مالی سیاست کا آغاز کیا، آپ نے ردمظالم میں اس قدر خرچ کیا کہ عراق کا بیت المال خالی ہوگیا اور اس میں شام سے مال بھیجنا پڑا۔ ❺ آپ نے زرعی منصوبوں اور ترقیات عامہ کے کاموں میں خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے سب طبقات اور اقوام پر بھی سرکاری مال خرچ کیا اور آپ نے ظالمانہ ٹیکسوں کو ختم کیا، مسلمان ہو جانے والے پر سے جزیہ اٹھا دیا، کاشتکاروں پر اضافی ٹیکسوں کا خاتمہ کیا، چنگی کے نام پر لیے جانے والے ٹیکسوں کو بھی منع کر دیا۔

جبکہ دوسری طرف بیت المال کی بے دریغ لوٹی گئی دولت کی واپسی کا بھی قرار واقعی انتظام کیا۔ چنانچہ ناجائز الاٹ کی گئی جاگیریں ضبط کیں، مظالم واپس دلوائے، طبقہ امراء اور حکومتی ملازموں کے خصوصی امتیازات کو کالعدم قرار دیا۔ جبکہ جنگی اور حکومتی اداروں پر خرچ کرنے میں مبالغہ کی حد تک کام لیا❻ تاکہ ان دونوں اداروں کو زیادہ سے زیادہ فعال بنایا جا سکے۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے ملک کی زراعت وتجارت میں بے پناہ ترقی ہوئی۔ جس سے ملکی وسائل کی پیداوار میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ اور حکومتی آمدنیوں جیسے زکوٰۃ، خراج اور عشور وغیرہ کی شرح فی صد از حد ترقی کر گئی۔ اور ملکی میزانیہ (آمد وخرچ کا گوشوارہ اور بجٹ) میں بھرپور ترقی ہوئی، سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ملکی خزانے کی زائد از ضرورت رقم کو رعایا کے مفاد عامہ میں بے دریغ خرچ کیا تاکہ اقتصادی اہداف کا حصول

---

❶ خامس الخلفاء الراشدين للبدوى: ص ١٧٠ .

❷ السياسة الاقتصادية والمالية لعمر: ص ٥٥ . ❸ ايضًا: ص ٥٧ . ❹ ايضًا

❺ سيرة عمر لابن عبدالحكم: ص ١٢٩ . ❻ السياسة الاقتصادية والمالية: ص ٥٨ .

ممکن ہو۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب جب بھی حکومتوں نے اپنی روش درست کی اور اسلام کی روشن شریعت پر چلیں اس کے مالی بجٹ میں بے پناہ ترقی ہوئی اور عوام کو بے جا ظلم و جبر سے نجات ملی۔ اور ملکی مفادات کو بھر پور رعایت کی گئی۔ لیکن جب بھی حکومتوں نے شریعت عادلہ کا رستہ ترک کیا اور کج روی اختیار کی تو اس کے مالی توازن میں بے پناہ بگاڑ آیا، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کسی ملک کا بجٹ اس کے ظلم یا عدل کا اور نظام یا بدنظمی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ❶

آیئے! اب ذیل میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں حکومت کی مالی آمدنیوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

ا۔ زکوٰۃ

آپ نے زکوٰۃ کے نظام کو صحیح اور بدعنوانی سے پاک بنانے کی بے حد کوشش کی کیونکہ فرائض اسلامیہ میں سے رب کا عاید کردہ ایک فریضہ ہے جسے فقراء، مساکین، مسافروں اور رستہ بھٹک کر بے خان و مان ہو جانے والوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس میں سستی اور کوتاہی کی کسی طرح بھی گنجائش نہ تھی۔ اسی لیے آپ نے زکوٰۃ کو اہتمام کے ساتھ ان کے مستحقین تک پہنچایا۔ ❷ آپ نے اپنے عاملوں کو حکم لکھ بھیجا کہ وہ مستحقین زکوٰۃ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان تک ان کا یہ حق پہنچائیں۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ اگر فقراء اور مساکین نہیں ملتے تو زکوٰۃ کی مد میں غلاموں کو خرید خرید کر آزاد کریں۔ ❸ زکوٰۃ کے باب میں آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری تابعداری کے لیے بے حد پرعزم تھے۔ جبکہ گزشتہ خلفاء نے زکوٰۃ کے امر میں دوطرفہ شدید غفلتوں اور کوتاہیوں کا ارتکاب کیا تھا۔ چنانچہ زکوٰۃ وصول بھی ناحق کی اور خرچ بھی بے محل اور بے جا کی۔'' ❹

یہ اتباع سنت کے اہتمام کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ نے صدقات کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خطوط کو لکھوایا اور ان کے متعدد نسخے تیار کروا کے ان کو بلاد و امصار کے عمال کے پاس بھیجا۔ ان خطوط میں اونٹوں، گایوں، بکریوں، بھیڑوں، سونے، چاندی، کھجور، غلوں اور منقیٰ کی زکوٰۃ اور ہر ایک کے نصاب کا ذکر تھا۔ ❺ جبکہ مصارف زکوٰۃ کے باب میں آپ نے قرآن کریم کے اس حکم کو معیار اور مدار ٹھہرایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغَٰرِمِينَ وَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ (التوبة: ٦٠)

---

❶ السياسة الاقتصادية والمالية لعمر: ص ٥٨.   ❷ ايضًا: ص ٦٠   ❸ ايضًا

❹ سيرة عمر لابن الجوزي: ص ١٢٩.   ❺ الاموال لابي عبيد، ص: ٤٤٧، رقم: ٩٣٤.

''صدقات تو صرف فقیروں اور مسکینوں کے لیے اور ان پر مقرر عاملوں کے لیے ہیں اور ان کے لیے جن کے دلوں میں الفت ڈالنی مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے میں اور تاوان بھرنے والوں میں اور اللہ کے راستے میں اور مسافر میں (خرچ کرنے کے لیے ہیں)۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔''

آپ نے حکم دیا کہ زکوٰۃ کو اس حکم قرآنی کے مطابق تقسیم کیا جائے۔ ❶ یہ تو مصارف زکوٰۃ کا بیان ہوا جبکہ وصولی زکوٰۃ کے ضمن میں بھی آپ نے سنت کی اتباع کا زبردست مظاہرہ کیا۔ چنانچہ آپ نے نیکوکار اور خداترس بندوں کو زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر کیا جو کسی قسم کے ظلم اور زیادتی کے بغیر پوری پوری زکوٰۃ وصول کریں۔ اور جس سے زکوٰۃ وصول کرلیں اس کی وصولی کی دستاویز بھی ضرور دیں۔ ❷ تاکہ کسی دوسرے کے ناجائز مطالبہ پر وہ دستاویز دکھا کر ظلم سے بچ سکیں۔

آپ نے تمام قسم کے اموال سے زکوٰۃ لینے کا حکم دیا جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، چنانچہ زکوٰۃ کو سرکاری ملازموں، والیوں، امراء اور عاملوں کی تنخواہوں سے بھی وصول کیا گیا، جن کو ان کے چھینے ہوئے اموال اور جائیدادیں واپس ملیں ان سے بھی زکوٰۃ لی گئی۔ اور جن کو انعامات سے نوازا گیا، وہ بھی زکوٰۃ ادا کرنے کے مامور ٹھہرے۔ ❸

آپ نے اسی قوم کے فقراء کو جب وہ محتاج ہوں، زکوٰۃ کا زیادہ مستحق ٹھہرایا جن کے اغنیاء سے زکوٰۃ وصول کی گئی تھی۔ ❹ اور جب کارکنانِ زکوٰۃ مال زکوٰۃ لے آتے تو آپ انہیں حکم دیتے کہ جہاں سے یہ زکوٰۃ اکٹھی کرلائے ہو اب وہیں کے محتاجوں اور مستحقوں کو تلاش کر کے ان میں تقسیم بھی کر آؤ۔ ❺

وصولی زکوٰۃ کے باب میں آپ کی ان اقتصادی اصلاحات کا زکوٰۃ کی بڑھوتری پر زبردست اثر مرتب ہوا اور امن وامان کی فضا قائم ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کو اپنے بنیادی زرعی اور تجارتی منصوبوں پر عمل کرنا بھی آسان ہوگیا۔ اور ہر طرف خوشحالی، آسودگی اور ترقی کا راج ہونے لگا۔ ❻

آپ نے زکوٰۃ دینے والوں پر بھی سہولت کی اور اس کا اندازہ اونٹوں، مچھلیوں، شہد اور زراعت وغیرہ کی زکوٰۃ لینے کی بابت آپ کی فقہ سے ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں خود زکوٰۃ دینے والوں کا مال بڑھا جو آگے چل کر اور زیادہ زکوٰۃ اکٹھی ہونے کا باعث بنا۔

آپ کی دعوتی سرگرمیوں سے ذمیوں نے کثرت کے ساتھ اسلام قبول کیا اور یہ فضیلت بھی آپ کے

---

❶ سیرۃ عمر لابن عبدالحکم: ص ۹۴۔
❷ ایضًا: ص ۹۹۔
❸ الاموال لابی عبید، رقم: ۱۲۲۶۔ ص: ۵۲۹۔
❹ فتح الباری: ۳/ ۳۲۲۔
❺ الاموال، رقم: ۱۹۱۷۔ ص ۷۱۲۔
❻ ملامح الانقلاب الاسلامی: ص ۱۳۵۔

فقیہانہ نظام زکوٰۃ کو جاتی ہے کیونکہ نومسلموں میں اغنیاء اور دولت مند بھی تھے جنہوں نے فرض زکوٰۃ کو بلاکم وکاست فقراء اور محتاجوں تک پہنچایا۔

اور سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیرت وتقویٰ نے لوگوں کو بے حد اور براہ راست متاثر کیا جس سے حاکم اور محکوم میں اعتماد کی ایک فضا بحال ہوئی جو گزشتہ ادوار حکومت میں تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ اسی اعتماد نے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ زکوٰۃ ادا کرنے پر آمادہ کیا، چنانچہ جیسے ہی لوگوں نے آپ کے خلیفہ بننے کی خبر سنی تو دھڑا دھڑ زکوٰۃ ادا کرنے لگے، جس سے ایک طرف خلافت کی اقتصادی حالت بہتر ہوئی تو دوسری طرف محتاجوں کے دن بھی بدلنے لگے۔ [1]

تاریخی روایات شاہد ہیں کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دورِ خلافت میں زکوٰۃ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے بعد بچ رہتی تھی، حتیٰ کہ بسا اوقات ایک آدمی اپنی زکوٰۃ لاتا پر اسے زکوٰۃ قبول کرنے والا مستحق تلاش بسیار کے باوجود بھی نہ ملتا۔ [2] اور اس کا سب اہم سبب افراد معاشرہ کا عمل اور پیداوار میں لگ جانا تھا۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نظام زکوٰۃ کے درست ہونے سے معاشرے میں کاہلی اور بے روزگاری کا خاتمہ ہوا اور پیداواری عمل میں بے پناہ اضافہ ہوا، جس کے نتیجہ زکوٰۃ دینے والوں کی تعداد تو حد سے بڑھ گئی جبکہ لینے والوں کی تعداد دن بہ دن گھٹتی چلی گئی۔ [3]

۲۔ جزیہ

اصطلاح میں جزیہ حکومت اسلامیہ کی طرف سے دارالاسلام میں رہنے والے کافروں سے سالانہ لی جانے والی ایک خاص رقم (یا ٹیکس) کو کہتے ہیں۔ جزیہ لینے کے جواز کی دلیل قرآن وحدیث اور امت کا اجماع ہے۔ [4] لہٰذا جزیہ کی وصولی میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے دراصل سنت کی اتباع کی تھی۔ اسی لیے آپ نے مسلمان ہو جانے والوں پر سے جزیہ کو ساقط کر دیا تھا۔ کیونکہ جزیہ کافروں پر فرض ہوتا ہے جو اسلام لے آنے کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ [5] لیکن افسوس کہ بنوامیہ کے گزشتہ خلفاء مسلمان ہو جانے والوں سے بھی جزیہ لیتے رہے تھے۔ چنانچہ حجاج اس بات کو آڑ بنا کر جزیہ لیتا رہا کہ ان لوگوں نے جزیہ سے جان چھڑانے کے لیے اسلام قبول کیا ہے اور یہی امر حجاج اور امویوں کے ساتھ لوگوں کی زیادہ نفرت کا سبب بنتا چلا گیا۔ [6] اس لیے آپ نے خلیفہ بنتے ہی نومسلموں پر سے جزیہ کو یکسر ختم کر دیا۔ [7] اور اس بارے میں

---

[1] ملامح الانقلاب: ص ۱۳۵ .
[2] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۳۱ .
[3] السیاسة الاقتصادیة والمالیة لعمر، ص ٦٩ .
[4] المغنی لابن قدامة: ۱۰/ ۵۵۷ .
[5] السیاسة الاقتصادیة والمالیة: ص ۷۰ .
[6] الضرائب فی السواد: ص ۵۸ .
[7] الطبقات: ۵/ ۳۴۵ .

آپ نے بے حد سختی سے کام لیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے عمال کو یہ فرمان جاری کیا کہ ''جو ہمارے کلمہ کی شہادت دے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرے اس سے جزیہ ہرگز بھی مت لو۔''❶ آپ کے اس عدل وانصاف کے چرچے سن کر ذمی جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ جس پر بعض عامل چلا اٹھے کہ اگر یہ ذمی اسی طرح اسلام میں داخل ہوتے رہے تو ایک دن آئے گا جب جزیہ کی مد کی رقم بالکل ختم ہو جائے گی تو پھر حکومتی کاروبار کیونکر چلے گا۔ جس کے جواب میں آپ نے یہ لکھ بھیجا: ''رب تعالیٰ نے حضرت رسالت مآب محمد مصطفی ﷺ کو داعی بنا کر بھیجا تھا جابی (ٹیکس وصول کرنے والا) بنا کر نہیں۔''❷

دوسرے حق وعدل کو قائم کرنا، ذمیوں پر سے مظالم کو ختم کرنا، مزارعین کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اور جزیہ بقدر استطاعت مالیہ کے مقرر کرنا آپ کی خلافت وسیاست کے بنیادی اصولوں میں سے تھا۔ اسی لیے آپ نے ذمیوں کو تین طبقات میں تقسیم کرنا، ''غنی (اہل ثروت) متوسط (مڈل کلاس لوگ یا سفید پوش طبقہ) اور تنگدست ومحتاج'' اور آپ نے ہر ایک کے ساتھ اس کی مالی حیثیت کے مطابق سلوک کیا، چنانچہ کاشتکار کا جزیہ اس کی پیداوار سے، پیشہ ور (ہنر منداور کاریگر) طبقہ سے جزیہ اس کی کمائی سے اور تاجر کا جزیہ اس کی تجارت سے وصول کرتے۔❸

پھر جزیہ کی مقدار میں آپ ہر شہر اور علاقہ کی مالی حیثیت کو بھی سامنے رکھتے۔ چنانچہ اہل شام کے مرفہ الحال اور مالدار ہونے کی بنا پر، ان پر اہل یمن سے زیادہ جزیہ مقرر کیا۔❹ جبکہ غیر مستطیع تنگدستوں کو سرے سے جزیہ دینے سے ہی مستثنیٰ قرار دے دیا، بلکہ خود ان کے لیے بیت المال سے وظائف کا اجراء کر دیا جیسا کہ امیر المومنین خلیفہ راشد ومہدی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں بے بس ولاچار ذمیوں کے ساتھ کیا تھا۔❺ اور جب آپ نے اہل نجران کے ذمیوں کی مردم شماری کروائی اور ان کی تعداد دس سے بھی کم نکلی تو آپ نے ان کے جزیہ کی رقم کم کر دی۔ جو آپ کے بعد میں بھی اسی طرح رہا۔ چنانچہ آپ ان سے دو ہزار دراہم کے بجائے، دوسو جوڑے کپڑوں کے لیتے تھے۔ جبکہ مر جانے والے یا مسلمان ہو جانے والے کے جزیہ کو ساقط کر دیا۔❻

جزیہ کی بابت ان اصلاحات کا بیت المال پر نہایت مثبت اثر مرتب ہوا، چنانچہ نومسلم پر سے جزیہ کے ختم کر دینے نے حاکم اور محکوم کے درمیان اعتماد کی زبردست فضا پیدا کی۔ اور انہیں اپنے حاکم کے عادل ومنصف ہونے کا پختہ شعور حاصل ہوا، اس پر اعتماد فضا نے خلافت کے اندرونی ماحول میں ان فتنوں اور شورشوں کو زندہ

❶ الاموال، رقم: ۱۲۷۔ ص: ٦١.
❷ الطبقات: ٥/ ٣٨٤.
❸ سيرة عمر لابن عبدالحكم: ص ٩٩.
❹ الاموال لابی عبید، رقم: ۱۰۷۔ ص: ٥١.
❺ السياسة الاقتصادية والمالية: ص ٧١.
❻ الخراج: ص ٢٣٢ للريس.

درگور کر دیا جن کی سرکوبی کے لیے خلافت کو بھاری اخراجات کا بوجھ سہنا پڑتا تھا، جبکہ بے شمار لوگ اسلام قبول کر کے اب زکوٰۃ دینے لگے تھے، اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ زکوٰۃ کی مقدار جزیہ سے کہیں زیادہ ہوتی ہے جبکہ یہ نومسلم اپنی خراجی زمینوں کا خراج بھی دے رہے تھے۔

کسی معاشرے میں امن واطمینان کی فضا یقیناً اس کی قوت عمل اور پیداواری وسائل میں بے پناہ اضافہ کرتی ہے اور یہی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دورِ خلافت کی امتیازی صفت اور اس کا طرہ امتیاز وافتخار تھا۔ ❶

۳۔ خراج

اُن زمینوں پر لاگو ٹیکس کو کہتے ہیں جن کو قوت کے ساتھ فتح کر کے ان زمینوں پر مقرر کیا گیا ہو، یا ان کو مصالحت کے ساتھ فتح کیا گیا ہو اور صلح کے وقت اہل زمین نے اتنی رقم خراج میں دینا طے کیا ہو۔ ❷ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور خلافت میں خراج کی مد میں حاصل ہونے والی آمدنی کی مقدار ایک سو چوبیس ملین دراہم تک پہنچ گئی تھی۔ ❸ اور یہ سب آپ کی اصلاحی سیاست کا نتیجہ تھا، چنانچہ آپ نے خراجی زمینوں کی فروختگی پر پابندی لگا کر اس رئیسی پیداواری ذریعہ (Source) کو محفوظ بنا دیا، پھر آپ نے مزارعین پر سے بے جا اور ظالمانہ ٹیکسوں کو ختم کر کے ان میں قوت عمل کی نئی روح پھونک دی اور ان پر سے مایوسیوں اور حسرتوں کے ان سیاہ بادلوں کو ہٹایا جن کے تاریک سایوں نے ان کے دلوں کو زمینوں پر کام کرنے سے اچاٹ کر دیا ہوا تھا۔ پھر آپ نے بنجر، بے آباد اور بے آب وگیاہ زمینوں کی اصلاح وتعمیر اور ان کو قابل کاشت بنانے کے لیے نہایت پر کشش سیاست اپنائی۔ دوسری طرف زمینوں کی پیداواری صلاحیتوں میں اضافہ کے لیے رستے درست کیے، کنویں کھدوائے، نہریں جاری کیں اور چشمے بنوائے۔ ❹ رستوں کے درست ہونے سے مزارعین کو غلہ بازاروں تک لے جانا آسان ہوا اور نہری نظام کے درست ہونے سے انہیں کھیتوں کو پانی لگانا از حد آسان ہوگیا۔ ان دو طرفہ اصلاحات نے خراجی زمینوں کی پیداواری مقدار میں بے پناہ اضافہ کیا اور صرف عراق کا خراج ایک سو چوبیس ملین دراہم تک پہنچ گیا تھا۔ جو گزشتہ اموی خلفاء میں سے کسی کے بھی دور میں حاصل ہونے والے خراج کی رقم سے کہیں زیادہ رقم تھی، چنانچہ عراق کا وہ خراج جو حجاج کے دور میں صرف چالیس ملین تھا، وہی خراج حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سعادت میں سو ملین دراہم تک تھا۔ جو سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں ایک سو بیس ملین درہم تک پہنچ گیا۔ ❺ جبکہ آپ کے دور میں صرف خراسان سے اتنا خراج آتا تھا جو تمام حکومتی اخراجات سے بھی زائد ہوتا تھا۔ غرض آپ کے دور میں اتنا زیادہ خراج آتا تھا جتنا عام حالات میں کبھی اکٹھا نہیں کیا جا سکتا۔ ❻

---

❶ الخراج للریس: ص ۲۵۹ . ❷ معجم لغة الفقهاء: ۱۹۴ . ❸ الخراج للریس: ص ۲۳۸ .
❹ السیاسة الاقتصادیة والمالیة: ص ۷۴ . ❺ الخراج للریس: ص ۲۳۷۔ ۲۳۸ . ❻ ایضًا: ص ۲۳۷۔ ۲۳۸ .

خراج کی اتنی بڑی مقدار خلافت کی مالی حالت کی قوت واستحکام کی طرف اشارہ کرتی ہے، یاد رہے کہ عراق کا خراج خلافت کی سب سے بڑی آمدنی تھی۔ ❶ اور یہی آپ کی وہ اقتصادی سیاست تھی جس کے بل بوتے پر آپ نے مملکت کے ترقیاتی منصوبوں کے بڑے بڑے اہداف کو نہایت کم مدت میں بڑی سہولت کے ساتھ حاصل کر لیا تھا۔

یہاں پر یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ خراج کی آمدنی کے مصارف میں مصارف زکوٰۃ سے کہیں زیادہ وسعت، نرمی اور لچک ہے کیونکہ زکوٰۃ کے مصارف متعین اور محدود ہیں جبکہ خراج کے مصارف حاکم وقت کی صوابدید، حکمتِ مالی واقتصادی، سیاستِ عدل، رحم دلی، شفقت اور مہربانی پر موقوف ہیں۔ ❷

۴۔ عشور

اصطلاح میں عشور اس رقم کو کہتے ہیں جو حربی تاجروں یا ذمی تاجروں یا غیر تاجروں سے اس وقت لیا جاتا ہے جب وہ خلافت اسلامیہ کی سرحدات کو پار کر کے گزرتے ہیں۔ ❸ (یعنی حربی تاجروں یا ذمیوں سے لیے جانے والے رہداری ٹیکس کو عشور کہتے ہیں۔ مترجم) لہٰذا حربی تاجر کی تجارت سے وصول کیے جانے والے عشور کی مقدار ''عشر'' اور ذمی تاجر کی تجارت سے وصول کیے جانے والے عشور کی مقدار نصف عشر ہے، اور عشور ایک سال میں اسی مال سے دوبارہ نہ لیا جائے گا۔ ذمی کے لیے عشور کا نصاب بیس دینار ہے۔ جبکہ حربی کے لیے دس دینار۔ ❹

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عشور کی طرف خصوصی توجہ دی اور اپنے عمال کے سامنے اس کی مبادیات کو واضح کیا اور اس بات کا حکم دیا کہ جو تاجر عشور ادا کر دے اس کو وصولی کی چٹ ضرور دیں تاکہ اگلے سال اس سے دوگنا عشور وصول نہ کیا جائے۔ اور ناحق عشور وصول کرنے سے بھی منع کیا۔ ❺

آپ کے دور میں عشور کے عادلانہ نظام کی وجہ سے بیرونی تجارت اور درآمدات میں بے پناہ اضافہ ہوا، تجارتی حجم میں اضافہ کے لیے آپ نے مندرجہ ذیل اقدامات کیے:

الف:...... آپ نے زرعی شعبہ کے اضافی ٹیکسوں کو ختم کیا۔ ❻ جس کا تجارتی شعبہ پر مثبت اثر مرتب ہوا، وہ یوں کہ آلاتِ زرعیہ کے نرخوں میں واضح کمی آئی جس سے ان کی مانگ میں زبردست اضافہ ہوا اور آلات زرعیہ کی تجارت کا حجم دیکھتے ہی دیکھتے بہت بڑھ گیا۔ غرض آپ کی زرعی شعبہ سے متعلقہ صحیح سیاست کے صرف تجارت پر ہی مثبت اثرات نہ پڑے تھے بلکہ مملکت کے دوسرے اقتصادی شعبے بھی آپ کی

❶ السیاسة المالية والاقتصادية، ص: ٦٧.
❷ ایضًا: ص ٧٦.
❸ معجم الفقهاء: ص ٣١٢.
❹ المغنی: ١٠/ ٥٨٩.
❺ السياسة الاقتصادية والمالية: ص ٧٧.
❻ سيرة عمر لابن عبدالحكم: ص ١٤١.

حسنِ سیاست سے زبردست متاثر ہوئے۔ ❶

ب:...... تجارتی شعبہ کو بھی آپ نے گزشتہ ادوار کے عاید کردہ بے جا ٹیکسوں کے بوجھ سے آزاد کر دیا اور صرف عشور پر اکتفا کیا۔ ❷ جس سے تجارتی شعبہ پر مثبت اثرات کا مرتب ہونا لازمی تھا، ظالمانہ ٹیکسوں سے آزادی نے تاجروں کا حوصلہ بلند کیا اور ان کی تجارتی سرگرمیوں میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ اب جہاں تجارتی منافع کی شرح فی صد میں اضافہ ہوا وہیں تجارتی مبادلات کا حجم بھی بے حد بڑھ گیا۔ ❸

ج:...... آپ نے تاجروں سے مالی واجبات کی وصولی کے لیے نہایت نرم اور کریمانہ رویہ اپنایا اور سابقہ سخت رویوں کو ختم کر دیا۔ ❹ اس شریفانہ اور کریمانہ رویے نے بھی تجارتی سرگرمیوں کو خوب پروان چڑھایا۔

د:...... آپ نے تجارتی رستوں میں تاجروں کو زبردست سہولیات فراہم کیں ان کے لیے مہمان خانے اور آرام گاہیں تعمیر کرائیں۔ ❺ تاکہ ان کے لیے سامان تجارت کو لے آنے اور لے جانے میں کسی قسم کی دقت اور دشواری نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے ایک نے بلادِ مشرق کے تجارتی رستوں کو ہر طرح سے پر امن بنایا جس سے لوٹ کھسوٹ اور چوری ڈاکے کے خطرات ختم ہو گئے، دوسرے آپ نے ان علاقوں کے والیوں سے جہاں یہ آرام گاہیں (یعنی ریسٹ ہاؤس) تھیں، اس بات کا مطالبہ کیا کہ وہ آنے جانے والے تاجروں کی سرکاری خرچ سے مہمان نوازی اور خاطر تواضع کیا کریں۔ چنانچہ اگر تو وہ مسلمان ہیں تو ایک دن رات وگرنہ ایک وقت کی ضیافت کریں۔ ❻ ان کے جانوروں کی دیکھ بھال اور چارہ پانی کا انتظام کریں۔ اور اگر کوئی تاجر یا اس کا جانور بیمار ہو تو اس کی دوا دارو کا بھی انتظام کیا جائے۔ آپ نے یہ حکم بھی دیا کہ اگر ان آرام گاہوں کے پاس سے کوئی ایسا آدمی گزرے جو رستہ بھٹک گیا، یا اس کا زادِ راہ ختم ہو گیا یا اس کا سامان تجارت چوری ہو گیا ہو تو اس کو مہمان نوازی کے ساتھ ساتھ اتنی رقم بھی فراہم کی جائے جس سے وہ اپنے وطن بآسانی پہنچ جائے۔ اور یہ امر کسی صاحب دانش وبینش پر مخفی نہیں کہ ایسی سہولیات اور امدادات کا باہمی تجارت کے فروغ میں اور تاجروں کی حوصلہ افزائی میں کتنا دخل ہے۔ ❼

ھـ:...... آپ نے تاجروں کو وظیفہ دینا بند کر دیا تاکہ وہ کسب معاش میں سو فیصد تجارت پر ہی انحصار کریں، جس سے ان کی تجارتی سرگرمیوں میں بھرپور اضافہ ہونا ناگزیر اور فطری عمل تھا، بالخصوص جبکہ اس دور میں تجارت ایک پر مشقت ذریعہ معاش تھا، اور جب آج کے دور کی طرح کی سفری سہولیات بھی میسر نہ تھیں۔

---

❶ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی: ص ۲۱۸. ❷ ایضًا ❸ ایضًا
❹ التطور الاقتصادی: ص ۲۱۸. ❺ سیرۃ عمر لابن عبدالحکم، ص: ۴۳۹.
❻ مسلمان تاجر تجارت کی غرض سے زیادہ تر بلادِ مشرق کا رخ کیا کرتے تھے۔
❼ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی: ص ۲۱۹.

و:...... جو شخص بھی اپنی نالائقی یا فضول خرچی کی بنا پر مقروض ہو گیا ہو اس کے قرض کی ادائیگی کا فرمان جاری کیا۔ ❶ اور چیدہ چیدہ تاجروں کو بھی اس حکم میں داخل کیا۔ اس قرار داد سے ان تاجروں کو سنبھلنے کا موقع ملا جو بعض تجارتی غلطیوں اور ناتجربہ کاریوں کی بنا پر شدید تجارتی خساروں کا شکار ہو گئے تھے۔ بالخصوص وہ تاجر جن کی تجارت ہی مال مقروضہ سے شروع ہوئی تھی اور پھر ان کا سرمایہ ڈوب گیا تو قرضوں کی ادائیگی کی اس سکیم سے ایسے تاجروں کو بھی دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونے اور تجارتی سرگرمیوں کو از سر نو شروع کرنے کا موقع ملا۔

ز:...... آپ نے تمام بلاد و امصار میں ناپ تول کے پیمانے اور باٹ ایک ہی پیمائش اور وزن کے مقرر کر دیئے اور اس کو ملکی قانون کی ایک اہم ترین شق قرار دیا۔

ح:...... سرکاری عہدوں پر تعینات افراد جیسے والیوں، امراء اور حکمرانوں کو تجارت میں مشغول ہونے سے منع کر دیا تاکہ بازار میں ان کی دخل اندازی سے تاجروں میں باہمی آزادانہ منافست اور مقابلہ متاثر نہ ہو۔ یا وہ لوگ بازار کے چالو نرخ پر اثر انداز نہ ہوں۔ دراصل آپ بازار سے ہر قسم کی غیر طبعی دخل اندازی کو ختم کر دینا چاہتے تھے جو بازار کے مروجہ نرخوں پر اثر انداز ہو۔ ❷

ط:...... آپ نے ذخیرہ اندوزی کو بھی سختی کے ساتھ منع کیا، چنانچہ حمص کا وہ بازار جس پر گنتی کے چند لوگ قابض تھے اور ان سب پر ولید بن عبدالملک نے اپنا تسلط جما رکھا تھا۔ آپ نے اس مصنوعی قبضہ کو ختم کر کے دکانیں کھولنے کی عام اجازت دی اور جن لوگوں سے دکانیں چھین لی گئی تھیں ان کو واپس دلوائیں۔ ❸

بلاشبہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں ان اقدامات نے ملک کی تجارت اور اقتصادیات کی ترقی میں نہایت اہم کردار ادا کیا تھا، جس سے عشور کی مد میں حاصل ہونے والی رقوم میں بے پناہ اضافہ ہوا اور قومی خزانہ مستحکم اور مضبوط ہوا۔ اور آپ نے دل کھول کر ان آمدنیوں کو عوام کی مصالحہ عامہ میں خرچ کیا۔ ❹

۵۔ اموال غنیمت اور فے کا خمس

اصطلاح میں مال غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جس کو جنگ وقتال کے دوران کفار سے تلوار کے زور پر (یعنی اسلحہ کے زور پر) اور غالب آ کر حاصل کیا جاتا ہے۔ ❺ جبکہ فے اصطلاح میں اس مال کو کہا جاتا ہے جو مشرکوں اور دشمنوں سے قتال کے بغیر اور ان پر یلغار کیے بغیر حاصل ہو۔ ❻

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خلافت سنبھالنے کے بعد اپنی زیادہ تر توجہ مملکت کے داخلی بگاڑ کو

---

❶ الاموال لابی عبید، ص: ۲۳۴۔۲۳۵.
❷ التطور الاقتصادی: ص ۲۱۹.
❸ التطور الاقتصادی فی العصر الاموی: ص ۲۲۰.
❹ ایضًا
❺ الاموال لابی عبید: ص ۳۲۳۔ رقم: ۶۲۶.
❻ الاحکام السلطانیة للماوردی: ص ۱۹۹.

درست کرنے پر مرکوز رکھی۔ اس لیے آپ کے دور خلافت میں فتوحات اس کثرت سے نہ ہوئیں، جیسی اس سے قبل ہوئی تھیں۔ آپ نے جنگی محاذوں پر توجہ دینے کے بجائے دعوت دینے اور نیک سیرت ونمونہ پیش کرنے پر توجہ دی۔ آپ کے دعوتی خطوط کی بنا پر بے شمار بربر بغیر قتال کے اسلام میں داخل ہوگئے۔ [1] یہی وجہ ہے کہ آپ کے دور میں غنیمت اور فے کی مد جمع ہونے والی آمدنی کی مقدار نہ ہونے کے برابر تھی۔ اور بیت المال میں موجود رقم گزشتہ خلفاء کی فتوحات کا نتیجہ تھی۔ [2] البتہ آپ نے اموال غنیمت کے خمس کی آمد و صرف کے نظام کی اصلاح ضرور کی۔ چنانچہ خاص خمس کے لیے ایک الگ سے بیت المال بنوایا۔ [3] اور حکم جاری کیا کہ خمس کو ان جگھوں میں خرچ کیا جائے جن کا ذکر سورۂ انفال میں آتا ہے، چنانچہ آپ نے اولین ترجیح ضرورت مندوں کو دی چاہے وہ جہاں بھی رہتے تھے۔ [4] آپ نے ذوالقربی کے حصہ میں سے دس ہزار دینار بنو ہاشم میں تقسیم کیے جس میں مرد وعورت اور چھوٹے بڑے سب کو برابر حصہ دیا۔ آپ کے اس حسن سلوک کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سیدہ فاطمہ بنت حسین بن علی بن ابی طالب لکھتی ہیں:

''اے امیر المومنین! آپ نے اس کی خدمت کی جس کا خادم نہ تھا، اس کو پہنایا جو بے لباس تھا اور اس پر خرچ کیا جو خالی ہاتھ تھا۔'' [5]

آپ نے خمس کا حق اس کے حقداروں تک اہتمام کے ساتھ پہنچایا، آپ سے پہلے فتح اندلس کا خمس تقسیم نہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اندلس کے والی کو لکھا کہ وہ ان زمینوں کو دوسری زمینوں سے جدا کرے جو عنوۃً (جنگ کے ساتھ) فتح ہوئی تھیں اور ان کا خمس نکالے۔ [6]

رہا مال فے تو اس میں بھی آپ نے قرآن وسنت اور سنت خلفائے راشدین مہدیین رضی اللہ عنہم کی کامل اتباع کی، چنانچہ آپ نے ایک رسالہ میں ان اموال اور بستیوں کا تفصیلی ذکر کیا جن کو رب تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا جنگ وقتال کے عطا فرمایا تھا اور اس کے استدلال میں سورۂ حشر کی وہ آیات پیش کیں جو اسی بارے نازل ہوئی تھیں، اور بیان کیا کہ مالِ فے میں ہر مسلمان کا حق ہے، سورۂ حشر کی آیات بتلاتی ہیں کہ یہ مستحقین، حضرات مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد قیامت تک آنے والے اہل ایمان ہیں۔ [7] یہ آپ کا اجتہاد تھا جو سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے موافق تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے مال فے کو مسلمانوں کی نسلوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ [8]

---

[1] السیاسة المالیة والاقتصادیة لعمر: ص ۸۱.
[2] ایضًا
[3] ایضًا
[4] الطبقات: ۵/ ۳۵۰.
[5] ایضًا
[6] تاریخ الاسلام، از حسن ابراهیم: ۱/ ۳۲۰.
[7] سیرة عمر لابن عبدالحکم: ص ۹۷.
[8] الخراج لابی یوسف: ص ۲۵.

پھر جب آپ نے خمس کے مصارف میں غور کیا تو دیکھا کہ خمس کے مصارف بھی وہی ہیں جو فے کے مصارف ہیں، اسی لیے آپ نے بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرح مال فے کو مال خمس کے ساتھ ملا دیا۔ ❶

اور اس میں سے سب مسلمانوں کے مفادات عامہ پر خرچ کرتے۔ آپ نے اس بابت ایک خط بھی لکھا کہ ''خمس کے مصارف میں گزشتہ فقہاء کا اختلاف ہے۔ اس کو متعدد امور میں خرچ کیا گیا ہے۔ پھر جب ہم نے غور کیا تو اس کے مصارف بھی وہی تھے جو رب تعالیٰ نے کتاب عزیز میں فے کے مصارف بیان کیے ہیں حتیٰ کہ کسی ایک مصرف میں بھی اختلاف نہیں۔ اور دیکھا کہ سیدنا عمر بن خطاب نے فے میں وہ فیصلہ کیا جس پر سب مسلمان راضی تھے۔ چنانچہ آپ نے ان میں سے لوگوں کے لیے وظائف اور تنخواہیں جاری کیں، پھر آپ نے دیکھا کہ خمس سے سب ضروریات پوری نہیں کی جاسکتیں کہ یتیموں، مسکینوں اور مسافروں سب کا اس میں حق ہے تو آپ نے فے کو بھی خمس کے ساتھ ملا لیا اور خمس کو فے کے ان مصارف میں خرچ کیا جن کو رب تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اور ان کو فرض کیا ہے..... پس تم امام عادل (یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کی اقتداء کرو کیونکہ خمس اور فے کی آیات باہم متفق ہیں اس لیے ہماری رائے ہے کہ ان دونوں کو یکجا کر دیا جائے اور دونوں کو مسلمانوں کے لیے فے بنا دیا جائے۔ اور مسلمانوں پر کسی کو ترجیح نہ دی جائے۔ ❷

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے خمس اور فے کی مد میں حاصل ہونے والی آمدنیوں کو اپنی اقتصادی سیاست کے اہداف کے حصول کا ذریعہ بنایا، چنانچہ جب آپ نے ان اموال کو قرآنِ کریم کے ارشاد کے مطابق حاجت مندوں اور مستحق لوگوں میں تقسیم کیا اور ضرورت مندوں کو دوسروں پر ترجیح دی، چاہے وہ جہاں کے بھی ہوں تو لوگوں کو آپ کے عدل و انصاف کا شدت کے ساتھ احساس ہوا اور آپ کی عادلانہ مالی تقسیم نے گزشتہ مظالم کا ازالہ کیا۔

۴...... سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی اِنفاقِ عام کی بابت سیاست

اس کو ہم ذیل کے عناوین کے تحت ذکر کرتے ہیں:

ا۔ رعایا پر خرچ

آپ نے آمد و خرچ کے نظام کو درست کرنے کے لیے فقراء اور محتاجوں پر خرچ کیا، آپ نے لوگوں کے معاشرتی حقوق کو یقینی بنایا اور ان کی حفظانِ صحت کا خاص اہتمام کیا۔ بلا شبہ یہ وہ مطالب شرعیہ ہیں جن کو قرآن کریم اور سنت نبویہ بیان کرتے ہیں۔ آپ نے خلافت کے بالکل ابتدائی زمانہ سے ہی شرع شریف کی اتباع اور حق وانصاف کے التزام کا اہتمام کیا تھا۔ اس بابت آپ نے علماء سے بھی استفسار کیا۔ چنانچہ

❶ السیاسة المالیة والاقتصادیة: ص۸۳. ❷ سیرة عمر لابن عبدالحکم: ص ۹۷.

ابن شہاب زہری نے آپ کو مصارف زکوٰۃ کی تفصیل لکھ بھیجی جس میں یہ بیان کیا کہ ''زکوٰۃ میں اپاہج اور دائمی مریضوں کا بھی حصہ ہے۔ (یہ وہ لوگ ہیں جو مستقل اور اصلی معذور ہیں) اسی طرح ان مسکینوں کا بھی حصہ ہے جو ناداری کی بنا پر اپنے کنبہ کے اخراجات نہیں اٹھا سکتے اور نہ وہ زمین میں چل پھر کر محنت مزدوری ہی کر سکتے ہیں۔ (یہ عارضی مجبور اور معذور لوگ ہیں جیسے کسی کو کاروبار میں نقصان ہو جائے یا وہ مجاہد جس کو جنگ میں ایسی ضرب لگی کہ اب وہ ناکارہ ہوگیا)۔ اور زکوٰۃ میں ان مسکینوں کا بھی حصہ ہے جو سوال کرتے ہیں اور اہل ثروت سے کھانے کی بھیک مانگتے ہیں۔ (پھر انہیں اتنا مل جاتا ہے جس سے انہیں مزید سوال کرنے کی ضرورت نہیں رہتی) اور زکوٰۃ میں قید میں پڑے ان مسلمانوں کا بھی حصہ ہے جن کا اور کوئی نہیں۔ اور زکوٰۃ میں ان لوگوں کا بھی حصہ ہے جو مساجد میں پڑے رہتے ہیں اور نہ ان کی کوئی تنخواہ ہے، نہ وظیفہ اور نہ کوئی ذریعہ معاش لیکن یہ لوگ دوسروں سے سوال نہیں کرتے۔ زکوٰۃ میں ان لوگوں کا بھی حصہ ہے جو نادار ہو گئے اور ان کے سروں پر قرض ہے اور یہ قرض رب کی کسی نافرمانی کے کام میں یا دین پر کسی عار کے کام میں نہیں چڑھا۔ اور زکوٰۃ میں بے نوا مسافر کا بھی حصہ ہے جس کا ٹھکانہ نہیں اور نہ اس کے رشتہ دار ہی ہیں جن کے ہاں وہ پناہ لے سکے۔ پس ایسے کسمپرس مسافر کو زکوٰۃ کی مد میں سے ٹھکانہ بھی دیا جائے، اس کی خورونوش کا بھی انتظام کیا جائے اور اس کی سواری کے چارہ کی بھی تدبیر کی جائے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے وطن اپنے گھر پہنچ جائے یا اس کی حاجت روائی ہو جائے۔ [1]

زہری رحمہ اللہ کے اس تفصیلی خط کی روشنی میں آپ نے رعایا پر انفاق کی بابت جو اقدامات کیے ان کی مختصر تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

الف: فقراء مساکین پر خرچ :...... آپ کو خاص اس طبقہ کی بڑی فکر تھی، آپ انہیں مستغنی کرنے کی بے حد کوشش کرتے تھے، گزشتہ اوراق میں آپ کا اپنی بیوی فاطمہ کے ساتھ طویل قصہ بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ دور دراز کے بے آسرا، بے سہارا، لاچار، بے خان ومان، بے سروسامان، تنگدست و تہی دامن، مجبور و مقہور اور بھولے بھٹکے، دربدر پھرتے گم کردہ راہ مسافروں، غریبوں، مسکینوں اور فقیروں کو یاد کر کے ساری ساری رات روتے تھے اور یوں لگتا تھا کہ ابھی روتے روتے جان دے دیں گے۔

یہی ایک واقعہ محتاجوں پر خرچ کرنے کی بابت آپ کی سیاست کی ترجمانی کے لیے کافی ہے جو بلند ترین معانی، اونچے جذبات، حساس خیالات اور دردمندانہ افکار سے لبریز ہے۔ ہم یہ بات کہنے میں بالکل بجا ہیں کہ جناب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اس عظیم مسؤلیت اور ذمہ داری کا بھرپور احساس تھا جو یہ ارشاد فرما کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے کندھوں پر ڈالی تھی، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

[1] السیاسة المالیة والاقتصادیة لعمر: ص ۸۳.

''تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کا ذمہ دار ہے، پس امام نگران و نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔'' ❶

چنانچہ آپ پوری تندہی کے ساتھ ضرورت مندوں کی حاجات پوری کرنے میں لگ گئے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک آدمی آپ کے سامنے آ کر یوں گویا ہوا: ''اے امیر المومنین! حاجت نے کمر توڑ دی، فاقوں نے جان مار دی بے شک کل قیامت کے دن اللہ اپنے سامنے آپ سے میرے اس کھڑے ہونے کے بارے میں سوال کرے گا۔'' اس وقت آپ ایک لاٹھی کے سہارے کھڑے تھے۔ اس سائل کی ایسی درد بھری گفتگو سن کر اس قدر روئے کہ آنسوؤں نے بہہ کر اس لاٹھی کو بھی تر کر دیا، پھر آپ نے اس کے اور اس کے گھر والوں کے لیے وظیفہ جاری کرنے کا حکم دیا اور سالانہ تنخواہ جاری ہونے تک اس کو پانچ سو دینار دینے کا حکم دیا۔ ❷

آپ کو بیواؤں اور ان کی بیٹیوں کی بے حد فکر رہتی تھی، عراقی خاتون اور اس کی پانچ بیٹیوں کا عبرت آمیز قصہ گزشتہ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''بیواؤں اور مسکینوں کے کاموں کو سر انجام دینے میں لگنے والا اللہ کی راہ میں (لڑنے والے) مجاہد کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزے رکھے اور راتوں کو (جاگ کر) عبادت کرے۔'' ❸

آپ نے فقیروں، مسکینوں اور مسافروں کو کھانا کھلانے کے لیے علیحدہ سے ایک مکان مخصوص کر رکھا تھا۔ ❹ (جسے آج کی زبان میں لنگر خانہ کہہ سکتے ہیں)۔ پھر اتنے پر ہی اور ان پر ہی بس نہیں کی بلکہ آپ نے مریضوں، آفت زدوں اور یتیموں پر بھی خصوصی توجہ دی۔ چنانچہ آپ نے شام کے بلاد و امصار کی طرف یہ خط لکھا:

''بیت المال سے اندھے، لنجے، فالج زدہ اور ایسے کہنہ مرض کے لیے وظیفہ جاری کرو جو مسجد تک آ کر نماز ادا کرنے سے قاصر ہو۔'' چنانچہ انہوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے لوگوں کو بیت المال سے وظائف پہنچائے۔ پھر مزید یہ کہ آپ نے ہر نابینا کے لیے ایک قائد اور دوسرے معذوروں کے لیے ایک ایک خادم مقرر کرنے کا حکم بھی دیا، پھر یہ خط لکھ بھیجا: ''وہاں کے یتیموں اور بے نواؤں کو میرے پاس بھیج دو۔'' پھر آپ نے ہر پانچ یتیموں کے لیے ایک خادم مقرر کیا جو ان میں مساوی طور پر وظائف تقسیم کرتا تھا۔'' ❺

---

❶ صحیح البخاری، رقم: ۸۹۳.

❷ حلیة الاولیاء: ۵/ ۲۸۹.

❸ صحیح البخاری، رقم: ۶۰۰۶.

❹ الطبقات: ۵/ ۳۷۸.

❺ سیرة عمر لابن الجوزی: ص ۲۰۲.

ب: مقروضوں پر خرچ:.........آپ نے مقروضوں پر بھی خصوصی توجہ دی، ابن شہاب زہری کا لکھا خط ابھی تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ زکوٰۃ کی مد میں سے مقروضوں کی بھی خدمت کی جائے۔ چنانچہ جب آپ نے اپنے والیوں کو خط لکھا کہ ''مقروضوں کے قرض ادا کرو'' تو انہوں نے یہ لکھ بھیجا کہ کیا اس کا بھی قرض ادا کریں جس کے پاس رہنے کو مکان، برتنے کو سامان، سواری کے لیے جانور اور خدمت کے لیے خادم بھی ہو؟ آپ نے فرمایا: ''تب بھی!'' جیسا کہ گزشتہ میں تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے، گویا کہ آپ نے یہ واضح کیا کہ یہ وہ بنیادی ضروریات ہیں جو سب کا حق ہیں جن سے کوئی قرضدار بھی محروم نہیں رہ سکتا۔

والی کوفہ نے خط لکھ کر بتلایا کہ فوجیوں اور غازیوں کو تنخواہیں دینے کے بعد بھی مال بچ رہا ہے تو آپ نے جواب میں یہ لکھ بھیجا کہ ''اس زائد مال میں سے مقروض کا وہ قرض ادا کرو جو کسی گناہ کی بنا پر نہ ہو۔ یا وہ قرض اس پر نکاح کرنے کی بنا پر چڑھ گیا ہو کہ شادی کر کے مہر ادا کرنے پر قادر نہ ہو۔ والسلام۔''[1] اور کوفہ کی مسجد میں آپ کا یہ خط پڑھ کر سنایا گیا۔ ''جس کے ذمے امانت ہو اور وہ اس کے ادا پر قادر نہ ہو، اسے بیت المال میں سے ادا کرو، جو نکاح کر کے مہر نہ دے سکتا ہو اس کا مہر بیت المال میں سے ادا کرو۔''[2]

ج: قیدیوں پر خرچ:.........ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ۝﴾

(الدھر: ۸۔ ۱۰)

''اور وہ کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور قیدی کو۔ (اور کہتے ہیں) ہم تو صرف اللہ کے چہرے کی خاطر تمھیں کھلاتے ہیں، نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔ یقیناً ہم اپنے رب سے اس دن سے ڈرتے ہیں جو بہت منہ بنانے والا، سخت تیوری چڑھانے والا ہوگا۔''

آپ نے قیدیوں پر بیت المال سے خرچ کیا، گزشتہ میں آپ کی معاشرتی زندگی کی تفصیلات میں اس کو ذکر کیا جا چکا ہے، چنانچہ آپ نے قسطنطنیہ کے مسلمان قیدیوں کے بارے میں بھی خط لکھا۔[3]

آپ نے کسی جرم یا قصاص کی وجہ سے جیلوں میں پڑے مسلمان قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان پر خرچ کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ حکم بھی دیا کہ ''کسی قیدی کو زندان میں یوں مشکیں کس کر نہ رکھو کہ وہ

---

[1] سیرۃ عمر لابن عبدالحکم: ص ٦٧.
[2] الطبقات: ٥/ ٣٧٤.
[3] السیاسۃ المالیۃ والاقتصادیۃ لعمر: ص٩٣.

کھڑے ہو کر نماز بھی ادا نہ کر سکے۔ اور صرف اُسی کو رات کو بھی بیڑیاں ڈالے رکھو جو کسی قتل ناحق کے جرم میں ماخوذ وگرفتار ہے اور انہیں صدقات کی مد میں اچھا کھانا اور سالن دو۔ ❶ آپ نے قیدیوں کے لیے سردی گرمی کے ایک ایک جوڑے اور سالانہ وظیفہ کا بھی حکم دیا۔ ❷

ج: راہ گیروں اور مسافروں پر خرچ:.......... آپ نے مسافروں کی رعایت اور اہتمام کی بنا پر اپنے عاملوں کو خط لکھا کہ ''وہ رستوں پر مسافر خانے، مہمان خانے، لنگر اور دار الضیافت کھولنے کا اہتمام کریں۔'' چنانچہ ایک عامل کو خط لکھا کہ ''اپنے علاقے میں سرائیں تعمیر کرو، پس جو مسلمان راہ گیر گزرے اس کی ایک دن رات ضیافت کرو۔ اس کے جانور کی دیکھ بھال کرو۔'' جیسا کہ گزشتہ میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ اسی طرح آپ نے حجاج کرام کی دیکھ بھال پر بھی توجہ دی کہ ان میں سے کمزوروں کی رعایت اور تنگدست کی مدد کی جائے۔ ❸

د: غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ:.......... آپ نے غلاموں کے آزاد کرانے کو بھی اپنی انفاق کی سیاست میں نمایاں جگہ دی۔ چنانچہ افریقہ کا عاملِ صدقات کہتا ہے کہ ''حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مجھے افریقہ کے صدقات اکٹھے کرنے بھیجا، جب میں صدقات اکٹھے کر چکا تو فقراء کو ڈھونڈنے لگا کہ ان پر صدقات خرچ کروں، عجب بات ہے کہ مجھے وہاں کوئی مستحقِ صدقہ نہ ملا تو میں نے مال صدقہ سے غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا اور ان کی ولاء مسلمانوں کے لیے مقرر کر دی۔'' ❹

گزشتہ صفحات میں اس عنوان پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے علماء کے تمام اخراجات وضروریات کو بیت المال کے ذمے کر کے انہیں ہر قسم کی تشویش سے فارغ البال کر دیا تاکہ وہ اطمینان قلب کے ساتھ اپنی دعوتی، تبلیغی، تربیتی، تعلیمی اور تصنیفی سرگرمیاں سرانجام دے سکیں۔ آپ نے اسلامی معاشرے کے کسی طبقہ کو بھی نظر انداز نہ کیا تھا حتیٰ کہ نوعمر لڑکوں کے لیے بھی وظائف مقرر کیے تاکہ ان کے ذمہ داران ان کی صحیح دینی، روحانی تعلیمی اور اخلاقی تربیت کر سکیں۔ ذمیوں تک کو نوازا حتیٰ کہ ان کے بوڑھوں اور ناداروں سے بجائے جزیہ لینے کے، ان کے لیے وظائف اجراء کیا۔ ❺

تاجروں کے ساتھ حسن سلوک کا تفصیلی ذکر بھی ہو چکا، آپ کی اس عمدہ سیاست نے ملکی تجارت کو بے حد فروغ دیا، زراعت کا میدان بھی آپ کی دقتِ نظر، حساس فطرت اور حسن سیاست سے فیض یاب ہوئے بغیر نہ رہا، اسی معاشی فارغ البالی، آسودگی اور خوشحالی نے افرادِ معاشرہ کے جیوں میں دین کی روح اور

---

❶ الخراج لابی یوسف: ص ۳۱۵.

❷ الطبقات: ۵/ ۳۵۶.

❸ سیرۃ عمر لابن عبدالحکم: ص ۶۵.

❹ السیاسۃ المالیۃ والاقتصادیۃ: ص ۹۴.

❺ السیاسۃ المالیۃ والاقتصادیۃ: ص ۹۵۔ ۹۶.

آخرت کی محبت کو راسخ کر دیا۔ اور وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر خیر کے کاموں میں حصہ لینے لگے۔ اب ہر طرف دوسروں کی خیر خواہی کے زمزمے گونج رہے تھے، بنیادی ضروریات زندگی فراہم کی جا رہی تھیں۔ مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کے سروں پر دست شفقت رکھا جا رہا تھا، رستے بن رہے ہیں، نہریں جاری ہو رہی ہیں، کنویں کھدوائے جا رہے ہیں پھر دوسری طرف مساجد تعمیر کی جا رہی تھیں، تعلیمی درسگاہوں کا شور تھا اور طلباء کی کفالت کی جا رہی تھی۔

غرض عامۃ الناس کے خیر کے کاموں میں حصہ لینے نے بیت المال کی بے شمار ذمہ داریوں میں تخفیف پیدا کر دی تھی۔

۲۔ حکومتی مصالح میں انفاق کے قبلہ کی درستی

انفاق کے میدان میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سیاست ''اقتصادی بہتری'' کی اساس پر قائم تھی، جس کو دوسرے لفظوں میں ''مالی انتظامات کی درستی'' کہہ سکتے ہیں اور اس سیاست کا مقتضی اسراف وتبذیر اور بخل و کنجوسی کی ہر دو غلط روشوں کا خاتمہ تھا۔ [1] حکومتی مصارف کی اصلاح کے لیے آپ نے جو اقدامات کیے ان کا خلاصہ یہ ہے:

الف: خلیفہ اور اموی امراء کی خصوصی مراعات کا خاتمہ: ....گزشتہ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ نے وہ زمینیں اور جاگیریں بحق سرکار ضبط کر کے یا تو بیت المال میں جمع کرا دیں یا پھر ان کے مالکوں کو لوٹا دیں جن کو گزشتہ امراء اور خلفاء نے ظلماً یا جبراً اپنے لیے خاص کر لیا تھا اور اس کی ابتدا آپ نے خود اپنی ذات اور اپنے گھر سے کی، آپ بیت المال سے کچھ نہ لیتے تھے۔ لوگوں نے اس پر یہ کہا کہ چلو اتنا لے لیجیے جتنا امیر المومنین خلیفہ راشد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لیا کرتے تھے تو آپ انہیں یہ جواب دے کر خاموش کر دیتے کہ ''جناب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی مال نہ تھا جبکہ میں تو مالدار آدمی ہوں، بھلا میں کیوں لوں۔'' [2] خلیفہ بننے کے بعد جب آپ کے سامنے گزشتہ خلفاء کی مزین ومرصع سواریاں پیش کی گئیں تو آپ نے ان تمام سواریوں اور ان کے قیمتی سامان کو بیت المال میں جمع کروا کر ان کی جگہ اپنا خچر طلب فرمایا اور آئندہ ہمیشہ اسی خچر پر سوار ہو کر آتے جاتے تھے، گزشتہ ادوار میں حکومتی طبقہ کی طرف سے مالی بے ضابطگیوں کی ایک روش یہ بھی رہی تھی کہ مرحوم خلیفہ کے ورثاء اس کے تمام شاہی استعمالی کپڑے سامان زیب وزینت، عطور و بخور پر بطور ورثہ قبضہ کر لیتے اور باقی بچ جانے والے سامان کو نئے خلیفہ کے سپرد کر دیتے۔ لیکن جب آپ خلیفہ بنے تو آپ نے اس سامان کے بارے میں یہ حکم جاری کیا کہ ''نہ تو یہ میرا ہے اور نہ سلیمان بن عبدالملک (مرحوم خلیفہ) کا ہے اور نہ تم لوگوں (یعنی ورثاء) کا ہی ہے لیکن اے مزاحم! یہ سب کچھ بیت المال

---

[1] السياسة المالية والاقتصادية، ص: ۹۶-۹۵.
[2] العقد الفريد: ۵/ ۲۲.

میں جمع کرادو۔ ❶

آپ اپنی ذاتی ضروریات میں بیت المال کی چیزوں کو اور املاک موقوفہ کو ہرگز بھی استعمال نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ امیرِ اردن نے آپ کو سرکاری ڈاک کے ذریعے کھجور کے دو ٹوکرے بھیج دیئے آپ کو یہ بے حد ناگوار گزرا کہ سرکاری جانوروں کو کیوں استعمال کیا گیا۔ چنانچہ آپ نے وہ ساری کھجور بیچ کر اس کی قیمت سے ڈاک کے گھوڑوں کو چارہ کھلا دیا۔ ❷

اسی طرح ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک عامل کو شہد بھیجنے کو کہا تو اس نے سرکاری ڈاک کے ذریعے وہ شہد بھیج دیا، اس پر آپ نے وہ شہد بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں جمع کرا کے ارشاد فرمایا: ''تو نے ہم پر اپنا شہد خراب کر دیا۔'' ❸

ب: ادارتی وانتظامی (یعنی محکمہ جاتی) اخراجات کی اصلاح:.......... آپ نے اس بات کی بھرپور کوشش کی کہ آپ کے امراء ووالیان مسلمانوں کے اموال میں میانہ روی اختیار کریں۔ چنانچہ جب والی مدینہ نے آپ سے رات کے وقت شمع استعمال کرنے کی اجازت مانگی تو آپ نے اسے یہ جواب لکھ بھیجا ''میری عمر کی قسم! اے ابن ام حزم! میں تمہیں اس بات کی قسم ہوں دیتا کہ اگر تم تاریک رات میں گھر سے چراغ کے بغیر نکلو گے تو میری عمر کی قسم! اس دن تم پہلے سے بہتر ہو گے۔ تمہیں اپنے گھر سے چراغ کے اتنے فتیلے مل جائیں گے جو تیری ضرورت پوری کرنے کے لیے کافی ہوں گے...... والسلام'' ❹

اسی طرح ایک دن انہوں نے سرکاری فرامین اور ڈاک لکھنے کے لیے مزید کاغذ طلب کیے تو آپ نے انہیں یہ جواب لکھا: ''جب میرا یہ خط تمہیں ملے تو اپنے قلم کا قط زیادہ باریک کر لینا (تاکہ مزید باریک لکھے اور کم جگہ گھیرے) اور باریک باریک اور ملا ملا کر عبارتیں لکھو، اور جتنی ہو سکے کام کی باتیں ایک ہی ورق میں لکھنے کی کوشش کرو، کیونکہ ایسی زائد از ضرورت بات کی مسلمانوں کو کوئی ضرورت نہیں جس سے بیت المال کا نقصان ہو۔'' ❺

یہیں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو سرکاری خزانے کی کس قدر فکر تھی، چنانچہ آپ نے اپنے والیوں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ وہ سرکاری خزانے کو نہایت احتیاط اور عمدہ طریقے سے استعمال کریں حتیٰ کہ کاغذ تک کو بھی زیادہ استعمال کرنے سے گریز کیا جائے۔

❶ سیرة عمر لابن عبدالحکم: ص ٣٥ .

❷ السیاسة المالیة والاقتصادیة: ص ٩٨ .

❸ سیرة عمر لابن الجوزی: ص ٢١٠ .

❹ مدینہ کے یہ والی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم تھے۔ سیرة عمر لابن عبدالحکم: ص ٦٤ .

❺ سیرة عمر لابن الجوزی: ص ١٢١ .

ج: **جنگی اخراجات کی اصلاح:**......... خلافت امویہ اندرونی اور بیرونی جنگوں کی لپیٹ میں تھی، جن پر بے پناہ سرکاری رقوم خرچ ہوتی تھیں، ایک قسطنطنیہ کی جنگ لے لیجیے جس کے محاذ پر سلیمان بن عبدالملک نے بے پناہ فوجیں روانہ کیں، اس جنگ پر بہت زیادہ خرچ بھی آیا اور متعدد جوان بھی شہید ہوئے اور جنگ بھی بے نتیجہ رہی۔ چنانچہ خلافت سنبھالتے ہی آپ نے قائد افواج مسلمہ بن عبدالملک کو فوجیں واپس لے آنے کا سرکاری فرمان جاری کر دیا، جبکہ اس وقت خود غازی جوان بے حد دقت اور مشقت میں بھی تھے۔

آپ کی سیرت وسیاست نے مملکت کے داخلی احوال میں استقراء واستحکام پیدا کیا۔ اندرونی بغاوتیں اور فتنے فرو ہوئے، آپ کی سیرت کا چرچا سن کر خارجیوں نے جمع ہو کر کہا: ''ایسے آدمی سے لڑنا ہمیں زیبا نہیں۔'' [1]

خانہ جنگیوں اور شورشوں کے ختم ہونے سے ملک میں امن کی فضا قائم ہوئی۔ جس کا مثبت اثر ملک کے ہر شعبہ پر پڑا۔ گزشتہ صفحات میں اس کی کافی تفصیل بیان کی چکی ہے۔

[1] سیرۃ عمر لابن الجوزی: ص ۸٦.

ساتویں فصل:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور خلافت میں عدالتی محکمہ اور آپ کے بعض فقہی اجتہادات کا بیان

ا......مقدمات اور شہادتوں کا بیان

اس موضوع پر ہم درج ذیل عناوین کے تحت روشنی ڈالتے ہیں:

ا۔ قاضی کی صفات کا بیان (یعنی قاضی کیسا ہو؟)

قاضی کے انتخاب میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ از حد دقت نظری اور تدقیق و تحقیق سے کام لیتے تھے۔ تاکہ عوام کسی حق ناشناس اور ظلم پرست قاضی کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔ اسی لیے آپ نے قاضی کے لیے پانچ شرطیں لازم قرار دے دیں اور حکم جاری کر دیا کہ وہی قاضی بنے جو ان شرائط پر پورا اترے گا۔ وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) علم (۲) حلم (۳) عفت و پاکدامنی

(۴) مشاورت (۵) اور حق گوئی کی قوت و طاقت۔'' [1]

مزاحم بن زفر سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میں اہل کوفہ کے وفد کے ساتھ جناب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے ہم سے ہمارے شہر کے احوال دریافت کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے امیر اور قاضی کے بارے میں بھی پوچھا۔ پھر فرمایا کہ ''پانچ صفات ایسی ہیں اگر کسی قاضی میں ان میں سے ایک صفت بھی کم ہو تو یہ اس میں ایک قسم کا عیب اور عار ہے۔ اور وہ صفات یہ ہیں کہ قاضی صاحب فہم و فراست، حلیم و بربار، ارادوں کا مضبوط، عفیف و پاکدامن اور ایسا صاحب علم ہو کہ اس سے نامعلوم باتوں کا سوال کیا جا سکے (اور وہ ان کا جواب بھی دے سکے)۔'' [2]

یحییٰ بن سعید روایت کرتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: ''کسی شخص کو اس وقت تک قاضی بننا جائز نہیں جب تک اس میں یہ پانچ صفات جمع نہ ہو جائیں:

(۱) وہ پاکدامن (۲) حلیم و بردبار (۳) پہلوں کے علوم کا شناسا

[1] فقہ عمر: ۲/ ۲۸۵۔ از دکتور محمد شقیر۔ [2] الطبقات الکبری: ۵/ ۳۶۹۔

(۴) اہل دانش وبینش سے مشورہ کرنے والا

(۵) اور (حق گوئی میں) لوگوں کی ملامت سے بے پروا ہو۔'' [1]

ایسا ہی ایک قول قاضی کی صفات کے بارے میں امیر المومنین خلیفہ راشد ومہدی سیّدنا عمر بن خطاب [2] اور سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما [3] سے بھی مروی ہے جبکہ ان جملہ صفات میں یا اکثر صفات کے شرط ہونے میں ائمہ اربعہ نے بھی سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے قول کی موافقت کی ہے۔ [4]

۲۔ واضح مسئلہ میں قاضی فیصلہ صادر کردے اور مشتبہ مسئلہ کو اہل علم کے حوالے کردے

کبھی قاضی کے سامنے ایک پیچیدہ مسئلہ بھی آجاتا ہے جو قاضی کو حیرت وپریشانی میں ڈال دیتا ہے، اب ایسے مسئلہ میں قاضی کیا کرے؟ آیا فیصلہ صادر کردے؟ چاہے حق واضح نہ بھی ہوا ہو، یا اس مسئلہ کو اپنے سے بڑے عالم کے سپرد کردے؟ اس باب میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ایک ایسی قرارداد پیش کی ہے اور ایک ایسا حتمی فیصلہ کیا ہے جو قضاء کے صیغہ میں ایک عبرت آموز سبق ہے جس کو قیامت تک کے لیے دستور العمل بنالینا واجب ہے، وہ یہ کہ قاضی پیش آمدہ مسئلہ میں غور کرے اگر تو اس پر حق واضح ہو جائے تو فیصلہ کر دے وگرنہ اس مقدمہ کو چھوڑے نہیں بلکہ اس میں غور کرنے کے لیے اس کو اپنے سے زیادہ علم والے کے سپرد کردے۔'' [5]

میمون بن مہران جو الجزیرہ کے قاضی اور محکمہ خراج کے افسر اعلیٰ تھے، ان سے روایت ہے کہ انہوں نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو قضاء اور خراج کی وصولی کے منصب کے سخت ہونے کی شکایت کی، تو آپ نے انہیں یہ جواب لکھا: ''میں آپ کو اس بات کا مکلّف نہیں بناتا جو آپ کو مشقت میں ڈال دے، آپ خراج میں طیب کو اکٹھا کریں اور جو مسئلہ کھل کر سامنے آجائے اس میں حکم صادر کردیں اور جو مقدمہ آپ پر مشتبہ ہو جائے اس کو میری طرف بھیج دیجیے! اگر یہ بات ہونے لگے کہ لوگ اس بات کو چھوڑ ہی دیں جو ان پر بھاری ہو تو نہ دین کا امر قائم ہو اور نہ دنیا کا امر ہی قائم ہو۔'' [6]

یہ اثر بتلاتا ہے کہ رب تعالیٰ نے علم وفہم میں سب لوگوں کو ایک سا نہیں بنایا بلکہ ان کے مختلف درجات ہیں اس لیے قاضی کو جو لوگوں کے امور کا والی ہے، گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ اس عہدہ کا حق ادا کرنا چاہیے۔ چنانچہ جس مقدمہ کے دلائل وشواہد واضح ہوں اس کا فیصلہ کردے، اور جو مقدمہ پیچیدہ اور الجھا ہوا ہو اس میں شہر کے اہل علم سے مشاورت کرے۔ اگر وہ بھی اس مسئلہ کا حل نہ بتلا سکیں تو اس مسئلہ کو بڑے علماء یا ولی امر

---

[1] الطبقات الکبریٰ: ۵/ ۳۶۹۔ ۳۷۰.
[2] المصنف لعبد الرزاق: ۸/ ۲۹۹.
[3] المغنی لابن قدامة: ۹/ ۳.
[4] حاشية ابن عابدين: ٤/ ٣٠٥.
[5] فقه عمر: ۲/ ٤٨٧.
[6] الخراج لابي يوسف: ص ٢٤٠۔ ٢٤١.

(امیر المومنین) کی طرف بھیج دے تاکہ اگر تو وہ خود اس مسئلہ کے بارے میں کچھ جانتا ہے تو خود اس کا فیصلہ کر دے وگرنہ وہ مسئلہ اہل علم کے پاس بھیج دے۔ ❶

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے دینی اور دنیاوی امور میں غور وفکر کے لیے علماء وفقہاء اور اصحاب دانش وبینش کی ایک مجلس مشاورت قائم کر رکھی تھی۔ جن میں گفتگو کے طویل سلسلے قائم رہتے۔ آپ رات کے آرام کو قربان کر کے حقائق تک پہنچنے کے لیے گہرا غور وفکر کرتے، آپ کو اس حقیقت کا بھرپور ادراک تھا کہ افکار ونظریات کے ملنے سے زبردست ایجابی فکری نتائج حاصل ہوتے ہیں، چنانچہ جب رجاء بن حیوہ نے عرض کیا کہ "امیر المومنین! دن بھر تو آپ کاروبار خلافت میں مشغول رہتے ہیں پھر رات کو بجائے آرام کرنے کے ہم لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: اے رجاء! ارباب علم ودانش سے ملاقات عقلوں کی بار آوری کا سبب ہے اور مشورہ اور بحث وتحقیق یہ رحمت کا دروازہ اور برکت کی کنجی ہے۔ ان دونوں کے ہوتے ہوئے رائے ٹھوکر نہیں کھاتی اور ان کے ہوتے ہوئے حزم واحتیاط میں ثبات واستقلال پیدا ہوتا ہے۔ ❷ پس میں نے دیکھا کہ لوگوں کے ساتھ ملنے میں عقلوں کی بار آوری (اور نشو ونما) ہے۔ ❸

۳۔ نادانوں کے ساتھ نرمی کرنے اور طیش میں سزا سنانے کی ممانعت کا بیان

آپ نے ایک خط میں لکھا: "اللہ کے بندے امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طرف سے فوجوں کے جرنیلوں کے نام! امابعد! جب تیرے سامنے مقدمہ کا ایک ایسا فریق حاضر ہو جو جاہل اور بے وقوف ہو اور اللہ نے تمہیں اس کا والی بنایا اور تمہیں اس کی آزمائش میں مبتلا کیا اور تم دیکھو کہ وہ بے احتیاط اور بد پرہیز ہے اور اس کی سیرت بھی حق پرور نہیں۔ تو جہاں تک ہو سکے اس کی اصلاح ودرستی کرو اور اس کو سمجھاؤ اور اس کے ساتھ نرمی کرو اور اس کو تعلیم دو، پس اگر تو وہ راہِ راست پر آجائے اور سمجھ اور سدھر جائے تو رب کا اس پر فضل واحسان سمجھو اور اگر وہ جانتا اور سمجھتا نہیں تو یہ تیری اس کے خلاف حجت ہے اور اگر تم دیکھو کہ اس نے کوئی ایسا گناہ کیا ہے جس میں اس کو سزا دینا حلال ہو جاتا ہے تو اسے طیش نفس کے وقت سزا مت دو، البتہ اسے اس وقت سزا دو جب تمہاری طبیعت معتدل ہو اور گناہ کے بقدر سزا چاہیے جتنی بھی بنتی ہو وہی دو، اور اگر اس کی سزا صرف ایک کوڑا بنتی ہو تو وہی سزا دو۔ اور اگر تم دیکھو کہ اس کی سزا قتل بنتی ہے تو اسے زنداں میں ڈال دو، اور کسی کو موجودگی تمہیں سزا دینے میں عجلت سے کام لینے پر آمادہ نہ کرے۔" ❹

---

❶ فقه عمر: ۲/ ٤٨٨ .

❷ ملامح الانقلاب الاسلامی: ص ۱۸٦ .

❸ ملامح الانقلاب الاسلامی: ص ۱۸٦ .

❹ سیرة عمر لابن عبدالحکم: ص ٦٨۔٦٩ .

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جب کسی کو سزا دینا چاہتے تو اسے تین دن قید میں رکھنے کے بعد سزا دیتے تھے کیونکہ آپ کو یہ بات ناپسند تھی کہ آپ عین غصہ کی حالت میں سزا دیں۔'' ❶

غصہ کی حالت میں سزا دینے میں اس بات کا احتمال ہے کہ قاضی غصہ اور طیش کے زیر اثر حق سے تجاوز کر جائے اور گنہگار پر ظلم کر بیٹھے۔ اسی بات کے ڈر سے کہ کہیں سزا دینے میں حق سے تجاوز نہ ہو جائے آپ نے قاضیوں کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ سزا نافذ کرنے سے پہلے گنہگار کو تین دن تک قید میں رکھیں یہاں تک کہ قاضی کا غصہ فرد ہو جائے۔ پھر قاضی سکونِ قلب کے ساتھ گناہ کے بقدر سزا دے۔ ❷

۴۔ قاضی کا معاف کر دینے میں خطا کر جانا یہ اس کے سزا دینے میں زیادتی کرنے سے بہتر ہے

ابو عقبہ سے روایت ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جہاں تک ہو سکے شبہات کا سہارا لے کر حدود کو ختم کرو کیونکہ والی کا معاف کر دینے میں خطا کر جانا یہ اس کے سزا دینے میں زیادتی کرنے سے بہر حال بہتر ہے۔'' ❸

۵۔ ظن و تخمین پر عمل کرنے سے گریز کیا جائے

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے قنسرین کے لشکر کا ولید بن ہشام معیطی کو قائد مقرر کیا جبکہ قنسرین کے خراج پر فرات بن مسلم کو مقرر کیا، ان دونوں میں باہم نزاع ہو گیا جس کی شکایت آپ تک پہنچی، آپ نے دونوں کو طلب کر لیا۔ اب ولید تو قنسرین کے سربرآوردہ ''انباط'' ❹ کے ساتھ، جب کہ فرات سادگی اور خاموشی سے آیا۔ اگلے دن آپ نے فرات کو اپنے تخت کے پیچھے بٹھلا دیا۔ پھر ولید اور انباط اندر داخل ہوئے۔ آپ نے انباط سے پوچھا، ''جب تمہارا امیر (فرات) مجھے ملنے چلا تھا تو تم لوگوں نے اس کا زادِ راہ اور سامانِ سفر کیا کیا تھا؟'' وہ بولے: ''تو کیا وہ آئے ہوئے ہیں اے امیر المومنین! آپ نے فرمایا: ''تو تمہیں ان کے بارے میں کچھ علم نہیں؟ وہ بولے: ''نہیں اللہ کی قسم! (نہیں) اے امیر المومنین!'' تب آپ نے ولید کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا: ''اے ولید! ایک آدمی جو قنسرین اور وہاں کی سرزمین کا بادشاہ ہے، وہ اپنی حکومت و سلطنت میں سفر کرتا ہوا مجھ تک آ پہنچتا ہے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی، وہ اپنے سارے سفر کے دوران کسی کو ڈراتا دھمکاتا نہیں۔ بے شک یہ شخص عاجز اور پاکدامن ہے۔'' ولید بولا: ''بالکل! اللہ کی قسم! اے امیر المومنین! بے شک وہ پاکدامن ہے اور میں نے اس پر ظلم کیا ہے۔ اور میں رب سے توبہ و استغفار کرتا

---

❶ تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۲۳۶۔ ❷ فقہ عمر: ۲/ ۴۹۰۔

❸ سیرۃ عمر لابن الجوزی: ص۱۲۳۔

❹ **انباط:** سامی قوم جو جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں آباد تھی جن کے دارالحکومت کا نام سلع تھا، جسے اب بتراء کہتے ہیں۔ انباط کھیتی باڑی کرنے والے لوگوں کو بھی کہتے ہیں، بعد میں یہ لفظ غیر عرب مخلوط لوگوں کے لیے بولا جانے لگا۔ القاموس الوحید: ۱۶۰۳۔ (مترجم)

ہوں۔" آپ نے فرمایا: "تم نے کیا خوب اعتراف کیا۔" پھر دونوں کو اپنے اپنے عمل پر واپس بھیج دیا۔ وہاں پہنچ کر ولید نے ریا کاری سے کام لیتے ہوئے اور آپ کو دھوکا دینے کے لیے اور آپ کی نظروں میں جھوٹی عزت حاصل کرنے کے لیے آپ کو یہ خط لکھا کہ "میں نے اپنے مہینہ بھر کے اخراجات کا اندازہ لگایا ہے تو وہ اتنے اتنے ہیں جبکہ میرا مشاہرہ اس سے زیادہ ہے۔ اگر امیرالمومنین مناسب سمجھیں تو یہ زائد رقم میرے مشاہرے سے منہا کر دیں۔" یہ خط پڑھ کر آپ نے فرمایا: "ولید نے ہماری نظروں میں جھوٹی عزت بنانا چاہی ہے حالانکہ ہمارا گمان اس کے بارے میں اس کے برعکس ہے اور اگر میں محض گمان کی بنا پر کسی کو معزول کرتا تو ولید کو معزول کرتا۔" پھر آپ نے ولید کے مشاہرے سے اتنی رقم کم کر دینے کا حکم دیا جتنی اس نے خط میں ذکر کی تھی، پھر آپ نے اپنے ولی عہد یزید بن عبدالملک کو یہ خط لکھا: "ولید بن ہشام نے میرے بارے میں یہ گمان کر کے مجھے خط لکھا ہے کہ وہ میری نظروں میں اپنی جھوٹی عزت بنا لے گا۔ اگر میں اپنے گمان کے مطابق فیصلے کرتا ہوتا تو وہ میرے لیے کبھی کوئی کام نہ کرتا لیکن میں تو ظاہر کو لیتا ہوں، غیب کا علم تو اللہ کے پاس ہے۔ اور میں تمہیں اس بات کی قسم دیتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ کوئی حادثہ ہو جائے (جیسے میں مر جاؤں، یا مارا جاؤں یا معزول کر دیا جاؤں) اور زمام خلافت تیرے ہاتھ میں آ جائے، پھر یہ ولید تمہیں یہ کہہ کر اپنی تنخواہ بڑھوانا چاہے کہ اس کو میں نے کم کر دیا تھا تو کبھی اس کی بات نہ ماننا کہ وہ اللہ کو دھوکا دینے چلا ہے حالانکہ اللہ اس کو دھوکا دے رہا ہے۔"

پھر وہی ہوا جس کا سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو اندیشہ تھا، چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد جب یزید بن عبدالملک والی بنا تو ولید بن ہشام نے اسے یہ خط لکھا کہ "عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے دور خلافت میں میرے ساتھ نا انصافی کی اور میری تنخواہ کم کر دی تھی۔" یہ خط پڑھتے ہی یزید غصہ میں آ گیا اور فوراً اس کی معزولی کے احکام جاری کر دیئے۔ اور سیدنا عمر اور یزید دونوں کے دور خلافت میں جتنی تنخواہیں وہ اب تک لیتا رہا تھا، وہ سب اس پر جرمانہ کے طور پر عاید کر دیں اور اس کے مرنے تک اسے کسی بھی جگہ کا والی نہ بنایا۔" [1]

۶۔ والیوں کو ملنے والے تحائف کا بیان

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ والیوں، قاضیوں اور امراء کو ملنے والے تحفوں کو رشوت سمجھتے تھے، حتی کہ آپ نے خود بسا اوقات شدید احتیاج ہونے کے باوجود بھی تحفے قبول نہ فرمائے اور لوگوں کو اس بات کا باضابطہ حکم دیا کہ وہ اپنے والیوں کو ہرگز بھی تحفے پیش نہ کیا کریں، جیسا کہ آپ نے والیوں کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ عوام اور رعایا سے تحفے قبول نہ کیا کریں۔ [2]

فرات بن مسلم سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا سیب

[1] سیرۃ عمر لابن عبدالحکم: ص ۱۲۹۔ ۱۳۱۔ [2] فقہ عمر: ۲/ ۴۹۵۔

کھانے کو دل چاہا مگر آپ کے پاس اس وقت سیب خریدنے کو پیسے نہیں تھے، آپ اپنے خچر پر سوار ہو کر نکلے، ہم بھی ساتھ نکلے آپ ایک دیر (راہبوں کی خانقاہ) کے پاس سے گزرے، آپ کے سامنے دیر کے چند نوجوان آئے جنھوں نے طبقوں میں سیب اٹھا رکھے تھے، آپ ایک طبق کے پاس رکے۔ اس میں سے ایک سیب لیا، اس کو سونگھا پھر واپس رکھ دیا، پھر انہیں فرمایا: ''اپنے راہب خانہ میں داخل ہو جاؤ، مجھے تم لوگوں کے بارے میں اس بات کی خبر نہ پہنچے کہ تم لوگوں نے میرے کسی ساتھی کے پاس کچھ (ہدیہ تحفہ) بھیجا ہے۔'' راوی کہتے ہیں: یہ منظر دیکھ کر میں نے اپنے خچر کو ایڑ لگائی اور آپ کے پاس جا کر کہا: ''اے امیر المومنین! آپ کا دل چاہا کہ آپ سیب کھائیں۔ خریدنے کے لیے کچھ نہ ملا تو پھر آپ نے یہ ہدیہ کیوں واپس کر دیا؟ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، جناب صدیق اکبر اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہدایا قبول نہیں فرمایا کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا:

''ان حضرات کے دور میں یہ ہدیہ تھا پر آج یہ ہمارے والیوں کے لیے رشوت ہے۔'' [1]

۷۔ نصوص شرعیہ کے خلاف حکموں کو کالعدم قرار دینا

آپ نے حجاج بن یوسف کے متعدد خلاف شرع احکام کو رد کر دیا۔ [2] اور اس باب میں آپ کتاب وسنت، اجماع یا شوریٰ کی اتباع کرتے تھے اور یہی ائمہ ثلاثہ امام احمد، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا مذہب بھی ہے کہ خلاف شرع حکم (یعنی کتاب وسنت یا اجماع کے خلاف حکم) رد ہوتا ہے۔ [3]

۸۔ جو امانت ضائع کر بیٹھے وہ اس بات کے گواہ پیش کرے کہ امانت کے ضیاع میں اس نے کوئی کوتاہی نہیں کی

وہب بن منبہ نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو لکھا: ''یمن کے بیت المال سے میں چند دینار گم کر بیٹھا ہوں'' تو آپ نے انہیں یہ جواب لکھا: ''میں تمہاری امانت و دیانت کو تو موردِ الزام نہیں ٹھہراتا البتہ تمہاری کوتاہی اور لاپرواہی کو ضرور متہم ٹھہراتا ہوں بے شک میں مسلمانوں کے مال کا ان کی طرف سے خصم ہوں۔ اس لیے میں ان کے لیے تم سے قسم کا مطالبہ کرتا ہوں۔ [4] پس تم (اس بات کی) قسم اٹھا لو (کہ تم نے دینار ضائع کرنے میں جان بوجھ کر کوئی کوتاہی نہیں کی)۔ والسلام'' [5]

۹۔ اگر گواہ غیر موجود ہوں (پر ہوں ضرور) تو قضاء میں تاخیر کی جائے

قریش کی ایک جماعت آپ کے پاس ایک جھگڑا لے آئی جس کا آپ نے فیصلہ کر دیا، اس پر وہ شخص

---

[1] الطبقات الکبری: ۵/ ۳۷۷.

[2] حلیة الاولیاء: ۵/ ۲۷۰. [3] فقه عمر: ۲/ ۴۹۹.

[4] یعنی تمہارا اس بات کی قسم اٹھانا ضروری ہے کہ تم نے کوتاہی نہیں کی۔ پس اگر تو وہ حلف اٹھا لے تو ضمان نہ آئے گا کیونکہ وہ امین ہے (اور امین پر ضمان نہیں آیا کرتا)۔

[5] سیرة عمر لابن الجوزی: ۱۰۴۔ ۱۰۵.

جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا، کہنے لگا: ''اللہ آپ کا بھلا کرے! میرے پاس گواہ ہیں جو ابھی غیر موجود ہیں۔'' تو آپ نے فرمایا: ''اگرچہ ابھی مجھے حق پر تیرا ساتھی نظر آ رہا ہے لیکن میں فیصلہ کو ملتوی کرتا ہوں، اب تم جاؤ اور وہ گواہ لے آؤ اگر وہ گواہ سچے ہوئے تو میں سب سے پہلے اپنا یہ فیصلہ ختم کرنے والا ہوں گا۔'' ❶

۱۰۔ گم شدہ اونٹ کے نفقہ کا بیان

شعبی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''ایک شخص کا اونٹ گم ہوگیا، چند دن بعد وہ ایک صاحب کے پاس سے مل گیا، اس نے اتنے روز تک اونٹ کو چارہ کھلایا تھا جس سے وہ خوب موٹا ہوگیا ہوا تھا۔ اب دونوں صاحب اپنا مقدمہ لے کر سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس آئے۔ یہ آپ کی امارتِ مدینہ کے زمانہ کا قصہ ہے، آپ نے اونٹ والے کے لیے اونٹ کا فیصلہ کیا اور اتنے دن کے چارہ کی رقم بھی اس کے ذمہ کی کہ وہ اتنی رقم اس آدمی کو ادا کرے جس نے اتنے دن تک اونٹ کو باندھے رکھا اور کھلایا پلایا تا کہ وہ ضائع نہ ہو جائے۔ ❷

۱۱۔ لقیط (رستے میں پڑا ملا نومولود بچہ) کی آزادی کا بیان

آپ نے اہل مکہ کو خط میں یہ لکھ بھیجا کہ ''لقیط آزاد ہے۔'' ❸

۱۲۔ آدمی کی اپنے بھائی اور باپ کے بارے میں شہادت کا حکم

آپ نے یہ حکم لکھ بھیجا کہ ''اگر آدمی عادل ہو تو اس کی بھائی کے حق میں شہادت قبول کرو۔'' ❹

۲......قتل اور قصاص کا بیان

اس کی تفصیل درج ذیل عناوین کے تحت بیان کی جاتی ہے:

۱۔ قتل عمد میں اولیائے قتل کو معافی دیت اور قصاص تینوں کا اختیار ہے

ایک عورت نے ایک مرد کو قتل کر دیا، آپ نے اس کا یہ فیصلہ لکھ بھیجا:

''اولیائے قتل چاہیں تو معاف کر دیں، چاہیں تو قصاص لے لیں اور چاہیں تو دیت لے لیں۔ اور اس دیت میں سے مقتول کی بیوی کو ترکہ بھی ملے گا۔'' ❺

۲۔ اگر قصاص کا ولی نابالغ ہے تو اس کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے

ایک شخص قتل ہوگیا، اور اپنے پیچھے اپنی نابالغ اولاد چھوڑ گیا، اس کے قتل کی وارث یہی نابالغ اولاد تھی تو آپ نے حکم لکھ بھیجا کہ:

---

❶ الطبقات الکبریٰ: ٥/ ٣٨٦.
❷ مصنف ابن ابی شیبة: ٦/ ٣١٢.
❸ مصنف ابن ابی شیبه: ٦/ ٥٣١.
❹ مصنف ابن ابی شیبة: ٨/ ٣٤٢۔٣٤٣.
❺ المحلی: ١٠/ ٣٦١.

''جب تک لڑکا بالغ نہیں ہو جاتا قصاص کو ملتوی کیا جائے۔'' ❶

۳۔ متعدد اولیائے قصاص میں سے کسی ایک کے معاف کر دینے سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے

زہری سے روایت ہے کہ ''حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ بھی حکم جاری کیا کہ ''جب ایک ولی معاف کر دے تو (قصاص ساقط ہو جاتا ہے اور) دیت واجب ہوتی ہے۔'' ❷

۴۔ قاتل سے دیت لے لینے کے بعد بھی اس کو قتل کر دینے کا بیان

آپ فرماتے: رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں جس زیادتی کا ذکر کیا ہے، وہ یہ ہے کہ آدمی یا تو دیت لے سکتا ہے یا قصاص یا پھر حاکم وقت جارح اور مجروح کے درمیان فیصلہ کرے گا، یا پھر (چوتھی صورت یہ ہے کہ) آدمی اپنا حق وصول کرنے کے بعد بھی دوسرے پر زیادتی کرے گا۔ تو جو ایسا کرے گا وہی اعتدا کا مرتکب ہوگا۔ اور ایسے آدمی کو سزا دینے کا معاملہ حاکم کے سپرد ہوگا۔ اور جو مرتکب اعتدا ہو وارثانِ حق میں سے بھی کسی کو اس کو معاف کرنے کا اختیار نہیں ہاں حاکم کے حکم سے وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ اور سلطان اور حاکم چاہے تو اسے معاف کر سکتے ہیں۔ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اس معاملے کے بارے میں رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ (النسآء: ۵۹)

''پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔''

اور جو درمیانہ زخم ہو اس میں حاکم دیت کا حساب دیکھے گا۔ ❸

۵۔ بازار میں پائے جانے والے مقتول کا بیان

قاضی بصرہ عدی بن ارطاۃ نے آپ کو لکھ بھیجا کہ مجھے قصابوں کے بازار میں ایک مقتول ملا ہے (جس کے قاتل کا علم نہیں اب اس کی دیت کا حکم کیا ہے؟) تو آپ نے یہ جواب لکھ بھیجا: ''ایسے مقتول کی دیت بیت المال سے دی جائے۔'' ❹

۶۔ بھیڑ میں کچل کر مارے جانے والے کا حکم

جو آدمی بھیڑ (یا بھگدڑ) میں مارا جائے اور یہ نہ معلوم ہو کہ کس کے پیروں تلے آ کر کچلا گیا ہے تو کیا اس کا خون رائیگاں ہوگا؟ آپ کی رائے میں ایسے مقتول کی دیت بیت المال سے دی جائے گی۔ ❺ چنانچہ

---

❶ مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۱۱۔ ❷ مصنف عبدالرزاق: ۹/ ۳۱۸۔

❸ مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۱۶-۱۷۔

❹ مصنف عبدالرزاق: ۹/ ۴۵۹۔

❺ فقہ عمر: ۲/ ۳۶۔

آپ نے اپنے ایک مکتوب میں بھیڑ میں مارے جانے والے دو آدمیوں کے بارے میں لکھا کہ ''ان کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے کیونکہ وہ دونوں یا تو کسی کے پیروں تلے آ کر کچلے گئے یا کسی کے ہاتھ کے دھکے سے مارے گئے ہیں۔'' ❶

۳...... دیتوں کا بیان

اس مضمون کو درج ذیل عناوین کے تحت بیان کیا جاتا ہے:

۱۔ دیت کی مقدار

آپ نے فوجوں کے افسران کو لکھ بھیجا کہ ''دورِ رسالت ﷺ میں دیت سو اونٹ تھی۔'' ❷

۲۔ زبان کی دیت

سلیمان بن موسیٰ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے افسرانِ فوج کو لکھ بھیجا کہ اگر کسی کی زبان اس طرح کاٹ دی گئی کہ وہ کلام پر قادر نہ رہ سکا تو پوری دیت آئے گی، اور جو زخم اس سے کم درجے کا ہو تو اس کی دیت اس کے حساب سے ہوگی۔'' ❸

۳۔ آواز اور گلے (یعنی سانس کی نالی یعنی جہاں سے آواز نکلتی ہے اس) کی دیت

آواز گلے سے نکلتی ہے، بسا اوقات کسی کا گلا ضائع کر دینے سے آواز بھی ختم ہو جاتی ہے اور اسی بنا پر آدمی کلام پر بھی قادر نہیں رہتا۔ تو آپ کی رائے اس بارے میں یہ تھی کہ اگر گلے کو ضرب لگانے سے کسی کی آواز ختم ہوگئی تو اس میں پوری دیت آئے گی۔ ❹ چنانچہ آپ سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں: ''جب سانس کی نالی توڑ دی گئی اور اس سے آواز ختم ہوگئی تو اس میں پوری دیت آئے گی۔'' ❺

۴۔ عضوِ تناسل کی دیت

مرد کے لیے اس عضو کی بڑی اہمیت ہے، اگر یہ ضائع ہو جائے تو آدمی کی شہوت ختم ہو جاتی ہے اور نسل کا سلسلہ بھی منقطع ہو جاتا ہے، آپ کے نزدیک پورا عضو ضائع کر دینے پر پوری دیت واجب ہوتی ہے اور کم درجے کے نقصان پر دیت اس کے حساب سے ہوگی۔ ❻

۵۔ عورت کے دونوں رستے ایک کر دینے کی دیت

بسا اوقات خاوند کے صحبت کرنے سے عورت کے دونوں رستے ایک ہو جاتے ہیں، پھر اس کے نتیجہ میں یا تو عورت لذت اور جماع دونوں سے محروم ہو جاتی اور کبھی وہ بول و براز پر ضبط کرنے اور اولاد جننے کی

---

❶ المحلی: ۱۰/ ۴۱۸.
❷ مصنف ابن ابی شیبة: ۹/ ۱۲۸.
❸ مصنف عبدالرزاق: ۹/ ۳۵۷.
❹ فقه عمر: ۲/ ۶۹.
❺ مصنف ابن ابی شیبة: ۹/ ۱۷۰.
❻ مصنف عبدالرزاق: ۹/ ۳۷۲.

صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ اس امر کی سنگینی دیکھتے ہوئے آپ نے اس کی پوری دیت مقرر کی اور ایک روایت ثلث دیت کی بھی ہے۔ ❶

ان دونوں روایات میں تطبیق کی صورت یوں پیدا کی جاسکتی ہے کہ اگر تو عورت بول و براز کو روکنے اور بچہ جننے کی صلاحیت سے محروم ہو جائے تو اس میں ثلث دیت آئے گی اور اگر ایسا نہیں تو پوری دیت آئے گی۔ ❷

٦۔ ناک کی دیت

انسان کے ناک کے ساتھ متعدد منافع وابستہ ہیں، یہ ذریعہ تنفس بھی ہے اور اس کے ذریعے مختلف بوؤں کو سونگھ کر ان کے درمیان اچھی اور ناگوار بوؤں کا امتیاز بھی قائم کیا جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ناک چہرے کی خوبصورتی اور جمال کا مظہر اور حسن ورعنائی کا مدار ہے اور اس کے کاٹنے سے چہرہ بدنما اور مکروہ ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ عرب ناک کاٹ دینے کو کسی کی بدترین اہانت تصور کرتے تھے۔ ناک کی انہی مصلحتوں کے پیش نظر آپ نے ناک کو جڑ سے کاٹ دینے میں کامل دیت مقرر فرمائی۔ اور اس سے کم میں اسی کے حساب سے دیت مقرر کی۔ ❸

٧۔ کان کی دیت

چونکہ ایک کان سننے کی نصف منفعت ادا کرتا ہے اور انسان میں دو کان ہوتے ہیں، اس لیے اگر کوئی ایک کان کو جڑ سے اکھاڑ دے یا ضرب لگا کر اس کی سماعت ختم کر دے تو آپ نے اس میں نصف دیت مقرر کی، کیونکہ آپ کا یہ کہنا کہ ''کان میں نصف دیت ہے، یہ دونوں باتوں کو شامل ہے. سماعت کے ختم ہونے کو بھی اور کان کو جڑ سے کاٹ دینے کو بھی۔'' ❹

٨۔ پاؤں میں دیت

آدمی کے دو قدم پورے ہوں تو چل سکتا ہے جبکہ ایک پاؤں سے آدمی معذور اور لنگڑا ہو جاتا ہے اور صحیح طور پر چل نہیں پاتا۔ دوسرے انسان کے ہمیشہ دو پاؤں ہوتے ہیں، اس لیے آپ نے ایک پاؤں کاٹ دینے میں نصف دیت مقرر کی۔ ❺

٩۔ بھنوؤں کے درمیان کی دیت

یہ وہ فقہی جزئیہ ہے جس سے آپ سے قبل کسی فقیہ نے تعرض نہیں کیا۔ اور آپ کی اس کے بارے میں یہ رائے تھی کہ اس میں ہڈی توڑنے والی دیت آئے گی جب کہ چوٹ دونوں بھنوؤں کے بیچ میں لگائی گئی ہو

---

❶ فقه عمر: ٢/ ٧١.
❷ مصنف عبدالرزاق: ٩/ ٣٧٧.
❸ فقه عمر: ٢/ ٧٦.
❹ فقه عمر: ٢/ ٨٠.
❺ مصنف ابن ابی شیبة: ٩/ ٢٠٩.

اور اس سے چہرے کا حسن بھی متاثر ہوا ہو۔ البتہ ہڈی اپنی جگہ سے ہلی نہ ہو۔ ❶ چنانچہ آپ فرماتے: ''جب ضرب بھنوؤں کے درمیان کی ہڈی تو نہ توڑے البتہ چہرے کی شان گھٹا دے تو اس میں ربع دیت آئے گی۔'' ❷

۱۰۔ ماتھا پھوڑ دینے کی دیت

آپ فرماتے ہیں: ''جب ماتھا توڑ دیا اور اس میں اندر کی جانب گڑھا بن گیا تو اس کی دیت ایک سو پچاس دینار ہوگی۔'' ❸

۱۱۔ ٹھوڑی کی دیت

آپ کے نزدیک ٹھوڑی توڑ دینے میں ثلث دیت تھی۔ ❹ آپ نے اپنی درست رائے اور اجتہاد سے ان امور کا حکم بھی بیان فرمایا جن کی طرف اس سے قبل علماء کی نظر نہ گئی تھی۔ انہی امور میں سے ایک ٹھوڑی توڑ دینے کی مذکورہ دیت بھی ہے اور یہ دیت ٹھوڑی کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر ہے کہ اس کے ٹوٹ جانے کی صورت میں آدمی کھا چبا سکنے اور منہ کھولنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے، بظاہر اس قول میں آپ متفرد ہیں۔ ❺

۱۲۔ انگلیوں کی دیت

انگلیوں کی بے حد اہمیت ہے خاص طور پر ہاتھوں کی انگلیوں کی اسی لیے آپ نے ہاتھ اور پاؤں کی ہر ہر انگلی کی عشر دیت مقرر کی جبکہ خود ایک انگلی کی ہڈی توڑنے میں انگلی کی دیت کا ثلث مقرر کیا (کیونکہ ہر انگلی میں تین ہڈیاں ہوتی ہیں) سوائے انگوٹھے کے کیونکہ اس میں دو جوڑ ہوتے ہیں لہٰذا انگوٹھے کے ایک جوڑ کو توڑنے میں انگلی کی دیت کا نصف آئے گا۔ چنانچہ آپ سے روایت ہے کہ ''ہر انگلی کی دیت دس اونٹ یا اس کے بقدر سونا یا چاندی ہے۔'' ❻

۱۳۔ ناخنوں کی دیت

آپ نے ناخن تک کی دیت بیان کرنے سے غفلت نہ کی۔ چنانچہ اگر کسی نے چوٹ مار کر ناخن سیاہ کر دیا یا اس کی ضرب سے ناخن گر گیا تو اس میں آپ نے انگلی کی دیت کا دسواں حصہ دس دینار مقرر کیا۔ چنانچہ آپ سے روایت ہے کہ ''جب کسی نے ضرب لگائی جس کے نتیجہ میں ناخن خراب ہوگیا ❼ یا گر گیا یا کالا ہوگیا تو اس میں انگلی کی دیت کا دسواں حصہ یعنی دس دینار آئے گا۔ ❽

❶ فقہ عمر: ۲/ ۸۸۔
❷ مصنف عبدالرزاق: ۹/ ۳۲۰۔
❸ مصنف عبدالرزاق: ۹/ ۲۹۱۔
❹ مصنف عبدالرزاق: ۹/ ۳۶۱۔
❺ فقہ عمر: ۲/ ۹۶۔
❻ فقہ عمر: ۲/ ۱۰۰۔
❼ فقہ عمر: ۲/ ۱۰۲۔
❽ فقہ عمر: ۲/ ۱۰۳۔

۴......حدود کا بیان

اس مضمون کو ہم درج ذیل عناوین کی روشنی میں بیان کرتے ہیں:

ا۔ اقامت حدود کی اہمیت

بلاشبہ حدود کے قیام میں مسلمانوں کی جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت ہے، حدود کا قیام معاشرے میں امن کا ضامن ہے، اس لیے آپ نے حدود کے نفاذ و قیام میں زبردست سختی اور تاکید سے کام لیا۔ حتیٰ کہ حدود کے قیام کو قیامِ زکوۃ وصلوۃ جتنی اہمیت دی۔ [1] چنانچہ آپ نے اپنے والیوں کو لکھ بھیجا کہ میرے نزدیک حدود کے قیام کی اہمیت نماز اور زکوۃ کے قیام جتنی ہے۔ [2]

۲۔ حدود کا معاملہ جب حاکم تک پہنچ جائے تو اب اس میں رجوع نہ کیا جائے

آپ کے نزدیک حدود کا معاملہ جب امام یا قاضی تک پہنچ جاتا ہے تو پھر اس میں رجوع کی گنجائش باقی نہیں رہتی، بلکہ جو حد ثابت ہو جائے اس کی تنفیذ واجب ہوتی ہے۔ [3]

۳۔ ایک آدمی پر ایک سے زیادہ حدود جمع ہو جانے کا بیان

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ حد قائم کرنے سے پہلے ایک شخص متعدد جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ مثلاً اس نے چوری بھی کی، زنا بھی کیا، پھر قتل بھی کر ڈالا، اب کیا اس کو قتل کر دینا ان دوسری حدود کی طرف سے کفایت کر جائے گا، جن کا وہ مرتکب ہوا ہے؟ یا پہلے اس پر حد قائم کی جائے گی اور پھر قصاص میں قتل کیا جائے گا؟ اس باب میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے مروی روایات بتلاتی ہیں کہ ایسے شخص پر پہلے حد قائم کی جائے گی، پھر اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ [4]

۴۔ پھانسی دینے اور قتل کرنے کی سزا خلیفہ کی طرف مراجعت کرنے کے بعد دی جائے گی

آپ کے نزدیک بلاد و امصار کے والیوں کے ذمہ تھا کہ وہ قتل اور پھانسی وغیرہ کے مقدمات میں پہلے خلیفہ کی طرف مراجعت کریں اور جب تک خلیفہ کی رائے کی موافقت حاصل نہ کر لی جائے نہ تو کسی کو قتل کیا جائے اور نہ اسے سولی چڑھایا جائے۔ [5]

۵۔ مقذوف کے لیے حد جاری کرنے کی شرط یہ ہے کہ مقذوف مسلمان ہو

(مقذوف اس شخص کو کہتے ہیں، جس پر بدکاری وغیرہ کی تہمت لگائی جائے۔ اور اگر وہ تہمت ثابت نہ ہو تو قاذف یعنی تہمت لگانے والے پر حد آتی ہے...... مترجم) سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی رائے یہ تھی کہ

---

[1] فقه عمر: ٢/ ١١١.
[2] الطبقات الكبرىٰ: ٥/ ٣٧٨.
[3] فقه عمر: ٢/ ١١٣.
[4] فقه عمر: ٢/ ١١٧.
[5] فقه عمر: ٢/ ١٢٠.

اگر مقذوف کافر ہو تو قاذف پر حد نہیں آتی۔ کیونکہ مقذوف کا کفر اس پر لگنے والی زنا کی تہمت سے بھی زیادہ گمبھیر اور بڑا ہے۔ لہٰذا جب تک اس کافر مقذوف میں زنا کی تہمت سے بھی بڑا گناہ یعنی کفر موجود ہے، اس کو زنا کی تہمت سے جو اس سے چھوٹے درجے کا گناہ ہے، بری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ❶ چنانچہ طارق بن عبدالرحمٰن اور مطرف بن ظریف سے روایت ہے، وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ ''ہم شعبی کے پاس بیٹھے تھے کہ اتنے میں دو آدمی جن میں سے ایک مسلمان اور دوسرا کافر نصرانی تھا اپنا جھگڑا لے کر ان کے پاس آئے۔ دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے پر بدکاری کی تہمت لگائی تھی، آپ نے مسلم کے لیے اس نصرانی کو اسی درے لگوائے اور بعد میں نصرانی سے کہا کہ چونکہ تم میں اس تہمت سے بھی بڑا جرم ہمہ وقت موجود ہے اس لیے تمہاری وجہ سے اس مسلمان کو سزا نہ دی جائے گی اور اس مسلمان کو چھوڑ دیا'' یہی فیصلہ عبدالحمید بن زید کے سامنے بھی پیش کیا گیا تو انہوں نے یہ ماجرا اور اس کی بابت شعبی کا فیصلہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو لکھ بھیجا آپ نے جواب میں شعبی رحمہ اللہ کے فعل کو درست اور قابل تحسین قرار دیا۔ ❷

غرض سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نزدیک کافر پر تہمت لگانے والے پر حد نہیں آتی کیونکہ کفر کے بعد کفر سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ دوسرے اس لیے بھی کہ کافر میں کفر کا گناہ ہر وقت موجود رہتا ہے جو لگائی گئی تہمت سے بھی بڑا گناہ ہے، لہٰذا اگر بجائے تہمت کے اس میں واقعی زنا کا گناہ پایا بھی جائے تب بھی وہ کفر سے ادنیٰ درجے کا گناہ ہوگا۔ لہٰذا کافر پر تہمت لگانے والے پر کوئی حد نہ آئے گی۔ ❸

۶۔ بیٹے پر تہمت لگانے والے پر سے حد ساقط نہیں

اگر کسی نے خود اپنے بیٹے پر تہمت لگا دی، اب آیا اس پر حد قائم کی جائے گی یا نہیں؟ اور کیا ایک باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بے گناہ بیٹے پر بدکاری کی تہمت لگا دے؟ اور اگر اس پر حد آتی ہے تو کیا بیٹے کے معاف کر دینے سے اس پر سے یہ حد ساقط ہو جائے گی؟ ان سب سوالات کے تناظر میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی رائے یہ تھی کہ بیٹے پر تہمت لگانے والے پر حد جاری کی جائے گی۔ البتہ اگر بیٹا معاف کر دے تو وہ حد ساقط ہو جائے گی۔ ❹ چنانچہ ابن جریج سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ''مجھے والی ایلہ ''زریق'' نے بیان کیا کہ ''انہوں نے ایک شخص کے بارے میں جس نے اپنے بیٹے پر بدکاری کی تہمت لگائی تھی، سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو خط لکھا تو انہوں نے جواب بھیجا: ''باپ پر حد قائم کی جائے الا یہ کہ بیٹا معاف کر دے۔'' ❺

---

❶ فقہ عمر: ۲/ ۱۳۰۔
❷ مصنف عبدالرزاق: ۶/ ۶۴۔ ۶۵۔
❸ فقہ عمر: ۲/ ۱۳۰۔
❹ فقہ عمر: ۲/ ۱۳۳۔
❺ مصنف ابن ابی شیبۃ: ۹/ ۵۰۴۔

۷۔ کسی مسلمان کی نصرانی بیوی پر تہمت لگانے کی سزا

اگر اس معاملہ کا جائزہ اس پہلو سے لیا جائے کہ ''نصرانی بیوی'' پر لگنے والی تہمت کا معنی اثر اس کے مسلمان خاوند اور مسلمان بیٹے تک بھی متعدی ہوتا ہے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ چنانچہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے روایت ہے ایسی عورت پر تہمت لگانے کو ''حد'' سے کم مقدار میں درے مارے جائیں گے۔ ❶

ابواسحاق شیبانی سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک ایسی نصرانی عورت پر تہمت لگائی جس کا ایک مسلمان بیٹا بھی تھا، تو آپ نے تہمت لگانے والے کو تیس سے کچھ اوپر کوڑے لگائے۔ ❷

یہی رائے زہری کی بھی ہے جبکہ قتادہ ایسے آدمی پر ''حد'' کی مقدار جتنے درے جاری کرتے ہیں۔ ❸

ائمہ مذاہب اربعہ کا اس مسئلہ میں اس بات پر اتفاق ہے کہ ایسے آدمی پر حد جاری نہ ہوگی۔ مالکیہ کا یہ قول ہے کہ اس عورت کی مسلمان اولاد کی بنا پر تہمت لگانے والے کو عبرت ناک سزا دی جائے گی۔ ❹

۸۔ زنا بالجبر کی تہمت کا بیان

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے آپ کے پاس آ کر دوسرے مرد پر زنا بالجبر کا الزام لگایا تو آپ نے اس سے پوچھا کہ ''کیا تیری کسی نے آواز سنی تھی؟ یا کسی نے تم پر یہ ظلم ہوتے دیکھا؟ وہ عورت بولی نہیں تو آپ نے اس پر مرد لگنے والی تہمت کے بدلے میں عورت پر حد قذف کو جاری کیا۔ ❺

یاد رہے کہ یہ مسئلہ زنا کی سزا کو متضمن نہیں۔ یہ مسئلہ قذف کے ساتھ خاص ہے، اب جو عورت دوسرے پر زنا بالجبر کا الزام لگا رہی ہے دراصل وہ عورت اس مرد پر اپنے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگا رہی ہے۔ اب اگر تو وہ اس بات کے گواہ پیش کر دیتی ہے تو ٹھیک کہ یہ گواہ اس پر سے حد قذف کو دور کر دیں گے۔ (نا کہ یہ بات ہے کہ یہ گواہ اس مرد پر زنا کو ثابت کر دیں گے جیسا کہ اوپر بیان ہوا کہ اس مسئلہ کا زنا کی سزا سے کوئی تعلق نہیں..... مترجم) وگرنہ اس پر حد قذف آئے گی، اب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نزدیک اگر تو کسی نے اس عورت کا شور شرابا سنا تھا یا کسی نے دیکھا تھا تو یہ امر اس پر سے حد قذف کو ساقط کرنے کے لیے کافی ہے۔ اور اگر وہ گواہ پیش نہ کرے تو اس پر حد قذف آئے گی۔ یہی رائے قتادہ، زہری، ربیعہ اور یحییٰ بن سعید انصاری کی بھی ہے۔ ❻

---

❶ فقہ عمر: ۲/ ۱۳۶۔ ❷ مصنف عبدالرزاق: ۷/ ۱۳۰۔
❸ مصنف عبدالرزاق: ۷/ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ❹ المغنی: ۸/ ۲۶۱۔
❺ فقہ عمر: ۲/ ۱۴۰۔ ❻ المحلی: ۱۱/ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔

۹۔ چوری کا سامان لے کر نکلنے سے پہلے پکڑے جانے والے چور کا حکم

اس بابت آپ کی رائے یہ تھی کہ اگر تو چور نکل بھاگنے سے پہلے پکڑا گیا ہے تو اس پر حد سرقہ (یعنی قطع ید) کی سزا نہ آئے گی۔ ❶

۱۰۔ کفن چور بھی چور ہی ہے، جو قطع ید کی سزا کا مستحق ہے

بعض لوگ ایسے شرمناک افعال کرتے ہیں جن کو سن کر دل گھٹ کے رہ جاتے ہیں حتیٰ کہ بعض نامرادوں کے گھناؤنے کرتوتوں سے قبروں میں پڑے مردے بھی محفوظ نہیں رہتے۔ ایک چور ایسا بھی ہے جو قبریں کھود کر مردوں کے کفن لے اڑتا ہے۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نزدیک کفن چور بھی چور ہی تھا جو قطع ید کی سزا کا مستحق تھا۔ دوسرے آپ کے نزدیک مردوں کی چوری کرنے والا زندوں کی چوری کرنے والے کی طرح تھا۔ ❷ چنانچہ معمر بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کفن چور کے ہاتھ کاٹے تھے۔ ❸

۱۱۔ دوسری بار شراب پینے والے کی سزا کا بیان

عبادہ بن نسی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو دیکھا کہ انہوں نے ایک شخص پر شراب کی حد جاری کی۔ چنانچہ آپ نے اس کے کپڑے اتار کر اسے اسی درّے مارے۔ جن میں سے بعض کی ضرب نے اس کی جلد کو پھاڑ بھی دیا۔ سزا دینے کے بعد آپ نے اس سے فرمایا: ''اگر تم نے دوبارہ شراب پی تو میں تمہیں درے مارنے کے ساتھ ساتھ قید میں بھی ڈال دوں گا اور جب تک تو سدھرے گا نہیں آزاد نہیں کروں گا۔'' اس پر وہ شراب نوش بولا: ''اے امیر المومنین! میں رب کے حضور توبہ کرتا ہوں کہ دوبارہ کبھی شراب نہ پیوں گا۔'' تب آپ نے اس کا رستہ چھوڑ دیا۔ ❹

۱۲۔ شراب پلانے والے کی سزا کا بیان

ہونا تو یہ چاہیے کہ جو شراب مہیا کرتا ہے یا شرابی کو پینے کے لیے پیش کرتا ہے اس کی سزا بھی شراب نوش سے کسی طرح کم نہیں ہونی چاہیے کیونکہ شرابی تک شراب پہنچانے کا سبب یہی بنا ہے۔ اسی لیے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے شراب پلانے اور پہنچانے والے کو شراب پینے والوں کے ساتھ ایک ہی سزا دی۔ ❺ چنانچہ ابن تیمی سے روایت ہے: ''سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے چند لوگوں کو شراب کی محفل قائم کرتے پکڑ لیا۔ وہاں شراب پلانے والا بھی موجود تھا، تو آپ نے شرابیوں کے ساتھ ساتھ اس کو بھی سزا دی۔'' ❻

---

❶ فقه عمر: ٢/ ١٤٦. ❷ فقه عمر: ٢/ ١٤٧.

❸ مصنف ابن ابی شيبة: ١٠/ ٣٤. ❹ الطبقات الكبرى: ٥/ ٣٦٥.

❺ فقه عمر: ٢/ ١٥٩. ❻ المصنف لعبد الرزاق: ٩/ ٢٣٠.

۱۳۔ شراب کے ساتھ شراب کے برتنوں کو بھی ضائع کر دینے کا حکم

ہارون بن محمد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو خناصرہ میں دیکھا کہ آپ نے یہ حکم جاری کیا کہ ''شراب کے مٹکے اور پینے کے پیالے سب کو توڑ دیا جائے۔''❶

۱۴۔ مسلمانوں کے علاقوں میں کافروں کے شراب ساتھ لے آنے کا حکم

کافر شراب کو حلال سمجھتے ہیں، اس لیے اپنے علاقوں میں بلا روک ٹوک پیتے بھی ہیں لیکن اگر وہ مسلمانوں کے علاقوں میں آتے ہیں تو کیا وہ اپنے ساتھ شراب بھی لا سکتے ہیں یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک تو وہ مسلمانوں کے علاقوں میں ہیں، صبر کریں گے اور جتنا چاہیں وہاں رہ سکتے ہیں کیونکہ ہر ملک کا اپنا ایک قانون اور ضابطہ ہوتا ہے جس کی پابندی ملک کے باشندوں کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو بھی کرنا لازم ہوتی ہے جو اس ملک میں اپنے کسی کام آتے ہیں، دوسرے ایک مسلمان ملک کا نظام دراصل اللہ رب العالمین کا نظام ہوتا ہے جو رعایت کیے جانے اور اپنائے جانے کا زیادہ مستحق ہے۔ اس بنیادی اصولی کے تناظر میں ہم سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو دیکھتے ہیں کہ آپ نے ذمیوں کو مسلمانوں کے علاقوں میں اپنے ساتھ شراب لے آنے سے منع کر دیا تھا، چنانچہ آپ نے خلیفہ بننے کے بعد تمام بلاد وامصار اسلامیہ میں یہ فرمان جاری کیا کہ ''کوئی ذمی بھی بلاد اسلامیہ میں اپنے ساتھ شراب لے کر داخل نہ ہو۔'' جس کے نتیجہ میں ذمیوں نے مسلمان علاقوں میں اپنے ساتھ شراب لے آنا بند کر دی۔''❷

۱۵۔ جادوگر کی سزا کا بیان

ہمام بن یحییٰ سے روایت ہے کہ عمان کے عامل نے ایک جادوگرنی گرفتار کی۔ اس نے اس کی سزا کے بارے میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو خط لکھا۔ آپ نے یہ جواب لکھ بھیجا کہ ''اگر تو وہ اعتراف جرم کرتی ہے یا اس کا جرم گواہوں سے ثابت ہو جاتا ہے تو اس کو قتل کر دو۔''❸ ائمہ ثلاثہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔❹ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں تمام والیوں کو یہ فرمان جاری کیا تھا کہ ہر جادوگر اور جادوگرنی کو گرفتار کر کے قتل کر دو۔''❺

۱۶۔ مرتد سے توبہ کروانے کا بیان

اگرچہ مسلمان کسی کو اسلام لے آنے پر مجبور نہیں کرتے لیکن کسی کو اسلام کے ساتھ کھلواڑ کرنے کی بھی اجازت نہیں۔ لہٰذا جو اپنی خوشی اور رغبت کے ساتھ مسلمان ہوا یا مسلمان پیدا ہوا پھر کافر بن بیٹھا تو سیّدنا

---

❶ الطبقات الکبری: ٥/ ٣٦٥ .
❷ فقه عمر: ٢/ ١٦٤ .
❸ مصنف ابن ابی شیبة: ١٠/ ١٣٥ .
❹ حاشية ابن عابدين: ١/ ٣١ .
❺ مصنف ابن ابی شیبة: ١٠/ ١٣٦ .

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نزدیک ایسے شخص سے پہلے توبہ کرنے کو کہا جائے گا۔ اور دوبارہ اسلام لے آنے کو دعوت دی جائے گی۔ پس اگر تو وہ تین دن کے اندر اندر توبہ کر کے مسلمان ہوگیا تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی وگرنہ چوتھے دن اس کی گردن ماردی جائے گی۔ ❶

۱۷۔ مرتد سے توبہ کروانے کے طریقہ کا بیان

عبدالرحمٰن بن ثابت بن ثوبان اپنے والد سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ''میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا عامل تھا۔ میں نے آپ کو یہ ماجرا لکھ بھیجا کہ ایک یہودی مسلمان ہوکر پھر یہودی بن بیٹھا ہے تو آپ نے مجھے یہ خط لکھا کہ ''پہلے اسے اسلام کی دعوت دو، اگر تو وہ اسلام قبول کرتا تو اس کا رستہ چھوڑ دو اور اگر وہ نہیں مانتا تو اس کو لکڑی کے ایک تختے پر لٹا دو اور اسلام کی دعوت دو۔ نہ مانے تو رسیوں سے باندھ کر اس کے دل پر خنجر رکھ کر اسلام کی دعوت دو، مان جائے تو جانے دو اور نہ مانے تو اسے قتل کر دو۔'' راوی کہتے ہیں کہ ''میں نے ایسا ہی کیا، اور جب میں نے خنجر اس کے دل پر رکھا تو وہ مسلمان ہوگیا، جس پر میں نے اسے جانے دیا۔'' ❷

دکتور محمد شقیر لکھتے ہیں:

> ''مرتد سے توبہ کروانے کی یہ تفصیل میں نے سوائے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اس خط کے اور کسی جگہ لکھی نہیں دیکھی ائمہ اربعہ نے تو فقط یہ لکھا ہے: ''مرتد سے توبہ کرنے کو کہا جائے، نہ مانے تو قتل کر دو۔'' ❸

۱۸۔ مرتدہ عورت کی سزا کا بیان

آپ کے نزدیک مرتدہ عورت کو بھی توبہ کرنے کو کہا جائے گا، اگر تو وہ توبہ کرتی ہے تو فبہا وگرنہ اس کو غلام بنا کر غیر مسلمانوں کے ہاتھوں بیچ دیا جائے گا۔ ❹ یہی رائے قتادہ کی بھی ہے کہ نہ ماننے کی صورت میں اس کو قیدی بنا کر بیچ دیا جائے گا۔ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کی عورتوں کے ساتھ یہی کیا تھا۔ ❺ حسن بصری سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب عورتیں مرتد ہو جائیں تو انہیں قتل مت کرو ہاں انہیں مسلمان ہو جانے کی دعوت دو، اگر نہ مانیں تو قید میں ڈال دو، انہیں مارو نہیں البتہ مسلمانوں کی باندیاں بنا دو۔'' ❻

---

❶ الطبقات الکبریٰ: ٥/ ٣٥١.

❷ مصنف ابن ابی شیبة: ١٢/ ٢٧٤.

❸ روضة الطالبین: ١٠/ ٧٥.

❹ فقه عمر: ٢/ ١٨١.

❺ مصنف عبدالرزاق: ١٠/ ١٧٦.

❻ مصنف ابن ابی شیبة: ١٠/ ١٤٠.

۵.....تعزیرات کا بیان

اس باب میں درج ذیل عناوین قابل ذکر ہیں:

ا۔ تعزیر کی زیادہ سے زیادہ حد کا بیان

جسمانی سزا کی دو قسمیں ہیں، حد اور تعزیر، حد کو خود شارع علیہ السلام نے بیان فرما دیا ہے جس میں کمی بیشی کرنے کی کسی کو اجازت نہیں۔ اور اس کی مقدار خود شارع علیہ السلام نے مقرر فرمائی ہے۔ جبکہ تعزیر ان امور میں یا ایسی جنایت میں جاری کی جاتی ہے جن کی حد شرع میں بیان نہیں کی گئی۔ یہ امر حاکم کی صواب دید کے سپرد ہوتا ہے وہ صورت حال دیکھ کر اس سزا کی مقدار متعین کر سکتا ہے۔ البتہ آپ نے اس کی زیادہ سے زیادہ حد بھی بیان کی ہے جس سے تجاوز کی اجازت نہیں۔ اور اس بابت دو اقوال ہیں۔ ❶ پہلا قول یہ ہے کہ تعزیر تیس دروں سے زیادہ نہ ہوگی، چنانچہ محمد بن قیس سے مروی ہے کہ ''سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے والی مصر کو خط لکھا کہ تعزیر تیس دروں سے زیادہ نہ ہو الا یہ کہ معاملہ شرعی حد کا ہو۔'' ❷ دوسرا قول یہ ہے کہ تعزیر کی کم سے کم حد سے متجاوز نہ ہو۔ چنانچہ اس قول کی بنیاد پر آزاد کی تعزیر انتالیس دروں سے متجاوز نہ ہوگی اور غلام کی تعزیر انیس دروں سے زیادہ نہ ہوگی۔ کیونکہ آزاد کے لیے کم از کم حد چالیس اور غلام کے لیے بیس درے ہیں۔ ❸ چنانچہ آپ نے اپنے عاملوں کو لکھ بھیجا: ''لوگوں کو ان کے جرائم کے بقدر سزا دو چاہے کسی کی سزا محض ایک کوڑا بنتی ہو اور خبردار کسی کو حد کی سزا نہ دینا۔'' ❹ (ہاں معاملہ ہی حد کا ہو تو اور بات ہے)۔

۲۔ محض گمان پر کسی کو گرفتار کرنے اور تہمت پر سزا دینے کی ممانعت کا بیان

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ محض گمان پر کسی کو گرفتار کرنے یا محض تہمت لگا دینے سے کسی کو سزا دینے کے قائل نہ تھے۔ عدل وانصاف کی بابت یہ آپ کا بنیادی اصول تھا اور آپ عادلانہ تحقیق کو احتیاطی تحقیق پر ترجیح دیتے تھے۔ دراصل آپ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں کسی بے گناہ پر ظلم نہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کی خیانتیں لے کر رب کے حضور پیش ہونے کو اس بات پر ترجیح دی کہ ان کے خون ناحق سے ہاتھ رنگ کے رب کے حضور پیش ہوں۔ ❺

ابراہیم بن ہشام بن یحییٰ غسانی بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے میرے دادا سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ جب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مجھے موصل کا والی بنایا اور میں وہاں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ یہاں کے لوگ تو بڑے چور اور نقب زن ہیں، میں نے یہ صورت حال آپ کو لکھ بھیجی اور پوچھا کہ کیا کروں؟

---

❶ فقه عمر: ۲/ ۱۸۸.
❷ الطبقات الكبرىٰ: ۵/ ۳۶۵.
❸ فقه عمر: ۲/ ۱۸۹.
❹ سيرة عمر لابن الجوزي: ۱۷۷.
❺ فقه عمر: ۲/ ۲۱۲.

آیا محض ظن کی بنیاد پر لوگوں کو پکڑ لوں اور تہمت پر انہیں سزا دوں یا گواہوں کے پیش ہونے پر انہیں گرفتار کروں؟ تو آپ نے مجھے یہ جواب لکھا: ''میں سنت کے مطابق گواہوں کے پیش ہونے پر کسی کے خلاف کوئی کارروائی کروں۔ پس اگر حق کا طریقہ انہیں نہیں سدھارتا تو انہیں اللہ سدھارے۔'' یحییٰ کہتے ہیں: ''چنانچہ میں نے ایسا ہی کرنا شروع کیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب میں نے موصل کو چھوڑا تو وہ سب سے زیادہ نیک شہر تھا اور اب وہاں چوری اور نقب زنی بھی سب سے کم تھی۔'' ❶

عدی بن ارطاۃ نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو یہ خط لکھا: ''اما بعد! اللہ امیر المومنین کی اصلاح کرے! مجھ سے پہلے کے عاملوں نے بیت المال سے قومی دولت کو بے تحاشا لوٹا ہے اور بظاہر جب تک انہیں کوئی سزا نہ دوں، میں ان سے لوٹی ہوئی وہ دولت حاصل نہیں کرسکتا، تو کیا...... اللہ آپ کا بھلا کرے...... آپ مجھے ایسا کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔'' اس خط کا مجھے جو جواب آیا وہ یہ تھا'' اما بعد! تم نے مجھ سے لوگوں کو سزا دینے کی اجازت طلب کی۔ مجھے اس بات پر از حد حیرت ہوئی گویا کہ میں تمہارے لیے دوزخ کی آگ سے ڈھال ہوں اور گویا کہ میرا تم سے راضی ہونا تمہیں اللہ کی ناراضی سے بچا لے گا۔ سنو! غور سے دیکھو! جس کے خلاف سچے گواہ ثابت ہو جائیں تو گواہ جس مال کی گواہی دیں وہ لے لو اور جو کسی بات کا خود اقرار کرے وہ بھی اس سے لے لو اور جو نہ مانے اور گواہ بھی نہ ہوں تو اس سے قسم لے کر اس کا رستہ چھوڑ دو، اللہ کی قسم! میں لوگوں کی خیانتیں لے کر اللہ سے جا ملوں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ان کے خون ناحق سے ہاتھ رنگ کے اللہ سے جاملوں۔'' ❷

یہ تھی سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی قرار داد اور اساسی بنیاد کہ تحقیق ''عادلانہ'' ہو نا کہ محتاط، لہٰذا محض وتخمین پر کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہوگی اور نہ نری تہمت کسی کو مستوجبِ سزا بناتی ہے حضرت عمر رحمہ اللہ اور عطاء سے یہی مروی ہے۔ ❸

۳۔ مثلہ بنانے کی ممانعت کا بیان

رب تعالیٰ نے حج اور عمرہ میں سر منڈانے کو سنت قرار دیا ہے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی مونڈنے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن افسوس کہ بعض لوگوں نے اس کے خلاف کرتے ہوئے بطور سزا کے دوسروں کے سر اور داڑھیوں کو مونڈنا شروع کر دیا۔ آپ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا اور اس کو مثلہ کا نام دیا۔ ❹ چنانچہ آپ نے ایک عامل کو خط لکھا کہ ''مثلہ بنانے سے بچو خبردار سزا دینے کے لیے کسی کا سر اور داڑھی نہ مونڈنا۔'' ❺ یہی مذہب ائمہ اربعہ کا بھی ہے کہ تعزیر میں کسی کی داڑھی مونڈنا ہرگز بھی جائز نہیں۔ جبکہ سر مونڈنا امام مالک اور

❶ حلیة الاولیاء: ۵/ ۲۷۱.
❷ سیرة عمر لابن عبدالحکم: ص ۵۵.
❸ مصنف عبدالرزاق: ۱۰/ ۲۱۷-۲۱۹.
❹ فقه عمر: ۲/ ۲۱۵.
❺ الطبقات: ۵/ ۳۸۰.

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ ❶

٦......قیدیوں کے احکام

اس بابت سیرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا جائزہ، ان عنادین کے تحت پیش کیا جا سکتا ہے:

ا۔ متہمین کا معاملہ جلد نبٹا دیا جائے

آپ نے اس بات کا حکم دیا کہ متہمین کا معاملہ نبٹانے میں جلدی کی جائے، لہٰذا اگر کسی کی فقط تادیب کی ضرورت ہے تو اسے تادیب دے کر فارغ کر دیا جائے۔ اور جس پر کوئی مقدمہ ثابت نہ ہو اس کو چھوڑ دیا جائے۔ آپ کے نزدیک حدود کا قیام قیدیوں کے کم ہونے کا باعث تھا کیونکہ حدود کا قیام فساق و فجار کو فسق و فجور اور برائیوں سے باز رکھتا ہے۔ ❷ جعفر بن برقان سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہمیں خط لکھا...... ''اگر تم حدود قائم کرو گے تو قیدیوں کی تعداد کم ہو جائے گی اور یہ فسق و فجور کے عادی لوگ اپنی برائیوں سے باز آ جائیں گے۔ قیدیوں کی تعداد میں اضافہ تبھی ہوتا ہے جب ان کے امور میں غور کم کیا جاتا ہے کیونکہ قید تو قید ہے، ان کے بارے میں فکر و نظر نہیں، اس لیے اپنے والیوں کو حکم دیں کہ وہ روزانہ کی بنیاد پر قیدیوں کے امر میں غور کریں۔ لہٰذا جس کی تادیب ضروری ہے اس کی تادیب کر کے چھوڑ دیں اور جس پر کوئی مقدمہ نہیں اسے رہا کر دیں۔'' ❸

۲۔ قیدیوں کے امور کا اہتمام

آپ نے ہر امر کی اصلاح کی، ہر شعبہ میں عدل قائم کیا حتیٰ کہ قیدی بھی آپ کی نظر اہتمام سے محروم نہ رہے۔ چنانچہ آپ نے قیدیوں کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ کا زبردست خیال رکھا۔ ❹ جعفر بن برقان بیان کرتے ہیں کہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہمیں خط لکھا کہ ''قیدیوں پر صدقہ کا مال خرچ کرو اور ان کا کھانا پینا اور لباس درست کرو، ان کے لیے اتنی رقم مقرر کرو جو ان کے کھانے پینے کے لیے کافی ہو جائے۔ اس غرض کے لیے انہیں ماہانہ چند دراہم وظیفہ میں دو، کیونکہ اگر تم ان کے لیے کھانا جاری کرو گے تو وہ جیل کی انتظامیہ اور سپاہی وغیرہ لے اڑیں گے۔ ان پر کسی نیک آدمی کو مقرر کرو جو انہیں ہر ماہ کا وظیفہ دیانت داری سے دے، وہ یوں کہ وہ خود بیٹھے اور نام بنام سب کو بلاتا جائے اور ہر ایک کا وظیفہ خود اس کے ہاتھ میں دیتا جائے۔...... اور انہیں سردی گرمی کا جوڑا بھی دو، چنانچہ سردیوں میں قمیص کے ساتھ گرم چادر اور گرمیوں میں قمیص کے ساتھ تہبند ہو۔ جبکہ قیدی عورت کو اوڑھنی بھی دو۔ اور جو لاوارث مر جائے اور اس کے عزیز رشتہ دار نہ ہوں تو بیت المال سے اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرو، پھر اس کی نماز جنازہ پڑھ کے اسے دفن کر دو۔'' ❺

---

❶ مغنی المحتاج: ٤/ ١٩٢.　❷ فقہ عمر: ٢/ ٢٢٥.

❸ الخراج لابی یوسف: ص ٣٠١.　❹ فقہ عمر: ٢/ ٢٢٦.　❺ الخراج لابی یوسف: ص ٣٠٠۔ ٣٠١.

اور فوجی جرنیلوں کو یہ خط لکھا:

''قیدیوں پر غور کرو، انہیں جرم سے زیادہ سزا مت دو اور جوان میں سے بیمار ہو جائے اور اس کے پاس نہ تو دوا دارو کے پیسے ہوں اور نہ کوئی عزیز رشتہ دار ہو، اس کا علاج کراؤ اور جیل خانہ پر اس کو مقرر کرنا جو نیک اور رشوت نہ لیتا ہو کیونکہ راشی ہمیشہ حکم عدولی کرتا ہے۔'' [1]

۳۔ عورتوں کی خصوصی جیل

قیدیوں کے بارے میں آپ نے ایک اور اہم قدم یہ اٹھایا کہ عورتوں کی علیحدہ جیل بنوائی جہاں مردوں کا آنا جانا نہ ہو۔ عورتوں کی علیحدہ جیل کے لیے یقیناً دیندار اور بھروسے کے لائق لوگ درکار تھے۔ جو عورتوں کے امور میں دین و دیانت کو ملحوظ رکھ سکیں۔ [2]

چنانچہ آپ نے جرنیلوں کو یہ خط لکھا: ''قیدیوں کے امور میں غور کرو، جن پر حد لازم آتی ہے ان پر حد قائم کرو، ان کو جیلوں میں نہ پڑا رہنے دو، جن کا معاملہ مشتبہ ہو، انہیں میری طرف بھیج دو، اور بدمعاش لوگوں کی بابت صحیح معلومات لو، انہیں جیلوں میں ڈالے رکھنا ہی ان کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں۔ جرم سے زیادہ سزا مت دینا، بے خان و مان بیمار قیدیوں کا علاج کروانا اور بدمعاشوں اور عام شہریوں کو ایک جیل میں اکٹھا نہ رکھنا، عورتوں کی جیل الگ بنانا، جیل پر نیک اور اس شخص کو مقرر کرنا جو رشوت لینے کا عادی نہ ہو۔ کیونکہ راشی کو جو جیسا کہے وہ کر ڈالتا ہے۔'' [3]

ان ہدایات کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ باآسانی اخذ کر سکتے ہیں کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو قیدیوں کے امور کا بے حد خیال تھا اور آپ کو ان کے دین اور اصلاحِ احوال کی بے حد فکر تھی۔ آپ قیدیوں کے ساتھ بھی عدل سے کام لیتے تھے اور آپ نے گزشتہ عاملوں کے قیدیوں کے ساتھ ناروا رویوں کی اصلاح کی۔

۷...... جہاد کے احکام

آپ نے صیغہ جہاد کی بابت مندرجہ ذیل اصلاحی اقدامات کیے:

۱۔ جہاد میں شرکت کے لیے عمر کا تعین

صدر اول کے مسلمان ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جہاد میں حصہ لیتے تھے اور جب کسی کو جہاد میں شرکت کی اجازت نہ ملتی تھی تو اس کی حسرت کا عالم دیدنی ہوتا تھا اور وہ ولی امر کو قائل کرنے کی از حد کوشش کرتا تھا کہ وہ جہاد میں جا کر دشمنوں سے لڑ سکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس کا فیصلہ یوں کر دیا کہ جہاد و قتال میں شرکت کی عمر مقرر کر دی کہ پندرہ سال سے کم عمر کا نوجوان قتال میں شرکت نہیں کر سکتا۔ اور اس سے کم عمر

[1] الطبقات: ۵/ ۳۵۶۔ [2] فقہ عمر: ۲/ ۲۲۸۔
[3] الطبقات: ۵/ ۳۵۶۔

کا نوجوان گھر رہے گا۔ ❶

۲۔ غیر مسلموں سے قتال کیونکر شروع کیا جائے

صفوان بن عمر سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''ہمارے پاس سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا خط آیا کہ ''رومیوں کے کسی قلعہ یا جماعت کے ساتھ اس وقت تک قتال شروع نہ کیا جائے جب تک کہ انہیں اسلام کی دعوت نہ دے لی جائے۔ پس اگر تو وہ اسلام کی دعوت قبول کرلیں تو رک جاؤ۔ اگر نہ مانیں تو جزیہ لو وہ بھی نہ دیں تو ان کے ساتھ اعلان جنگ کردو۔'' ❷

۳۔ محاذ پر ایک غازی کتنی مدت تک رہے؟

بلاشبہ اسلامی سرحدوں کی حفاظت ونگہداشت رب تعالیٰ کو سب سے محبوب عمل ہے اور رب تعالیٰ اس پر بے پناہ اجر وثواب سے نوازتے ہیں لیکن آپ نے معاشرتی ذمہ داریوں کے تناظر میں محاذ پر زیادہ سے زیادہ رکنے کی مدت چالیس دن مقرر فرمائی۔ چنانچہ فرمایا: ''سرحدوں پر غازی زیادہ سے زیادہ چالیس دن ٹھہرے کہ یہ ایک کامل مدت ہے۔'' ❸

۴۔ غازی مقاتل کے اپنے مال میں تصرف کرنے کا حکم

آپ نے فرمایا: ''جب ایک آدمی اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوکر جنگ میں قتال کرتا ہے تو وہ اپنے مال میں جو تصرف بھی کرے (یعنی چاہے وقف کرے یا کسی کو وصیت کرے) جائز ہے۔'' ❹

۵۔ دشمنوں کو گھوڑے بیچنے کا حکم

دشمنوں تک جنگی اسلحہ اور ذرائع نقل وحمل اور سامان رسد پہنچانا اور انہیں بیچنا، جس سے انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں قوت حاصل ہو اور ان کی پیٹھ مضبوط ہو، جرم ہے۔ اور ایسا کرنے والے کو اس سے روکا جائے گا تاکہ دشمنوں تک اسلحہ، سواریاں اور سامان رسد نہ پہنچے۔ اس اصول کی بنا پر آپ نے ہندوستان گھوڑے لے جاکر بیچنا منع کردیا کیونکہ وہ مشرکوں کا ملک ہے جبکہ اہل اسلام اور بت پرستوں کی عداوت کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ❺

۶۔ مسلمان قیدیوں کو ہر قیمت پر فدیہ دے کر چھڑانا

آپ نے اپنے عمال کو لکھے خطوط میں اس بات پر بے حد زور دیا کہ چاہے جتنا مال خرچ ہو فدیہ دے کر مسلمان قیدیوں کو کفار کی گرفت سے آزاد کراؤ۔ چنانچہ آپ نے ایک عامل کو یہاں تک لکھا کہ چاہے سارا

---

❶ فقه عمر: ۲/ ٤١٥ . ❷ الطبقات: ٥/ ٣٥٥ .
❸ الطبقات: ٥/ ٣٥٥ . ❹ الطبقات: ٥/ ٣٥٢ .
❺ فقه عمر: ۲/ ٤٢٧ .

مال خرچ ہو جائے، مسلمان قیدیوں کو چھڑاؤ۔'' ❶ ایسا ہی ایک دوسری روایت میں بھی آتا ہے۔ ❷ ربیعہ بن عطاء نے بیان کیا ہے کہ آپ نے ایک مسلمان کے بدلے دس رومی قیدی آزاد کیے تھے۔'' ❸

۷۔ مرد، عورت، غلام ذمی سب کو فدیہ دے کر آزاد کرو:

ربیعہ بن عطاء کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مجھے بہت سارا مال دے کر ساحل عدن کی طرف بھیجا کہ فدیہ دے کر مرد، عورت، ذمی، غلام سب کو چھڑا لاؤ۔ ❹

بلا شبہ یہ آپ کا عدل تھا کہ آپ بلاد اسلامیہ کے ذمی اور غلام تک کو فدیہ دے کر غیروں کی قید سے آزاد کراتے ہیں۔ اور اس کی حفاظت اور اس کا دفاع کرتے ہیں، بے شک یہ ذمیوں کے ساتھ مسلمانوں کی وفا اور وعدوں کی پاسداری کا وہ مظہر ہے کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ❺

۸۔ قیدیوں کو قتل کر دینے سے شدید ناگواری

معمر بیان کرتے ہیں: مجھے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ایک شامی محافظ نے بتلایا کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے کبھی کسی قیدی کو قتل کیا ہو اور نہ کسی ترکی کو۔ چنانچہ جب ترک قیدی آئے تو آپ نے انہیں غلام بنانے کا حکم دیا اس پر انہیں لانے والوں میں سے ایک صاحب بولے: ''اے امیر المومنین! اگر آپ اس کو اس وقت دیکھ لیتے جب یہ مسلمانوں میں قتال کر رہا تھا اور انہیں قتل کر رہا تھا تو آپ مسلمانوں پر بے حد رو پڑیں۔'' اس پر آپ نے فرمایا: ''اس ایک کو قتل کر ڈالو۔'' چنانچہ ان صاحب نے اٹھ کر اس خاص ترکی کو قتل کر ڈالا۔'' ❻ آپ کو قیدیوں کو قتل کرنا ناپسند تھا۔ سوائے اس ایک کے جس نے بے شمار مسلمان قتل کیے تھے آپ نے کسی قیدی کو قتل نہ کیا تھا، البتہ آپ انہیں غلام بنا دیتے تھے۔ ❼

۸...... نکاح وطلاق کا بیان

اس بابت آپ کے اجتہادات کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ بغیر ولی کے عورت کا نکاح

سفیان ایک اہل جزیرہ کے آدمی سے اور وہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا، اس کا ولی نکاح میں موجود نہ تھا۔ وہ روم کے اس بیرونی راستے پر تھا جو تھوڑے ہی فاصلے پر تھا، تو آپ نے بغیر ولی کے ہونے والے اس نکاح کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یا تو ولی ہو وگرنہ

---

❶ حلیة الاولیاء: ٥/ ٣١١۔ ٣١٢.
❷ الطبقات: ٥/ ٣٥٤.
❸ سیرة عمر لابن الجوزی: ١٢٠.
❹ الطبقات: ٥/ ٣٥٣.
❺ فقه عمر: ٢/ ٤٣٦.
❻ مصنف عبدالرزاق: ٥/ ٢٠٥۔ ٢٠٦.
❼ فقه عمر: ٢/ ٤٣٨.

سلطان ہو۔'' ❶

۲۔ اگر کسی عورت کے دو ولی اس کا اپنی اپنی مرضی سے دو آدمیوں سے نکاح کر دیں

ثابت بن قیس غفاری کہتے ہیں: میں نے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو جہینہ قبیلہ کی ایک لڑکی کا حال لکھ بھیجا کہ ''اس کے ایک ولی نے اس کا نکاح قیس کے ایک آدمی سے جبکہ دوسرے نے جہینہ کے ایک آدمی سے کر دیا ہے، تو آپ نے اس کا جواب یہ لکھ بھیجا کہ ''لڑکی کے پاس عادل گواہ بھیجو اور اسے اختیار دو کہ وہ دونوں میں کسی ایک کو جس کو وہ چاہے اپنا خاوند چن لے، پس وہی اس کا خاوند ہوگا۔''

۳۔ جس عورت سے بدکاری کی تھی اس کے ساتھ بعد میں نکاح کرنے کا بیان

اگر کسی نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا، بعد میں اس کے ساتھ نکاح کا ارادہ کرلیا تو آیا وہ اس کے ساتھ نکاح کا ارادہ کرلیا تو آیا وہ اس کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے اور کیا یہ اس کے لیے حلال ہے؟

آپ کی اس بارے میں رائے یہ تھی کہ اگر عورت میں خیر نظر آئے تو مرد اس کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے، اور یہ ٹھیک رائے ہے جو شر کے کئی دروازے بند کرتی ہے۔ کیونکہ نکاح کی بابت اس کے ساتھ زنا کرنے والے اور نہ کرنے والے دونوں برابر ہیں اور اگر ہم اس کے عدم جواز کا قول کرتے ہیں تو اس کے ساتھ زنا نہ کرنے والا اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ اسے اپنے نکاح میں مت لے۔ اور اس میں بے پناہ مفاسد اور عظیم شرور ہیں۔ ❷ یحییٰ بن سعید سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ سے یہ پوچھا گیا کہ اگر ایک عورت سے زنا ہو جائے پھر زانی اس کے ساتھ نکاح میں خیر دیکھے تو کیا وہ اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ''کر سکتا ہے۔'' ❸

۴۔ قیدی مجاہد کی بیوی کے نکاح کا بیان

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ''ایک مجاہد مسلمان جب تک دشمنوں کی قید میں ہے اس کی بیوی کے ساتھ کسی کا نکاح نہ کیا جائے اور نہ وہ خود کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرے۔'' ❹ کیونکہ اس مجاہد نے میدان جہاد میں آگے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے یا اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تھا اور سر ہتھیلی پر رکھ کر خود کو اسلام پر قربان کرنے کے لیے پیش کیا تھا۔ اس مجاہد کی اس عظیم قربانی کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی بیوی کو بھی چاہیے کہ وہ کسی دوسرے کے ساتھ نکاح نہ کرے، اس کی قربانی کی قدر کرے اور اس آزمائش پر صبر کرے یہاں تک کہ وہ دشمنوں کی قید سے آزاد ہو کر آ جائے، دوسرے دشمنوں کی قید میں ہونا اور بیوی سے غیر موجود ہونا اس کے بس کی بات نہیں۔ پھر اس بات کا احتمال

❶ مصنف ابن ابی شیبۃ: ٤/ ١٣٢.
❷ فقہ عمر: ١/ ٤١٢.
❸ مصنف ابن ابی شیبۃ: ٤/ ٢٥٠.
❹ الطبقات: ٥/ ٣٥١.

بھی ہر وقت موجود ہے کہ شاید دشمن اسے رہا کر دیں، اس لیے ان سب احتمالات اور اس کی عظیم قربانیوں کو دیکھتے ہوئے عدل وانصاف کا تقاضا یہی ہے کہ قیدی مجاہد کی بیوی جب تک کہ وہ قید میں ہے کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ ❶

۵۔ گم شدہ کی بیوی کے نکاح کا بیان

ایک آدمی ایسا گم ہوا کہ اس کی کوئی خبر نہ ملی اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مردہ، تو کیا اس کی بیوی اس کا انتظار کرتی رہے؟ اور کب تک انتظار کرے؟ اس بارے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ ''گم شدہ اور مفقود الخبر کی بیوی چار سال تک عدت میں رہے۔ اس کے بعد بھی اگر اس کی کوئی خبر نہیں ملتی تو وہ کسی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔'' ❷

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عدی بن ارطاۃ کو خط لکھا: ''گم شدہ کی بیوی چار سال تک عدت میں رہے (یعنی اس کا انتظار کرے)'' ❸ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ چار سال بعد ایسی عورت کے نکاح کر لینے کو جائز سمجھتے ہیں، چنانچہ چار سال گزرنے کے بعد وہ عدتِ وفات چار ماہ دس گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ ❹

۶۔ غیر مدخول بہا عورت کو اگر خاوند مرض الوفات میں طلاق دے دے تو اس کے مہر کا بیان

ایسی عورت کے لیے آپ کے نزدیک نصف مہر ہے، لہٰذا مرض الوفات میں خاوند کی دی گئی طلاق کا مہر پر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔ ❺ البتہ آپ نے ایسی عورت کو میراث سے محروم قرار دیا اور حکم دیا کہ نہ تو اس کو میراث ملے گی اور نہ یہ عدت گزارے گی۔ ❻ (کیونکہ خاوند نے اس کے ساتھ ابھی تک دخول نہیں کیا، اور غیر مدخول بہا عورت کو اگر طلاق مل جائے تو اس پر عدت نہیں آتی......مترجم)

۷۔ بیٹی کی شادی کرتے وقت آدمی کا اپنے لیے کسی بات کی شرط رکھنے کا بیان

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نزدیک مہر پھر بھی عورت کو ہی ملے گا چاہے عورت کا باپ نکاح کے وقت کسی چیز کو اپنے لیے شرط بھی کر لے۔ ❼

اوزاعی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اس شرط پر بیٹی کا نکاح کیا کہ مہر ایک ہزار دینار ہوگا اور اس نے اپنے لیے بھی ایک ہزار شرط رکھ دیا تو سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ''یہ دونوں ہزار دینار عورت کے ہی ہیں، باپ کے لیے کچھ بھی نہیں۔'' ❽

---

❶ فقه عمر: ۱/ ٤١٧ .
❷ فقه عمر: ۱/ ٤١٨ .
❸ المحلی: ۱۰/ ۱۳۸ .
❹ فقه عمر: ۱/ ٤١٨ .
❺ فقه عمر: ۱/ ٤٢٣ .
❻ مصنف ابن ابی شیبة: ٤/ ٣٣١، ٣٣٢ .
❼ فقه عمر: ۱/ ٤٢٥ .
❽ مصنف ابن ابی شیبة: ٤/ ٢٠١ .

۸۔ مذاق میں دی گئی طلاق بھی طلاق ہے

آپ کے نزدیک طلاق چاہے مذاق میں دی یا سنجیدگی میں دونوں کا حکم ایک ہے کہ وہ طلاق واقع ہو جائے گی، سلیمان بن حبیب محاربی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مجھے لکھا کہ ''تم کم عقلوں اور نادانوں کی جو چاہے غلطی معاف کر دو لیکن ان کی دی گئی طلاق اور آزاد کیے گئے غلام کو ہرگز معاف نہ کرو۔'' [1] (یعنی کم عقلوں کی طلاق اور غلام کو دی گئی آزادی نافذ ہو کر رہتی ہے)۔''

۹۔ زبردستی کیے گئے کی طلاق

بسا اوقات کسی انسان کو طلاق دینے پر مجبور کیا جاتا ہے، مثلاً اس سے ایسی قسم کھلوائی جاتی ہے کہ اگر تم نے فلاں فلاں کام کیا تو تمہاری بیوی کو طلاق اور بسا اوقات جان کی دھمکی دے کر طلاق دلوا دی جاتی ہے۔ تو آیا ایسی طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ آپ کے نزدیک زبردستی کیے گئے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ [2] چنانچہ آپ سے روایت ہے کہ ''مکرہ'' (زبردستی کیے گئے) کی نہ طلاق ہے اور نہ عتاق۔'' [3] (یعنی اس کا آزاد کیا گیا غلام بھی آزاد نہیں جب زبردستی کہلوا کر آزاد کرایا جائے۔)

۱۰۔ آدھی طلاق کا حکم

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی بیوی کو آدھی طلاق دے دے تو فرمایا: ''یہ طلاق واقع نہ ہو گی۔'' [4]

۱۱۔ اگر کوئی خاوند بیوی کا امر اس کے سپرد کر دے اور وہ خود کو طلاق دے دے تو اس کا حکم

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نزدیک یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ البتہ یہ ہے کہ ایسی طلاق چاہے تین ہوں لیکن اس کو ایک سمجھا جائے گا، اور اگر مرد رجوع کرنا چاہے تو اسے اس کا حق ہو گا، چنانچہ بنی تمیم کے ایک آدمی کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا اختیار دے دیا تھا، یہ فیصلہ لکھ بھیجا کہ ''اگر تو اس کی بیوی خاوند کے دیئے اختیار کو رد کر دیتی ہے تو کوئی طلاق نہیں ہوئی اور اگر اس نے طلاق دے دی تو وہ ایک ہو گی اور خاوند کو رجوع کرنے کا اختیار ہو گا۔'' [5]

۱۲۔ کافر کی بیوی اگر مسلمان ہو جائے تو اس کا حکم

کافر کی بیوی مسلمان ہوتے ہی اس کے نکاح سے نکل جائے گی، اور ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، معمر بن سلیمان اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حسن بصری اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا

---

[1] مصنف ابن ابی شیبۃ: ٥/ ١٠٦ .
[2] فقہ عمر: ١/ ٤٣٤ .
[3] مصنف ابن ابی شیبۃ: ٥/ ٥٣ .
[4] ایضًا
[5] مصنف ابن ابی شیبۃ: ٥/ ٥٧ .

نصرانی کی مسلمان ہو جانے والی بیوی کے بارے میں یہ قول ہے کہ ''اسلام نے اس عورت کو نصرانی کے نکاح سے باہر کر دیا۔'' ❶

اور جب بیوی مسلمان ہو جائے اور خاوند ابھی تک کافر ہو تو دونوں کے درمیان تفریق واجب ہے تاکہ ایک کافر کو ایک مسلمان عورت پر ولایت حاصل نہ رہے، دوسرے شریعت میں یہ جائز بھی نہیں اور یہی سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی رائے تھی۔ ❷ البتہ یہ تفریق اس وقت کی جائے جب خاوند پر بھی اسلام کو پیش کر دیا جائے اور وہ مسلمان ہونے سے انکار کر دے، آپ کے نزدیک خاوند کا یہ انکار طلاق بائنہ کے درجے میں ہے۔ ❸ البتہ اگر عورت کی عدت کے دوران خاوند بھی مسلمان ہو جائے تو اس کا زیادہ مستحق وہی ہے۔ ❹

۱۳۔ غائب کے انتظار کی مدت کا بیان

آپ کے نزدیک غیب اور غیر موجودگی کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے، اس کے بعد یا تو وہ بیوی کے پاس لوٹ آئے یا پھر اس کو طلاق دے کر آزاد کر دے۔ ❺ (یاد رہے کہ یہاں گم شدہ مراد نہیں، کیونکہ گم شدہ وہ ہوتا ہے جس کی کوئی خبر ہی نہ ہو۔ جبکہ غائب سے مراد وہ شخص ہے جو بیوی چھوڑ کر کسی دوسرے شہر یا ملک جا بسا ہو البتہ اس کی وہاں موجودگی کا سب کو علم ہو جیسے آج کل اکثر لوگ بیرون ممالک ملازمتوں کے سلسلے میں چلے جاتے ہیں اور سالہا سال لوٹ کر نہیں آتے بس فون یا خط کے ذریعے رابطہ رکھتے ہیں، ایسے خاوندوں کو دو سال بعد بیوی کے پاس لوٹ آنا چاہیے...... مترجم)

یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے وہ چند اجتہادات ہیں جو مسائل شرعیہ میں آپ کے علمی تبحر پر دلالت کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ آپ میں کس قدر اجتہاد کی قدرت تھی، اور آپ جو حکم بھی صادر کرتے تھے وہ کتاب وسنت اور حضرات خلفائے راشدین مہدیین رضی اللہ عنہم کی سنت کے مطابق ہوتے تھے۔ دکتور محمد شقیر نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی فقہ کو دو جلدوں میں جمع کیا ہے ہم نے تو چند مثالیں ذکر کی ہیں جو مزید جاننا چاہتا ہے وہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرے۔ مؤلف موصوف نے اس رسالہ کو لکھ کر ریاض سعودیہ عربیہ کی سپریم کورٹ سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔

---

❶ مصنف ابن ابی شیبۃ: ۵/ ۹۰۔
❷ فقہ عمر: ۱/ ۴۵۰۔
❸ فقہ عمر: ۱/ ۴۵۱۔
❹ فقہ عمر: ۱/ ۴۵۲۔
❺ فقہ عمر: ۱/ ۴۵۵۔

آٹھویں فصل:

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی انتظامی فقہ
آخری ایام اور وفات حسرت آیات

ا...... سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے مشہور والی

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے رعایا کے امور سنبھالنے اور ان میں حق قائم کرنے کے لیے ایسے والیوں کا انتخاب کیا جو نیک اور با اعتماد تھے، جو علم، امانت، تقویٰ، صطلاح، تواضع، عفتِ نفس، عدالت، حسن اخلاق، شفقت و رحمت، نیک سیرت، عادتِ مشاورت، خیر خواہی، کسر نفسی، ذہانت و ذکاوت، حکمت و تدبیر، استعداد وصلاحیت اور ہر خوبی سے آراستہ اور تمام اخلاقی رذائل سے پاک تھے۔ امام ابن کثیر سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے والیوں کے بارے میں لکھتے ہیں: ''متعدد ائمہ نے اس بات کی تصریح کی ہے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جن جن کو بھی والی بنایا تھا وہ سب کے سب ثقہ تھے۔'' [1]

ذیل میں آپ کے چند والیوں کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے:

ا۔ والی خراسان و سجستان جراح بن عبداللہ حکمی

علامہ ذہبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ''لشکروں میں آگے، زبردست شہسوار، ابو عقبہ الجراح بن عبداللہ الحکمی حجاج کی طرف سے والی بصرہ، پھر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طرف سے خراسان اور سجستان کے والی تھے۔ غضب کے بہادر، بے مثال شجاع، مرد میدان، بطل جلیل، زبردست رعب داب اور مصیبت ودھاک کے مالک، عابد و زاہد، قاری اور بڑی شان کے مالک تھے۔ [2] جراح حکمی خود کہتے ہیں کہ چالیس سال تک میں نے مارے شرم کے گناہ چھوڑے رکھے۔ پھر مجھے ورع حاصل ہو گیا۔ [3] آپ پورے خراسان کے جنگی، مالی اور دوسرے متعلقہ امور پر مقرر تھے۔ [4] آپ نے ہشام کے دور خلافت میں ۱۱۲ ہجری میں شہادت پائی۔ سلیم بن عامر آپ کی شہادت کا ایمان فروز واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''میں جراح کے پاس گیا تو انہوں نے اپنے ہاتھ کھڑے کیے، تو دوسرے امراء نے بھی کیے، کافی دیر بعد انہوں نے مجھ سے

---

[1] البدایة والنهایة، نقلا عن عمر بن عبدالعزیز، از شیخ عبدالستار: ص ۲۷۰.

[2] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۸۹. [3] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۹۰. [4] ایضًا

پوچھا: ''اے ابو یحییٰ! جانتے ہو ہم کس حال میں تھے؟ میں نے کہا: ''نہیں! میں نے آپ لوگوں کو وجد کی ایک حالت میں دیکھا تو دوسروں کے ساتھ میں نے بھی ہاتھ اٹھا دیئے۔'' اس پر جراح حکمی بولے: ''ہم نے اللہ سے شہادت مانگی تھی۔'' پھر اللہ کی قسم! اس غزوہ میں ان میں سے ہر ایک شہید ہو کر رہا۔'' ❶

خلیفہ مالکی بیان کرتے ہیں: ''جراح نے (آذر بائیجان کی بستی) برذعہ سے سن ۱۱۲ ہجری میں ''ابن خاقا'' کی طرف کوچ کیا اور گھمسان کی جنگ کی، ماہِ رمضان میں جراح نے جام شہادت نوش کیا، آذر بائیجان پر ''خرز'' نے قبضہ کر لیا اور وہ لوگ موصل تک پہنچ گئے۔ ❷ اس دن جراح کی شہادت سے مسلمانوں پر عظیم مصیبت ٹوٹی، فوج کا ایک ایک سپاہی ان پر گریہ کناں تھا۔ ❸

۲۔ والی بصرہ، عدی بن ارطاۃ

یہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طرف سے بصرہ کے والی تھے، حضرت عمرو بن عبسہ اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کرتے تھے، عبادہ بن منصور بیان کرتے ہیں کہ ''عدی نے منبر پر ہمیں ایسا رقت آمیز خطبہ دیا حتیٰ کہ خود بھی روئے اور ہمیں بھی رلایا اور سب کی نگاہیں اشکبار ہو گئیں۔'' ❹

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ انہیں وعظ و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ معمر بیان کرتے ہیں: سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عدی بن ارطاۃ کو خط لکھا: ''تم نے اپنے سیاہ عمامہ اور مجلس قراء کی وجہ سے دھوکا دیا۔ بے شک رب تعالیٰ نے ہمیں ان بیشتر باتوں سے آگاہ کر دیا ہے جن کو تم لوگ چھپاتے ہو، کیا تم قبروں کے درمیان نہیں چلتے؟'' ❺

عدی بصرہ آئے تو ابن مہلب کو گرفتار کر کے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس بھیج دیا، آپ کی وفات کے بعد ابن مہلب بھاگ نکلا اور اپنی دعوت دینے لگا اور اپنا نام قحطانی رکھ لیا۔ اس نے سیاہ جھنڈے نصب کیے۔ اور کہتا تھا کہ ''میں تم لوگوں کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت کی دعوت دیتا ہوں۔'' مسلمہ بن عبدالملک نے ایک جنگ میں ابن مہلب کو قتل کر دیا، اتنے میں ابن مہلب کے بیٹے معاویہ نے چھلانگ لگا کر عدی بن ارطاۃ کو ایک جماعت سمیت قتل کر دیا۔'' ❻ دار قطنی کہتے ہیں کہ عدی کی حدیث حجت ہے۔

۳۔ والی کوفہ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب

آپ امام، ثقہ، عدل ابو عمر العدوی خطابی مدنی اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی طرف سے کوفہ کے والی تھے۔ بڑے جلیل القدر تھے۔ ۱۱۵ ہجری میں وفات پائی۔ ❼

---

❶ سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۹۰. ❷ ایضًا ❸ ایضًا
❹ سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۵۳،۰. ❺ سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۵۳.
❻ سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۵۳. ❼ سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۴۹.

۴۔ والی الجزیرہ عمر بن ہبیرہ

بے حد بہادر غضب کے ذہین، زیرک اور شامی تھے۔ ۱۰۰ ہجری میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے انہیں الجزیرہ کا والی بنایا۔ آرمیدیا کی طرف رومیوں کے ساتھ جہاد کیا۔ انہوں نے شکست دے کر بے شمار لوگ قیدی بنائے۔ یزید بن عبدالملک کی خلافت تک الجزیرہ کے والی رہے۔ یزید نے انہیں عراق اور خراسان کا والی بھی بنا دیا۔ پھر ہشام نے انہیں معزول کر کے خالد قسری کو والی بنا دیا۔ خالد نے انہیں قید کر لیا اور زرہوں میں جکڑ کر زنداں میں ڈال دیا۔ آپ کے غلاموں نے جیل میں نقب لگا کر فرار کر دیا۔ ابن ہبیرہ نے جیل سے بھاگ کر مسلمہ بن عبدالملک کی پناہ لے لی۔ پھر تھوڑے عرصہ بعد ہی اسی حال میں تقریباً ۱۰۷ ہجری میں انتقال کر گئے۔ [1]

۵۔ والی مدینہ ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم

ائمہ ثبات اور ثقات میں سے ہیں، مدینہ کے امیر اور پھر قاضی بنے۔ کہتے ہیں کہ اپنے زمانہ میں قضاء کے سب سے بڑے عالم تھے، اپنے والد، عباد بن تمیم، سلیمان اغر اور اپنی خالہ عمرہ بنت عبدالرحمن رضی اللہ عنہا سے اور ایک جماعت سے حدیث روایت کی۔ صغار تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ [2] عطاف بن خالد اپنی والدہ سے اور ابن حزم کی اہلیہ سے بیان کرتے ہیں کہ ''ابن حزم نے چالیس سال سے بستر پر پیٹھ نہیں لگائی۔'' [3]

ایک قول یہ ہے کہ آپ کی ماہانہ تنخواہ تین سو دینار تھی۔ [4]

۶۔ والی مکہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن اسید اموی

عبدالعزیز بن عبداللہ مکہ پر سلیمان بن عبدالملک کی طرف سے والی تھے۔ خلافت سنبھال کر آپ نے ان کو مکہ کی ولایت پر برقرار رکھا۔ ابن حبان اور نسائی نے ان کو ثقہ کہا ہے، ہشام بن عبدالملک کے دور خلافت میں وفات پائی۔ [5]

۷۔ والی مصر عبدالملک بن رفاعہ بن خالد بن ثابت الفہمی

ابن تغری بردی نے ایک خبر بیان کی ہے جس میں وہ متفرد ہیں کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عبدالملک بن رفاعہ بن خالد بن ثابت فہمی کو مصر کی ولایت پر برقرار رکھا۔ یہ نیک سیرت اور بیت المال کے بارے میں بے حد محتاط تھے۔ ثقہ، فاضل اور رعایا میں عدل کرنے والے تھے۔ لیث بن سعد وغیرہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے پھر آپ نے ان کو ۹۹ ہجری ربیع الاول میں بنا وجہ بتلائے معزول کر دیا۔ [6] اور ان کی

---

[1] سیر اعلام النبلاء: ٤/ ٥٦٢.
[2] سیر اعلام النبلاء: ٥/ ٣١٤.
[3] ایضًا
[4] ایضًا
[5] تاریخ خلیفة: ص ٣٢٣.
[6] عمر و سیاسته فی رد المظالم: ص ٢٨٩.

جگہ ایوب بن شرحبیل بن اکسوم بن ابرہہ بن صباح کو والی بنا دیا۔ ❶

۸۔ والی مغرب اسماعیل بن عبیداللہ بن ابوالمہاجر المخزومی

یہ بڑے نیک، فاضل اور عابد وزاہد تھے۔ ۹۹ یا ۱۰۰ ہجری میں افریقہ آئے۔ نیک سیرت تھے، اہل افریقہ میں حق قائم کیا، بے شمار بربروں نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا، آپ نے انہیں خط لکھے تھے کہ "ذمیوں کو اسلام کی دعوت دو۔" اسماعیل نے آپ کا یہ خط انہیں پڑھ کر سنایا۔ ۱۳۲ ہجری میں وفات پائی۔ ❷

۹۔ والی اندلس سمح بن مالک

امیر شہید، سیّدنا عمر کی طرف سے اندلس کے والی تھے، آپ نے انہیں زمینوں میں فرق کرنے پر مقرر کیا کہ کون کون سی زمین عنوۃً فتح ہوئی ہیں تاکہ ان میں سے خمس لیا جائے، آپ نے انہیں اندلس کے احوال لکھ بھیجنے کو بھی لکھا۔ ۱۰۰ ہجری میں اندلس آئے اور آپ کے حکم کی تعمیل میں زمینوں کا جائزہ لیا، فرنگیوں کی سرزمین پر جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ ❸

یہ ان نیک والیوں کا ایک مختصر تذکرہ ہے جن کے بارے میں آپ کو حسن ظن تھا اور آپ نے اسی حسن ظن کی بنا پر انہیں مختلف اقالیم کا والی بنایا تھا۔

۲...... نیک اور خیر خواہ لوگوں کو تلاش کر کے عامل بنانے کی حرص

بلاد وامصار کے امراء وحکمران خلیفہ کے نائب اور رعایا اور خلیفہ کے درمیان ایک واسطہ ہوتے ہیں، کوئی بھی خلیفہ خواہ وہ کتنا ہی مخلص، زیرک اور حسن سیاست کا مالک ہی کیوں نہ ہو، وہ اپنے سیاسی اہداف میں اس وقت ہی کامیاب ہوسکتا ہے جب وہ خوب تحقیق کر کے اور چھان پھٹک کر کے اپنے عامل چنے اور انہیں مقرر کرے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے ولاۃ وامراء کے انتخاب میں حد درجے احتیاط سے کام لیا۔ جب ہم اس موضوع پر آپ سے متعلقہ روایات پڑھتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ آپ نے چند شرائط مقرر کر رکھی تھیں جو ان پر پورا اترتا تھا اس کو ہی آپ والی اور امیر بناتے تھے۔ ان میں سے تین شرائط سب سے زیادہ اہم تھیں۔ تقویٰ، امانت اور دینداری۔ جب آپ نے خالد بن ریان کو جو ولید بن عبدالملک کے دور میں جو محافظوں کا افسر اعلیٰ تھا، معزول کر دیا تو عمرو بن مہاجر کو اس کی جگہ مقرر کیا اور کہا: "اے عمرو! اللہ کی قسم! تم اس بات کو جانتے ہو کہ میرے اور تیرے درمیان سوائے اسلام کے اور کوئی رشتہ نہیں۔ البتہ میں نے

❶ عمرو سياسته فى رد المظالم: ص ٢٨٩ .
❷ ايضا: ص ٢٩٣ .
❸ عمر بن عبدالعزيز، از عبدالستار: ص ٢٧١ .

تمہارے بارے میں یہ سنا ہے کہ تم کثرت کے ساتھ تلاوت کرتے ہو۔ میں نے تمہیں ایسی جگہ نماز پڑھتے دیکھا ہے جس کے بارے تمہارا یہ گمان تھا کہ یہاں مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا۔ میں نے دیکھا کہ تم نماز کو خوب سنوار کر پڑھتے ہو، یہ تلوار لو! میں نے تمہیں اپنا محافظ مقرر کیا۔ [1]

آپ نے اپنے عاملوں کو لکھ بھیجا کہ ''سوائے اہل قرآن کے ان امور پر کسی کو عامل نہ بنانا۔ کیونکہ اگر اہل قرآن میں خیر نہیں تو دوسروں میں بدرجہ اولی خیر نہیں۔'' [2] اور اگر کسی شخص میں جس کو آپ عامل بنانا چاہتے، کسی قسم کا شک ہوتا تو اس کا حال واضح ہونے تک اس کو عامل نہ بناتے۔ گزشتہ صفحات میں بلال بن ابی بردہ کا واقعہ تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے جو آپ کی بے حد تعریف کرتا تھا۔ لیکن جب عراق کی ولادت کی بابت اس کا امتحان لیا گیا تو وہ ایک دنیا دار اور چند ٹکوں میں بک جانے والا آدمی نکلا تو آپ نے اس کو مسجد سے نکال باہر کیا۔ [3]

آپ ظلم کے رسیا اور ظالموں کے ساتھیوں کو ہرگز والی نہ بناتے تھے بالخصوص حجاج کے ساتھیوں کو تو ہرگز والی نہ بناتے تھے۔ [4]

آپ سے پہلے اموی خاندان کو امور ولایت میں جو اہمیت حاصل تھی، آپ کے نزدیک اس کی کوئی وقعت نہ تھی۔ چنانچہ اوزاعی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کے پاس گھر میں بنوامیہ کے سربرآوردہ لوگ بیٹھے تھے، تو آپ نے فرمایا: ''کیا تم لوگ یہ پسند کرتے ہو کہ میں تم میں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی جگہ کا والی بنا دوں؟ اس پر ایک بولا: ''آپ ہمیں ایک ایسی بات کی پیش کش کر رہے ہیں جو آپ کرنے والے نہیں۔'' اس پر آپ نے فرمایا: ''یہ میرا بچھونا تم لوگ دیکھ رہے ہو؟ میں جانتا ہوں کہ یہ پرانا ہو جائے گا لیکن پھر بھی مجھے یہ پسند نہیں کہ تم اس کو اپنے پیروں تلے کچلو۔ تو بھلا میں مسلمانوں کی عزتیں اور ان کے مال پامال کرنے کے لیے تم لوگوں کے ہاتھ میں کیونکر دے سکتا ہوں؟ دور، دور۔'' [5]

بلاد و امصار پر والیانِ امر کی تعیین کی بابت آپ کی اس سیاست سے ساری رعایا خوش تھی، کیونکہ اب ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو ان کے ساتھ حجاج یا اس کے والیوں جیسا بے رحمانہ، متشددانہ اور مستبدانہ سلوک کرتا اور نہ کوئی ایسا متعصب والی تھا جو محض عصبیت کی بنیاد پر کسی کو ذلیل کرتا یا کسی کو عزت دیتا تھا۔ [6]

---

[1] سیرۃ عمر لابن الجوزی: ص ۳۱۔ [2] ایضًا: ص ۸۔

[3] تاریخ دمشق نقلا عن اثر العلماء فی الحیاۃ السیاسیۃ: ص ۱۸۲۔

[4] اثر العلماء: ص ۱۸۲۔

[5] سیر اعلام النبلاء: ۵/ ۱۳۲۔

[6] اثر العلماء فی الحیاۃ السیاسیۃ: ص ۱۸۳۔

۳......حکومتی امور کی براہِ راست نگرانی

آپ خلافت کے ہر چھوٹے بڑے کام کی نگرانی براہِ راست خود کرتے تھے۔ آپ اپنے عاملوں کی پوری نگرانی اور خبر گیری کرتے۔ اس باب میں خبر رساں اداروں اور عبدالملک بن مروان کے بنائے گئے ڈاک کے نظام سے آپ نے بھر پور مدد لی۔ خبر رساں اداروں سے آپ تمام ملک کی خبریں اکٹھی کرتے۔ اگرچہ آپ ابتدا ہی سے عاملوں کے انتخاب میں بے حد احتیاط کرتے مگر اس کے باوجود ان کی پوری پوری نگرانی بھی کرتے۔ آپ آج کا کام کل پر کبھی نہ چھوڑتے اور ہر کام میں سنجیدگی برتتے۔ ایک مرتبہ کسی نے آرام کرنے کو کہا تو فرمایا: ''پھر میرا آج کا کام کون کرے گا؟'' کہا گیا، کل کر لیجئے گا۔ تو فرمایا: ''مجھے ایک دن کا کام اتنا تھکا دیتا ہے بھلا میں ایک دن میں دو دن کا کام کیسے کروں گا۔'' ❶

میمون بن مہران کہتے ہیں: ''ایک رات میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ گفتگو کر رہا تھا، میں نے عرض کیا: اے امیرالمومنین! آپ کے معمولات دیکھ کر میں نہیں سمجھتا کہ آپ زیادہ جی پائیں گے۔ دن بھر لوگوں کے کاموں میں لگے رہتے ہیں، رات کو ہمارے ساتھ مصروف رہتے ہیں، آگے اللہ جانے کہ خلوت میں آرام کرتے ہیں یا عبادت۔'' ❷

آپ اپنے اوقات کا زیادہ تر حصہ ملکی امور کی اصلاح وترقی کی فکر اور بندوبست میں گزارتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نہایت مختصر وقت میں بے پناہ کام کر گئے آپ نے اپنی تمام سیاسی واقتصادی اصلاحات اپنے عاملوں کو لکھ بھیجیں تاکہ وہ بھی بلا دو امصار میں ان کی تنفیذ کریں۔ آپ اپنے عاملوں کو اس بھاری ذمہ داری کا بھر پور احساس دلاتے جو ان کے کندھوں پر پڑی تھی۔ آپ ان کی تربیت کرتے، وعظ ونصیحت کرتے۔ رب سے ڈراتے اور انہیں حکم دیتے کہ جو بھی کریں اور جو بھی ترک کریں اس میں خوف خدا اور تقویٰ کو سامنے رکھیں۔ ❸

آپ کے ارشادات وتوجیہات اور مواعظ ونصائح کا ان کے نفسوں پر کوڑے مارنے اور معزول وغیرہ کر دینے کے امور سے بھی زیادہ اثر مرتب ہوتا۔ چنانچہ ایک عامل کو لکھا: ''اے میرے بھائی! ذرا جہنمیوں کی طویل بیداری اور جہنم میں ان کے دائمی قیام کو تو یاد کرو۔ آپ کی اس نصیحت کا اس عامل پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ لمبا سفر طے کر کے آیا اور اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ یہ قصہ تفصیل کے ساتھ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

آپ صرف لکھ ہی نہ بھیجتے تھے بلکہ ان سیاسی اصلاحات کی تنفیذ بھی کرواتے تاکہ اس کے نیک آثار

---

❶ سیرة عمر لابن عبدالحکم: ص ٥٥.

❷ الطبقات: ٥/ ٣٧١.

❸ اثر العلماء فی الحیاة السیاسیة: ص ١٨٦.

رعایا کو حاصل ہوں، اس لیے آپ آنے جانے والوں سے ان کے علاقوں کے احوال دریافت کرتے۔ چنانچہ جب زیاد بن ابی زیاد مدنی آئے تو آپ نے ان سے مدینہ کے ہر شخص مرد عورت بچوں بوڑھوں تک کا حال دریافت کیا اور وہاں کے صلحاء کا حال اور امور ولایت بھی پوچھے۔"❶

آپ اکثر مزاحم کے ساتھ سوار ہو کر نکل جاتے اور دیہاتوں سے آنے والوں سے وہاں کے احوال دریافت کرتے۔ اسی طرح ایک دن ایک دیہاتی مل گیا۔ آپ نے اس سے پیچھے کی خبر پوچھی تو کہنے لگا: "چاہو تو سب بتا دوں اور چاہو تو بعض باتیں بتلا دیتا ہوں۔" آپ نے فرمایا: "نہیں سب بتلاؤ۔" تو بولا: میں نے اپنی بستی اس حال میں چھوڑی ہے کہ وہاں کا ظالم مقہور ہے، مظلوم منصور ہے، غنی آسودہ حال ہے اور تنگدست مجبور ہے۔" آپ اس کی یہ بلیغ بات سن کر بے حد خوش ہوئے۔ آپ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! اگر سب علاقے ایسے ہو جائیں تو مجھے یہ دنیا بھر سے زیادہ محبوب ہے۔"❷

ایک خراسانی جب لوٹنے لگا تو اس نے آپ سے ڈاک کے ذریعہ واپس جانے کا مطالبہ کیا۔ آپ اس کو اچھی طرح دیکھ بھال چکے تھے، آپ نے کہا: "اچھا اگر تم ہمارا ایک کام کر دو تو میں تمہیں ڈاک کی سواری دے دیتا ہوں"، وہ تیار ہو گیا تو آپ نے فرمایا: "تمہیں ہمارا جو عامل بھی ملے اس کی سیرت دیکھنا، نیک ہو تو خبر دینے کی ضرورت نہیں۔ بری ہو تو ہمیں لکھ بھیجنا۔" چنانچہ اس کا خراسان پہنچنے تک جس عامل کے بارے میں بھی خط آتا رہا آپ اس کو معزول کرتے گئے۔❸

قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کتنے مختلف ذرائع سے معلومات اکٹھی کرتے تھے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ولاۃ و امراء اور رعیت کے امور کی دقیق معرفت صحیح معلومات کے حصول پر مبنی ہوتی ہے اور اسی معلومات پر رعایا اور خلافت کے لیے مفید اوامر و نواہی اور توجیہات کی بنیاد ہوتی ہے۔ آپ کی ان توجیہات اور عمال کے احوال کی خبر گیری نے مملکت کے احوال کے استقرار و استحکام میں بے حد اہم کردار ادا کیا، جبکہ دوسری طرف اس سیاست نے عمال کو ہر وقت مستعدی کے ساتھ کام کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ ابراہیم بن جعفر اپنے والد سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: "میں نے دیکھا کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی ترغیب کی وجہ سے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم دن رات کام کیا کرتے تھے۔"❹

آپ اقالیم کی خبریں اکٹھی کرنے کے لیے وہاں تفتیشی افسران کو بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ خراسان کے نظامِ خراج میں ہونے والے مظالم کی تفتیش کے لیے آپ نے تین افسران کو وہاں بھیجا۔ یہ نظام خراج عدی بن ارطاۃ نے مقرر کیا تھا۔ اسی طرح عراق کے احوال کی دریافت کے لیے بھی آپ نے ایک تفتیشی افسر

---

❶ اثر العلماء: ص ۱۸۷.
❷ سيرة عمر لابن عبدالحكم: ص ۱۱۵.
❸ تاريخ دمشق نقلا عن اثر العلماء: ص۱۸۸.
❹ الطبقات: ۵/ ۳۴۷.

بھیجا۔ ❶ آپ نے اس نظام کا نام ''رقابت عامہ'' (جنرل انویسٹی گیشن) رکھا۔ چنانچہ حج کے موقع پر یہ خط لکھ بھیجا: ''میں تم میں سے ہر ظالم کے ظلم سے بری ہوں...... سن لو! کسی مظلوم کو میرے پاس آنے سے روکا نہ جائے اور میں ہر مظلوم کی پناہ گاہ ہوں۔ اور جو عامل بھی حق سے منہ موڑے گا اور کتاب وسنت پر عمل نہیں کرے گا، تمہارے ذمے اس کی اطاعت نہیں اور جس نے بھی کسی امر کی اصلاح کی اسے ایک سے تین سو کے درمیان دینار دیئے جائیں گے۔'' ❷ آپ نے سب سے بڑے اسلامی اجتماع میں یہ اہم ترین اعلان کیا۔ اور لوگوں کو مادی اور معنوی طور پر ابھارا۔ اور کتاب وسنت کے خلاف پر عمل کی حوصلہ شکنی کی۔ یہ امر طبعی ہے کہ مسلم قوم کو اپنے مقاصد مطلوبہ حاصل کرنے کے لیے کتاب وسنت کے سوا دوسری تعلیم کی ضرورت نہیں۔ ❸

۴...... انتظامی امور میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی منصوبہ بندی

عام معنی میں تو منصوبہ بندی اس لائحہ عمل کو کہا جاتا ہے جو مستقبل کی ضروریات اور منصوبوں کو حاصل کرنے اور ان کے حصول کے لیے وسائل کی تحدید کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ ❹ اور یہ بھی معروف ہے کہ منصوبہ بندی کو حاضر اور مستقبل کے درمیان پل کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ اس عام تعریف کے تناظر میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام میں منصوبہ بندی سے مراد، زمانہ حاضر میں انسان کا مستقبل کی زندگی میں پیش آمدہ احوال وواقعات کے لیے تیاری کرنے کا نام ہے۔ ❺ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ منصوبہ بندی اور نتائج پر نظر رکھے بغیر کوئی اقدام نہ کرتے تھے۔ اس بات کی طرف آپ کا رجاء کو یہ قول بھی اشارہ کرتا ہے کہ: اے رجاء! اللہ نے مجھے عقل دی ہے میں ڈرتا ہوں کہ مبادا رب تعالیٰ مجھے اس عقل کی بنا پر عذاب نہ دے۔ ❻

آپ رب تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھتے تھے، پھر معلومات جمع کرتے اور نہایت حسن تدبیر سے اپنے مطلوبہ مقاصد کو حاصل کرتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو علم کے بغیر کوئی کام کرنے چلے گا وہ سدھار کے بجائے بگاڑ زیادہ کرے گا۔ ❼ آپ اپنی کارروائیوں کی حد مقرر کرتے، ان کے مقاصد واضح کرتے اور آپ کے مقاصد کا رئیسی ہدف ''اصلاح'' اور نبوی اور خلافت راشدہ کے منہج پر ''راشدی تجدید'' تھا۔ اور اس مقصد کے لیے آپ تمام بنیادی اجزائے ترکیبیہ کو اختیار کرتے جن میں عدل وانصاف کا قیام، ظلم کا ازالہ، خالق اور مخلوق کے درمیان ربط وتعلق کو بحال کرنا اور ان سب صفات کو صحیح اور وسیع اسلامی ماحول میں اجاگر کرنا وغیرہ جیسی باتوں کا ذکر سرفہرست ہے۔

---

❶ عمر بن عبدالعزیز للزحیلی: ص ۱۸۲.
❷ سیرۃ عمر لابن الجوزی: ص ۹۰.
❸ النموذج الاداری المستخلص من ادارۃ عمر بن عبدالعزیز: ص ۴۱۳.
❹ الادارۃ، المنیف: ص ۱۴۷.
❺ الادارۃ فی الاسلام للضحیات، ص: ۷۱.
❻ عمر بن عبدالعزیز لابن الجوزی، ص: ۲۶۶.
❼ سیرۃ عمر لابن الجوزی، ص: ۲۵۰.

پھر سیا سیات کا اختیار کرنا یہ آپ کی منصوبہ بندی کے اجزائے لازمیہ میں سے ہوتا تھا، جو آپ کی ادارتی تطبیق میں کھل کر سامنے آتا تھا۔ اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ نے اپنے تمام منصوبوں میں، ان کی سیاسات میں، ان کی تطبیق میں صرف اور صرف کتاب وسنت پر اکتفا کیا۔ ❶ آپ مسائل شرعیہ میں کسی جھگڑے پر کان نہ دھرتے تھے۔ اور آپ نے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ آپ حاکم ہیں اور قوت نافذہ آپ کے ہاتھ میں ہے، اس لیے آپ خلافت ورعایا کے ساتھ جو چاہیں کریں، بلکہ ہمیشہ خود کو بھی، ارکان خلافت کو بھی اور رعایا کو بھی قرآن وسنت کا پابند بنایا۔ ❷

یہ سیاست عامہ کے اختیار کرنے کی بابت آپ کی تحدید تھی کہ کتاب وسنت سے متجاوز نہ ہوا جائے۔ یہی حال عملی اقدامات کا بھی تھا جس کا اظہار آپ نے خلافت سنبھالنے کے بعد رعایا کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات میں کیا تھا کہ آپ شرعی احکام کو نافذ کرنے والے ہیں نا کہ نت نئے احکام اپنی طرف سے بنانے والے ہیں جس کی تفصیل آپ کے پہلے خطبہ میں گزر چکی ہے کہ آپ تعلیمات دینیہ کو نافذ کرنے والے ہیں اور یہ کہ اطاعت اسی کی ہے جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ ❸ اور یہ کہ آپ کے عمل کی اساس اقامت حق ودین، عدل واحسان اور اصلاح ہوگی نا کہ ظلم وجور ❹ آپ نے خلافت کے سب پہلوؤں کے تناظر میں ہمہ گیر منصوبے تشکیل دیئے۔ لہٰذا سیاست حکم، قضاء اقتصادیات، تجارت، تعلیم وتربیت سب پر توجہ دی۔ امور عامہ کے ساتھ ساتھ بعض اقالیم پر جیسے عراق اور خراسان پر خاص توجہ دی۔ پھر بیت المال، قضاء اور والیان خراج وغیرہ کے اداروں پر بھی خصوصی توجہ دی۔ ❺

۵......عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی زیر نگرانی نظم وضبط

منصوبہ بندی کی تکمیل نظم وضبط سے ہوتی ہے تا کہ مطلوبہ اقدامات کی بنیاد رکھی جا سکے، آپ نے تنظیم کو پہلی ترجیح دی اور اپنے ادارتی رویے میں اس کو جاگزیں کیا۔

آپ کے عملی تنظیمی ڈھانچے کے تناظر میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے خلافت کے اعمال کو چودہ بنیادی صیغوں میں بانٹ رکھا تھا۔ اور یہ چودہ صیغے چار ارکان کی زیر نگرانی تھے جو یہ ہیں: والی، قاضی، خزانچی اور خلیفہ ❻ ان کے علاوہ یہ تنظیمات بھی تھیں، خراج، فوج، مکاتب، پولیس، حفاظتی گارڈ، صاحب خاتم اور دربان وغیرہ۔

---

❶ سیرة عمر لابن عبدالحکم: ص ۳۵۔ ❷ النموذج الاداری: ص ۳۹۷۔
❸ سیرة عمر: ص ۳۵۔۳۶۔ ❹ سیرة عمر: ص۱۰۲۔
❺ النموذج الاداری: ص ۴۰۰۔
❻ النموذج الاداری: ص ۴۰۱۔

ذیل میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں مختلف کاموں کی ذمہ داریوں کا تنظیمی ڈھانچہ ایک جدول کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے: [1]
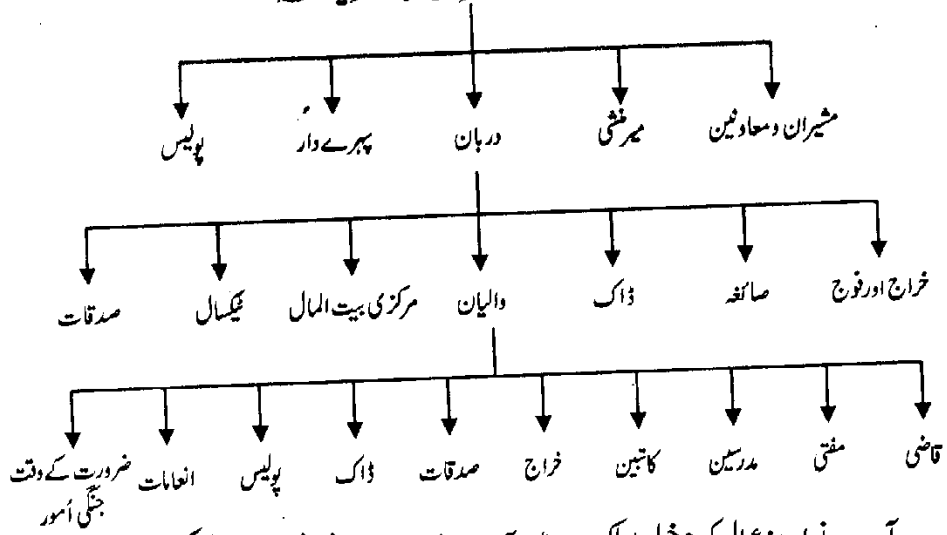
آپ نے اپنے عمال کو جو خطوط لکھے ان میں آپ نے اپنے ان اغراض ومقاصد کو کھل کر بیان کیا اور ان سے اس بات کا مطالبہ کیا وہ ان اقدامات کو تنظیمی شکل دیں۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے اور مظلوم کے درمیان ہر آڑ ختم کر کے اسے بلا روک ٹوک آنے کی اجازت دی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے اور رعایا بلکہ مظلوم رعایا کے درمیان ربط وتعلق کو کیسی تنظیمی شکل دی۔ اسی طرح آپ نے متعدد امور وقضایا کو اسی نہج اور مقام پر لا کھڑا کیا جس پر وہ دور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں تھے۔ مثلاً آپ خیبر کی کھیتی کو دور رسالت کی صورت پر لے آئے اور فدک کے بارے میں بھی نبوی امر کو زندہ کیا۔ اور والی مدینہ کو لکھ بھیجا کہ میں نے فدک کے بارے میں غور کیا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ وہ درست نہیں جا رہا تو میں نے اس کو دور رسالت اور عہد خلفائے راشدین کی صورت پر لے آنا مناسب سمجھا، لہٰذا تم اس پر قبضہ کر کے کسی نیک آدمی کو فدک کی زمین کا نگران بنا دو۔ والسلام [2]

اسی طرح آپ نے زکوٰۃ، صدقات، ٹیکسوں، خمس وغیرہ امور مالیہ کی تنظیم کے بارے میں اپنے عمال کو لکھا جس کی تفصیل گزشتہ میں ذکر کی جا چکی ہے۔ امور تجارت کی بھی تنظیم کی اور یہ بھی بتلایا کہ تجارت کی بندش کن لوگوں پر ہے۔ [3]

---

[1] النموذج الاداری: ص ٤٠١ .
[2] سیرة عمر لابن الجوزی: ص ١٣١ .
[3] سیرة عمر لابن عبدالحکم: ص ٧٨ ، ٨٣ .

قضاء اور فصل خصومات کی تفصیل بھی بیان ہو چکی، آپ نے فصل خصومات میں عدل کو بنیاد ٹھہرایا، اور قاضیوں کے لیے علم، فقہ، کتاب وسنت سے واقفیت اور نیکی وغیرہ کو شرط قرار دیا۔ ❶ اس غرض کے لیے آپ نے کن لوگوں کو مختلف اقالیم میں قاضی مقرر کیا۔ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

آپ کی نظر میں محکمہ قضا میں بنیادی اعتبار حق کی طرف رجوع کا تھا کہ یہ باطل میں حد سے بڑھنے سے بہتر ہے۔ ❷ قتیبہ بن مسلم کی بابت اہل سمرقند کی شکایت اور ایک قاضی مقرر کرنے کا قصہ گزشتہ میں بیان ہو چکا۔ جو بتلاتا ہے کہ آپ اختیارات میں فصل کا بدرجہ اتم ادراک رکھتے ہیں۔ چنانچہ اہل سمرقند کی شکایت بجا دیکھی تو قتیبہ کو ان پر والی باقی نہیں رکھا۔ حالانکہ آپ چاہتے تو انہیں والی برقرار رکھنے کا اختیار خلیفہ ہونے کے ناطے آپ کے پاس تھا۔ لیکن آپ نے یہ معاملہ قاضی کے سپرد کیا کیونکہ قاضی صرف حکم خدا کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے اور امر شرعی کی تطبیق کرتا ہے۔

اسی طرح آپ نے سمرقند کے عربوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی چھاؤنیوں میں چلے جائیں یعنی آپ نے انہیں جلاوطن ہونے کا حکم دیا کیونکہ انہوں نے غیر شرعی طریقہ سے شہر پر اور اس کی زمین پر قبضہ کیا تھا۔ ❸

آپ نے بیت خلافت کی بھی تنظیم کی اور اس کو رعایا کے لیے ایک گھر کا درجہ دیا نا کہ شاہی محل کا۔ آپ نے گزشتہ خلفاء کے سب ٹھاٹھ باٹھ یکسر ختم کر دیئے۔ اور بعض وظائف بھی ختم کر دیئے جیسے خلیفہ کے سامنے خنجر لے کر چلنے والے محافظ کا وظیفہ، جو گزشتہ خلفاء دیا کرتے تھے۔ آپ نے اسے یہ کہہ کر ہٹا دیا کہ بھائی تیرا میرا کیا تعلق، میرے آگے نہ چلا کرو، میں تو ایک عام مسلمان ہوں، اور پھر یہ کہہ کر سب کے ساتھ چلنے لگے۔ ❹

۶...... دور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ میں ادارتی بگاڑ کی اصلاح

آپ نے ادارتی بگاڑ کے سب رستے بند کر دیئے اور ان کی حفاظت کا زبردست انتظام کیا، چنانچہ آپ نے خیانت، رشوت، امراء کے تحفے لینے دینے کی رسم، فضول خرچی کے سب رستے بند کیے اور امراء وولاۃ کو تجارت میں لگنے سے منع کیا۔ اسی طرح امراء وحکمرانوں کو پردوں اور حجابوں میں رہنے سے بھی منع کیا اور انہیں سابقہ والیوں کی طرح عوام کے ساتھ ظلم وجور کرنے سے بھی منع کیا۔

اس کی مختصر تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

---

❶ النموذج الاداری: ص ۴۰۳.

❷ النموذج الاداری: ص ۴۰۳.

❸ نظام الحکم فی الشریعۃ والتاریخ الاسلامی: ۱/ ۴۰۷.

❹ سیرۃ عمر لابن الجوزی: ص ٦٥.

ا۔ عمال کی تنخواہوں میں اضافہ

آپ نے خیانت کا رستہ بند کرنے کے لیے عاملوں کی تنخواہیں بڑھا دیں تاکہ انہیں اپنے اہل خانہ کے اخراجات پورے کرنے میں کوئی دقت نہ ہو اور صرف اس غرض کے لیے وہ خیانت کرنے سے بے نیاز ہو جائیں۔ ❶ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ جب ان کی تنخواہیں بدرجہ کفایت ہوں گی تو یہ مسلمانوں کے کاموں میں خوش دلی سے لگیں گے۔ کسی نے یہ کہا کہ پھر دوسرے عمال کی طرح اپنے گھر والوں پر بھی خرچ کیجئے تو جواب دیا کہ نہ تو ان کا حق روکتا ہوں اور نہ ان کو ناحق دیتا ہوں۔'' آپ کے اہل خانہ بڑے مجاہدہ اور جفاکشی کی زندگی گزار رہے تھے۔ آپ نے اس کا عذر یہ پیش کیا کہ انہوں نے پہلے بڑے عیش کے دن گزارے ہیں۔ ❷

عاملوں کی تنخواہیں بڑھانے سے آپ کی بنیادی غرضیں دو تھیں:

ا۔ خیانت کا دروازہ بند ہو کہ انہیں اتنی تنخواہ مل جائے کہ یہ مسلمانوں کا مال چوری کر کے نہ کھائیں۔

۲۔ تاکہ یہ ذمہ داران قوم پوری فراغت قلبی کے ساتھ عوام کے امور سرانجام دیں۔ ❸

۲۔ جھوٹ سے بچنے کی حرص

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ملنے گیا تو وہاں عامل کوفہ بھی بیٹھا تھا۔ آپ اس پر ناراض ہو رہے تھے۔ میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا: ''یہ کہتا ہے کہ میں جھوٹے گواہ کی زبان کاٹ دوں گا۔'' میں نے کہا: ''اے امیرالمومنین! یہ ایسا نہیں کرنے والے۔'' اس پر آپ نے ناگواری سے فرمایا: ''اس شیخ کو تو دیکھو! بے شک جھوٹ اور سچ کے دو درجوں میں بظاہر ہر خوبصورت درجہ جھوٹ ہے مگر وہ سب سے برا درجہ ہے۔'' ❹ یوں آپ نے ایسی بات کہنے سے جو کر نہ سکیں منع کر کے، اداراتی بگاڑ، مکروفریب اور فیصلوں میں دھاندلیوں کے چلن کی جڑ کاٹ کے رکھ دی۔ ❺

۳۔ تحفے لینے کی ممانعت

جس شخص نے آپ کے سامنے یہ دلیل پیش کر کے والیوں اور حکمرانوں کے ہدیے تحفے لینے کے جواز کو پیش کرنے کی کوشش کی تھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ بھی تو ہدیے لے لیا کرتے تھے، آپ نے اس کی بات کو رد کرتے ہوئے فرمایا: ''اس دور میں وہ ہدیہ تھا پر آج کل یہ رشوت ہے۔'' ❻

---

❶ النموذج الاداری: ص ۳۱٤ .

❷ البداية والنهاية نقلا عن النموذج الاداری: ص ۳۱۵ .

❸ النموذج الاداری: ص ۳۱۵ .

❹ سيرة عمر لابن الجوزی: ص ۱۳٤ .

❺ النموذج الاداری: ص ۳۱٦ .

❻ سيرة عمر لابن الجوزی: ص ۱۸۹ .

گزشتہ خلفاء اور ان کے والیان نیروز، مہرجان اور نہ جانے کس کس نام سے ہدیے، تحفے، ٹیکس اور قیمتیں لینے کے عادی تھے۔ آپ نے خطوط لکھ کر ان سب سے منع فرمایا جس کی تفصیل گزشتہ میں بیان ہو چکی ہے۔

چنانچہ جب آپ کی اہلیہ نے ابن معدی کرب کو خط لکھا کہ سینین یا لبنان کا شہد بھیجو تو اس شہد کے آنے پر آپ نے اسے یہ خط لکھا: ''اللہ کی قسم! اگر تم نے دوبارہ ایسا کیا تو میرے لیے کبھی کام نہ کرنا اور میں تمہاری کبھی شکل بھی نہ دیکھوں گا۔'' ❶

۴۔ فضول خرچی کی ممانعت

آپ نے مسلمانوں کے اموال کی حفاظت کا زبردست اہتمام کیا۔ چنانچہ خلافت سنبھالتے ہی سب سے پہلے آپ نے شاہی اللوں تللوں کو ختم کیا اور جب آپ کے سامنے شاہی سواریاں پیش کی گئیں تو ان کو اور ان کے قیمتی ساز وسامان کو بیت المال میں جمع کرا کے اپنے لیے ایک خچر رکھ لیا۔ پھر دوسرے شاہی فرش فروش ہٹا کر بیٹھنے کو ایک چٹائی منتخب کی۔ اور ان کو بھی بیت المال میں جمع کرانے کا حکم دے دیا۔ ❷

جب میمون بن مہران اور آپ مل کر امور مملکت میں غور کر رہے تھے تو میمون نے پاس رکھے کاغذوں کے بارے میں دریافت کیا کہ اس میں آپ نے اتنا کھلا کھلا کیوں لکھا ہے کہ یہ تو بیت المال کا کاغذ ہے تو آپ نے سب عاملوں کو حکم جاری کر دیا کہ ''آئندہ سب باریک اور لفظ ملا ملا کر لکھا کریں گے تاکہ سرکاری کاغذ کم خرچ ہو۔'' میمون کہتے ہیں کہ آپ کا کاغذ ایک بالشت جتنا ہوتا تھا۔ ❸

والی مدینہ کا چراغ طلب کرنے کا واقعہ بیان ہو چکا کہ آپ نے انہیں اس کی اجازت نہ دی۔ غرض سرکاری مال کے بارے میں یہ آپ کی اصلاحی اقدامات تھے۔ آپ نے خود بھی احتیاط کی اور سرکاری عاملوں کو بھی فضول خرچی سے بچنے کا حکم دیا۔ آپ بیت المال کو بڑھانا چاہتے تھے اس لیے اس سے خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرتے۔ ❹

۵۔ والیوں اور عاملوں پر تجارت میں لگنے کی پابندی

آپ نے اپنے عاملوں کو یہ لکھ بھیجا کہ ''میرے نزدیک امام تجارت نہ کرے اور کوئی والی اپنے زیر فرمان علاقہ میں تجارت نہ کرے۔ کیونکہ امیر جب تجارت کرتا ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی ایسے کام کر بیٹھتا ہے جن میں عوام کے حق میں سختی ہوتی ہے۔'' ❺

---

❶ المعرفة والتاريخ للبسوي: ص ١/ ٥٨٠ .

❷ سيرة عمر لابن عبدالحكم: ص ٣٣ .

❸ سيرة عمر لابن الجوزي: ص ٨٨ .

❹ النموذج الاداري: ص ٣١٩ .

❺ سيرة عمر لابن عبدالحكم: ص ٨٣ .

آپ کو اس بات کا بخوبی ادراک تھا کہ جب بھی امراء اور والی تجارت کریں گے تو دو میں سے ایک بات ضرور ہو کر رہے گی، یا تو وہ تجارت میں لگ کر حکومتی ذمہ داریوں اور عوامی مسائل سے غافل ہو جائے گا۔ یا پھر تجارت میں ناحق رویے اختیار کر بیٹھے گا۔ یہ حکم صادر فرما کر آپ نے ان دونوں خرابیوں کا دروازہ بند کر دیا۔ جو بسا اوقات اداراتی بگاڑ کو جنم دیتی ہیں اور ان کے بدنتائج کسی سے مخفی نہیں۔ ❶

ابن خلدون اپنے وسیع تجربات، گہرے مطالعہ اور غضب کی دور اندیشی کی روشنی میں سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے آٹھ صدیوں بعد اپنے مشہور زمانہ مقدمہ میں لکھتے ہیں: ''سلطان کا تجارت کرنا رعایا کے لیے نقصان دہ اور ٹیکس کو سخت بنانے والا ہے۔'' ❷

۶۔ والی اور رعیت کے درمیان رابطوں کی بحالی

گزشتہ خلفاء ہر وقت حاشیہ نشینوں کے جھرمٹ میں رہتے تھے جس کی بنا پر عوام کا ان سے ملنا دشوار بلکہ ناممکن سا ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے خلفاء و امراء کے گرد لوہے کا ایک ایسا حصار کھینچ رکھا تھا جس میں سے صرف وہ چیز گزر سکتی تھی جس میں ان کا مفاد یا مصلحت ہوتی تھی۔ جبکہ آپ نے اس کے بالکل برعکس یہ اعلان کیا کہ ''جو بھی ہمارے پاس عوام کی مصلحت کی کوئی بات لائے گا۔ یا حقیقت حال سے خبر دے گا اس کو انعام سے نوازا جائے گا۔'' چنانچہ آپ نے حج کے موقعہ پر یہ اعلان لکھ بھیجا کہ ''کسی کے ظلم کی دادرسی ہے یا کسی کے پاس عوام کی مصلحت کی کوئی بات ہے وہ ہم تک لے آئے اسے آنے جانے کے خرچ کے علاوہ ایک سے تین سو دینار تک انعام ملے گا۔ شاید اللہ اس سے کسی حق کو زندہ کر دے یا کسی باطل کو مٹا دے یا خیر کا کوئی دروازہ کھول دے۔'' ❸

آپ نے اپنے عاملوں کو لکھا: ''وہ عوام کے ساتھ رابطے بحال کریں، ان کی سنیں، ان کے احوال معلوم کریں، اس سے ظلم وتعدی کا دروازہ بند ہوگا۔ دوسروں کے حقوق کی پامالی کا چلن ختم ہوگا۔ اور کسی کو اپنا حق وصول کرنے کے لیے غیر اسلامی طریقے اختیار نہ کرنے پڑیں گے۔'' ❹

۷۔ بیت المال کی بابت گزشتہ والیوں کا محاسبہ

خلیفہ بننے کے بعد آپ نے والی خراسان یزید بن مہلب کو گرفتار کرنے کا حکم دیا، جب وہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے ابن مہلب سے ان اموال کے بارے میں پوچھا جو اس نے سلیمان کو بتلائے تھے۔ اس پر یزید بولا: ''آپ جانتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک کی نظروں میں میرا کیا مقام تھا، میں نے

---

❶ النموذج الاداری: ص ۳۲۰.

❷ مقدمة ابن خلدون نقلا عن رجال الفكر والدعوة للندوی: ۱/ ٤٦.

❸ رجال الفكر والدعوة: ص ۱/ ٤٧. ❹ النموذج الاداری: ص ۳۲۰.

سلیمان کو وہ خط لوگوں کو سنانے کو لکھا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ سلیمان ان چیزوں میں سے کچھ نہ لیتے تھے جو آپ نے سنی ہیں۔ اور نہ وہ میری طبیعت کے خلاف کوئی حکم دیتے تھے۔'' آپ نے فرمایا: میں تمہیں قید میں ڈالوں گا۔ اللہ سے ڈر۔ پچھلا مال ادا کر یہ مسلمانوں کا حق ہے، میں اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ نے اسے قید میں ڈال دیا یہاں تک کہ اسے آپ کے بیمار ہو جانے کی خبر ملی۔'' ❶

آپ اپنے والیوں کی پوری خبر گیری فرماتے، ان کی کوتاہیوں پر سرزنش کرتے۔ چنانچہ آپ نے ایک والی کو یہ خط لکھا: ''تیری شکایتیں بڑھتی جا رہی ہیں اور تیرا شکر ادا کرنے والے کم ہوتے جا رہے ہیں، اب یا تو سیدھے ہو جاؤ یا پھر یہ عہدہ چھوڑ دو...... والسلام'' ❷

۷...... مرکزیت اور لامرکزیت

آپ نے حکومت چلانے کے لیے مرکزیت اور لامرکزیت کے درمیان تقابل کیا اور دونوں اساسوں کو جمع کیا، وہ یوں کہ محدود معیاروں کی اتباع میں موقع کی مناسبت سے ایک کو دوسرے پر منطبق کیا۔ ذیل کی تفصیل سے یہ امر واضح ہو جائے گا۔

آپ نے کوفہ کے عامل کو خط لکھا جو بتلاتا ہے کہ آپ نے مرکزیت کی تطبیق کیسے کی؟ آپ لکھتے ہیں: ''میں نے تمہیں اس امر میں سے والی بنایا ہے جو اللہ نے میرے سپرد کیا ہے اس لیے میری طرف مراجعت کیے بغیر نہ تو کسی کا ہاتھ کاٹنا اور نہ کسی کو سولی دینا۔'' ❸

یہاں آپ نے دیکھا کہ اس زبردست اہمیت کے حامل مسئلہ میں امت کی مصلحت ''مرکزیت'' کی تطبیق میں ہے کبھی برطرفی تلوار پر سبقت لے جاتی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ قتل اور سولی کی سزا میں عجلت سے کام لینا امت کے حق میں مصلحت نہیں۔ ہر شخص کو جلد یا بدیر اپنے کیے کی سزا ملے گی۔ آپ تو عام معاملات میں عادلانہ تحقیق کو ترجیح دیتے تھے جیسا کہ گزشتہ میں بیان ہوا تو بھلا کسی کا خون کرنے میں اور اس کی روح نکالنے میں آپ کیونکر عجلت کر سکتے تھے۔ ❹ آپ نے اپنے والیوں اور امراء کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ اور بھی متعدد امور ہیں جن کی طرف رجوع کرنا از حد ضروری ہے۔ اور اس غرض کے لیے آپ نے مرکزیت کے اسلوب کو اختیار کیا۔ چنانچہ اگر کوئی ایسا امر پیش آ جائے جس میں قرآن وسنت سے کوئی ہدایت نہ ملے اس بارے میں آپ لکھتے ہیں: ''ایسے امور کو والی اور امام کے پاس پیش کیا جائے اور اس کے بغیر اس میں کوئی فیصلہ نہ کیا جائے۔ اور جو فیصلہ وہ کر دے اس کو تسلیم کیا جائے۔'' ❺

❶ تاریخ الطبری: ۷/ ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲.
❷ عمر بن عبدالعزیز، از عبدالستار شیخ: ص ۲۷۵.
❸ النموذج الاداری: ص ۳۲۲.
❹ النموذج الاداری: ص ۳۲۳.
❺ سیرۃ عمر لابن عبدالحکم: ص ۶۳.

مرکزیت کا آپ نے ایک دوسرا اسلوب بھی اختیار کیا، وہ یہ کہ عراق پر تو متعدد والی مقرر کیے جب کہ خراسان، بجستان اور عمان کو براہ راست خلیفہ کی نگرانی میں رکھا جس کے والی کا آپ کے ساتھ براہ راست رابطہ تھا۔ اسی طرح اندلس کا والی خود آپ نے مقرر کیا اور آپ چاہتے کہ اس کا رابطہ بجائے والی افریقہ کے، آپ کے ساتھ رہے۔'' ❶

یہ سب امور بتلاتے ہیں کہ آپ کو مرکزیت کی ضرورت کا بھرپور احساس تھا۔

رہ گئی لامرکزیت تو اس کی بابت چند واقعات درج کیے جاتے ہیں:

''آپ نے یمن کے والی عروہ بن محمد کو یہ خط لکھا کہ: ''امابعد! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ مسلمانوں کے مظالم انہیں لوٹا دو، اور میری طرف آنے کی کوئی ضرورت نہیں اور اپنے اور میرے درمیان طویل مسافت یا موت کے واقعات کو مطلق نہ دیکھو، حتیٰ کہ اگر میں تمہیں یہ لکھ بھیجوں کہ کسی مسلمان کی لوٹی ہوئی ایک بھیڑ اس کو لوٹا دو تو میں یہ بھی لکھ بھیجوں گا کہ وہ کالی ہو یا سفید۔ پس مسلمانوں کے مظالم انہیں واپس کرو اور میری طرف رجوع نہ کرو۔'' ❷

اس قرارداد اور فرمان میں آپ نے مرکزیت اور لامرکزیت کی باریکی کو بیان کیا ہے، دراصل یہاں امت کی مصلحت نے آپ کو لامرکزیت کی طرف کھینچا۔ ❸

ایک دوسرا واقعہ بھی پڑھ لیجیے، جس میں آپ لامرکزیت کی طرف اپنے رجحان اور رغبت کو ظاہر کرتے ہیں: آپ نے عدی بن ارطاۃ کو لکھا: ''امابعد! تم سردی گرمی میں میری طرف قاصدوں کو بھیجنے کی مشقت اٹھاتے ہو اور سنت کے بارے میں سوال کرتے ہو گویا کہ یوں تم مجھے رتبہ دیتے ہو، اللہ کی قسم! حسن بصری تیرے لیے کافی ہیں، میرا یہ خط پہنچنے کے بعد میرے، اپنے اور مسلمانوں کے بارے میں حسن سے پوچھنا۔'' ❹

دراصل روز مرہ کے مسائل میں آپ لامرکزیت کو ترجیح دیتے تھے جب تک کہ ثقہ عامل و عالم میسر ہو جیسا کہ حسن بصری، اس لیے مسلمانوں کے امور کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے حسن بصری سے رجوع کرنے کا حکم دیا۔ ❺

یہ واقعہ بتلاتا ہے کہ آپ علمائے ربانیین کا کس قدر احترام کرتے تھے۔ اور انہیں ان کے لائق مقام سے نوازتے تھے۔ بے شک جب قومیں اپنے علماء کا احترام کرتی ہیں تو ترقی کی منزلیں طے کرتی ہیں اور جب ان کے حق سے ناانصافی کرتی ہیں تو پستی اور ذلت ان کا مقدر بن جاتا ہے۔

---

❶ الادارة فی العصر الاموی از نجدة خماش: ص ۱۰۷.
❷ الطبقات: ٥/ ٣٨١.
❸ النموذج الاداری: ٣٢٤.
❹ النموذج الاداری: ٣٢٤.
❺ النموذج الاداری: ٣٢٤.

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نزدیک مرکزیت اور لا مرکزیت کا معیار اور پیمانہ کیا تھا اس کا خلاصہ ذیل کی سطور میں درج کیا جاتا ہے:

۱۔ دیکھا جائے گا کہ پیش آمدہ مسئلہ کی مصلحت عام ہے یا خاص۔
۲۔ مسئلہ کی اہمیت مرکزیت یا لا مرکزیت کے اختیار کی تحدید وتعیین کرے گی لہٰذا قصاص، قتل اور سولی دینے وغیرہ جیسے مسائل میں زیادہ مناسب یہی ہے کہ مرکزیت کو اختیار کیا جائے۔
۳۔ پیش آمدہ نئے مسائل اپنی اہمیت کے حامل ہیں جن کی بابت قرآن وحدیث میں کچھ وارد نہیں۔
۴۔ خلیفہ اور والیوں کے درمیان جغرافیائی بعید مسافتیں بھی اس کی تعیین کریں گی کہ مرکزیت اختیار کی جائے یا لا مرکزیت۔
۵۔ وقت کی رعایت بھی ملحوظ رہے کہ تاخیر بسا اوقات ضرر یا موت کا سبب بن جاتی ہے۔
۶۔ معتمد وثقہ کی موجودگی بھی مرکزیت یا لا مرکزیت کی تعیین میں معین ہے۔
۷۔ جلدی عمل درآمدگی بھی موثر ہے۔
۸۔ ثقہ لوگوں کو قاضی، عامل اور والی بنانا بھی اس امر کی تعیین میں معاون ہے۔ [1]

یہ تھے وہ معیار اور پیمانے جن کو سامنے رکھ کر آپ مرکزیت اور لا مرکزیت میں موازنہ اور ترجیح کو قائم کیا اور اس باب میں آپ علما کے کردار کی اہمیت کو بھی مدنظر رکھتے ہیں۔ [2]

۸......نرمی اور لچک

آپ نے افہام وتفہیم، مذاکرات، گفت وشنید، فکر وتدبر تنفیذ اوامر اور ان کی تقیید میں مروت اور لچک کے رویہ کو اپنایا۔ گزشتہ میں گزر چکا ہے کہ جب آپ کے بیٹے عبدالملک نے یہ کہا: ''ابا جان! آپ کو عدل اپنانے سے کون سی چیز مانع ہے؟ تو فرمایا: ''بیٹا مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ راہ حق میں مجھے اور تجھے ہانڈی میں ابال دیا جائے مگر بات یہ ہے کہ میں لوگوں کو ایک سخت بات کا عادی بنا رہا ہوں۔ میں عدل کو ایسے طریق سے زندہ نہیں کرنا چاہتا کہ پھر خود بھی اس سے پیچھے ہٹ جاؤں۔ پھر دنیا کی طمع لے کر نکلوں کہ لوگ پھر عدل سے بھاگیں اور دنیا سے مطمئن ہوں۔'' [3]

آپ فرماتے ہیں: ''جب تک میں نے لوگوں پر دنیا نہ لٹائی انہوں نے حق میں میری اطاعت نہیں کی۔'' [4] آپ نے دیکھ لیا کہ مقصد کے حصول کے لیے ذرا لچک اور چشم پوشی کرنا پڑتی ہے نا کہ بات وہ تھی جو

---

[1] النموذج الاداری: ۳۲۶. [2] النموذج الاداری: ۳۲۶.
[3] سیرۃ عمر لابن الجوزی: ص۸۸.
[4] سیرۃ عمر لابن الجوزی: ص ۸۸.

آپ کے بیٹے نے سمجھی تھی کہ شاید آپ اقامت حق وعدل میں کسی آزمائش سے ڈرتے ہیں، اقامت حق کی خاطر تو آپ زندہ ابال دیئے جانے اور قتل دیئے جانے تک کے لیے آمادہ رہتے تھے۔ ❶

باپ بیٹے میں ہونے والی ایک اور گفتگو سے بھی آپ کے اس موقف کی تصدیق ہوتی ہے، لیجئے سنیے!

بیٹا: ابا جان! آپ سونے اور آرام کرنے آجاتے ہیں کیا معلوم اس دوران کوئی اپنی فریاد لے کر پہنچ جائے اور آپ اس میں اللہ کے حق کا فیصلہ نہ کریں؟

باپ: بیٹا میرا یہ بدن میری سواری ہے اگر میں اس کے ساتھ نرمی نہیں کروں گا تو منزل تک کیسے پہنچوں گا کہ یہ تو تھک کر رستے میں بیٹھ جائے گی۔ اگر میں اس کو آرام نہ دوں گا چند دن بعد ہی یہ سواری ہلاک ہو جائے گی۔ اور میں اپنی نیند میں بھی اسی اجر کی امید رکھتا ہوں جس کی اپنی بیداری میں رکھتا ہوں۔ اللہ اگر قرآن کو یک مشت اتارنا چاہتے تو اتار سکتے تھے لیکن آپ نے تھوڑا تھوڑا کر کے قرآن اتارا یہاں تک کہ دلوں میں ایمان کو جاگزیں کر دیا۔

اے میرے بیٹے! میرا یہ امر امویوں سے زیادہ اہم ہے، یہ لوگ پہلے بڑی شان کے رہے ہیں، اگر میں انہیں ایک دن میں اکٹھا کروں تو ڈر ہے کہ میرے خلاف انتشار کریں گے لیکن میں ایک دو کے ساتھ انصاف کروں گا تو اس کی خبر پیچھے دوسروں کو بھی ہو جائے گی۔ اور یہ بات زیادہ نتیجہ خیز ہے۔ ❷

یہ واقعہ بتلاتا ہے کہ اداروں کے چلانے میں آپ کس قدر تدبر اور فقاہت سے کام لیتے تھے اور اپنے اہداف جیسے اقامت حق وعدل، ازالہ ظلم وغیرہ کے حصول کے لیے نرم روی سے اپنے پروگراموں پر عمل کرتے تھے۔ ❸

آپ نے یہ فرما کر کہ "یہ میرا بدن میری سواری ہے کہ اگر اس کو تھکا دوں گا تو بیٹھ جاؤں گا۔" واضح کیا کہ انسان کی طاقت محدود ہے اور مشقتیں برداشت کرنے کی ایک حد ہے۔ انسان اتنی ہی ذمہ داریوں کو قبول کرے جن کے تحمل کی انسان کے رگ وریشے میں ہمت ہو۔ اور اس کے اعصاب میں اس کی طاقت ہو، اگر اس کی رعایت نہ رکھی جائے تو بہت جلد انسان کے باطنی قوی اس کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ جس کا لازمی اثر خارجی امور پر بھی پڑتا ہے۔ اور جتنا ہم اپنا کام بڑھاتے جائیں گے اندرونی اعصاب پر بوجھ دن بدن بڑھتا جائے گا اور ہوسکتا ہے کہ کبھی انسان اس زیادہ بوجھ کی تاب نہ لا سکے۔ ❹

اور آپ کا یہ قول کہ "میں ان میں سے ایک دو کے ساتھ انصاف کروں گا کہ یہ بات زیادہ نتیجہ خیز ہے۔" بتلاتا ہے کہ آپ کے نزدیک اصلاحی اور تجدیدی منصوبوں اور اقدامات میں سب سے زیادہ اہمیت

---

❶ النموذج الاداری: ص ۳۲۸.
❷ سیرۃ عمر، لابن الجوزی: ص۱۰٦.
❸ ملامح الانقلاب: ص۱۷۳.
❹ ایضًا

نتائج کی ہے۔ لوگ باتیں تو بہت کرتے ہیں کہ ہم حقیقی انقلاب لائیں گے۔ جڑ سے تبدیلی لائیں گے۔ پرانی بوسیدہ جڑوں کو اکھاڑ کر نیا بیج بوئیں گے۔ لیکن تھوڑا وقت ہی گزرتا ہے کہ یہ لوگ رہ جاتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے صرف باتیں کی تھیں..... جبکہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ مصلح کبیر اور حاذق فقیہ تھے۔ آپ باتوں کی بجائے عمل کرتے تھے۔ اور اس میں بھی سختی سے کام نہ لیتے اور نہ اٹکل سے۔ آپ فرد فرد کی اصلاح سے معاشرے تک پہنچے اور چراغ سے چراغ جلا کر اندھیرا دور کیا۔ پھر آپ نے دل سے برائی کی جڑ کو اکھاڑا بھی تو نرمی کے ساتھ، دلجوئی کے ساتھ، لچک کے ساتھ دنیا دے کر اور دلوں کو نرمانے کے ساتھ۔

یاد رہے! کوئی اس کو آپ کا دست بردارانہ رویہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ مجموعی اصلاح سے جزوی اصلاح پر اتر آئے کہ آپ کی پوری زندگی میں ہمیں اس کی مثال نہیں ملتی کہ کبھی آپ نے بالشت بھر بھی ان اہداف سے جو قرآن کریم اور سنت نبویہ میں مذکور ہیں، پیچھے ہٹنے کی روش اپنائی ہو۔ بلکہ آپ نے کامل ہدف کے حصول کے لیے زندگی سے بھرپور اسلوب کی فقہ کو اختیار کیا۔ وہ یہ کہ:

''مسلسل سختی لاوا بن کر پھٹ پڑتی ہے جو تباہی و بربادی لاتی ہے، صاحب امر اس انتشار کو نرم رویوں سے قابو کر سکتے ہیں۔'' [1]

اور جب آپ کے بیٹے نے یہ کہا: اے امیر المومنین! آپ اللہ کے امر کو نافذ کیجیے چاہے ہمیں ہانڈیوں میں ابال دیا جائے، تو فرمایا: ''اے بیٹے! اگر میں ایسا کروں گا جیسا کہ تم کہہ رہے ہو تو یہ لوگ مجھے تلوار اٹھانے پر مجبور کریں گے، اس خیر میں کیسی خیر جو تلوار کے بل پر حاصل ہو۔'' [2]

بھلا ایسا ذکی اور حساس خلیفہ ایک دن بھی اپنے ہدف سے غافل ہو سکتا ہے یا اس میں لچک رکھ سکتا ہے؟ [3] گزشتہ مذکورہ آپ کے نرم رویوں کا تعلق سیاست عامہ کی تنفیذ سے ہے اور وہ سیاست تھی اقامت عدل اور نشر اسلام اور ایک عقیدہ پر مبنی خلافت کا قیام۔'' [4]

اس کے شواہد مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ ایک دن آپ اپنے پہرے داروں کے پاس آئے اور پوچھا: ''تم میں سے کون اس شخص کو جانتا ہے جسے ہم نے مصر روانہ کیا تھا۔'' وہ بولے ہم سب جانتے ہیں کیونکہ آپ نے انہیں تھوڑی دیر پہلے ہی مندوب بنا کر مصر بھیجا تھا، فرمایا: ''تم میں سے سب سے نوعمر جائے اور اس کو بلا لائے۔'' وہ جمعہ کا دن تھا۔ ان صاحب نے سمجھا کہ شاید مجھے مصر جانے میں تاخیر ہوگئی ہے اس لیے بلوا بھیجا ہے تو بولا: ''جلدی نہ کرنا میں ذرا کپڑے درست کر لوں، غرض وہ صاحب کپڑے درست کر کے پہنچے، آپ نے

---

[1] ملامح الانقلاب: ص ۱۷۴ .
[2] ملامح الانقلاب: ص ۱۷۵ .
[3] ملامح الانقلاب: ص ۱۷۵ .
[4] النموذج الاداری: ص ۳۲۹ .

فرمایا: ''گھبراؤ نہیں! آج جمعہ کا دن ہے، نماز پڑھ کر جانا، ہم نے تمہیں مسلمانوں کے امر کی طرف جلد جانے کو کہا تھا، لیکن ہمارا جلدی کا مطالبہ تمہیں نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنے سے پیچھے نہ کر دے۔'' ❶

یہ تھی آپ کی نرمی اور لچک، باوجودیکہ آپ نے ان صاحب کو مسلمانوں کے امر کا مندوب بنا کر جلد پہنچنے کو کہا تھا۔ لیکن تاخیر ہو جانے پر ان کے ساتھ مروت و نرمی کا رویہ اپنایا۔ ❷

۲۔ آپ نے ایک موقعہ پر والی خراسان کو طلب فرمایا، وہ خلیفہ کا امر پاتے ہی جلدی سے دارالخلافہ دمشق پہنچے۔ جب آپ نے ان کے چہرے پر سفر کی تکان کے آثار دیکھے تو فرمایا: ''کب روانہ ہوئے تھے۔'' بولے رمضان میں، تو آپ نے فرمایا: ''تم نے جفاء کا جو وصف بیان کیا تھا اس میں سچے نکلے۔ ارے رمضان کے بعد کیوں نہ روانہ ہوئے؟'' ❸

۳۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ میمون بن مہران دمشق کے دیوان پر مامور تھا، وہ کہتے ہیں کہ جب دمشق کے والیان امور نے اپاہج کا وظیفہ مقرر کیا تو میں نے کہا: ''اس پر احسان کرنا تو ٹھیک ہے لیکن تندرست آدمی جتنا وظیفہ مقرر کرنا ٹھیک نہیں۔'' لوگوں نے سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو میمون کی یہ شکایت لکھ بھیجی کہ یہ صاحب ہم پر سختی کرتے ہیں، اور ہمیں مشقت میں ڈالتے ہیں اس پر آپ نے مجھے یہ خط لکھا کہ: ''جب میرا یہ خط تمہیں ملے تو اس کے بعد لوگوں پر سختی نہ کرنا اور نہ انہیں مشقت میں ڈالنا کہ مجھے یہ بات پسند نہیں۔'' ❹

آپ نے میمون کو نرمی اور عدم مشقت کا بنیادی اصول لکھ بھیجا تھا۔

۴۔ **مذاکرات اور افہام و تفہیم میں نرمی:**......... خوارج کے ساتھ آپ کی گفتگو بتلاتی ہے کہ آپ دوسروں کے ساتھ نرم گفتگو اور ناقابل تردید دلائل کے ساتھ مذاکرہ اور مناظرہ کرتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ خوارج کے ایک وفد نے آ کر آپ کے ساتھ گفتگو شروع کی، ایک صاحب نے اشارہ کیا کہ ان سے ذرا رعب کے ساتھ بات کیجئے۔ مگر آپ نے اخیر تک لہجے کی نرمی کو نہ جانے دیا۔ یہاں تک کہ انہیں قائل کر لیا اور انہیں خلعت اور انعام سے نواز کر رخصت کر دیا، ان کے جانے کے بعد آپ نے اشارہ کرنے والے صاحب کی ران پر ہاتھ مار کر کہا: ''اگر دوا سے شفا ملتی ہو اور داغنے کی ضرورت نہ ہو تو کیا داغنا ضرور ہے، ایسا کبھی نہ کرو۔'' ❺ آپ نے خوارج کے ساتھ ہر قسم کی نرمی کی۔ ❻

---

❶ سیرة عمر، لابن الجوزی: ص۱۰۶.　❷ النموذج الاداری: ص ۳۳۰.

❸ تاریخ الطبری نقلاً عن النموذج الاداری: ص ۳۳۰.　❹ الطبقات: ۵/ ۳۸۰.

❺ سیرة عمر لابن الجوزی: ص ۷۶-۷۷.

❻ النموذج الاداری: ص ۳۳۱.

۵۔ فکری نرمی اور لچک:.......آپ فکری نرمی اور لچک کے زیور سے بھی آراستہ تھے جمود اور تشدد کے پاس بھی نہ پھٹکتے تھے۔ گزشتہ واقعہ گزر چکا ہے کہ آپ نے یزید بن ابی مالک اور حارث بن محمد کو لوگوں کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ یزید نے تو اس پر معاوضہ وصول کر لیا جبکہ حارث نے نہ کیا، تو آپ نے یہ کہہ کر اپنی فکری نرمی اور لچک دکھائی کہ ''یزید نے جو کیا وہ برا نہیں اور اللہ ہمیں حارث جیسے اور بھی دے۔''❶

آپ نے دونوں علماء کا موقف مختلف ہونے کے باوجود دونوں کے بارے میں ایک موقف نہیں رکھا۔ جنہوں نے تعلیم کا معاوضہ قبول کیا ان پر رد نہ کیا۔ اور جنہوں نے قبول نہ کیا ان کے اس فعل کو سراہا۔ آپ نے ایک ہی وقت میں دو مختلف موقف اپنا کر اپنی فکری لچک کا ثبوت دیا۔ یہ آپ کی حد درجہ کی قناعت تھی۔ اور فکری لچک ہونا ضروری بھی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''مجھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کے بدلے میں سرخ اونٹ بھی پسند نہیں۔''❷ کیونکہ اگر ان حضرات میں اختلاف نہ ہوتا تو امت کو رخصت نہ ملتی۔''❸

یہ دلائل وشواہد بتلاتے ہیں کہ آپ نے مملکت چلانے کے لیے مروت اور لچک کو ایک اساس کے طور پر اختیار کیا ہوا تھا، ہاں آپ کی یہ مروت آپ کی تنفیذات کی راہ میں، اہداف کے حصول میں اور بلند مقاصد تک پہنچنے کی راہ میں ہرگز بھی رکاوٹ نہ تھی۔❹

۹......وقت کی اہمیت

آپ اپنا زیادہ وقت امور خلافت میں صرف کرتے ہر وقت مسلمانوں کی حاجت روائی اور حقوق اللہ کی ادائیگی پر کمر بستہ رہتے اور رات کو وتروں کے بعد کسی سے بات نہ کرتے اور دعا و مناجات میں مشغول ہو جاتے۔❺ وقت کو قیمتی جاننے کی بابت آپ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ: ''اے انسان! دن اور رات تم میں عمل کر رہے ہیں تو ان میں عمل کر۔''❻

آپ نیکیوں کی طرف لپکتے اور امور خلافت کو سرانجام دینے میں بے پناہ سرعت سے کام لیتے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل ابن عبدالحکم کی یہ روایت ہے کہ ''سلیمان کو جب نماز مغرب کے بعد دفن کر دیا گیا تو آپ نے سلیمان کی تدفین کے فوراً بعد کاغذ قلم منگوا کر تین فرمان جاری کیے کہ ان میں تاخیر کی گنجائش نہ تھی۔ لوگ یہ دیکھ کر آپس میں کہنے لگے: ''اس جلدی کی کیا ضرورت تھی؟ کیا گھر جانے تک صبر نہ کر سکتے تھے؟ ارے یہ تو حکومت کی محبت ہے''، لیکن بات یہ ہے کہ یہ جلدی حکومت کی محبت کا نتیجہ نہ تھی بلکہ یہ نفس کے

❶ سیرۃ عمر لابن عبدالحکم: ص ۱۳۷.
❷ سیرۃ عمر لابن الجوزی: ۲۷۵.
❸ الطبقات: ۵/ ۳۸۱.
❹ النموذج الاداری: ص ۳۳۲.
❹ سیرۃ عمر لابن الجوزی: ص ۲۱۰۔ ۲۱۱.
❺ الادارۃ فی التراث الاسلامی: ۱/ ۲۷۹۔ از البرعی و عابدین.

محاسبہ کی بات ہے کہ آپ نے اس میں تاخیر کی گنجائش نہ پا کروہیں پر یہ تین پروانے لکھ ڈالے۔ اب پہلا فرمان قسطنطنیہ کے محاذ پر لڑنے والے مجاہدوں کے بارے میں تھا کہ ان کی دقت کے پیش نظر آپ نے انہیں واپس آ جانے کو کہا۔ آپ نے اللہ کے لیے اس حکم کو جاری کرنے میں تاخیر کی گنجائش نہ دیکھی کہ مسلمان دشمنوں کے سامنے مشکل میں تھے۔ اسی بات نے آپ کو یہ حکم لکھنے میں جلدی کرنے پر ابھارا۔ ❶ اور واقعی ان لوگوں کا جو حال تھا انہیں واپس بلا لینا ہی مناسب تھا۔ ❷

دوسرا پروانہ مصر کے خراج پر مامور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی معزولی کا تھا جس نے وہاں بے تحاشا اودھم مچا رکھا اور ظلم کا بازار گرم کر رکھا تھا، جبکہ آپ نے افریقہ پر سے یزید بن ابی مسلم کو اس کی ستم کیشی کی وجہ سے معزول کر دیا۔ ❸ آپ نے لوگوں کو جو بات بھی کہنی ہوتی اس کے لیے مناسب وقت کو ملحوظ رکھتے۔ جن میں کبھی تو لوگوں کی کثرت کا لحاظ ہوتا تو کبھی جگہ کا تقدس پیش نظر ہوتا۔ پھر سب سے زیادہ آپ حج کے موسم سے فائدہ اٹھاتے کہ یہ وقت تمام بلاد وامصار سے مسلمانوں کے اکٹھے ہونے کا ہوتا تھا۔ لہٰذا آپ عرفہ کے دن کے لیے اہم امور پر مشتمل خط لکھ بھیجتے تھے۔ اور اس وقت کے اختیار کرنے میں دو امر ملحوظ ہوتے تھے۔ (۱) زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے سامنے اعلان کیا جا سکے اور قرار دیں اور فرامین انہیں سنائی جا سکیں۔ (۲) دوسرے اس مجمع میں کیا گیا اعلان اور سنایا گیا حکم سرعت کے ساتھ سارے علاقے میں پھیل جاتا تھا۔ ❹

چنانچہ ایک موقعہ پر موسم حج میں یہ اہم خط پڑھ کر سنایا گیا:

> ''امـا بـعد! میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور اس عزت والے مہینے، عزت والے شہر اور حج اکبر کے دن تمہارے کیے گئے مظالم اور زیادتیوں سے بری ہوتا ہے کہ نہ تو میں نے ان کا حکم دیا اور نہ ان پر راضی ہوں اور نہ میں نے ان کا قصد کیا۔ البتہ اگر میرے کسی غیر ارادی اشارے سے کسی نے یہ سمجھ لیا ہو اور اس کو میری طرف منسوب کر دیا گیا تو میں اس کی اللہ سے معافی مانگتا ہوں اور امید ہے کہ یہ بات بخش دی جائے گی۔ کہ یہ مخاطب کا وہم ہے نا کہ میرا قصد وارادہ۔'' ❺ اس کے بعد آپ نے طویل نصیحتیں فرمائیں جن میں سے اکثر کا ذکر گزشتہ اوراق میں ہو چکا ہے۔

بے شک یہ خط ظلم کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ آپ نے مظالم ختم کرنے میں بے پناہ اور بے مثال کوششیں کیں۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ کسی ظلم کی آپ کو خبر نہ پہنچی ہو تو اس عظیم اجتماع میں آپ نے یہ اعلان کر کے اس سے بھی براءت کا اعلان کر دیا۔ اس خط میں آپ نے والیوں کی بے اعتدالیوں سے بھی براءت ظاہر کی۔

---

❶ سیرة عمر لابن عبدالحکم: ص ۳۲.
❷ النموذج الاداري: ص ۳۳۷.
❸ النموذج الاداري: ص ۳۳۷۔ ۳۳۸.
❹ النموذج الاداري: ص ۳۳۹.
❺ حلیة الاولیاء: ۵/ ۲۹۲۔ ۲۹۳.

اور بتلایا کہ اطاعت صرف اللہ کی ہے نا کہ ظالم والیوں کی۔ یوں آپ نے انحراف کر کے چلنے والے ہر والی کی گوشمالی کی۔ اس خط میں آپ نے اصلاح کی نیت سے سفر کر کے آنے والے اور کسی خرابی کی خبر دینے والے کے لیے انعام دینے کا بھی وعدہ کیا۔ معلوم ہوا کہ آپ امت کی اصطلاح کے لیے کس تدبیر سے مال خرچ کرتے تھے۔ اور آخر میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ توفیق اس کے ہاتھ میں ہے۔ یہ رب پر اعتماد کی انتہا ہے کہ آپ اپنے آپ کو خود کچھ نہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے رب کے لطف و کرم اور احسان و معونت سے ہوتا ہے۔ [1] یہ واقعات بتلاتے ہیں کہ آپ کو وقت کی قدر و قیمت اور اہمیت کا کس قدر احساس تھا، اور آپ اپنے حکومتی وخلافتی اہداف کو حاصل کرنے کے لیے کس طرح مناسب وقت کے انتظار میں رہتے تھے۔ [2]

۱۰...... تقسیم عمل

آپ کو تقسیم کی اہمیت وافادیت کا بھی بھرپور ادراک تھا، آپ جانتے تھے کہ حکومت چلانے کے لیے تقسیم کار کے اصول کی کیا اہمیت ہے۔ چنانچہ آپ نے عقبہ بن زرعہ کو خراسان کا والی بنانے کے بعد اسے یہ خط لکھا: ''حکومت کے کچھ ارکان ہوتے ہیں جن کے بغیر حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا والی، قاضی، خزانچی اور میں یعنی خلیفہ یہ سب حکومت کے بنیادی ستون ہیں۔'' [3] یہ تھی رئیسی تقسیم کی صورت چنانچہ ولایت کو والی سنبھالتا تھا۔ قضا کو قاضی، خزانے کو ایک معتبر شخص اور سب سے بڑا حکومتی عہدہ خلافت خلیفہ کے سپرد ہوتی تھی۔''

اب کچھ ذیلی اہم محکموں کا حال بھی سن لیجیے جن کو ہم حکومتی تقسیمات کہہ سکتے ہیں، چنانچہ ان میں سے ایک امارت جہاد ہے جو منصور بن غالب کے سپرد تھی۔ [4] صائفہ (موسم گرما میں حملہ) کا صیغہ ولید بن ہشام اور عمرو بن قیس سکونی کے سپرد تھا۔ [5]

جبکہ پولیس کے ذمہ داخلی امن قائم کرنا تھا، اور یہ صیغہ عمر بن یزید بن بشر کلبی کے ہاتھ میں تھا۔ [6] حفاظتی اسکواڈ عمر بن مہاجر بن ابی مسلم انصاری کے پاس تھا، آپ کی دربانی حبیش کے ذمہ تھی جو آپ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اسی طرح کچھ رستوں پر چوکیاں قائم کیں۔ جیسے مصر کی چوکی اور اس پر عمر بن زریق ایلی کو مقرر کیا، ان کو آج کل کسٹم چوکیاں کہتے ہیں۔ [7] مکاتبت پر لیث بن ابی رقیہ ام الحکم بنت ابی سفیان [8] اور مہروں پر نعیم بن سلامہ مقرر تھے۔ [9]

---

[1] التاریخ الاسلامی: ۱۶/ ۱۵۱.
[2] النموذج الاداری: ص ۳۴۰.
[3] النموذج الاداری: ص ۳۴۲.
[4] سیرۃ عمر لابن عبدالحکم: ص ۷۱.
[5] تاریخ خلیفة: ص ۳۲٤.
[6] ایضًا
[7] عمر بن عبدالعزیز وسیاسته فی رد المظالم: ص ۳٤٤.
[8] تاریخ خلیفة: ۳۲٤.
[9] تاریخ خلیفة: ص ۳۲۵.

مالی امور کو ایک جدول کی شکل میں پیش کرتے ہیں:

خراج پر---------------- عقبہ بن زرعہ طائی ❶

صدقات پر---------------- عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن عقبہ قرشی ❷

نقدی کا ادارہ------------- ابن ابی حملہ قرشی ❸

مرکزی خراج-------------- صالح بن جبیر غدانی ❹

تعلیمی صیغہ کا یہ حال تھا کہ آپ نے مساجد میں تعلیم و تربیت کے مستقل مکاتب کھول دیئے تھے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا شعبہ بھی چند علماء کے ذمہ تھے۔ افتاء کا شعبہ فقہائے سبعہ کے ذمے تھا، جن کا تفصیلی ذکر ہو چکا۔ ان کے علاوہ ولایت صلوٰۃ، ولایتِ حج اور ڈاک وغیرہ کے شعبے بھی تھے۔ غرض آپ کی تجدیدی اور اصلاحی کوششوں کو تفصیل اس مختصر رسالہ میں نہیں بیان کی جا سکتی۔ بلا شبہ آپ تقسیم کار کے مبدا کی بابت اپنی طرز کے پہلے آدمی تھے۔ ❺

بسا اوقات آپ اپنے والیوں کو وزراء کی تعیین اور شوریٰ کی تشکیل کا حق بھی دے دیتے تھے۔ اس طرح وہ فوجوں کی نگرانی بھی کر لیتے تھے اور انہیں داخلی امن کو برقرار رکھنے کا بھی اختیار ملتا تھا۔ اس طرح ہر ولایت کے جملہ مصارف کی نگرانی بھی والیانِ اقالیم کرتے تھے۔ بہر حال یہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی حکومت و خلافت کی ادارت و انتظام کی چند جھلکیاں تھیں جن کو قارئین کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی کامیابیوں کے اسباب:

یہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ آپ کی شخصی صفات کا آپ کی کامیابیوں میں بے حد دخل تھا۔ چنانچہ آپ علم ورع، خوف وخشیت، حلم و تواضع وغیرہ کی صفات سے پوری طرح آراستہ تھے۔ گزشتہ سب صفحات اس امر کی تفصیل ہی تو ہیں۔

۲۔ آپ کے تجدیدی منصوبے واضح تھے اور وہ تھے خلافت کو دورِ رسالت اور خلافتِ راشدہ کے منہج پر واپس لے جانا۔

۳۔ جب امت نے آپ کی امانت و دیانت کو دیکھا تو انہوں نے بھی آپ کے اہداف کے حصول میں آپ کا بھرپور ساتھ دیا۔

۴۔ علمائے ربانی کی ایک جماعت کا وجود جو خلافت کے امور کو سنبھالنے کے اہل تھے۔ چنانچہ جب آپ

---

❶ النموذج الاداري: ص ٣٤٤.
❷ امراء دمشق في الاسلام: ص ٤٨.
❸ عمر بن عبدالعزيز وسياسته: ص ٢٩٥.
❹ تاريخ خليفة: ص ٣٢٤.
❺ النموذج الاداري: ص ٣٤٥.

نے انہیں آگے بڑھنے کا موقع دیا تو وہ پورے اخلاص اور کامل مستعدی کے ساتھ آگے بڑھے جس کی زبردست تفصیل گزشتہ اوراق میں بیان کی جا چکی ہے۔

۵۔ حکومتی اور عوامی دونوں سطحوں پر ہر چھوٹے بڑے کام میں شریعت کے نفاذ کی بھرپور حرص اور یہ رب کی توفیق سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الاعراف: ۹۶)

''اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازہ) کھول دیتے۔''

قرآن وسنت کے احکام کے التزام کے خلافت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ پر اثرات

کتاب وسنت میں اور قوموں کی حیات میں غور وفکر کرنا، آدمی کو انسانوں اور کائنات کی بابت رب تعالیٰ کی سنن کی معرفت بھی نصیب کرتا ہے اور رب تعالیٰ کی سنن اور اس کی کتاب کے قوانین کو بھی واضح کرتا ہے، ارشاد ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ (النساء: ۲۶)

''اللہ چاہتا ہے کہ (اپنی آیتیں) تم سے کھول کھول کر بیان کرے اور تم کو اگلے لوگوں کے طریقے بتائے۔ اور تم پر مہربانی کرے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''

رب تعالیٰ کی سنن صحیح احادیث کے مطالعے سے خوب واضح ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ اپنے اصحاب کی تعلیم کے لیے مواقع اور واقعات کو خوب استعمال کرتے تھے، چنانچہ آپ کی اونٹنی عضباء سے کوئی دوڑ میں جیت نہ سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک دیہاتی کا اونٹ عضباء سے جیت گیا، یہ بات آپ ﷺ کے صحابہ پر گراں گزری تو آپ نے رب تعالیٰ کی ایک سنت کو کھول کر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ بات اللہ کے ذمے ہے کہ دنیا میں جو شے بھی سر اٹھائے اللہ اس کو نیچا دکھائے گا۔''[1]

رب تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم گھوم پھر کر مختلف جگہوں کو دیکھ کر اور تاریخ کے مطالعہ سے عبرت حاصل کریں۔ ارشاد ہے:

---

[1] صحیح البخاری، رقم: ۲۸۷۲.

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ○ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ○﴾

(آل عمران: ۱۳۷۔۱۳۸)

''بلاشبہ تم سے پہلے بہت سے طریقے گزر چکے، سو زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ یہ لوگوں کے لیے ایک وضاحت ہے اور بچنے والوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت ہے۔''

قرآن کریم نظر و فکر کی ساتھ سنن کی معرفت کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

﴿قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَ مَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ○ فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِينَ ○﴾ (یونس: ۱۰۱۔ ۱۰۲)

''کہہ تم دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ موجود ہے۔ اور نشانیاں اور ڈرانے والی چیزیں ان لوگوں کے کام نہیں آتیں جو ایمان نہیں لاتے۔ تو یہ لوگ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سوائے ان لوگوں کے سے ایام کے جو ان سے پہلے گزر چکے۔ کہہ دے پس انتظار کرو، یقیناً میں (بھی) تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔''

سنن الٰہیہ کی خصوصیات:

۱۔ یہ تقدیر سابق ہے، ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهُ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَ كَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ○﴾ (الاحزاب: ۳۸)

''نبی پر اس کام میں کبھی کوئی تنگی نہیں جو اللہ نے اس کے لیے فرض کر دیا۔ یہی اللہ کا طریقہ ہے ان لوگوں میں جو پہلے گزرے اور اللہ کا حکم ہمیشہ سے اندازے کے مطابق ہے، جو طے کیا ہوا ہے۔''

یعنی اللہ کا حکم اور وہ امر جو وہ مقدر کرے لامحالہ واقع ہو کر رہے گا، جس سے مفر کی کوئی گنجائش نہیں۔ جو اللہ نے چاہا وہ ہوا اور جو نہ چاہا نہ ہوا۔

۲۔ سنن الٰہیہ میں تغیر و تبدیل نہیں ہوتا۔ ارشاد ہے:

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُونَ وَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ○ مَّلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا

وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝﴾ (الاحزاب: ٦٠-٦٢)

"یقیناً اگر یہ منافق لوگ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اڑانے والے لوگ باز نہ آئے تو ہم تجھے ضرور ہی ان پر مسلط کر دیں گے، پھر وہ اس میں تیرے پڑوس میں نہیں رہیں گے مگر کم۔ اس حال میں کہ لعنت کیے ہوئے ہوں گے، جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور ٹکڑے ٹکڑے کیے جائیں گے، بری طرح ٹکڑے کیا جانا۔ اللہ کے طریقے کی طرح ان لوگوں میں جو پہلے گزرے اور تو اللہ کے طریقے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔"

اور فرمایا:

﴿وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝﴾ (الفتح: ٢٢-٢٣)

"اور اگر وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا تم سے لڑتے تو یقیناً پیٹھ پھیر جاتے، پھر وہ نہ کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ اللہ کے اس طریقے کے مطابق جو پہلے سے گزر چکا ہے اور تو اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔"

۳۔ یہ جاری ہو کر رہیں گی رکیں گی نہیں۔ ارشاد ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝﴾ (الانفال: ٣٨)

"ان لوگوں سے کہہ دے جنھوں نے کفر کیا، اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ گزر چکا انھیں بخش دیا جائے گا اور اگر پھر ایسا ہی کریں تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر ہی چکا ہے۔"

۴۔ سنن الٰہیہ کی مخالفت نہ کی جائے کہ یہ بے سود ہے۔ ارشاد ہے:

﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ (الغافر: ٨٢-٨٥)

''تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے، وہ (تعداد میں) ان سے زیادہ تھے اور قوت میں اور زمین میں یادگاروں کے اعتبار سے ان سے بڑھ کر تھے، تو ان کے کسی کام نہ آیا، جو وہ کماتے تھے۔ پھر جب ان کے رسول ان کے پاس واضح دلیلیں لے کر آئے تو وہ اس پر پھول گئے جو ان کے پاس کچھ علم تھا اور انھیں اس چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو انھوں نے کہا ہم اس اکیلے اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے ان کا انکار کیا جنھیں ہم اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے تھے۔ پھر یہ نہ تھا کہ ان کا ایمان انھیں فائدہ دیتا، جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا۔ یہ اللہ کا طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں گزر چکا اور اس موقع پر کافر خسارے میں رہے۔''

۵۔ سنن الٰہیہ سے معاندوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا البتہ متقی لوگ ان سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ارشاد ہے:

﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ○ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ○﴾

(آل عمران: ۱۳۷۔۱۳۸)

''بلاشبہ تم سے پہلے بہت سے طریقے گزر چکے، سو زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا؟ یہ لوگوں کے لیے ایک وضاحت ہے اور بچنے والوں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت ہے۔''

۶۔ یہ سنتیں نیک و بد دونوں پر جاری ہوتی ہیں، پس سنن الٰہیہ مومنوں پر بھی جاری ہوتی ہیں جن میں سب سے بلند حضرات انبیائے کرام علیہم السلام ہیں۔ اللہ کی کچھ ایسی سنتیں بھی ہیں جو اس کی شریعت کی تابعداری یا اس سے اعراض پر مرتب ہونے والے آثار سے متعلق ہیں۔ ❶

رب تعالیٰ کے حکم پر چلنے کے دنیاوی اور اخروی دونوں آثار ہیں، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت میں اس کے دنیاوی اثرات ظاہر ہوئے، جو یہ ہیں:

ا۔ استخلاف اور تمکین فی الارض:

ہم دیکھتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے آپ کو روئے زمین پر زبردست حکومت دی۔ جو اس بات کی حرص کا نتیجہ تھا کہ رب تعالیٰ کی شرع قائم ہو۔ ان کی ذات سے لے کر خلافت کے کونے کونے تک۔ تو رب تعالیٰ نے آپ کے اس مخلصانہ راشدی منصوبہ کو برکت اور نصرت و تائید سے نوازا۔ اور آپ کی حکومت کے قدم مضبوط

❶ الحکم والتحاکم فی خطاب الوحی: ۲/ ۶۶۷۔۶۶۹.

کیے۔ جب آپ نے تمکین فی الارض کی شرائط کو پورا کیا تو رب تعالیٰ نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا۔ ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا﴾ (النور: ۵۵)

''اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور ہی جانشین بنائے گا، جس طرح ان لوگوں کو جانشین بنایا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لیے ان کے اس دین کو ضرور ہی اقتدار دے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ہر صورت انھیں ان کے خوف کے بعد بدل کر امن دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔''

یہ رب تعالیٰ کی وہ سنت ہے جو ان قوموں میں جاری ہو کر رہتی ہے جو شریعت قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور اس سنت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

۲۔ امن واستقرار:

خلافت امویہ میں بے پناہ بغاوتیں برپا ہوئیں۔ بالخصوص خوارج نے بے پناہ اودھم مچایا لیکن آپ نے ان میں سے بے شمار خارجیوں کو قائل کر کے بغاوت سے علیحدہ کر لیا۔ اور یوں آپ کے دور میں بے مثال عدل اور امن وامان قائم ہوا۔ اور یہ بھی آپ کی اس حرص کا نتیجہ تھا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں شریعت کی تابعداری ہو۔ ارشاد ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ (الانعام: ۸۲)

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔''

۳۔ فتح ونصرت:

جب آپ دین کی نصرت کے از حد حریص تھے اور اس رستے میں اپنا سب کچھ لگا دیا تو رب تعالیٰ کا وعدہ بھی سچا ثابت ہوا کہ جو اس کی نصرت کرے گا وہ اس کی نصرت کرے گا، اللہ نے دین پر ثابت قدم رہنے والے کے لیے اس بات کی ضمانت لی ہے کہ اسے دشمنوں پر عزت وقوت دے گا۔ ارشاد ہے:

﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ

الْاُمُوْرِ○﴾ (الحج : ٤٠۔٤١)

''اور یقیناً اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے گا، بے شک اللہ یقیناً بہت قوت والا، سب پر غالب ہے۔ وہ لوگ کہ اگر ہم انھیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوۃ دیں گے اور اچھے کام کا حکم دیں گے اور برے کام سے روکیں گے، اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے قبضہ میں ہے۔''

بے شک جو اللہ کے دین، اس کی کتاب اور اس کے رسول کی نصرت کرتے ہیں، اللہ ان کا مددگار ہے اور جو اللہ کے حکم کے بغیر پر عمل کرتے ہیں ان کی کوئی نصرت نہیں۔ [1] جیسے آج ہمارا حال ہے۔

۴۔ عزت و شرافت:

کتب تاریخ آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور یہ سارا ثمرہ کتاب اللہ اور سنت رسول کو مضبوطی سے تھامنے کا تھا جو آپ کی سیرت کا طرۂ امتیاز ہے۔ اور انہی کو عزت ملتی ہے اور انہی کا ذکر بلند ہوتا ہے جو کتاب وسنت کو دستور حیات بنا لیتے ہیں، آپ نے صحیح رستے پر قدم رکھا، صراط مستقیم پر چلے تو رب کی سنت جاریہ سے سرفراز ہوئے۔ ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○﴾ (الانبیاء : ١٠)

''بلاشبہ یقیناً ہم نے تمھاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے، جس میں تمھارا ذکر ہے، تو کیا تم نہیں سمجھتے؟''

اس آیت کی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، ''اس میں تمہارا ذکر ہے یعنی اس میں تمہاری عزت ہے۔'' [2]

اس امت کو ایک ہی رستے سے عزت و شرافت ملے گی اور وہ ہے احکام اسلام کو مضبوطی سے تھام لینا۔

۵۔ برکت اور آسودگی:

ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ○﴾ (الاعراف : ٩٦)

''اور اگر واقعی بستیوں والے ایمان لے آتے اور بچ کر چلتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے بہت سی برکتیں کھول دیتے اور لیکن انھوں نے جھٹلایا تو ہم نے انھیں اس کی وجہ سے پکڑ لیا جو وہ کمایا کرتے تھے۔''

[1] صفحات مشرقة من التاريخ الاسلامی للصلابی: ۲/ ۳۰۶۔ [2] تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۱۷۰۔

شریعت قائم کرنا اور اس کے احکام کو نافذ کرنا یہ غیب کے خزانوں سے مادی اور معنوی دونوں برکات کو کھینچتا ہے۔ جن لوگوں نے ایمان پختہ کیا اللہ نے ان کی عزت کی۔ انہیں ان برکات سے نوازا جن کا تقویٰ اور ایمان پر وعدہ کیا تھا۔ اس برکت کی کوئی محدود، متعین اور خاص شکل نہیں۔ یہ ایک فیض ربانی ہے جس کا بے حساب ہر جگہ ظہور ہوتا ہے۔ اس کی صورتوں کا انسان جہاں تک بھی تصور کر سکتا ہے یہ اس پر بھی مستزاد ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ برکت کو حیطۂ خیال میں لانا، اس کو ناپنا اور تولنا ناممکن ہے۔ ❶

سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں لوگوں نے اس برکت کا مادی اور معنوی وحسی مشاہدہ کیا۔ یکدم زندگیوں میں آسودگی آ گئی۔ خزانے بھر گئے، سرحدیں مضبوط ہو گئیں، ظلم وجور ختم ہو گیا، انصاف ملنے لگا، فوجیں طاقتور ہو گئیں، نیکی کا راج ہو گیا۔ بدی کو سر چھپانے کو جگہ نہ ملی۔ دولت وثروت کا یہ حال تھا کہ زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا۔ تجارت، عدالت، اقتصاد، حکومت، قضاء، تعلیم، تربیت غرض ہر شعبہ ترقی کی اَوجِ ثریا تک جا پہنچا۔ تنگدستی کیا ختم ہوئی کہ اغنیاء پریشان ہو گئے۔ کس کو زکوٰۃ دیں کوئی لینے والا نہ ملتا تھا۔ زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک صاحب کہتے ہیں، ''سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ہم پر تیس ماہ تک حکومت کی جب مرے تو اس حال میں مرے کہ ایک آدمی بہت سارا مال لے کر آتا اور کہتا کہ جہاں چاہے خرچ کر دو، دن گزر جاتا پر اس کا مستحق نہ ملتا، کیونکہ آپ نے لوگوں کو خوشحال ہی اتنا کر دیا تھا۔'' ❷

بے شک یہ ملک میں شریعت نافذ کرنے کی برکات ہیں۔

۶۔ فضائل کا چرچا اور رذائل کا خاتمہ:

اخلاق اور شریعت میں اٹوٹ رشتہ ہے اور کیوں نہ ہو کہ تزکیہ مقاصد نبوت میں سے ہے۔ ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝﴾ (آل عمران: ١٦٤)

''بلاشبہ یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا جب اس نے ان میں ایک رسول انھی میں سے بھیجا، جو ان پر اس کی آیات پڑھتا اور انھیں پاک کرتا اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، حالانکہ بلاشبہ وہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔''

پاک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں نیکی کرنے کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں تاکہ نفس پاک ہو اور گناہوں کے میل سے صاف ہو جس میں وہ حالت شرک میں مبتلا تھے۔ ❸

---

❶ فی ظلال القرآن: ۳/ ۱۳۳۹۔ ❷ رجال الفکر والدعوۃ: ۱/ ۵۸۔

❸ تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۴۰۱۔

بلاد و امصار میں نیکی اور تقویٰ پھیلانے کے لیے آپ نے جن علمائے ربانی کی خدمات لیں اور انہوں نے اقالیم اسلامیہ میں جابجا تزکیہ اور سلوک کے جو مدرسے کھولے ان کے سرخیل اور سردار جناب حسن بصری تھے۔ ان سب باتوں کا تفصیلی تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ اس قدر مختصر مدت میں لوگوں کے شوق، رجحان، میل اور ذوق سب بدل گئے۔ اور یہ سارا فرق آپ کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ گزشتہ حکمران جس طرح کے تھے ان کی عوام بھی ویسی ہی تھی کہیں دولت کے چرچے تو کہیں کنیزوں کے، کہیں ٹھاٹھ باٹھ کے مقابلے تو کہیں عمارتیں بنانے میں ریس۔ لیکن آپ کے دور میں مقابلہ و تنافس تھا تو نمازوں، روزوں، شب بیداریوں اور قرآن کی تلاوتوں کا۔ جیسا کہ طبری نے اپنی تاریخ میں اس کی تصریح کی ہے اور یہ روایت گزشتہ میں ذکر ہو چکی ہے۔

۷۔ ہدایت و ثابت قدمی:

چونکہ آپ کو اس بات کی شدید حرص تھی کہ آپ شریعت کے احکام کو جاری کریں تو رب تعالیٰ نے بھی آپ کو ہدایت اور حق پر جمنے کی نعمت عظمیٰ سے نوازا۔ ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء: ٦٥)

''پس نہیں! تیرے رب کی قسم ہے! وہ مومن نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ تجھے اس میں فیصلہ کرنے والا مان لیں جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے، پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کر لیں، پوری طرح تسلیم کرنا۔''

آگے ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ۝ وَإِذًا لَّآتَيْنَاهُم مِّن لَّدُنَّآ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا﴾

(النساء: ٦٦۔٦٨)

''اور اگر ہم واقعی ان پر فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو، یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو وہ ایسا نہ کرتے مگر ان میں سے تھوڑے اور اگر وہ واقعی اس پر عمل کرتے جو انھیں نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے لیے بہتر اور زیادہ ثابت قدم رکھنے والا ہوتا۔ اور اس وقت ہم یقیناً انھیں اپنے پاس سے بہت بڑا اجر دیتے۔ اور یقیناً ہم انھیں سیدھے راستے پر چلاتے۔''

رب تعالیٰ نے خیر کا وعدہ جس امر کی بنا پر کیا ہے وہ ہے شریعت کو حکم بنانا اور رسول اللہ ﷺ کی

تابعداری کرنا۔ اس کے بعد رب تعالیٰ حق پر ثابت قدم رکھیں گے۔ دین میں اضطراب واقع نہ ہوگا، اور وہ ہدایت ملے گی جو ہر قسم کی کجی سے پاک ہوگی، اور اجر عظیم کی مستحق ٹھہرائے گی۔ [1]

بے شک ہدایت اور حق پر ثابت قدمی رب کا وہ انعام ہے جو خوش قسمتوں کو ہی ملتا ہے، جن کے دلوں میں صرف اللہ کی محبت بس جاتی ہے اور ان کے اعضاء اس کے حکم کے تابع ہو جاتے ہیں۔ [2]

آپ کی خلافت ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جو طوطے کی طرح یہ الفاظ رٹتے رہتے ہیں کہ اسلامی حکومت ہمیشہ آزمائشوں کا شکار رہے گی۔ اور ہر لحہ روبہ زوال ہوگی، یہ بُرا خواب ہے، بے شک سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت ان لوگوں کے منہ پر ایک طمانچہ ہے۔

﴿قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ (البقرة: ١١١)

تاریخ کا طالب علم یہ پڑھ کر دنگ رہ جاتا ہے کہ یہ ایک تسلسل ہے۔ چنانچہ شیخ ابوحفص معین الدین عمر بن محمد بن خضر اربلی رحمہ اللہ نے نور الدین زنگی متوفی ۵۶۸ کو سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مفصل سیرت لکھ کر دی تاکہ نور الدین اس کی پیروی کرے۔ گزشتہ میں اس امر پر تفصیلی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ چنانچہ شیخ نے نور الدین زنگی کے لیے سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی زندگی سے ایک علمی اور عملی منہج تیار کیا۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ چھٹی صدی ہجری میں خلافت اسلامیہ میں وہی اصلاحات ظہور پذیر ہوئیں اور انہی مقاصد کے پرچم بلند ہوئے جو سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اڑھائی سالہ دور خلافت کے امتیازی اوصاف تھے۔

تاریخ کا طالب علم جانتا ہے کہ ہر دور میں شریعت قائم کرنے کے ثمرات اور اس کی برکات کا ظہور ہوا۔ اور دنیا نے دیکھا جس کو تاریخ نے رقم کیا، پھر مسلمانوں میں رب تعالیٰ کی غیر متبدل وغیر متغیر سنتوں کا ظہور ہوا۔

آج بھی کوئی اسلامی قیادت شریعت کے نفاذ کے مقصد کو لے کر اٹھے تو وہ بھی اپنے دامن میں انہی برکات کو سمیٹے گی۔ بے شک تاریخ کا مطالعہ عبرت اور عمل کے لیے ہے تاکہ ہمارے سامنے ان لوگوں کے حالات آئیں جنہوں نے ایمان، جہاد، علم، تربیت اور اصلاح وارشاد سے بھرپور زندگیاں گزاریں۔ رب تعالیٰ کی سنن کو لینے کا طریقہ ایک ہی ہے کہ اس کی شریعت کو لاگو کیا جائے۔

---

[1] فتح القدير: ١/ ٤٨٥.
[2] الحكم والتحاكم: ٢/ ٦٩٠.

زندگی کے آخری ایام اور وفات

ا۔ آخری خطبہ:

آپ نے اپنا آخری خطبہ خناصرہ میں دیا جو یہ ہے:

"اے لوگو! نہ تو تم بیکار پیدا کیے گئے ہو اور نہ یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے، تمہارے لیے معاد ہے، جس میں رب تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلے کرے گا۔ پس جو رب کی وسیع رحمت سے نکل گیا اور اس کی زمین و آسمان سے بڑی جنت سے محروم ہوگیا۔ اصلی خسارے میں وہ ہے جان لو کہ کل قیامت میں امان اس کو ملے گی جس نے آج رب سے ڈر کے دکھایا اور ختم ہونے والی شے یعنی دنیا کو باقی رہنے والی شئے یعنی آخرت کے بدلے میں بیچ ڈالا۔ اور کم کو زیادہ کے بدلے خوف کو امن کے بدلے بیچ دیا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم ہلاک ہو جانے والوں کی اولادیں ہو۔ اور تمہارے بعد بھی اور قومیں آئیں گی، حتیٰ کہ سب سے اچھے وارث کے پاس پہنچ جاؤ گے۔"

اس کے بعد آپ نے طویل خطبہ دیا اور بے تحاشا رو پڑے اور لوگوں کو بھی رلایا پھر منبر سے اتر آئے، یہ آپ کا آخری خطبہ تھا۔ اس کے بعد آپ وفات پا گئے۔ [1] اس خطبہ کا تفصیلی ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

۲۔ زہر خورانی کا واقعہ:

آپ کے سبب وفات میں روایات میں اختلاف ہے، بعض لوگوں نے خوف الٰہی کی شدت اور لوگوں کے امور کے اہتمام کی کثرت کو آپ کی وفات کا سبب بیان کیا ہے۔ یہ روایت آپ کی زوجہ اور ابن سعد کی طبقات میں ابن لہیعہ کی روایت سے مذکور ہے۔ [2]

جبکہ بعض نے بنوامیہ کے زہر خورانی کو آپ کی وفات کا سبب قرار دیا ہے، کیونکہ وہ دنیا پرست اور عیاش لوگ آپ کی سیاست سے بے حد تنگدل رہتے تھے۔ ظلم کے عادی ان لوگوں کا عدل کی فضاء میں دم گھٹتا تھا۔ ان کی عدیم النظیر شاہ خرچیاں ختم کر دی گئی تھیں۔ آپ نے ان سے مظلوموں سے چھینی ہوئی تمام دولت واپس لے لی تھی۔ اس لیے انہوں نے آپ کو زہر پلوا دیا۔ [3] اور ایسے لوگوں سے یہ کوئی بعید یا مستبعد نہیں کہ انہوں نے آپ سے جان چھڑانے کے لیے یہ گھناؤنا فعل کر ڈالا ہو۔ چنانچہ اس غرض کے لیے انہوں نے آپ کے

---

[1] تاریخ الطبری: ۷/ ٤٧٥.
[2] فقه عمر: ۱/ ٤٣.
[3] فقه عمر: ۱/ ٤٣.

خادم خاص کو استعمال کیا۔ اور اس سے ایک ہزار دینار دینے کا وعدہ کیا، اور آزادی دینے کا بھی لالچ دیا۔ غلام جب بھی یہ کرنے لگتا اس کا دل تڑپ اٹھتا۔ بالآخر انہوں نے غلام کو قتل کی دھمکی دے کر یہ کام کروالیا۔ چنانچہ وہ لالچ اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اپنے ناخنوں پر زہر مل کر گیا اور پینے کی چیز میں وہ زہر گھول دیا۔ جیسے ہی آپ نے گھونٹ بھرا آپ کو زہر آلودہ ہونے کا احساس ہوگیا۔ [1]

مجاہد کی روایت گزر چکی ہے کہ آپ کے پوچھنے پر وہ بولے کہ ''لوگ سمجھ رہے ہیں کہ شاید آپ پر جادو ہوا ہے لیکن آپ نے فرمایا نہیں، بلکہ مجھے زہر پلایا گیا ہے۔ پھر غلام کو بلا کر اس بابت پوچھا تو وہ مان گیا کہ میں نے یہ کام ہزار دینار اور آزادی کے لالچ میں کیا ہے، آپ نے اس سے دینار لے کر تو بیت المال میں جمع کروا دیئے اور اسے کہا کہ کہیں جا کر چھپ جاؤ۔'' [2]

اکثر روایات نے زہر خورانی کو ہی موت کا سبب قرار دیا ہے۔ [3] آپ نے زہر پلانے والے غلام کو معاف فرما دیا وگرنہ چاہتے تو اس سے بدترین انتقام لے سکتے تھے۔ البتہ آپ نے غلام سے زہر دینے والے کا نام نہ پوچھا حالانکہ آپ اس کو نام بتلانے پر مجبور کر سکتے تھے۔ اور پھر اس سے قصاص بھی لے سکتے تھے۔ بے شک یہ معاف کر دینے کی انوکھی اور نہایت بلند مثال ہے۔ کیونکہ آپ کا یقین تھا کہ جو اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے اور آپ جانتے تھے کہ معاف کر دینے پر رب تعالیٰ اجر دے گا۔ اگرچہ قصاص لینا گناہ نہ تھا لیکن پھر آپ معاف کر دینے کے اجر سے محروم ہو جاتے۔ چنانچہ آپ نے رب کے ہاں ملنے والے ثواب کو جان سے بھی زیادہ قیمتی جانا۔ [4]

۳۔ قبر کی جگہ خریدنا:

یہ آپ کی عاجزی کی انتہا تھی کہ جب آپ کو بتلایا گیا کہ حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں چوتھی قبر کی جگہ موجود ہے اور لوگوں نے مدینہ چل دینے کا بھی مشورہ دیا، تو آپ نے یہ دعا کی کہ ''اے رب! جہنم کا عذاب نہ دینا کہ میں اس کو جھیل نہیں سکتا۔ یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ تو میرے دل میں یہ خیال دیکھے کہ میں اس کا اہل ہوں۔'' [5]

آپ نے حکم دیا کہ ایک جگہ میری قبر کے لیے میرے خاص مال سے خریدی جائے۔ یہ آپ کے ورع اور شدید محاسبۂ نفس کا نتیجہ تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ نے مرض الوفات میں اپنے اردگرد کے لوگوں سے فرمایا: ''میری قبر کی جگہ راہب سے خریدنا۔'' نصرانی بولا: ''اے امیر المومنین! اللہ کی قسم! میں آپ کے پڑوس

---

[1] سیرة عمر لابن الجوزی: ص ۳۱۶۔ ۳۱۷.
[2] تذکرة الحفاظ: ۱/ ۱۲۰.
[3] فقه عمر: ۱/ ٤٤.
[4] التاریخ الاسلامی: ١٦/ ۲۲۹.
[5] سیرة عمر لابن الجوزی: ص ۳۲۱۔ ۳۲٤.

سے برکت لوں گا۔ میری زمین میں آپ کی قبر ہونا خیر ہے۔ میں نے وہ جگہ آپ کو ہبہ کر دی۔'' لیکن آپ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا: ''یا تو جگہ بیچ دو وگرنہ میں کہیں اور جگہ لے لیتا ہوں۔'' چنانچہ آپ نے دو یا چھ یا تیس دیناروں میں وہ جگہ خرید لی اور وہ رقم مالک کے ہاتھ پر رکھ دی۔ وہ بولے ''اگر ہمیں یہ ڈر نہ ہوتا کہ آپ کہیں اور جگہ لے لیں گے تو ہم یہ رقم کبھی نہ لیتے۔'' ❶

۴۔ یزید بن عبدالملک ولی عہد کو وصیت:

آپ نے مرض الوفات میں اپنے ولی عہد یزید کے لیے یہ وصیت لکھوائی:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم! اللہ کے بندے عمر۔ امیرالمومنین کی طرف سے یزید بن عبدالملک کے نام۔ السلام علیک! میں تیرے سامنے اس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ امابعد! میں موت کے منہ میں جاتے ہوئے تیرے لیے یہ وصیت لکھوا رہا ہوں، میں جانتا ہوں کہ میں جس کو ولی بنا جاؤں گا، اس کی پوچھ گچھ مجھ سے ہوگی۔ اور دنیا و آخرت کا بادشاہ مجھ سے اس کا حساب لے گا۔ اور میں اس سے اپنا کوئی عمل چھپا نہیں سکتا۔''

ارشاد ہے:

﴿فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيۡهِم بِعِلۡمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِينَ۝﴾ (الاعراف : ۷)

''پھر اپنے علم سے ان کے حالات بیان کریں گے اور ہم کہیں غائب تو نہیں تھے۔''

اگر رب رحیم مجھ سے راضی ہوگیا تو میں طویل غم سے نجات پا گیا اور کامیاب ہوگیا۔ اور اگر وہ ناراض ہوگیا تو ہائے میری ہلاکت جس کی طرف میں جاؤں گا، میں اس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ وہ مجھے جہنم میں جانے سے بچائے۔ اور مجھے اپنی رضوان اور جنت کا انعام کرے۔

تم اللہ کے تقویٰ کو لازم پکڑنا اور رعایا کے بارے میں اللہ سے ڈرنا کیونکہ میرے بعد تم بھی دنیا میں زیادہ نہ ٹھہرو گے اور رب لطیف وخبیر سے آملو گے۔'' ❷

ایک روایت میں ہے: ''سلیمان بن عبدالملک اللہ کا ایک بندہ تھا، اللہ نے اس کی روح قبض کر لی، اس نے مجھے اپنا خلیفہ بنا دیا اور مجھ سے اور میرے بعد یزید بن عبدالملک کے لیے بیعت لی۔ اگر میں بیویاں اور مال جمع کرنا چاہتا تو دنیا میں سب سے بہتر یہ چیزیں جمع کر لیتا۔ لیکن مجھے سخت حساب اور باریک سوال کا ڈر ہے، ہاں اللہ ہی مدد کرے تو کرے۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!''

آپ نے اپنے ولی عہد کو نہایت بلیغ وصیت کی اور طرح طرح کی مثالیں دے کر اس کو آخرت سے ڈرایا اور حساب کا خوف دلایا۔ ❸

---

❶ سیرۃ عمر لابن الجوزی: ص ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ❷ ایضاً: ص ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ❸ فقه عمر: ۱/ ۴۷۔

۵۔ موت کے وقت اولاد کو وصیت:

مرض الوفات میں مسلمہ بن عبدالملک آپ سے ملنے آیا اور بولا: ''اے امیر المومنین! آپ اپنی اولاد کو تنگدست چھوڑے جارہے ہیں، اگر ان کو میرے یا میرے جیسوں کے حوالے کر جائیں تو وہ ان کا خرچ اٹھائے گا''، آپ نے مسلمہ کی بات سن کر فرمایا: ''ذرا مجھے بٹھانا''، لوگوں نے بٹھا دیا تو فرمایا: ''اے مسلمہ! میں نے تیری بات سنی، تیرا یہ کہنا کہ میں نے انہیں اس مال سے محروم رکھا، تو سنو! میں نے ان کا حق مارا نہیں اور کسی کا حق انہیں دیا نہیں۔ رہ گیا تمہارا ان کے بارے میں وصیت کرنے کو کہنا تو ان کے بارے میں میری وصیت یہ ہے:

﴿إِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ۝﴾ (الاعراف ۱۹۶)

''بے شک میرا یار و مددگار اللہ ہے، جس نے یہ کتاب (برحق) نازل کی ہے اور وہی نیکوں کا یار و مددگار بنتا ہے۔''

میری اولاد یا تو نیک ہوگی تو انہیں اللہ مستغنی کر دے گا اور اگر یہ غیر صالح ہوئی تو رب کی نافرمانی میں مال دے کر ان کی مدد کرنے والا سب سے پہلا شخص میں نہ بنوں گا۔

پھر آپ نے اپنے بچوں کو بلوایا۔ ان کو دیکھ کر آپ کی آنکھیں بھر آئیں اور بولے: ''میں انہیں تنگدست چھوڑے جا رہا ہوں، ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔'' یہ فرما کر رو پڑے۔ پھر فرمایا: ''میرے بچو! میں تمہارے لیے خیر کثیر چھوڑے جا رہا ہوں، تم جس مسلمان یا ذمی کے پاس سے بھی گزرو گے وہ تمہارے لیے حق کو دیکھیں گے۔ اے میرے بچو! میرے سامنے دو ہی رستے تھے یا تو تمہیں مال دے کر خود جہنم میں چلا جاتا یا تم قیامت تک تنگدست رہتے اور میں جنت میں چلا جاتا۔ میں نے تمہارے فقر کو پسند کیا۔ اب اٹھ جاؤ۔ اللہ تمہاری حفاظت کرے اور تمہیں رزق دے۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مسلمہ کو وصیت کی کہ وہ آپ کی موت کے وقت آئے آپ کو غسل دے۔ کفن پہنائے اور قبر تک ساتھ جائے۔ اور قبر میں اتارنے والوں میں بھی ہو۔ پھر فرمایا: ''اے مسلمہ! اس وقت دیکھنا کہ تم مجھے کس منزل پر چھوڑ جاؤ گے اور دیکھنا کہ دنیا نے مجھے کس حال کے حوالے کر دیا۔''

مسلمہ یہ وصیت سن کر بولے: ''یہ سو دینار ہیں ان کا جو چاہے کیجیے!'' آپ نے فرمایا: ''اے مسلمہ! ایک بات اس سے بھی بہتر ہے، وہ یہ کہ ان کو جہاں سے لیا ہے، وہیں چھوڑ آؤ۔'' مسلمہ بولے: اے امیر! اللہ تمہیں جزائے خیر دے، تو نے سخت دلوں کو نرما دیا اور ہمارا نیکوں میں ذکر کیا۔[2]

---

[1] سيرة عمر لابن عبدالحكم: ص ۱۱۵۔ ۱۱۶.

[2] ايضًا: ص ۱۲۲۔ ۱۲۳.

بے شک پہلوں کی زندگی اور ان کی خبریں درس وعبرت سے لبریز ہیں۔ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو ہی دیکھ لیجئے مرتے ہوئے بھی حتیٰ کہ موت کے بعد اپنی اولاد کے لیے وصیت میں بھی تقویٰ کا درس دے گئے ہیں، کہ آپ نے اس حال میں دنیا چھوڑنا بھی پسند نہ کیا کہ سر پر ایک ایسی شے کی ذمہ داری ہو جس کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ اس کا کرنا کیا ہے۔

آپ سوچتے تھے کہ میں اولاد کو کسی ایسے کے ذمہ نہ کر جاؤں جو انہیں حرام کھلائے اور اس کا گناہ ان کے سر ہو۔ اس لیے آپ نے اولاد کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا۔

آپ نے اولاد کو مسلمانوں کا مال دے کر خود جہنم میں جلنا پسند نہ کیا لہٰذا ان پر تھوڑا لیکن حلال خرچ کرنا بہتر سمجھا جو شبہات سے خالی ہوتا کہ اس کی برکت سے جنت کے جان فزا جھونکوں میں جا بسیں۔ چنانچہ آپ نے رب کے بھروسے پر کہ وہ انہیں ضائع نہ کرے گا۔ یہ دوسری صورت پسند کی۔

آپ نے اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ میری اولاد کی نیک نامی مشہور ہے۔ لوگوں کے دل میں ان کا زبردست احترام ہے۔ حتیٰ کہ ذمی بھی ان کے بارے میں دلوں میں عزت اور نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ آپ نے انہیں بتلایا کہ یہ ہے وہ زبردست ترکہ جو میں ان کے لیے چھوڑ کر جا رہا ہوں جو انمول ہے، جس کی قیمت یہ دنیا کے اہل نظر نہیں لگا سکتے۔

پھر فرمایا کہ میری اولاد یا تو نیک ہوگی یا بد۔ نیک ہوگی تو اللہ انہیں غنی کر دے گا اور اگر بد ہوگی تو میں ان کے لیے مال چھوڑ کر ان کی برائیوں میں شریک نہ ہوں گا۔

آپ نے سمجھایا کہ نیکوں کا دوست اور ولی ''اللہ'' ہے۔ اور یہ کہ باپ کو اولاد کی تربیت کرنے میں اور اس کو نیک بنانے میں از حد کوشش کرنی چاہیے۔ تا کہ خود اللہ ان کا محافظ ونگہبان بنے۔ اور یہ کہ اولاد کے لیے مال چھوڑ جانا کوئی اتنی ضروری بات نہیں۔ کہ اگر اولاد نیک نہ ہوئی تو یہ مال برائیوں میں اڑائے گی۔ اور یہ ان کی گناہ میں معاونت ہوگی۔ [1]

اور مسلمہ کو مرتے مرتے بھی یہ سمجھا گئے کہ مال کے ذریعہ آمدن کو غور سے دیکھو اور یہ کہ حرام مال صدقہ کرنے سے یا کسی کو ہدیہ کر دینے سے حلال نہیں ہو جاتا، لہٰذا اگر مال کسی کا حق ہو تو اسے لوٹا دے۔ [2]

۶۔ غسل و تکفین کی وصیت:

رافع بن حفص مدنی سے روایت ہے کہ آپ نے رجاء کو یہ وصیت فرمائی: ''جب تم لوگ میرے غسل، تکفین اور نماز سے فارغ ہو جاؤ اور مجھے قبر میں اتار دو تو میرے سر کی طرف سے ایک سوراخ کھول کر دیکھنا کہ اگر تو میرا منہ قبلہ کی طرف ہے تو اس پر رب تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنا، اور اگر میرا منہ قبلہ سے پھرا دیکھو تو

[1] التاریخ الاسلامی: ١٦/ ٢٢٢.
[2] التاریخ الاسلامی: ١٦/ ٢٢٢.

مسلمانوں کے پاس جا کر میرے لیے استغفار کرنے کو کہنا۔" رجاء کہتے ہیں: "ہم نے ایسا ہی کیا، چنانچہ قبر بند کرنے کے بعد جب ہم نے سر کی طرف سے ایک اینٹ کھول کر دیکھی تو آپ کا منہ قبلہ کی طرف دیکھا، اس پر ہم نے اللہ کی حمد ثناء بیان کی۔" ❶

۷۔ آپ کو موت کی آسانی پسند نہ تھی:

کیونکہ آپ فرماتے تھے: "موت درجات بلند ہونے کا یہ آخری موقعہ ہوتا ہے۔" ❷ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: "کیونکہ مومن کے گناہوں کے معاف ہونے کا یہ آخری موقعہ ہوتا ہے۔" ❸

۸۔ جان کنی:

جب آپ پر عالم نزع طاری ہوا تو فرمایا: "سب چلے جاؤ کوئی میرے پاس نہ رہے۔" سب چلے گئے مگر مسلمہ اور آپ کی اہلیہ جو مسلمہ کی بہن تھی دروازہ پر بیٹھے رہے۔ انہوں نے آپ کی یہ آواز سنی: "اے آنے والو! تمہیں خوش آمدید۔ یہ چہرے تو نہ انسانوں کے ہیں اور نہ جنوں کے۔" ❹

ایک روایت میں فاطمہ یہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے ایام مرض میں آپ کو یہ کہتے سنا: "اے اللہ! میری موت کا حال ان سے مخفی رکھنا چاہے دن میں آئے"، پھر جس دن آپ کا انتقال ہوا میں آپ کے پاس سے اٹھ کر ساتھ کے کمرے میں چلی گئی اور دروازے کے پاس بیٹھ گئی، تو میں نے آپ کو یہ کہتے سنا:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۝﴾ (القصص : ۸۳)

"یہ آخری گھر، ہم اسے ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو نہ زمین میں کسی طرح اونچا ہونے کا ارادہ کرتے ہیں اور نہ کسی فساد کا اور اچھا انجام متقی لوگوں کے لیے ہے۔"

پھر آپ کا بدن پر سکون ہو گیا۔ اب نہ کوئی آواز تھی نہ آہٹ اور نہ کوئی کلام۔ تو میں نے آپ کے خادم سے کہا: "ذرا اندر جا کر امیر المومنین کو تو دیکھ آؤ۔" وہ اندر گیا تو اس نے چیخ ماردی۔ تب میں نے اندر جا کر آپ کا منہ قبلہ کی طرف موڑا اور آپ کے ایک ہاتھ سے داہنی اور دوسرے ہاتھ سے بائیں آنکھ بند کر دی۔ آپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ ❺

ایک روایت میں ہے کہ "آپ نے اپنے مرض الوفات میں فرمایا: "مجھے بٹھا دو۔" لوگوں نے آپ کو بٹھا دیا پھر فرمایا: "اے اللہ! میں وہی ہوں جس کو تو نے حکم دیا پس اس نے نافرمانی کی تقصیر و کوتاہی کی۔ لیکن تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔" پھر سر اٹھایا اور تیز نظروں سے دیکھا۔ لوگوں نے کہا: "آپ بڑی تیز نظروں سے

---

❶ الکتاب الجامع لسیرۃ عمر: ۲/ ٦٤٤ ـ ٦٤٥ .

❷ الکتاب الجامع: ۲/ ٦٤٨ . ❸ ایضًا ❹ الکتاب الجامع: ۲/ ٦٥٣ .

دیکھ رہے ہیں (کیا دیکھ رہے ہیں)'' تو فرمایا: ''چند لوگ آئے ہیں جو نہ انسان ہیں اور نہ جن۔'' پھر آپ کی روح پرواز کر گئی۔ ❶

آپ کی انگوٹھی پر یہ الفاظ کندہ تھے: ''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا اللہ پر ایمان ہے۔''

۹۔ تاریخ وفات:

آپ نے بروز جمعہ پس رجب المرجب ۱۰۱ ہجری میں وفات پائی۔ یہی روایت سب سے صحیح ہے۔ آپ نے بیس روز علالت میں گزارے اور دَیر سمعان ارض معرہ شام میں انتقال فرمایا۔ آپ نے دو سال پانچ ماہ اور چودہ دن خلافت کی۔ انتقال کے وقت اس خلیفہ زاہد مصلحِ کبیر، عالمِ ربانی کی عمر انتالیس سال اور پانچ ماہ تھی۔ جبکہ اصح روایت کے مطابق عمر چالیس برس تھی۔ ❷

۱۰۔ ترکہ:

آپ کے ترکہ کی مقدار میں روایات کا اختلاف ہے، البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ترکہ بے حد معمولی اور نہ ہونے کے برابر تھا۔ ❸

چنانچہ عمر بن حفص معیطی سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

''ہمیں عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بیان کیا عمر فرماتے ہیں کہ ''میں نے عبدالعزیز سے پوچھا: ''والد صاحب (عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ) آپ لوگوں کے لیے کتنا ترکہ چھوڑ گئے تھے'' تو تبسم فرما کر بولے: ''ہمیں ہمارے خادم نے بیان کیا جو آپ کے نان ونفقہ کا ذمہ دار تھا کہ آپ نے عالم نزع میں انہیں بلا کر پوچھا: ''تیرے پاس کتنا مال ہے؟ بولا: ''چودہ دینار۔'' فرمایا: ''تم لوگ اس کو ایک گھر سے دوسرے گھر اٹھاتے پھرو گے۔''

پھر میں نے عبدالعزیز سے پوچھا: ''سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ آپ لوگوں کے لیے کتنا عطیہ چھوڑ گئے تھے؟'' تو فرمایا: ''چھ سو دینار جو ہمیں عبدالملک کے اختیار سے ورثے میں ملے تھے۔ آپ نے پس ماندگان میں بارہ بیٹے اور چھ بیٹیاں چھوڑیں تھیں تو ہم نے ان چھ سو دیناروں کو پندرہ حصے بنا کر باہم تقسیم کر لیا۔'' ❹

صحیح یہ ہے کہ وفات کے وقت گیارہ بیٹے تھے۔ چونکہ عبدالملک نے آپ کی زندگی میں وفات پائی تھی۔ ❺ ابن جوزی رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ ''مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ منصور نے عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: ''مجھے کوئی نصیحت کیجئے''، تو بولے: ''عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ گیارہ بیٹے چھوڑ

---

❶ الکتاب الجامع: ۲/ ٦٥٤.
❷ تاریخ القضاعی: ص ۳٦۳.
❸ فقه عمر: ۱/ ٥٠.
❹ سیرة عمر لابن الجوزی: ص ۳۳۷.
❺ فقه عمر: ۱/ ٥٥.

مرے جن کا ترکہ سترہ دینار تھا۔ پانچ دینار تکفین میں لگ گئے، دو دینار میں قبر کی جگہ خریدی۔ باقی تقسیم ہو گیا۔ ہر بیٹے کو ۹ درہم ملے۔"

اور جب ہشام بن عبدالملک مرا تو اس کے بھی گیارہ بیٹے تھے۔ اس کے ترکے کی تقسیم کے بعد ہر بیٹے کو دس دس لاکھ ملا۔ اب میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ایک بیٹا دیکھا جو اللہ کی راہ میں ایک دن میں سو گھوڑوں پر سامان لاد کر صدقہ کر رہا تھا۔ جبکہ میں نے ہشام کا ایک بیٹا دیکھا جسے لوگ صدقہ دے رہے تھے۔"❶ بہرحال اگرچہ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو والد کے ترکہ سے بے شمار مال ملا تھا پر وفات کے وقت سب ختم تھا۔ رضی اللہ عنہ۔❷

۱۱۔ کلماتِ خیر:

الف:...... جب آپ کا انتقال ہوا اور مسلمہ بن عبدالملک نے آپ کو کفن میں ڈھکا دیکھا۔ تو کہا: "اللہ تم پر رحم کرے کہ تم نے سخت دلوں کو نرما دیا اور نیکوں میں ہمارا ذکر خیر چھوڑا۔"❸

ب:...... وہیب بن ورد سے روایت ہے کہ جب ہمیں آپ کی وفات کی خبر پہنچی تو فقہاء آپ کی اہلیہ کے پاس تعزیت کے لیے پہنچے اور بولے: "ہم عمر کی تعزیت کرنے آئے ہیں، آج امت مصیبت میں ہے، ہمیں عمر کے بارے میں کچھ بتلایئے اللہ آپ پر رحم کرے، وہ گھر میں کیسے رہتے تھے کہ گھر والے سب سے زیادہ جانتے ہیں۔" تو بولیں: "اللہ کی قسم! وہ تم لوگوں سے زیادہ نماز روزہ کا اہتمام نہ کرتے تھے لیکن میں نے عمر سے زیادہ رب سے ڈرنے والا بندہ نہیں دیکھا، اللہ کی قسم! وہ میرے ساتھ ایک لحاف میں لیٹے دل لگی کر رہے ہوتے تھے کہ اچانک دل پر کوئی بات گزرتی تو یوں تڑپ اٹھتے جیسے پرندہ پانی میں گر کر تڑپتا ہے۔ پھر اتنا روتے کہ میں سمجھتی کہ ابھی ان کا دم نکل جائے گا۔ تو میں ان پر ترس کھاتے ہوئے لحاف ہٹا دیتی۔ اور کہتی: کاش! اس امارت اور ہمارے درمیان مشرق مغرب کا فاصلہ ہوتا، اللہ کی قسم! جب سے ہم امارت میں داخل ہوئے کبھی ہنس کے نہ دیئے۔"❹

ج:...... حسن بصری رحمہ اللہ کو جب آپ کے انتقال کی خبر پہنچی تو فرمانے لگے، "اے ہر خیر والے! انا للہ وانا الیہ راجعون۔❺

د:...... مکحول کہتے ہیں میں نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے زیادہ زاہد اور رب سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔

---

❶ سیرۃ عمر لابن الجوزی: ص ۳۳۸.
❷ فقه عمر: ۱/ ۵۶.
❸ سیرۃ عمر، لابن الجوزی: ص ۳۲۹.
❹ ملامح الانقلاب: ص ۵۶.
❺ فقه عمر: ۱/ ۵۳.

ھ:...... یزید بن حوشب کا قول ہے: ''میں نے حسن بصری اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے زیادہ رب سے ڈرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ [1] یہ لوگ اللہ سے یوں ڈرتے تھے جیسے جہنم انہی دونوں کے لیے بنی ہے۔'' [2]

و:...... اوزاعی بیان کرتے ہیں: ''میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے جنازہ میں تھا، جنازہ کے بعد میں قنسرین کے ارادہ سے نکلا، راستے میں ایک راہب کے پاس سے گزرا تو وہ بولا: میرا گمان ہے کہ تم ان صاحب کا جنازہ پڑھ کر آرہے ہو۔ میں نے کہا، ہاں! اس پر وہ نظریں جھکا کر یوں رویا جیسے بادل برستا ہے۔ میں نے کہا: تم کیوں رو رہے ہو وہ تو تمہارے دین پر نہ تھے۔ وہ راہب بولا: ''میں ان پر نہیں بلکہ اس نور پر رو رہا ہوں جو ان کے جانے کے بعد زمین پر سے بجھ گیا ہے۔'' [3]

ز:...... قیصر روم اور پادری: آپ نے کسی معاملہ میں ملک روم کے پاس گفتگو کے لیے ایک وفد بھیجا اور اسے حق کی دعوت دی، جب وفد وہاں پہنچا تو وہ تخت پر بیٹھا تھا۔ سامنے ترجمان تھا۔ سر پر تاج دائیں بائیں حشم وخدم اور پادریوں کی قطاریں تھیں۔ لوگ حسب مراتب بیٹھے تھے۔ وفد کی یادداشت اس تک پہنچائی گئی۔ قیصر نے حسن سلوک کیا اور اچھا جواب دیا۔ وفد اس دن لوٹ گیا، اگلے سے اگلے دن اس کا قاصد بلانے آیا۔ وفد مہمان خانے سے اس کے پاس گیا دیکھا تو وہ زمین پر بیٹھا ہے۔ اور تاج بھی سر سے اتارا ہوا ہے۔ اور آج وہ منظر بھی نہ تھا جو پہلے دیکھا تھا۔ دربار پر افسردگی چھائی تھی۔ لگتا تھا جیسے کوئی مصیبت آئی ہو۔

قیصر بولا: ''جانتے ہو میں نے تم لوگوں کو کیوں بلوایا ہے۔'' وفد بولا: ''نہیں۔'' قیصر کہنے لگا: ''میرے عرب سرحد پر واقع دوست کا ابھی خط آیا ہے کہ عربوں کا نیک آدمی انتقال کر گیا ہے۔'' یہ سنتے ہی فرط غم سے وفد رونے لگا۔ اس پر قیصر بولا:

''کیا تم اپنے لیے یا اپنے دین کے لیے یا اس کے لیے رو رہے ہو؟''

وفد بولا: ''تینوں باتیں ہی ہیں۔''

اس پر قیصر بولا: اس کے لیے رونے کی ضرورت نہیں۔ رونا ہے تو جتنا چاہے اپنے لیے روؤ، وہ یہاں سے زیادہ خیر کی طرف چلے گئے ہیں۔

وہ رب کی اطاعت چھوڑنے سے ڈرتے تھے تو اللہ ان پر دنیا کا اور اپنا خوف جمع نہ کرے گا۔ مجھے ان کی نیکی اور علم وفضل کے وہ احوال پہنچے ہیں کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی مردے زندہ کر سکتا ہوتا تو میرا گمان ہے کہ وہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تھے۔ مجھے ان کے ظاہر و باطن کی جو خبر ملی ہے میرا گمان ہے کہ ان کا ظاہر و باطن

---

[1] تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۱/ ۵۳۔ [2] صفة الصفوة: ۳/ ۱۵۶۔

[3] سیرة عمر لابن الجوزی: ص ۳۳۱۔

اللہ کے ساتھ ایک ہوگا، اور اس وقت اور بھی زیادہ ایک ہوتا ہوگا جب وہ خلوت میں اپنے رب کی عبادت کرتے ہوں گے، مجھے اس راہب کی عبادت پر (جو ساتھ کھڑا تھا) تعجب نہیں جس نے دنیا چھوڑ کر کنیسہ میں ڈیرہ ڈال لیا۔

لیکن مجھے حیرت اس پر ہے دنیا چل کر جس کے قدموں تلے آئی مگر اس نے دنیا سے منہ موڑ لیا۔ یہاں تک کہ ان راہبوں جیسا ہوگیا، بے شک نیکوکار شریروں کے ساتھ زیادہ دیر تک نہیں رہتے۔'' ❶

۱۲۔ موت کے وقت کی منسوب کرامات:

حسین قصار سے جو ضعیف راوی ہے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ ''میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور خلافت میں بکریوں کا دودھ دوہتا تھا۔ ایک دن میں ایک چرواہے کے پاس سے گزرا جس کی بکریوں میں اس وقت تقریباً بھیڑیے بھی تھے جن کو میں کتے سمجھا۔ میں نے پوچھا: ''او چرواہے! اتنے کتوں کا کیا کرتے ہو؟ بولا: لڑکے! یہ کتے نہیں بھیڑیے ہیں، میں نے کہا: سبحان اللہ! بھیڑیے بھیڑوں میں ہونے کے باوجود انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا رہے۔ ❷

اس قسم کے قصے مبالغہ سے خالی نہیں، سوائے دور رسالت کے، جبکہ ہم نے خلفائے راشدین کے دور میں بھی ایسے کسی قصے کا تذکرہ نہیں سنا کہ بھیڑیے اور بکریاں اکٹھی چرتی ہوں۔ آپ کی وفات کے بعد لوگوں کو خواب میں آپ کے بارے میں اچھی بشارتیں ملیں۔ ہر خاص و عام نے عابد و زاہد اور علماء نے بالخصوص آپ کے مرنے کا بے حد غم کیا۔ ❸

۱۳۔ مرثیے:

الف: کثیر بن عزہ کہتا ہے:

''ان کی نیکیاں بھی عام تھیں، ان کے مرنے کا افسوس بھی سب کو ہوا، ان کی بابت سب کو اجر ملے گا۔ سب نے آپ پر ماتم کیا ہر گھر سے گریہ کی آوازیں آئیں۔ جن کو آپ نے والی نہیں بنایا تھا وہ بھی آپ کا ذکر خیر کر رہے ہیں کیونکہ آپ خیر کے ذکر کے اہل ہیں۔ آپ کی نیکیاں آپ کی زندگی کا نوحہ کر رہی ہیں، اور آپ کے مرنے سے وہ بھی ختم ہوگئیں گویا کہ ان کے پھیلنے سے آپ بھی دنیا میں پھیل گئے تھے۔'' ❹

ب: جریر کہتا ہے:

''موت کی خبر دینے والوں نے ہمیں امیر المؤمنین کے مرنے کی خبر دی، اے سب سے بہتر حج اور

---

❶ مروج الذهب: ۳/ ۱۹۵. ❷ الكتاب الجامع لسيرة عمر: ۲/ ۶۷۰.
❸ البداية والنهاية: ۱۲/ ۷۱۸. ❹ البداية والنهاية: ۱۲/ ۷۱۸.

عمرہ کرنے والے! آپ نے ایک عظیم ذمہ داری اٹھائی اور اس کا حق ادا کیا۔ اے عمر! آپ نے اس میں اللہ کے امر کو قائم کیا۔ آج سورج گرہن میں ہے، روشن نہیں۔ اور رات کے تارے اور چاند آپ پر رو رہے ہیں۔"❶

ج: محارب بن دثار کہتے ہیں:

"اگر کسی پر عدل کی وجہ سے موت نہ آتی ہوتی تو اے عمر! تم پر نہ آتی۔ آپ نے کتنے عادلانہ فیصلے کیے جو فنا کے گھاٹ اتر گئے تھے، آپ نے ان کو زندہ کیا اور لوگ ایک کے بعد دوسرے کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہائے میرے دل کا غم اور میرے ساتھ دوسروں کا غم۔ اس قبر پر جس میں آپ جا اترے ہیں۔ اور آپ جیسے کئی آدمیوں کو قبریں اپنے اندر لے گئیں۔ آپ نے بے حد کوشش کی، لوگوں کو دین پر چلایا۔ اس میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ اور جن سنتوں کی انہیں ضرورت تھی ان کو زندہ کیا۔ اگر یہ بات آپ کے بس میں ہوتی تو آپ ان لوگوں کے پاس مرنے کے بعد بھی صبح وشام آتے۔"❷

اللہ تعالیٰ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ پر رحم فرمائے۔ نیکوکاروں میں ان کے ذکر کو بلند کرے۔ یہ آپ کی پاکیزہ سیرت اور آپ کی تجدیدی اور اصلاحی کاوشوں کا ایک ادنیٰ ذکر ہے، جن میں آپ نے نبوت کے منہج پر چل کر امت کی اصلاح کی کوشش کی۔ اللہ اس سیرت کے تذکرے کو ہمارے لیے محفوظ رکھے۔ راتیں اس تذکرہ کو ضائع نہ کر دیں۔ زمانے کے حوادث اس سیرت کے تذکرے کو ہم سے جدا نہ کر دیں اور نہ صدیوں کا زمانہ اس کو مٹا پائے۔ شاید آگے چل کر کوئی مومن مجاہد اٹھے۔ شاید کوئی حاکم وقت، عالم، قائد یا لیڈر اٹھے اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی پاکیزہ سیرت کو مشعل راہ بنا کر چلے۔ اور یہ بات اللہ کے لیے کوئی مشکل نہیں چاہے وہ ہماری ہی نسلوں سے ہو یا کبھی آئندہ چل کر اس کا ظہور ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

❶ البداية والنهاية ...

❷ ... ۷۱۶

Sayyedna Umar bin Abdul Aziz رحمہ اللہ

Personality & Nobel Deeds

سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ

شخصيته و عصره

آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں کیونکہ آپ کا تعلق خاندان فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے تھا اور آپ کی خلافت "خلافت امویہ" کا اہم حصہ تھی۔ آپ مصلح کبیر، مجدد شہیر، خوف الٰہی سے آراستہ، تواضع، زہد و ورع، حلم و بردباری، عفو و درگزر، صبر و برداشت، حزم و احتیاط، عدل و انصاف کے خوگر اور پیکر تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ مستجاب الدعوات بھی تھے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ کا قول ہے: "عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ امام فقیہ مجتہد، سنن کے عارف، بڑی شان والے، حافظ، اللہ سے ڈرنے والے، گریہ وزاری کرنے والے اور رب کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ حسن سیرت اور قیام عدل میں انہیں اپنے نانا امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ، جبکہ زہد میں حسن بصری اور علم میں زہری رحمہ اللہ کے ساتھ شمار کیا جاتا تھا۔"

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں: "تابعین میں سے جس کا قول حجت ہو، اس بابت میں سوائے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے کسی کو نہیں جانتا اور ان کا قول کافی ہے۔ ..... "جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے محبت رکھتا ہے اور ان کی خوبیوں کو ذکر کرتا اور ان کو پھیلاتا ہے تو جان لو کہ ان شاء اللہ اس کے پیچھے خیر ہی ہوگی۔"

امام زہری رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ ائمہ متقدمین و متاخرین سب کا اس بات پر اجماع ہے کہ "پہلی صدی ہجری کے خاتمہ پر جو شخص مجدد ہو گزرا ہے وہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ہیں۔"

مکحول رحمہ اللہ کہتے ہیں: "میں نے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے زیادہ زاہد اور رب سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔"

مکتبۃ الفرقان خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، گل والا

مکتبۃ الکتاب حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0321-4210145